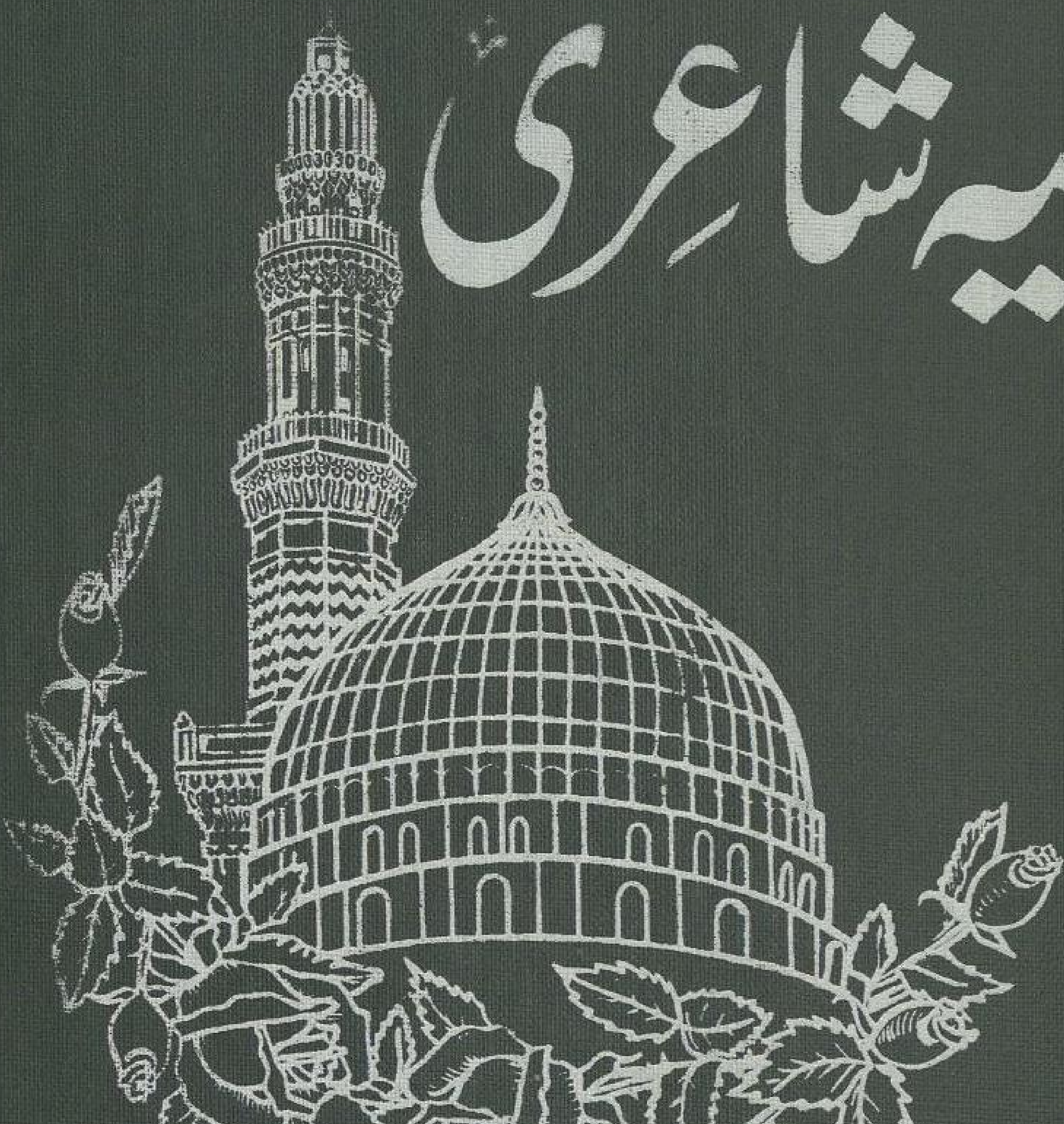
اردو میں نعتیہ شاعری



ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق

اردو اکیڈمی سندھ

اُردو میں نعتیہ شاعری

اُردو میں
نعتیہ شاعری

از

پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق

ایم۔اے (عربی)، بی۔ٹی۔ایچ (علیگ)، ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی (فارسی)، ایم۔اے (اُردو)
پی۔ایچ۔ڈی (ناگپور)

اُردو اکیڈمی سندھ کراچی

اُردو میں نعتیہ شاعری پر یہ پہلا تحقیقی مقالہ

ہے۔ اس پر ناگپور یونیورسٹی نے فاضل مصنّف کو

۱۹۵۵ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی۔

تاریخ اشاعت اکتوبر ۱۹۷۶ء

طابع

علاء الدّین خالد

مطبوعہ

باب الاسلام پرنٹنگ پریس کراچی

فہرست مضامین

	مضمون	صفحہ

صفحہ	مضمون
۱۵۰	(۱۲) سیّد بلاقی
۱۵۱	(۱۳) طپیی
۱۵۲	(۱۴) مختار
۱۵۷	(۱۵) قدرتی
۱۵۸	(۱۶) فتاحی
۱۶۱	(۱۷) قصہ ہرنی کا
۱۶۲	(۱۸) باز و فاختہ
۱۶۳	(۱۹) قصیدۂ معجزہ
۱۶۳	(۲۰) قصیدۂ معجزہ (جنونی)
۱۶۴	(۲۱) نور نامہ
۱۶۶	(۲۲) وفات نامہ سرور کائنات (دریا)
۱۶۷	(۲۳) وفات نامہ سرور کائنات (امامی)
۱۶۸	(۲۴) شمائل النبیؐ (عبدالمحمد تحرین)
۱۶۹	(۲۵) ولی
۱۷۰	باب چہارم قدما کا دور
۱۷۹	سراج
۱۸۱	سودا
۱۸۹	نوازش علی شیدا
۱۹۶	باقر آگاہ
۲۱۹	باب پنجم نظیر اکبر آبادی

مضمون		صفحہ
بابِ ششم	متوسطین کا دور	۲۲۳
	مولوی کرامت علی خاں شہیدی	۲۲۵
	حکیم مومن خاں مومن	۲۳۲
	راجہ مکھن لال مکھن	۲۴۳
	لطف علی خاں لطف	۲۴۷
	نواب اختر محل اختر	۲۶۴
	مولوی غلام امام شہید	۲۶۷
	منشی شنکر لال ساقی	۲۷۵
بابِ ہفتم	متاخرین کا دور	۲۸۱
	امیر مینائی	۲۸۳
	سید محمد محسن کاکوروی	۳۱۱
	شائق حیدر آبادی	۳۳۸
	صحو (متوفی ۱۳۲۴ھ)	۳۴۸
بابِ ہشتم	دورِ جدید اور اس عصر کے دیگر شعراء	۳۵۳
	خواجہ الطاف حسین حالی	۳۵۵
	مولانا شبلی	۳۶۰
	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	۳۸۰
	نظم طبا طبائی	۳۹۲
	حمزہ	۴۰۶
	معلی	۴۱۲

مضمون	صفحہ

صفحہ	مضمون

دیباچہ

اُردو میں نعت گوئی ایک ایسا موضوع ہے جو اربابِ علم و ادب کی توجہ سے تاحال محروم رہا ہے۔ یوں مذہبی شاعری کے ضمن میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے لیکن اُردو شاعری میں اس کی عظمت کا بیان کسی کے قلم سے پیش نہیں کیا گیا۔ تذکروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اندازہ کماحقہ اب تک نہیں ہوا کہ اردو ادب کا یہ باب اس قدر مہتم بالشان اور درخشاں ہے۔

میں نے اپنی اس تحقیق کے سلسلے میں عربی فارسی اور ترکی نعتیہ ادب کی بھی چھان بین کی ہے تاکہ اسلامی ادب میں نعتیہ شاعری کے فروغ کا اندازہ ہو سکے۔ ترکی زبان میں کم اور عربی و فارسی میں نعتیہ ادب کا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے۔ لیکن اس کو تنقیدی نظر سے پرکھنے کی تاحال کوشش نہیں کی گئی اور نہ تاریخ ادب میں اس کی حیثیت کو اجاگر کیا گیا۔ زکی مبارک مصری نے عربی زبان میں صوفیانہ شاعری کے ضمن میں "المدائح النبویہ" کو بھی شامل کیا ہے لیکن اس میں عربی کے چند ممتاز نعت گو شعراء کے تذکرے کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔ فارسی میں بھی نعت گوئی کے متعلق کوئی تصنیف منظرِ عام پر نہیں آئی۔ اس لحاظ سے

یہ مقالہ نہ صرف اردو ادب میں بلکہ اسلامی ادب میں پہلی اور نادر کوشش ہے جو اس صورت میں ہدیۂ ناظرین ہے۔

یہ مقالہ جہاں اُردو کے نعت گو شعراء کا تذکرہ ہے وہاں اردو شاعری کے مختلف ادوار میں نعت گوئی کی تاریخ بھی ہے اور اسلامی ادب میں نعت کی اصل، اس کی اہمیت اور اس کے آغاز اور ارتقاء کا بیان بھی ہے۔ اس میں قرآن اور حدیث کے نعتیہ مضامین کو مختصراً بیان کر کے عربی فارسی اور اردو نعت کو تقابلی صورت میں بھی اجمالاً پیش کیا گیا ہے۔ نیز نعت پر عجمی اثرات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس مقالے میں شعراء کی طبقہ واری تقسیم ادوار کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ دبستانی تقسیم کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ ساتھ ہی ہر دور کے شعراء کے کلام پر تبصرے سے پہلے اس دور کی عام خصوصیات کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

یہ مقالہ اُردو شاعری کے روزِ آفرینش سے دورِ حاضر تک کی نعتیہ شاعری کا جائزہ ہے۔ اس میں صرف اُن شعراء کو شامل کیا گیا ہے جو نعت گوئی میں مستقل حیثیت رکھتے ہیں اور جنھوں نے اس کی طرف خاص توجہ کی ورنہ یوں تو نعتیہ اشعار تقریباً ہر چھوٹے بڑے شاعر کے کلام میں لازماً پائے جاتے ہیں۔ اس مقالے میں اردو ادب کے مشہور شعراء کے علاوہ کئی شعراء ایسے بھی ہیں جن کا ذکر ادبی تذکروں اور تواریخ میں نہیں ملتا، گو ان کی حیثیت نعت گوئی میں مستقل اور ممتاز ہے۔ ان کا مقام ادبی حیثیت سے کیا ہے، اس کا جواب ان کے کلام پر تبصرہ میں ملے گا۔

شعراء کے حالات پیش کرنے میں زیادہ تر اختصار سے کام لیا گیا ہے

اور جہاں بھی زندگی کے حالات درج ہیں ان کا تعلق عموماً شاعر کے نفسیاتی رجحانات سے رکھا گیا ہے۔ جن شعراء کے کلام پر بحث کی گئی ہے ان کی تصانیف کا گہرا مطالعہ کیا گیا۔ کلام پر تبصرے کے ساتھ نمونۂ کلام اس قدر ضرور پیش کیا گیا ہے کہ کلام کی قدر و قیمت کا اندازہ ان نمونے کے اشعار سے بخوبی ہو جائے۔ اس تبصرے کے ساتھ دیگر ناقدین کی رائے کو بھی جا بجا شامل کر کے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس وجہ سے تبصرہ اکثر طویل ہو گیا ہے۔ جن شعراء کا کلام شائع نہیں ہوا ان کے قلمی نسخوں کا مطالعہ کیا گیا۔ چنانچہ جو قلمی نسخے اس سلسلہ میں نظر سے گزرے ان کی تفصیل فہرست ماخذ میں درج ہے۔ اس کے علاوہ وہ تمام تذکرہ جات، تواریخ، دواوین، تنقیدات اور دیگر کتابیں جو اس مقالے کی تیاری میں پیش نظر رہی ہیں، ان کے نام فہرست میں شامل ہیں۔

فہرست مطالب

باب اوّل

اصلاحی نعت۔

بابِ دوم

اُردو نعتیہ شاعری کے ماخذ۔ عربی نعت۔ فارسی نعت۔ نعت گوئی پر ہندوستانی صنمیات کا اثر۔

عربی نعت کی ابتدا اور اس کا ارتقاء: حضرت حسانؓ بن ثابت۔ حضرت علیؓ۔ حضرت کعب بن زہیر۔ وہ فقرات جو عربی کے ابتدائی دَور کے نعت گو شعرائنے حضورؐ کی شان میں استعمال کیے۔ نعت اور منقبت میں تعلق۔ الکمیت۔ دعبل۔ الشریف الرضی اور مہیار کی منقبتِ اہل بیت کا نعتیہ پہلو۔ بردۃ البوصیری اور اس کے اثرات نعتیہ ادب پر۔

فارسی نعت: ابو سعید ابوالخیر کا نعتیہ کلام۔ فریدالدین عطار۔ نظامی۔ خاقانی۔ مولانا رومی۔ شیخ سعدی شیرازی۔ امیر خسرو۔ جامی۔ عرفی۔ قدسی۔ اقبال۔ فارسی نعت کا اثر اردو نعتیہ شاعری پر۔

اُردو نعت گوئی پر ہندوستانی صنمیات کا اثر: اسلامی ادب پر عجمی اثرات۔ ہندوستان میں اصنام پرستی کے عقائد اور تصوف کے زیرِ اثر مسلمانوں کے عقائد پر ان کا اثر۔ مہا بھارت اور رامائن میں دیوتاؤں کی مدح سے متعلق مضامین اور اردو نعتیہ مضامین سے ان کی مماثلت یا مشابہت۔ بھکتی تحریک اور اس کے اثرات۔ مسلمانوں کے عقائد پر۔ اللہ کی صفات میں حضورؐ کو شامل کرنے کی طرف عام رجحان۔ فوق العادت تصورات سے لگاؤ۔ لہٰذا معراج کے بیان کا مرغوب خاطر ہونا۔ اولیائے کرام رح کی منقبت میں بھی شعراء کی عقیدت مندی کا غیر اسلامی اظہار۔ ہندوستانی

شاعری کی خصوصیات نعتیہ شاعری ہیں ۔ عورت کی زبان میں حضورؐ سے عشق و محبت کا اظہار ۔ ہندوستانی ماحول کا نقشہ نعتیہ ادب میں ۔ نعت میں ہندوستان کی مذہبی اصطلاحوں اور ہندی الفاظ اور ترکیبوں کا بلا تکلف استعمال ۔

بابؑ سوم

اُردو نعت گوئی : آغاز ۔ قدیم دَور کے اردو نعت گو شعراء ۔ حضرت سید محمد حسینی ۔ سیّد محمد اکبر حسینی ۔ نظامی ۔ صدرالدین ۔ عبدالملک بہروچی ۔ سلطان محمد قلی قطب کی نعتیہ شاعری ۔ مُلّا وجہی ۔ غواصی ۔ صنعتی ۔ ابن نشاطی ۔ نصرتی ۔ سیّد بلاقی ۔ طبیعی ۔ مختار ۔ قدرتی ۔ فتاحی ۔ قصہ ہرن کا ۔ بازو فاختہ ۔ قصیدۂ معجزہ ۔ قصیدۂ معجزہ (جنونی) نور نامہ ۔ وفات نامہ سرورِ کائناتؐ (دریا) وفات نامہ سرورِ کائناتؐ (امامی) شمائل النبیؐ (عبدالمحمد تزین) ولی ۔

بابؑ چہارم

قدما کا دَور

اس دَور کی خصوصیات :

سراج اورنگ آبادی ، حالات ۔ نمونۂ کلام ۔ تبصرہ ۔

سودا ، مختصر حالاتِ زندگی ۔ نمونۂ کلام ۔ تبصرہ ۔

نوازش علی شیدا ، حالات ۔ مثنوی اعجاز احمدی پر تبصرہ ۔ نمونۂ کلام ۔

مولانا باقر آگاہ ، حالات وواقعات ۔ اُردو نعتیہ ادب میں آگاہ کی

بابِ پنجم

بابِ ششم

متوسطین کا دور

مولوی غلام امام شہید، سوانح حیات۔ شہید کی تصانیف۔ نعت گو شعراء میں ان کا مرتبہ۔ نعتیہ شاعری میں شہید کا اجتہادی رنگ۔ کلام پر رائے۔

منشی شنکر لال ساقی، حالات۔ کلام پر رائے اور نمونہ کلام۔

بابِ ہفتم

متاخرین کا دور

اس دور کی خصوصیات پر عمومی تبصرہ۔ متاخرین نعت گو شعراء۔

امیر مینائی: حالات اور واقعات۔ نعتیہ شاعری کی طرف امیر کا میلان طبع۔ صنم خانۂ عشق میں نعتیہ اشعار۔ نعتیہ کلام کا مجموعہ۔ محامد خاتم النبیین۔ نعتیہ قصائد پر تبصرہ۔ نعتیہ غزلیں۔ کلام کی والہانہ کیفیت۔ بے قراری اور نیاز مندی کے مضامین۔ شوق زیارت۔ نعتیہ اشعار کا ڈرامائی انداز۔ امیر کی مشہور و مقبول نعتیہ غزلیں۔

محسن کاکوروی: حالات زندگی۔ نعت گوئی کی طرف فطری رجحانات۔ کلام پر عبدالسلام ندوی اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی رایوں میں تضاد اور ان کا تجزیہ۔ نعت گو شعراء میں محسن کی انفرادیت۔ کلام میں صداقت۔ خلوص۔ محبت اور وارفتگی۔ لفظی صناعی میں الفاظ کے انتخاب کا اعجاز۔ تشبیہوں اور استعاروں کی ندرت اور لطافت۔ حسن تعلیل کی مسلسل اور حسین صورتیں۔ تخیل کی بلندی اور رعایت لفظی کی حیرت انگیز پابندی۔ قرآن اور احادیث کے مضامین

کا دلآویز شاعرانہ بیان۔

محسن کی قصیدہ گوئی۔ 'قصیدہ مدیح خیر المرسلین' کی تشبیب کے محاسن و معائب۔ محسن کے نعتیہ کلام میں ہندوستانی عنصر۔ محسن مثنوی نگار کی حیثیت سے۔ نعتیہ غزل کا نمونہ۔ نعتیہ رباعیاں کہیں کہیں رعایت لفظی میں غلو اور کلام کی ناہمواری۔

شایق حیدر آبادی: حالات۔ نعتیہ بیان میں تغزل کا غلبہ۔ زبان کی سادگی سلاست اور روانی۔ بیقراری اور وارفتگی کے مضامین۔ نعت میں ہندوستانی عنصر۔ نعتیہ ٹھمریاں۔ کلام کی بعض ناہمواریاں۔

صحو ابو العلائی: مختصر سوانح حیات۔ کلام پر رائے۔ نمونہ کلام۔

باب ہشتم

دورِ جدید اور اس عصر کے دیگر شعراء

اس دور کی خصوصیات۔ سنہ ۱۸۵۷ء کے رستخیز بیجا کے عام احساس کی بیداری۔ ادب میں حقیقت پسندی کا دور دورہ۔ تاریخی، سیاسی، اخلاقی اور نیچرل مضامین کی طرف رجحان۔ نعت میں اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلوؤں کا بیان۔ دورِ جدید کا اثر دورِ حاضر پر۔

مولانا حالی: زندگی کے حالات اور واقعات۔ حالی کی شاعری کے ارتقائی مدارج۔ ان کے نعتیہ قصیدے۔ 'مدح غائبانہ' میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق۔ فیوض و برکات وغیرہ کا ذکر۔ حالی کی نظر میں زندگی کی شیرازہ بندی کی صورت۔ اتباعِ رسولؐ میں۔

حالی کی نعت گوئی کے متعلق مولانا سلیمان ندوی کی رائے۔ نعت میں سیاسی، تاریخی اور اخلاقی مضامین۔ بیان کی سادگی اور زبان کی صفائی۔ مسدس حالی کے نعتیہ بندوں کے متعلق نواب صدر یار جنگ بہادر حبیب الرحمٰن شروانی کی رائے۔ نعت میں حضورؐ کے حقیقی اوصاف کا بیان۔ اسلوب کی ندرت اور مضامین کی صداقت۔ کلام میں خلوص، محبت، درد اور تڑپ۔ حالی کی نعتیہ شاعری کے اثرات اقبال اور دیگر شعراء کے کلام پر۔

مولانا شبلی نعمانی: حالات و واقعات۔ تصانیف۔ نعتیہ شاعری کا رنگ۔ سیرت نگاری۔ اخلاقی اور تاریخی مضامین کا بیان۔ کلام کا مؤثر انداز۔ شبلی کی نعتیہ شاعری پر ان کے سیاسی طرز فکر کا اثر۔ نعتِ رسولؐ کا مقصد اولین اصلاح امت۔ حُبِّ رسولؐ کے مضامین۔ حقیقی اوصاف کا بیان۔ خاتمہ بالخیر۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی: حالات۔ مولانا کے نعتیہ کلام میں مشکل پسندی کے نمونے۔ سنگلاخ زمینوں میں نعتیہ اشعار۔ مولانا کا تبحر علمی۔ محاورات کی کثرت۔ نعتیہ قصیدوں کی خصوصیات۔ علم ہیئت اور نجوم کی اصطلاحات کا استعمال۔ مترنم بحریں۔ شگفتہ مضامین۔ لطیف استعارات اور بدیع تلمیحات۔ جذبات نگاری اور عقیدت مندی۔ کلام کی نمایاں خصوصیات۔ نعتیہ غزلوں اور قصیدوں کی عام مقبولیت۔

نظم طباطبائی: سوانح حیات۔ نعتیہ شاعری کی اصلاح میں نظم کا حصہ۔ نعتیہ قصائد۔ نعت میں تاریخی اور اخلاقی مضامین۔ نمونۂ کلام۔

تبصرہ۔

حمزہ : حالات وواقعات۔ حمزہ کی نعت گوئی۔ سوز وگداز۔ مشکل زمینوں میں اچھے مضامین، قصیدوں میں واعظانہ رنگ۔ عوام میں حمزہ کے نعتیہ کلام کی مقبولیت۔ نعت میں ہندوستانی عنصر۔ حمزہ کی نعتیہ ٹھمریاں۔

محمد مظفرالدین معلّی : زندگی کے حالات۔ معلّی کے کلام پر مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کی رائے اور جلیلؔ کے قطعے۔ نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق معلّی کا خواب۔ نمونہ کلام۔ تبصرہ۔

بابِ نہم

دَورِ حاضر

دَورِ حاضر کی خصوصیات : دَورِ حاضر دَورِ جدید کی حسین ترین صورت۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کی اصلاح کی تحریکیں اور ان میں نعتیہ شاعری کا حصہ۔ اس دَور کے شعراء کا سنجیدہ انداز۔ زبان کی صفائی اور ترکیبوں کی خوش آہنگی۔ نعتیہ شاعری کا حکیمانہ اور مصلحانہ رنگ۔

عزیزؔ لکھنوی : سوانح حیات۔ عزیزؔ کے نعتیہ قصائد اور ان کی خصوصیات عقیدت مندی اور خلوص۔ الفاظ کے حسن انتخاب اور ترکیبوں کی خوش آہنگی سے تقدس کی فضا۔ طرزِ ادا کی ندرت۔ زبان کی صفائی اور سلاست۔ مدح نبیؐ میں حسن وعشق کے مکالمے کی حسین صورتیں۔ کلام میں رنگ تغزل کا غلبہ۔ حضور انور صلی اللہ

علیہ وسلم کی جمالی شان سے زیادہ جلالی شان کا بیان - مترنم بحریں -
کہیں کہیں بعید از فہم معنویت اور مذہبی تلمیحات کی دشواری -

علامہ اقبال : حالات - اقبال کی تعلیمات کا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
ذات - آپؐ سے شاعر کا عشق - کلام میں حکمت آفرینی - فلسفۂ
خودی کی وضاحت میں شانِ مصطفائیؐ کا بیان - نعتِ رسولؐ
کا نیا اور نرالا انداز - حضورؐ کے جمال و جلال کے بیان کی دلاویز صورتیں

مولانا ظفر علی خاں : سوانح حیات - تصنیفات - مولانا کی شاعری میں ان
کی زندگی کے تاثرات - ان کے نعتیہ کلام کے متعلق شورش کاشمیری
کی رائے - نعت میں حقیقی اوصاف کا بیان - قرآن اور حدیث کے
مضامین - حالی کی نعت گوئی کا اثر مولانا ظفر علی خاں کے نعتیہ کلام
پر - نعتیہ کلام میں سیاسی رنگ کا غلبہ - شاعر کی نظر میں حقیقتِ
احدیت اور حقیقتِ محمدیؐ - حُبِ رسولؐ - ذرہ نوازی کے مضامین -
تصدق اور جاں نثاری کے جذبات - کلام کی اثر آفرینی - نعتیہ کلام کی
مقبولیت -

سید امجد حسین امجد حیدر آبادی : حالات و واقعات - تصانیف - شعر اور
شاعری کے متعلق امجد کا نظریہ - امجد کی نعتیہ شاعری - حُبِ رسولؐ
کے مضامین کی کثرت - شیفتگی، بیقراری اور جذب و شوق کی فراوانی
کلام کا حکیمانہ اور متصوفانہ رنگ - عشق رسولؐ میں رشک کے
مضامین - تشبیہوں اور استعاروں کی سادگی - آپؐ کے اوصاف
کے مضامین میں قرآنی مضامین - امجد کی نعتیہ شاعری میں ہندوستانی
عنصر -

مہاراجہ کشن پرشاد شاد : زندگی کے مختصر حالات۔ شاد کی نعت گوئی کے متعلق اختر مینائی کی رائے۔ نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

سید افضل شاہ خان طوفان : حالات۔ کلام پر رائے۔ نعتیہ کلام میں تغزل کی کارفرمائی۔ حسن تعلیل کی اچھی مثالیں۔ حقیقی جذبات کی ترجمانی۔ سنگلاخ زمینوں میں اچھے مضامین۔ کلام میں بعض مقامات پر سقم۔

محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت : سوانح حیات۔ تصانیف۔ حسرت کا خیال اپنی شعر گوئی کے متعلق۔ نعت میں عظمت رسولؐ کا بیان۔ خلوص و محبت کی ترجمانی۔ حقیقی اوصاف۔ کلام میں مولانا کے تبحر علمی اور تصوف سے لگاؤ کا جابجا ثبوت۔ حسرت کی نعتیہ ٹھمریاں۔

نواب فصاحت جنگ جلیل : حالات زندگی۔ جلیل کا نعتیہ کلام اور اس کی خصوصیات۔ رنگ تغزل۔ حضورؐ کی محبت میں بے خودی، شیفتگی اور بے قراری کے مضامین۔ زبان کی سلاست، روانی اور سادگی۔ طرزِ ادا کی ندرت اور محاورہ بندی کی دلآویزی۔ ترنم ریز بحریں۔ جذبات کے اظہار میں بارگاہ رسالت کے آداب کا لحاظ اور سلجھے ہوئے انداز میں حقیقی اوصاف کا بیان۔

اکبر میرٹھی : مختصر حالات۔ تصانیف۔ میلاد اکبر کی شہرت اور مقبولیت نعتیہ اشعار میں قرآنی مضامین اور قرآنی قوافی۔ حضورؐ سے خلوص اور عقیدت کا والہانہ انداز۔ کلام کی استادانہ فنی خوبیاں۔ حسنِ تعلیل کے محاسن۔ تبحر علمی کا جابجا ثبوت۔ زبان کی سلاست و روانی اور بندش کی چستی و صفائی۔

دلورام کوثری : حالات و واقعات۔ کلام پر رائے۔ نمونۂ کلام۔

سیّد محمد ہادی، ہادیؔ : حالات و واقعات۔ ہادیؔ کی نعت گوئی پر صفیؔ لکھنوی کی رائے۔ نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

زاہدہ خاتون: حالات۔ نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

الیاس برنی: حالات۔ اپنی شاعری کے متعلق برنی صاحب کی رائے۔ نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

حفیظ جالندھری: مختصر حالات اور واقعات۔ جدید نعتیہ شاعری کا اثر حفیظؔ کے کلام پر۔ حفیظؔ کی عظمت کا دارومدار شاہنامۂ اسلام پر۔ نعتیہ ادب میں شاہ نامہ کا درجہ۔ نعت گوئی کے لوازم اور کلام میں ان کی پابندی کا حیرت انگیز التزام۔ حفیظؔ کی مشکلات تاریخ اور سیرت نگار کی حیثیت سے۔ نعتیہ کلام کی خصوصیات۔ اثر آفرینی۔ بیان کی ڈرامائی کیفیت۔ حُبِّ رسولؐ۔ وصفِ رسولؐ میں قرآن اور حدیث کے مضامین کا شاعرانہ بیان۔ حضورؐ کے جلالی اور جمالی دونوں پہلوؤں کا حسین نقشہ۔ صاف اور واضح تشبیہیں۔ لطیف استعارے۔ سادہ زبان۔ دلآویز اندازِ بیان۔ واقعات کی پُرعظمت سادگی میں تخیل کی حسین رنگینی۔

بہزاد لکھنوی: بہزادؔ کے خودنوشت حالاتِ زندگی۔ نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

ماہر القادری: ماہرؔ کے خودنوشت حالات۔ ماحول اور تربیت کا اثر ان کی نعتیہ شاعری پر۔ اپنی نعت گوئی پر ماہرؔ کا تبصرہ۔ ماہرؔ کی نعتیہ شاعری کا اصلاحی رنگ اور حکیمانہ انداز۔ حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کو پیش کرنے میں تبلیغی مقصد۔ اس لئے اخلاقی مضامین کا بیان تاریخ کی روشنی میں۔ حضورؐ کی ثناء میں قرآنی اوصاف کا بیان

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تصدق کے جذبات کی جاندار اور موثر ترجمانی۔ والہانہ جذب و شوق کے اظہار میں بارگاہ رسالت کے آداب کا انتہائی لحاظ اور حضورؐ کے اوصاف کے بیان میں تصوف کی زبان کے استعمال سے پرہیز۔ زبان سادہ اور الفاظ و ترکیبیں خوش آہنگ۔ بیان شگفتہ۔ بحریں اکثر مترنم۔

نور جہاں نور: مختصر حالات۔ تبصرہ۔ نمونۂ کلام۔

انیسہ شروانیہ: حالاتِ زندگی۔ حضورؐ سے الفت اور محبت کے مضامین نعت میں رنگ تغزل کی فراوانی۔ فراقِ نبیؐ میں بے قراری کا اظہار۔ کلام میں سوز و گداز۔ بیان میں سادگی۔ زبان سادہ اور صاف۔ داخلی جذبات کے اظہار کے ساتھ اوصاف کا بیان۔

عرش ملسیانی: عرش کے خود نوشت حالاتِ زندگی۔ تصانیف۔ نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

رسول جہاں بیگم بیدل: حالات۔ بیدل کی نعت گوئی کا مصلحانہ انداز۔ وصفِ نبیؐ میں قرآن اور حدیث کے مضامین۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوص اور محبت کا مودبانہ اظہار۔ نعت میں قومی شاعری کا رنگ۔ عورتوں پر حضورؐ کے احسان کا ذکر۔

حمید لکھنوی: حمید کی زندگی کے خود نوشت حالات و واقعات۔ کلام پر حضرت جگر مرادآبادی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور حضرت امجد حیدر آبادی کی رائے۔ حضورؐ سے شاعر کا خلوص و

محبت اور اس کی والہانہ ترجمانی۔ وصف نبیؐ میں آپؐ کے
حسن وجمال کا نشاط انگیز نقشہ۔ جوش تمنا اور وفور شوق
کا انداز تغزل۔ ہر جگہ جذب وشوق کا نیاز مندانہ اظہار۔
انتہائی بے خودی اور سرمستی کے عالم میں بھی بارگاہ نبوت
کے آداب کا ہر لحظہ لحاظ۔ زبان شیریں۔ بیان صاف اور
شگفتہ۔ انداز عاشقانہ۔ دلآویز ترکیبیں۔ مترنم بحریں۔

نوشابہ خاتون: حالات۔ نمونۂ کلام۔ کلام پر رائے۔

تہنیت النساء بیگم صاحبہ: حالات وواقعات۔ نمونۂ کلام۔
تبصرہ۔

مقالے کا خلاصہ۔

باب اوّل

(الف) نعت کی تعریف

" النعت وصف الشئی بما فیه من حسن ماله الجلیل ولایقال فی المذموم الا بتکلّف متکلّف فیقول نعت سوء۔ فاما الوصف فیقال فیهما ای فی المحمود والمذموم"

(الحافظ ابو موسیٰ)

یعنی نعت وصف محمود کو کہیں گے ۔ اگر بتکلف اس میں وصف مذموم کا مفہوم پیدا کرنا ہو تو "نعت سوء" سے اسے ظاہر کریں گے۔ نعت جب وصف محمود ہے تو وصف کیا ہے؟ وصف کے معنی ہیں کشف اور اظہار۔ شاعرانہ اصطلاح میں وصف کسی چیز کے عوارض اور اس کی خصوصیات کو نمایاں کرنے کو کہتے ہیں ۔

---

(۱) جامع الترمذی۔ مطبوعہ مطبع اصح المطابع لکھنؤ سنہ ۱۳۱۷ھ صفحہ ۵۶۸ حاشیہ ۳ -

میرمعزی۔ جاوید ہمیں باش باین نعت وباین وصف
پاکیزہ باخلاق وپسندیدہ بہ افعال
وصفش ہمہ تقدیس زپیوندو زفرزند
نعتش ہمہ تنزیہہ ز امثال وزاقران

ابن قدامہ کے نزدیک "بہترین وصف شعار شاعر وہ ہے جو اپنے شعر میں ان اوصاف کے اکثر حصے لائے جن سے موصوف مرکب ہے۔ اس کے بعد وہ اوصاف اس قسم کے ہوں جو موصوف میں زیادہ نمایاں ہیں اور اس کے ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتے ہیں[۱]"

ابن رشیق نے جو وصف کی تعریف کی ہے وہ نہایت بلیغ اور جامع ہے۔

"ابلغ الوصف ما قلب السمع بصراً" بلیغ ترین وصف وہ ہے جو کان کو آنکھ بنادے۔

نعت کے معنی یوں تو وصف کے ہیں لیکن ہمارے ادب میں اس کا استعمال مجازاً صرف حضرت رسولِ کریم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف محمود وثنا کے لئے ہوا ہے جس کا تعلق دینی احساس اور عقیدت مندی سے ہے۔ لہٰذا اسے خالص دینی اور اسلامی ادب میں شمار کیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں نعت کے لفظ کا پہلے پہل استعمال

نعت کا لفظ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے غالباً اسلامی ادب میں اس معنی میں اس کا استعمال پہلی دفعہ کیا گیا ہے۔ اس

---

[۱] شعر الہند حصہ دوم صفحہ ۳۸۹ (مولانا عبد السلام ندوی) مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڑھ۔

حدیث میں آپؐ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے بجائے واصف کے ناعت استعمال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

من رآہ بداھۃ ھابہ۔ ومن خالطہ معرفۃ احبّہ یقول ناعتہ لم ارء قبلہ ولا بعدہ مثلہ صلی اللہ علیہ وسلم (شمائل ترمذی صفحہ ۵۶۷)	آپ پر یکایک جس کی نظر پڑتی ہے ہیبت کھاتا ہے۔ جو آپ سے تعلقات بڑھاتا ہے، محبت کرتا ہے۔ آپ کا وصف کرنے والا یہی کہتا ہے کہ آپ سے پہلے نہ آپ کے جیسا دیکھا اور نہ آپ کے بعد آپ کے جیسا دیکھا۔

(ب) مضامین نعت کے ماخذ: (۱) قرآن (۲) حدیث

(۱) قرآن

قرآنِ مجید جس طرح اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اسی طرح وہ اسلامی ادب کی بھی پہلی کتاب ہے۔ اس میں رسُولِ مقبول صلعم کی نعت کے مضامین ملتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے خُلقِ محمدیؐ کی تعریف میں "خلقہ القرآن" کہہ کر ساری کتاب آسانی کو نعت کے موضوع سے متعلق کر دیا۔ اس پر تفصیلی بحث کا یہ موقع نہیں ہے۔ یہاں صرف ان اوصاف کا ذکر کیا جائے گا جو آپؐ کے دیگر اوصاف کی بنیاد ہیں مثلاً عبدیت۔ رسالت۔ محبوبیت۔ بنی آدمؑ سے آپ کی رافت و رحمت۔ دیگر انبیائے کرامؑ پر آپؐ کی فضیلت وغیرہ۔

ـــــــــــ

۵۱ جامع الترمذی۔ صفحہ ۵۶۷۔

(۱) **عبدیت:** قرآنِ مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت عبدیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ شرف کی زیادت صرف وصف عبدیت کے کمال پر منحصر ہے۔ رشتۂ عبدیت جس قدر قوی ہوتا جائیگا اسی قدر شرف بھی بڑھتا جائے گا۔ آپؐ کا یہی کمال ہے جس کی بنا پر آپؐ ساری مخلوق میں یکتا ہیں۔ محبوبیت میں یکتا ہیں اور مقام محمود آپ کو حاصل ہے۔

عبدیت کی صفت پر جو قرآن مجید نے اس قدر زور دیا ہے اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ بندگان حق کی عظمت کے مسئلہ میں فہم انسانی نے اکثر دھوکا کھایا ہے اور عبد کو معبود کا درجہ دے دیا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیز علیہ السلام نیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہم کے باب میں مخلوق اسی کج فہمی کا شکار ہوئی لیکن قرآنی تعلیم کی شان ہے کہ باوجود معجزات اور خوارق عادات کی کثرت کے اور گوناگوں فضائل کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو کسی نے اس وصف سے متہم نہیں کیا گویہ امر بھی مسلّم ہے کہ آپ کی ذات سے آپ کی اُمّت کی الفت ومحبت جو والہانہ کیفیت رکھتی ہے وہ کسی اور نبی علیہ السلام کی اُمّت کو نصیب نہیں ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے بھی اپنی اس عبدیت ہی پر افتخار فرمایا۔ معراج کے بیان میں یہ نکتہ بڑی وضاحت سے سامنے آتا ہے کہ کمال رفعت صرف اس بناء پر تھا کہ اس سعادت کی ساعت میں جو خطاب آپ کو رب کی طرف سے عطا کیا گیا وہ یہی "عبد" ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا۔

(ترجمہ: وہ پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تاکہ دکھلائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے)۔ (القرآن ۱۷/۱)

(۲) رسالت : لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (القرآن ۹)

(ترجمہ : آیا ہے تمہارے پاس رسُول تم میں کا۔شاق ہے اس پر جس سے تم کو تکلیف پہنچے حریص ہے تمہاری بھلائی پر ایمان والوں پر نہایت شفیق مہربان ہے۔)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا رسُولؐ آیا کہ جسے تم خود جانتے ہو اس کی منزلت کو پہچانتے ہو۔ اس کے صدق کا یقین رکھتے ہو اور اس کے امین ہونے پر خود شاہد ہو۔ اگر ہم انفسکم کے فاء کو بالفتح پڑھیں جیسا کہ بعض نے پڑھا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ وہ رسُولؐ جو تم میں اشرف ترین، بلند ترین اور افضل ترین ہے۔ آپ کے وصف میں یہ مدح انتہائی ہے جو کسی کی کی جا سکتی ہے۔ حریص فرما کر خداوند تعالیٰ نے آپؐ کی اس رافت و رحمت کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ کو اللہ کی مخلوق کے ساتھ تھی۔ یہ ثنا، آپؐ کی بکثرت کی گئی ہے کہ دنیا کو گمراہی میں دیکھ کر مضطرب قلب ہمیشہ پیچ و تاب کھاتا رہا کہ کاش دنیا اس رشد و ہدایت کی دولت سے محروم نہ رہتی جسے پروردگار عالم نے آپ کو عطا فرمائی تھی۔ بالمؤمنین رؤف الرحیم کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں سے دو صفات بخشی ہیں۔ آپ کے یہ اوصاف ایک جگہ نہیں کئی جگہ بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً

(۱) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (القرآن ۳/۱۵۹)	اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسُولؐ انہی میں کا۔
(۲) هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (القرآن ۶۲/۳)	اللہ وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسُولؐ انہی میں کا۔

(۳) كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ (القرآن ۲/۱۴۶) — جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسولؐ تم ہی میں کا۔

جعفر بن محمد نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ اپنی مخلوق کے عجز سے خوب واقف تھا جو انہیں اللہ کی اطاعت میں لاحق ہوتا لہذا اس نے ایک ایسا پیغمبر بھیجا جو مخلوق ہی کی جنس سے تھا اور اسے رافت و رحمت کی صفات سے نوازا۔ اور اس کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔

مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (القرآن ۴/۸۳) — جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا۔

(۴) رحمۃٌ للعالمین۔ اس کے ساتھ آپ کو جمال رحمت سے زینت بخشی چنانچہ آپ کا وجود رحمت ہے۔ آپ کی تمام صفات رحمت ہیں۔

مَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (القرآن ۲۱/۱۰۸) — اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر جہان کے لوگوں پر۔

حتیٰ کہ آپ کی زندگی اور آپ کا عالم برزخ میں منتقل ہو جانا دونوں رحمت ہیں آپ نے خود ارشاد فرمایا: حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ

قال علیہ السلام إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ رَحْمَةً بِأُمَّةٍ قَبَضَ نَبِيَّهَا قَبْلَهَا فَجَعَلَهُ لَهَا فَرَطًا وَسَلَفًا۔

آپؐ کی ذات کا رحمت عالم بن کر جلوہ گر ہونا صرف آدمؑ کی اولاد ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ جن و انس اور تمام مخلوق کے لئے ہے۔ جہاں مومنین کے لئے آپ چشمۂ ہدایت ہیں تو منافقین کے لئے بھی امان ہیں اور کافرین کے لئے تاخیر عذاب کا باعث بن کر رحمت ہیں۔ جن و انس کے علاوہ کائنات کے لئے اس طور پر رحمت ہیں کہ بزم ہستی کی آراستگی اس رحمت سے ہے کہ آپ ہی ساری کائنات کے وجود کا حاصل ہیں۔

(۴) **نورِ محمدیؐ**: زندگی کی تاریکیوں کو روشن کرنے والی ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ نے نور سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ صفت بھی اللہ ہی کی ہے۔ جو اس نے اپنے بندے کو بخشی ہے۔ ارشاد باری ہے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ۔ (القرآن ۲۴/۳۶)

اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی مثال اس کی روشنی کی۔ جیسے ایک طاق اس میں ہو ایک چراغ۔

کعب بن جبیر نے کہا کہ یہاں نور ثانی سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مثل نور سے مراد نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ دیگر مقامات پر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

قَدْ جَاءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ (القرآن ۵/۱۹)

بے شک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی۔

اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاہِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ (القرآن ۳۳/۴۴)

اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا بتانے والا (گواہ) اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ۔

(۵) **محبوبیت**: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ امر بھی بکثرت ثابت ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام کو خداوند تعالیٰ نے ان کے ناموں سے خطاب فرمایا ہے مثلاً یا آدم۔ یا نوح۔ یا ابراہیم۔ یا داؤد۔ یا زکریا یا یحییٰ۔ یا عیسیٰ۔ یا موسیٰ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ خصوصیت ہے کہ آپ کو آپ کے نام کے ساتھ خطاب کرنے کے بجائے یا ایہا الرسول۔ یا ایہا النبی۔

یا ایہا المزمل۔ یا ایہا المدثر، وغیرہ سے خطاب فرمایا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کی قدر و منزلت اور آپ کی محبوبیت خالق کائنات کی نظر میں نہایت بلند و ارفع ہے اور آپ بارگاہ حق کے پیارے بندے ہیں۔ اس لئے خطاب بھی انہی الفاظ میں کیا گیا جن سے شان محبوبیت پوری طرح نمایاں ہوتی ہے رسولِ مقبول کو خطاب بھی طرح طرح سے کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ کی ہر ادا مقبول اور ہر انداز محبوب ہے۔ قسمیں بھی کھائی جا رہی ہیں تو اس پاکیزہ زندگی کی۔ لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون اہلِ تفسیر کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدتِ حیات کی قسم کھائی ہے یعنی اے محمد قسم ہے تیری حیات کی۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سوائے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے کسی اور نبی کی رسالت کی قسم نہیں کھائی۔ (قال النقاص)

(۶) عطائے الٰہی: عہدۂ رسالت سے سرفرازی اور رحمۃ للعالمین کی بخشش اور عطائے نور کے ساتھ ظرف کی بے پایاں وسعت کے لیے جو سامان کیے گئے ہیں اس کی تفصیل ذیل میں ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝	کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ
وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِیْ	اور اتار رکھا ہم نے تجھ پر سے بوجھ
اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝	تیرا جس نے جھکا دی تھی پیٹھ تیری
(القرآن، ۹۵)	اور بلند کیا ہم نے مذکور تیرا۔

حضرت سہل نے فرمایا شرحہ بنور الرسالۃ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا شرحہ بالاسلام اور الحسن کا قول ہے کہ ملأ حکماً وعلماً۔ گویا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک نور رسالت کے لئے کھول دیا۔ اسلام

کے لئے کھول دیا اور علم و حکمت سے بھر دیا اور آپؐ کے نام کو کائنات میں بلند کیا۔

حضرت قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ قلب کو ایمان اور ہدایت کے لئے کھول دیا اور قلب میں وسعت دی کہ علوم کو سمجھیں اور امور حکمت کے متحمل ہوں نیز امور جاہلیت کے بوجھ کو آپؐ سے اٹھا لیا۔

حضرت قتادہ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے آپؐ کے ذکر کو دنیا اور آخرت دونوں میں بلند فرمایا۔ اس کی حقیقت ہر خاص و عام پر ظاہر ہے کہ جہاں ہر کلمہ گو آپ کا نام لیتا ہے وہاں عالم ملکوت میں بھی آپؐ پر درود و سلام کا ورد جاری ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (القرآن، ۳۳/۵۶)	اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر ایمان والو رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ مربوط فرمایا وہاں آپ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ شامل فرمایا ہے۔

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اٰمنوا باللہ و رسولہ

(ترجمہ: اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر)۔

نبوت کے عہدہ پر فائز کر کے خداوند تعالیٰ نے جن صفات سے متصف فرمایا ان کا بیان یہ ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (القرآن، ۳۳/۴۴)

اے نبیؐ ہم نے آپ تک آپ کی رسالت پہنچا کر آپ کو شاہد مقرر کیا اور اہل طاعت کے لئے مبشر یعنی خوش خبری دینے والا بنایا۔ ساتھ ہی اہل معصیت کے

لئے نذیر یعنی ڈرانے والا مقرر کیا۔ اور توحید و رسالت کی طرف داعی بنا کر بھیجا۔ نیز راہ کی تاریکی کو روشنی بخشنے کی خاطر سراجاً منیرا بنایا۔

قال اللہ تعالیٰ:

وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (القرآن۔ ۹۴)

قسم دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب چھا جائے نہ رخصت کر دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ بیزار ہوا البتہ آخرت کی زندگی پہلی زندگی سے بہتر ہے اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہوگا۔

اس سورۃ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت و عظمت حسب ذیل وجوہ کی بناء پر ہے۔

اوّل یہ کہ خداوند تعالیٰ نے آپؐ کے حال کی خبر دینے سے پہلے قسم کھائی ہے والضحیٰ یعنی ورب الضحیٰ۔

دوسرے یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ہے، فرمایا "ما ودعک ربک وما قلیٰ" جس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تجھے چھوڑا اور نہ بیزار ہوا یا یہ کہ "ما اھملک بعد ان اصطفاک" مقام اصطفا عطا کیا ہے اور مصطفےٰ بنایا۔

آپؐ کے لئے تیسری بزرگی "للآخرۃ خیرلک من الاولیٰ" بتائی یعنی الطاف و عنایت، کرامت اور بزرگی جو آپ کے لئے آخرت میں مقرر ہے وہ اس دنیا کے اکرام سے بہتر ہے۔

سہل نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جو مقام محمود اور شفاعت کا اکرام آپؐ کے لئے آخرت میں رکھا ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ جو اس دنیا میں عطا کیا گیا ہے۔

چہارم یہ کہ "ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ" فرما کر گویا گوناگوں انعامات کرامت اور سعادت کے اکرام کا اظہار ہے جو دنیا اور آخرت میں آپ کے شامل حال ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہٗ راضی کرے گا دنیا میں کامیابی سے اور آخرت میں ثواب سے (بالفلج ای الفوز فی الدنیا وفی الثواب فی الاخرۃ)

نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کو حوض اور شفاعت عطا فرمائے گا۔

پنجم یہ کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی نعمتیں گنائی ہیں کہ کس کس حال سے اللہ تعالیٰ نے درجات کی بلندی عطا فرمائی۔ ہر حال کو ایک امتیازی شان بخشی۔ آپؐ کے پاس مال نہ تھا مال عطا فرمایا، قلب میں عنایت ودیعت کر کے غنی بنایا۔ یتیمی کے زمانے میں دادا اور چچا کی محبت کی آغوش میں پالا اور نہایت عزت و اکرام سے خبرگیری کی۔ اللہ تعالیٰ کی یہ لطف کی نظر اس وقت بھی رہی جب معرفت الٰہی کی منزل دُور تھی۔

قال تعالیٰ:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ	قسم ہے تارے کی جب گرے بہکا نہیں
صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ	تمہارا رفیق اور نہ بے راہ چلا اور نہیں
عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ	بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو
يُّوْحٰى عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى	حکم ہے بھیجا ہوا اس کو سکھلایا مضبوط
ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ	قوت والے نے پھر سیدھا بیٹھا اور
الْاَعْلٰى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ	وہ تھا اونچے کنارہ پر آسمان کے پھر
قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ	نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا
مَا اَوْحٰى مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى	فرق دو کمان برابر یا اس سے بھی نزدیک

پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا
(القرآن - ۵۳) نہ غلطی کی دل نے جو اس نے دیکھا۔

ان آیات فضیلت میں کئی امور بیان فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قسم کے ساتھ آپؐ کی ہدایت پر، خواہشات سے پاکی پر، نیز پیام کی صداقت پر شہادت دیتا ہے کہ آپؐ کا ہر قول اور فعل وحی الٰہی کے تابع ہے۔ پھر آپؐ کی اس فضیلت کا ذکر فرماتا ہے جو اللہ کے کسی اور بندے کو نصیب نہ ہوئی۔ آپؐ نے اللہ کی بڑی شان دیکھی۔ عجائب الملکوت کا مشاہدہ فرمایا۔ "فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى" میں ایجاز کا بلیغ ترین نمونہ ہے اور اس کنایہ کا تعلیمی پہلو بھی واضح ہے۔

"لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى" میں تفصیل وحی اور تعین آیات کبریٰ سے فہم عاجز ہے۔ قلب کی پاکیزگی "مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى" سے واضح ہے۔ زبان پر الطاف تقدس کے نزول کو مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کہہ کر بیان کیا ہے۔

کائنات کو دیدۂ بینا بخشنے والی آنکھ کی کیفیت "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى" کہہ کر بیان کی ہے کہ جس میں بارگاہ قدس کی تجلیاں بسی ہوئی ہیں۔

قال تعالیٰ:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ مَاۤ اَنْتَ	قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں تو
بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ وَاِنَّ لَكَ	نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ
لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ	اور تیرے واسطے بدلہ ہے بے انتہا
عَظِيْمٍ (القرآن، ۶۸)	اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر۔

حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنزیہ پر قسم کے بعد حسن خطاب "مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ" سے فرمایا۔ "اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ" میں ان نوازشوں اور ثواب دائم کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے رکھا ہے۔ "اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" کی تفسیر

ہیں خلقہ القرآن ۔ الاسلام ۔ الطبع الکریم کہا گیا ہے ۔ نیز یہ کہ لَیْسَ لَکَ ہِبَۃٌ الا لِلّٰہِ تعالیٰ اب وہ آیت درج کی جاتی ہے جس میں آپؐ کے بے پایاں جذبۂ عبادت کا اظہار کیا گیا ہے اور آپ کو اس میں مبالغہ سے روکا گیا ہے ۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی (القرآن، ۱۹/۲۰) — ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو تکلیف میں پڑے ۔

جب اللہ اپنے بندے کو قریب کرتا ہے تو غیریت کے سارے پردے اٹھا دیتا ہے ۔ یہاں تک کہ اس کی زبان اس کی اپنی زبان نہیں رہتی بلکہ منزل بن کر بارگاہ قدس سے رشتہ جوڑ لیتی ہے ۔ "مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ...... " سے یہ حقیقت ظاہر کی جا چکی ہے ۔

دوسرے یہ کہ "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ (تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے) اور " یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ" (اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے) سے بھی یہ مضمون واضح ہے ۔ " مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی " بھی اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے ۔

ساقیٔ کوثر کے لئے عطائے الٰہی کی یہ بھی صورتیں ہیں :۔

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ ○ (القرآن، ۱۰۸) — بیشک ہم نے دی تجھ کو کوثر سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر بیشک جو دشمن ہے تیرا وہی رہ گیا پیچھا کٹا ۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ (القرآن ۱۵/۸۷) — اور ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں اور قرآن بڑے درجہ کا ۔

وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْماً (القرآن ۴/۱۱۴)

اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔

فضل عظیم سے بنوت مراد لی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ فضیلت ہے جو ازل میں آپ کو بخشی گئی۔ نیز الواسطی نے احتمال رویت الٰہی کو بڑا فضل قرار دیا ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی محروم رہے۔

(۷) بنی نوع انسان سے آپؐ کی رافت و رحمت

بنی نوع انسان کی گمراہی اور زندگی کے خسارے کو دیکھ کر رحمۃ للعالمین کا پیچ و تاب، اضطراب، تاسف اور افسوس ذیل کی مختصر عبارت سے واضح ہو جائے گا۔

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا (القرآن ۱۵/۹)

سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچتا پچتا کر۔

(۸) فضیلت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَا اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتَابٍ وَّحِکْمَۃٍ (القرآن ۳/۱۷)

اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتب اور علم۔

مفسرین نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے میثاق وحی کے ذریعے لیا کہ اگر وہ آپ کا زمانہ پائیں گے تو آپؐ پر ایمان لائیں گے۔ نیز اس حقیقت کو اپنی امت پر ظاہر کریں گے۔

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ (القرآن ۲/۲۲۵)

یہ سب رسول فضیلت دی ہم نے ان میں بعض کو بعض سے۔

درجات کی رفعت سے مراد رسولِ کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے کہ آپؐ اسود و احمر کے لئے مبعوث ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے "كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا" فرما کر آپ کی فضیلت میں میثاق انبیا۔ نبوت۔ رسالت۔ خلۃ و محبت۔ رویت و قربت۔ اصطفیٰ و اسراء۔ وحی۔ شفاعت۔ وسیلہ۔ درجہ رفیعہ۔ مقام محمود۔ براق۔ معراج۔ بعثۃ الی الاسود والاحمر۔ سیادت۔ امانت۔ ہدایت۔ رحمت عالم۔ کوثر۔ شرح صدر۔ رفع ذکر۔ نصرت و امانت الٰہی۔ سکینہ۔ تائید ملائک۔ علم و حکمت سبعا من المثانی والقرآن العظیم۔ صلوٰۃ الٰہی و ملائک وغیرہ وغیرہ کو شامل فرما دیا۔ پھر جبلت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں کمالِ خلقت۔ جمال صورت قوت عقل۔ صحت فہم۔ فصاحت زبان۔ قوت حواس۔ قوت اعضاء۔ اعتدال حرکات و سکنات۔ شرف قوم و نسب بھی اللہ کے فضل ہی کا نتیجہ ہیں۔ آپ کے خلق عظیم میں بھی اللہ کا فضل آپ کے علم۔ حلم۔ وقار۔ بصیرت۔ عدل۔ زہد۔ تواضع۔ عفو۔ عفت۔ جود و سخا۔ شجاعت۔ مروت۔ شرم و حیا۔ رافت و رحمت۔ حسن ادب۔ حسن معاشرت سے ظاہر ہے۔

اتنے اخلاق کریمہ کا ایک انسان میں بدرجہ کمال جمع ہو جانا کمالِ بشریت کے انتہائی مقام کو ظاہر کرتا ہے جس کے بیان میں نعت گو شعراء نے بہتر سے بہتر الفاظ کو بھی عظمت کے صحیح اظہار کے لئے تہی داماں پایا۔ زیادہ سے زیادہ تخیل نے پرواز کی بھی تو یہ کہہ کر رہ گئے کہ

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

لیکن اس سے بھی منعوتؐ کا صحیح مقام متعین نہ ہو سکا اور آخر اپنے عجز کے

اعتراف میں کہنا پڑا کہ

لایمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

---

(۳) حدیث

قرآن کریم کے بعد مستند طور پر جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ملتا ہے ان میں سب سے بڑا ذخیرہ حدیث کا ہے۔ بہت سی احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور نعت ملتی ہے۔ سیرت و شمائل کی تمام حدیثیں اس میں داخل ہیں۔ یہاں ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) وہ احادیث ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحدیث نعت اور نفس واقعہ بیان کرنے کے لئے ایسے الفاظ بیان فرمائے ہیں جن سے نعت کا پہلو بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل احادیث بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اصطفیٰ من ولد ابراھیم اسماعیل بنی کنانۃ واصطفیٰ من بنی کنانۃ قریشا واصطفیٰ من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور اسماعیلؑ کی اولاد میں سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا۔

قال الامام الترمذی رحمۃ اللہ علیہ ھذا حدیث حسن صحیح۔

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(ابواب المناقب ترمذی صفحہ ۵۱۹ ج ۲)[۱]

(۲) وفی روایۃ عن الترمذی باسنادہ عن العباس بن عبد المطلب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانا خیرھم نفسا وخیرھم بیتا

(ترمذی. ص ۵۱۹ ج ۲)

ترمذی نے اپنی سند سے عباس بن عبد المطلب سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

"بس میں ان سب میں ذات اور خاندان کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں۔

(۳) عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا خطیبھم اذا وفدوا وانا مبشرھم اذا ایسوا لواء الحمد یومئذ بیدی وانا اکرم ولد بنی آدم علی ربی ولا فخر

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ (قیامت کے روز) لوگ جب اٹھائے جائیں گے تو میں پہلا شخص ہوں گا (جو قبر سے اٹھے گا) اور جب وفد بنا کر پیش کریں گے تو میں ان کی ترجمانی کرنے والا ہوں گا۔ اور میں ان کو بشارت دوں گا جبکہ وہ ناامید ہوں گے۔ اس دن میرے قبضے میں حمد کا جھنڈا

---

[۱] ترمذی کے جتنے حوالے درج ہیں وہ ترمذی مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ سنہ ۱۳۱۶ھ سے منقول ہیں۔

ہوگا۔ اور میں اپنے پروردگار کے نزدیک اولادِ آدم میں سب سے زیادہ عزت یافتہ ہوں گا۔ لیکن (یہ بطور) فخر نہیں ہے۔

(ترمذی صفحہ ۵۱۹ ج ۲)

(۴) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا کان یوم القیامۃ کنت امام النّبیین وخطیبھم وصاحب شفاعتھم غیر فخر۔

(ترمذی صفحہ ۵۲۰ جلد ۲)

حضور اکرمؐ سے روایت ہے کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو میں انبیاء کا امام اور ان کا خطیب اور شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ لیکن (اس پر مجھے) فخر نہیں ہے۔

(۵) انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر وبیدی لواء الحمدُ ولا فخر وما من نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی

میں قیامت کے روز بنی آدمؑ کا سردار ہوں گا اور میرے قبضہ میں لواءِ حمد ہوگا اور اس روز ہر نبی، آدم ہوں یا اور کوئی، ہر ایک میرے جھنڈے کے نیچے ہوگا لیکن مجھے (اس پر) فخر نہیں ہے۔

(۶) فی حدیث طویل قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا حبیب اللہ ولا فخر وانا حامل لواء الحمد یوم القیامۃ ولا فخر وانا اول شافع واول مشفع ولا فخر .... وانا

ایک طویل حدیث کے مضمون کے بعض اجزا ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ: میں اللہ کا حبیب ہوں اور روزِ قیامت لواءِ حمد کا علم بردار ہوں اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور پہلا وہ شخص ہوں جس کی سفارش

اکرم الاولین والاٰخرین ولا فخر۔

قبول کی جائے گی۔ اور میں تمام اوّل آخر لوگوں میں سب سے زیادہ بزرگ اور عزت یافتہ ہوں۔ لیکن فخر نہیں ہے۔

(ترمذی صفحہ ۵۱۹ جلد ۲)

(۲) احادیث کی دوسری قسم۔

دوسری قسم کی وہ احادیث ہیں جن میں صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے متعلق تعریفی جملے بیان کئے ہیں۔ اس میں آپؐ کے اخلاق حسنہ۔ اوصاف۔ سیرت اور کردار۔ رفتار و گفتار۔ معاشرت۔ تعلقات اور معاملات آپ کی نِشست۔ برخاست غرض زندگی کے ہر شعبہ اور ہر گوشے کے متعلق مدحیہ اور نعتیہ جملے نقل ہیں مثلاً

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کی ابتداء ہی میں باب بدء الوحی کے عنوان کے تحت درج کی ہے۔ اس حدیث میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حسب ذیل تعریفی جملے آپ کے متعلق کہے ہیں۔

(۱) فقالت خدیجۃ کلا واللہ مایخزیك اللہ ابدا۔ انك تصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق [۱]

پھر خدیجہؓ نے کہا ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپؐ صلہ رحمی کرتے اور بوجھ اٹھاتے اور محتاج کی مدد فرماتے اور مہمان نوازی فرماتے ہیں۔

---

[۱] بخاری باب بدء الوحی صفحہ ۳ مطبوعہ عثمانیہ مصری سنہ ۱۹۳۲ء۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے اخلاق حسنہ اور سراپا کو نقل کرتے ہوئے فرمایا:

وھو خاتم النبیین اجود الناس صدرا اصدق الناس لھجۃ والینھم عریکۃ واکرمھم عشیرۃ

(شمائل ترمذی صفحہ ۵۶۸)

اور آپ خاتم النبیینؐ، سخاوت میں سب سے زیادہ سخی، گفتگو میں سب سے زیادہ سچے، طبیعت میں سب سے زیادہ نرم اور کنبے و خاندان کے لحاظ سے شریف ترین تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گفتگو کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

(۳) (عن عائشۃ قالت) ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسرد سردکم ھذا ولکنہ کان یتکلم بکلام بینہ فصل یحفظہ من جلس الیہ ھذا حدیث حسن صحیح

(ترمذی۔ ابواب المناقب صفحہ ۵۲۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح جلد جلد گفتگو نہ فرماتے جس طور پر کہ تم کرتے ہو۔ بلکہ آپؐ کی گفتگو صاف ہوتی اور الفاظ ایک دوسرے سے جُدا ہوتے۔ جو بھی آپؐ کے پاس بیٹھتا اسے آپ کا کلام یاد ہو جاتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو حضورؐ کے گفتگو کرنے کی تعریف کی ہے۔ امام ترمذی نے ابواب المناقب میں درج کیا ہے۔

(۴) عن انس بن مالک قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعید الکلمۃ ثلاثا لتعقل عنہ

(ترمذی۔ ابواب المناقب ۵۲۴)

حضرت انسؓ کا قول ہے کہ حضورؐ (گفتگو کرتے وقت) لفظ کو تین تین بار دُہراتے تھے تاکہ آپؐ سے اُسے (اچھی طرح) سمجھ لیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت ہے جسے امام بخاری نے

باب بدء الوحی میں ذکر کیا ہے۔ اس طویل حدیث کا نعتیہ مضمون مندرجہ ذیل ہے۔

(۵) فرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود بالخیر من الریح مرسلۃ — پس حضور اکرمؐ نیک کاموں کے کرنے میں تیز رو ہوا سے زیادہ تیز چلنے والے تھے۔

(باب بدء الوحی بخاری مصری جلد ۱، صفحہ ۳)

غرض کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور ثناء میں کثرت سے صحابہؓ سے کوئی نہ کوئی قول یا لفظ منقول ہے۔ اور ہر طبقے کے صحابیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کے سلسلے میں آپ کے اخلاق۔ آداب۔ معاشرت۔ سیرت۔ کردار۔ گفتار۔ رفتار کی تعریف اور توصیف کی ہے۔

یوں تو حدیث کی ہر کتاب میں حضور اکرمؐ کی تعریف ہے لیکن امام ترمذی نے اپنی کتاب سنن ترمذی میں دوسری کتب حدیث کی طرح ابواب مناقب النبیؐ لکھنے کے بعد حضور اکرمؐ کے متعلق احادیث کا ایک چھوٹا سا مجموعہ الگ مرتب کیا ہے جسے شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس کتاب میں ۵۶ عنوانات کے تحت حضور اکرمؐ کی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق صحابہؓ کی بیان کردہ تعریف و توصیف نقل کی ہے۔ ان میں سے چند عنوانات نمونتہً دئے جاتے ہیں:۔

(۱) حضور اکرمؐ کے سراپا کا بیان (اس میں اخلاق حسنہ کا بیان کیا ہے)۔

(۲) مہر نبوت کا بیان۔

(۳) بالوں کا بیان۔ اور ان میں کنگھی کرنے کا بیان۔

(۴) بال سفید ہونے کا ذکر۔

(۵) خضاب کا ذکر۔

(۶) زرہ۔ تلوار۔ خود کا بیان۔

(۷) عمامہ۔ تہ بند۔ لباس کا بیان۔

(۸) کھانے کا طریقہ۔ روٹی۔ سالن کا بیان۔

(۹) وضو۔ بات چیت۔ میوہ جات کا استعمال۔ پانی پینے کی کیفیت۔ عطر۔ نیند۔ مذاق۔ عبادت اور اس کی تفصیل کا بیان۔

(۱۰) تواضع۔ اخلاق۔ حیاء۔ اسمائے مبارک۔ بسر اوقات۔

ان عنوانات میں سے بعض کو ملا کر لکھا گیا ہے لیکن اصل کتاب میں الگ الگ ہیں۔

اس کے علاوہ دیگر احادیث ہیں اس طور پر بھی آں حضرتؐ کی تعریف اور توصیف پائی جاتی ہے۔

(۱) احادیث قدسیہ میں حضرت حق جل مجدہ کے کلام سے حضورؐ کی تعریف

(۲) انبیاء سابقین کے کلام سے حضورؐ کی توصیف۔

(۳) ملائکہ کے کلام سے آں حضرتؐ کی ثناء وغیرہ۔

مخالفین اور مشرکین کی تعریف نہ صرف آپؐ کے جاں نثاروں نے ہی آپؐ کی مدح و ثناء کی ہے بلکہ آپؐ کے دشمن بھی آپؐ کی رسالت کی مخالفت کے باوجود آپؐ کی تعریف و توصیف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ اس قول کی تائید حسب ذیل واقعات میں ملتی ہے۔

(۱) حضرت خدیجہؓ سے آپؐ کے نکاح کے وقت حضرت ابو طالب کا خطبہ۔

(۲) حجر اسود نصب کرتے وقت آپ کو کفار مکہ کا حکم بنانا۔

(۳) فتح مکہ کے وقت کفار کا آپؐ کی شان میں تعریفی جملے کہنا۔

(۴) قیصر روم کے دربار میں حضرت سفیان کی شہادت وغیرہ وغیرہ۔

(ج) نعتیہ شاعری بحیثیت نوعِ سخن

ہمارے ادب میں شاعری کی تقسیم زیادہ تر بحر۔ وزن۔ قافیہ۔ ردیف وغیرہ کے لحاظ سے کی گئی ہے اور نتیجۃً اصناف شاعری کو قصیدہ۔ غزل۔ مثنوی اور اسی قبیل کے دیگر اصناف تک ہی محدود رکھا گیا ہے جس میں مضمون اور معنی کا لحاظ کم پایا جاتا ہے حالانکہ شاعری کا یہ پہلو زیادہ توجہ طلب ہے۔ جن محققین نے اس کی تقسیم ادبی حیثیت سے کی ہے انھوں نے اس کے دیگر اصناف پر بھی روشنی ڈالی ہے جو بحر۔ وزن۔ قافیہ۔ ردیف وغیرہ میں مروجہ اصناف شاعری سے الگ نہیں ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ اس معنوی تقسیم کے لیے ضروری ہے کہ ادب کو مختلف حیثیتوں سے سمجھا جائے اور اس کے متعلق محققین نے جو رائیں پیش کی ہیں انھیں بھی نظر میں رکھا جائے۔

شعالبی نے ادب کو بارہ شاخوں میں تقسیم کیا ہے جن میں صرف۔ نحو۔ اشتقاق۔ لغت۔ قافیہ۔ عروض۔ معانی و بیان کو اصول قرار دیا ہے۔ اور علم الخط۔ انشاء۔ شعر اور تاریخ کو فروع گردانا ہے۔

یہاں ہم ادب کی مختصر لیکن جامع تعریف پر اکتفا کریں گے۔

"رومانی اور ذہنیاتی شخصیت کے استخراج کو حروف کے ذریعے اجاگر کرنے کو ادبیات اور خصوصاً "شاعری یا "ڈرامائی" ادبیات کہیں گے"۔[۵۱]

اس طرح شاعری کو ادب کی اس صنف سے متعلق کیا جائے گا، جسے

---

[۵۱] "ایچ کورسان ان لٹریری اسٹڈی صفحہ ۲۴۔ ملاحظہ ہو۔ روح تنقید۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن ۱۹۴۰ء صفحہ ۵۰۔

فنون لطیفہ کہا جاتا ہے۔ فنونِ لطیفہ انسان کے لئے دماغی، وجدانی اور روحانی غذا فراہم کرتے ہیں۔ فن کار اپنے قلبی واردات کی ایسی جیتی جاگتی کیفیت آمیز اور کیفیت انگیز تصویر پیش کرتا ہے جو احساسات کو جھنجھوڑ دیتی ہے۔ انسان کا دل و دماغ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ارسطو نے فنونِ لطیفہ کو فطرت کی محاکات قرار دیا ہے۔ یہ فطری امر ہے کہ جب انسان کسی چیز سے متاثر ہوکر مسرت محسوس کرتا ہے اور ان مسرت کے جذبات کو الفاظ کے جامے میں دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے تو گویا وہ اس طرح فطرت کے نقوش تاثر کو دوسروں کے دل و دماغ پر منعکس کرکے ان کے محسوسات کو اس داخلی صداقت سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ یہی اس فن کی اصل ہے۔

ادب کو نظم و نثر میں تقسیم کر دینا بھی صرف صوری تقسیم ہوئی۔ معنوی حیثیت سے اب بھی مناسب تقسیم عمل میں نہیں آئی۔ قدیم عرب میں جو شعر کے معنی سمجھے جاتے تھے اس کا بیان ہمارے اس خیال کو اور واضح کرے گا۔ مولانا حالی کے الفاظ ہیں" جو شخص معمولی آدمیوں سے بڑھ کر کوئی موثر اور دلکش تقریر کرتا تھا۔ تو اس کو شاعر جانتے تھے۔ جاہلیت کی قدیم شاعری میں زیادہ تر اس قسم کے برجستہ اور دلآویز فقرے اور مثلیں پائی جاتی ہیں جو عرب کی عام بول چال سے فوقیت اور امتیاز رکھتی تھیں۔ یہی سبب تھا کہ جب قریش نے قرآن مجید کی نرالی اور عجیب عبارت سنی تو انھوں نے اس کو کلام الٰہی نہ مانا۔ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے لگے، حالاں کہ قرآن شریف میں وزن کا مطلق التزام نہ تھا۔"[۵۱]

ملٹن نے نظم و نثر کے درمیان جوش اور سنجیدگی سے فرق پیدا کیا ہے جو ایک حد تک صحیح ضرور ہے لیکن کلیتہً اطمینان بخش نہیں ہے۔

---

[۵۱] مقدمہ شعر و شاعری صفحہ ۳۰، ۳۱۔

ہزلٹ نے شاعری کو تخیل اور جذبات کی زبان قرار دیا ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ انسان کا قلب مختلف احساسات کی آماجگاہ ہے۔ کبھی وہ خوشی محسوس کرتا ہے اور کبھی غم۔ جب اس کا دل خوشی سے پھولے نہیں سماتا تو زندگی اس کے لئے ہر رنگ میں محبوب بن جاتی ہے۔ اس کے لئے ذرہ ذرہ کیف آور اور مسرت انگیز ہوتا ہے اور جب، وہ دل میں غم کی تنگی محسوس کرنے لگتا ہے تو زندگی اس کے لئے وحشت خیز بن جاتی ہے۔ کبھی وہ خوف کے جذبات سے دوچار ہوتا ہے، کبھی وہ رغبت محسوس کرتا ہے اور کبھی غصہ۔

حقیقت میں شاعری کا میدان انسان کے قلب کی یہی کیفیت ہے لہٰذا اصناف سخن کی تقسیم میں بھی اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے" تاکہ جذبات کے اختلاف کی بنا سے ان کا جدا جدا نام دیا جا سکے۔ چنانچہ مسرت کے جذبات میں جہاں شعرا نے غزل سرائی کی تو غصہ، ہجو کی شکل میں نمودار ہوا۔ رغبت نے مدح و شکر کو جگہ دی تو خوف نے اعتذار اور استعطاف کو۔

بعض ادیبوں نے اصولاً شعر کی صرف دو قسمیں بتائی ہیں یعنی مدح و ذم اور دیگر اقسام کو انہی سے متعلق کر دیا ہے مثلاً وصف۔ مرثیہ۔ فخریہ۔ تشبیب۔ غزل تشبیہہ۔ استعارہ۔ امثال۔ زہد۔ تقویٰ۔ وعظ و نصیحت وغیرہ کو مدح شمار کیا ہے اور باقی اصناف کو ہجو قرار دیا ہے۔[۵۱]

ہمارا موضوع یعنی" نعت" پہلی قسم میں شمار ہو گا جسے ہم تعریف۔ توصیف مدح و ثنا سے تعبیر کریں گے۔

عربی میں نعت کا بیشتر حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد

---

۵۱ کتاب العمدہ جلد اول صفحہ ۷۷-۷۸۔

کہا گیا اور اس لحاظ سے اسے مرثیہ سے تعبیر کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ صورت نہیں ہے۔ یہی حال فارسی اور اردو نعت کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر بزرگان دین کے ساتھ یہ خصوصیت رہی کہ ان کی حیات ارضی کے بعد بھی خطاب کا طرز وہی رکھا گیا جو ایک زندہ کے لئے ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ کا اصلی حیات ہونا صاحب ایمان کے نزدیک مسلم ہے اور آپ کی وساطت سے بزرگان دین کا حیات جاودانی حاصل کر لینا بھی عقیدت ہے اس کے علاوہ مرثیہ کا مقصد متوفی کے غم میں اظہار حزن وملال ہے۔ اس کے برخلاف یہاں بارگاہِ نبوت میں عقیدت کے پھول چڑھا کر محاسنِ دین اور شمائل رسُولؐ کا اعلان مقصود ہے تاکہ یہ تقرب الٰہی کا ذریعہ بنے۔ اس لحاظ سے اس قسم کے اشعار کو مدائح نبوی میں شمار کریں گے۔ یہ ضرور ہے کہ نعت گو شعراء نے وفات نامے بھی لکھے ہیں جن میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا حال نظم کیا ہے۔ اس قسم کے کلام کو اگر ہم مرثیہ کا نام دیں تو غلط نہیں ہوگا۔ لیکن یہ تفریق موقوف ہے اس مضمون پر جو شاعر نے نظم کیا ہے۔

(د) لوازم نعت

یوں نعت گو شعراء کی تعداد بے حد وحساب ہے۔ ہر کس وناکس نے عقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر میلاد خوانوں کے لئے آئے دن اس ادب میں اضافہ ہی کیا۔ ان میں ہم عوام کے نعت گو شعرا بھی کثرت سے پاتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ موضوع ایسا نہیں جس پر ہر کس وناکس تخیل اندازی اور خامہ فرسائی کر سکے۔ اس راستے میں شاعر کو جگہ جگہ رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ ایک تو موضوع کا احترام

شاعر کو مجبور کرتا ہے کہ وہ نپے تلے الفاظ۔ حسن خطاب اور حسن بیان کے ساتھ عقیدے کی تفصیلات اور باریکیوں کو صحت کے ساتھ لے کر چلے اور قدم قدم پر اس کا لحاظ کرے کہ تخیل کی پرواز کہیں ان مقامات تک نہ پہنچا دے جن سے صادق البیانی پر حرف آئے اور نتیجتہً نعت نعت نہ رہے کیونکہ جس بارگاہ میں باآواز بلند گفتگو بھی سوئے ادب قرار پائے اس بارگاہ کے آداب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ میدان وسیع بھی ہے اور تنگ بھی۔ وسیع اس لحاظ سے کہ ممدوح کے فضائل جس قدر بے حد و حساب ہوں گے شاعر کو اسی قدر موضوع کی وسعت ہاتھ آئے گی اور اس کے تخیل کی بلند پروازی کا سامان ہو سکے گا۔ یہاں شاعر حسن و خوبی پیدا کرنے کے لئے مبالغہ کی زحمت سے بھی بچ جاتا ہے۔ اور پھر جہاں منعوت (ممدوح) کے فضائل مبالغے کے حدود سے آگے گزر گئے ہوں وہاں تخیل کی بلند ترین پرواز کو بھی کمالِ ممدوح سے پس ماندہ ہونا پڑتا ہے۔ فضائل نبویؐ کے بیان میں شاعر زمین سے پرواز کر کے افلاک کی سیر کرتا ہے۔ وہ ستاروں سے آگے گزر کر مقام مصطفائیؐ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہاں تک تمام افلاک اس کے تخیل کی زد میں آجاتے ہیں۔ اور اب وہ اپنے ممدوح کو عرش و کرسی پر جلوہ فرما پاتا ہے۔ اس لحاظ سے نعت گو شاعر کو طبع آزمائی کے لئے ایک وسیع میدان ہاتھ آتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ نقاد کی دست رس سے بھی باہر رہتا ہے اور اپنے معتقدات کو پیر بناتے ہوئے ہر تنقید سے کامیاب گزر جاتا ہے۔ یہ میدان تنگ اس لحاظ سے ہے کہ باوجود اس فضا کی کشادگی اور وسعت کے تخیل کے حوصلوں کو اس بلندی کا ساتھ دینا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے شاعر میں گوناگوں صلاحیتوں کا پایا جانا ضروری ہے! اس لئے

کہ یہ فقط عشق و محبت کی داستان نہیں ہے جس کے راگ کو جس نے جیسا چاہا الاپ لیا۔ دراصل یہ ایک ایسے ممدوح کی مدح ہے جس کی بارگاہ میں مبالغہ قربت ممدوح کا وسیلہ نہیں بن سکتا ہے اور نہ یہاں اس بیان کو باریابی حاصل ہے جو صادق البیانی کی ترجمانی سے محروم ہے۔ پھر صدق وصفا کی زندگی کو سمجھنے کے لئے صدق وصفا کی حقیقت اور اس کی کیفیت کو قلب ونظر میں لسائے بغیر بھی کام نہیں چلتا۔ غرض کہ حقیقت محمدیؐ کو سمجھ کر ان کے مرتبہ کا بیان علم۔ فضل۔ بصیرت اور شاعرانہ صلاحیت چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان فضائل کا ایک جگہ جمع ہونا آسان نہیں ہے اور انجام کار نعت کے موضوع سے عہدہ برآ ہونا بھی مشکل ہے۔

(ھ) نعتیہ شاعری کے محرکات

نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مذہبی شاعری کے مقدمات میں شامل ہے جس کا تعلق دینی احساس۔ صدق۔ اخلاص اور محبت رسولؐ سے ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسلامی شاعری کی ابتداء ہی نعت کو اولیت حاصل ہے تو زیادہ صحیح ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ نعتیہ شاعری نے اسلامی ادب کے لئے ایک نہایت جلیل القدر اور مہتم بالشان باب فراہم کیا ہے۔ آخر اس کے محرکات کیا رہے ہیں اس کا اجمالی بیان درج ذیل ہے :۔

مومن کے لئے اللہ اور رسول سے محبت کو مذہبًا وجوب کا درجہ حاصل ہے۔ چنانچہ احادیث میں جو تاکید اس خصوص میں وارد ہوئی ہے اس سے اس کی کیفیت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم — حضرت انسؓ نے نبی کریم صلی اللہ

قال ثلاث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان ۔ من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرء لا یحبہ الا للہ و ان یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یقذف فی النار[۱]

علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا جس میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس پائے گا۔ وہ کہ جسے اللہ اور اس کا رسولؐ سب سے زیادہ محبوب ہوں اور وہ کسی شخص سے محبت کرتا ہے تو فقط اللہ کے لئے کرتا ہے اور وہ ناپسند کرتا ہے کفر کی طرف لوٹنے کو بعد اس کے کہ اللہ نے اسے اس سے (کفر سے) نکالا ہو اسی طرح جس طرح کہ وہ ناپسند کرتا ہے اپنے آپ آگ میں ڈالے جانے کو۔

یہ حدیث اصول اسلام میں نہایت اہم اور عظیم القدر شمار کی جاتی ہے اس لئے کہ حلاوت ایمان کی لذت محبت کے بغیر ممکن نہیں اور طاعت کی طرف رغبت حلاوت کے بغیر محال ہے۔ محبت ہی اللہ اور رسولؐ کی رضاجوئی میں ہر ایثار کے لئے تیار کر سکتی ہے۔ جو طاعت کی راہ میں ناگزیر ہے۔ اطاعت کے معنی ہی دل کا لگاؤ ہیں۔

عشق ومحبت کے چند محرکات ہوتے ہیں اور وہ حسن وجمال ہیں۔ پھر حسن وجمال بھی ظاہر اور باطن دو طرح کے ہیں۔ محبوب دو عالمؐ کی ذات میں محبت کے دونوں اصل اصول جمع ہیں۔ کمالِ خلق جس میں جمال کی ساری صورتیں پائی جاتی ہیں، آپؐ کو بخشا گیا ہے۔ پھر وہ کمال احسان جو دلوں کو

---

[۱] صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۴۹۔ مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ سنہ ۱۳۴۹ھ۔

موہ لیتا ہے اور میلان طبع کو زیادہ بڑھاتا ہے۔ آپؐ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ جب حقیقت اور حق شناسی کا شعور اس حد تک بیدار ہو جاتا ہے کہ ایک مومن اس احسان کو ہر سانس کے ساتھ محسوس کرنے لگتا ہے تو محبت نبیؐ اس کے رگ و پے میں بس جاتی ہے۔ جس کے صدقے میں صراط مستقیم۔ شفاعت سعادت اور آخر الامر جہنم کی آگ سے خلاصی اور جنت سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے، اس کی محبت کا ماں باپ۔ اولاد اور جان و مال کی محبت پر غالب آجانا ایک فطری امر ہے۔ یہی مطلب ہے اس دوسری حدیث کا کہ

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من اهله وماله والناس اجمعین۔

(مسلم جلد اول صفحہ ۴۹)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کسی نے اس وقت تک ایمان نہ لایا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل و عیال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن انس بن مالک۔ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من ولده ووالده والناس اجمعین (مسلم جلد اول صفحہ ۴۹)۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ایمان لایا تم میں سے کوئی جب تک میں اس کے بیٹے، والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔

---

۵۱ حاشیہ شرح وقایہ صفحہ ۸۴ مطبوعہ مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۲۷ھ،

اس کے علاوہ نعتیہ ادب کے محرکات میں مندرجہ ذیل حدیث نہایت مہتم بالشان ہے جس نے نثر و نظم، تحریر اور تقریر کے مقدمات میں نعت کو لازم قرار دیا اور اس طرح ادب کے لئے پابندی عاید کردی۔

کُلّ امرذی بال لایبدأ فیہ بحمد اللہ والصلوٰۃ علیّ فھواقطع ابتر ممحوق من کل برکۃ۔ اخرجہ الرھاوی فی الاربعین والدّیلمی فی سند الفردوس۔ وفی سندہ ضعف	ہر مہتم بالشان کام جو اللہ کی تعریف اور مجھ پر درود کے ساتھ نہ شروع کیا جائے تو وہ ناقص اور ہر برکت سے مٹا ہوا (محروم) ہے۔ اس حدیث کو راوی نے اپنی کتاب اربعین میں اور دیلمی نے کتاب سند الفردوس میں درج کیا ہی لیکن اس کی سند کمزور (ضعیف) ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی ادب کی نظم و نثر دونوں میں حمد و نعت کے مضامین لازماً ملتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہم کسی شاعر کو نعت گو شعرا کے زمرے سے خارج نہیں کر سکتے البتہ باہم یہ فرق ضرور ہے کہ کسی نے نعت رسماً، تبرکاً اور عقیدۃً تمہیدی طور پر کہی ہے اور کسی نے جوش عقیدت کے طور پر اکثر یا مستقلاً نعت کہی ہے۔ اس طرح نعت گو شعراء کے تین طبقے ہوگئے۔ ایک تو وہ جن کے کلام میں نعت حمد کے سامنے تمہیداً ہے۔ دوسرے وہ جن کے کلام میں دیگر مضامین کے ساتھ نعتیہ مضامین کا بھی کافی ذخیرہ ہے۔ تیسرے وہ جن کا کلام اغلب طور پر کلیتہً نعتیہ ہے۔

(و) **نعت گوئی کی قسمیں** : نعت کو ہم تین حصوں میں تقسیم کریں گے۔

(۱) ایک وہ نعت جو عقیدۃً، تبرکاً اور رسماً برائے نام لکھی گئی۔
(۲) دوسری مقصدی نعت جو شعرائے نے مستقلاً لکھیں۔
(۳) تیسری قسم کو اصلاحی نعت قرار دیں گے جو دراصل مقصدی نعت ہی کی ایک قسم ہے۔

(۱) رسمی نعت

اسلامی ادب میں نظم ونثر کی ہر کاوش نے اپنے تمہیدی حصے میں حمد ونعت کو لازماً جگہ دی۔ جس طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر زندگی میں ایک بار درود بھیجنا واجب ہے اسی طرح ہر نثار اور شاعر کے لئے فرض رہا ہے کہ حمد اور نعت کو نثر یا نظم کے ساتھ شامل کرے۔ اس سے پہلے وہ حدیث درج کی جا چکی ہے جس میں ہر مہتم بالشان امر کو حمد اور نعت کے بعد شروع کرنے کا حکم ہے۔ اور بصورت دیگر کلام کو برکت سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسمی اور اعتقادی طور پر نعت شعراء کے کلام میں لازماً داخل ہو گئی۔ یہاں تک کہ غیر مسلم شعراء نے بھی تقلیداً یہ روش اختیار کی جس کی مثالیں ہمیں اردو شاعری میں کثرت سے ملتی ہیں۔

(۲) مقصدی نعت

جب کسی کام کا کوئی مقصد قرار پاتا ہے اور اس کے پیش نظر فکر کو حرکت دی جاتی ہے تو اس میں ایک نظم، ضبط، ترتیب، ہم آہنگی، خلوص اور اثر پایا جاتا ہے۔ نفس مضمون کے اظہار میں قوت، جوش اور تڑپ ہوتی ہے۔ اس کے برعکس فن کار کا دماغ جب مقصدی فکر سے خالی ہوتا ہے تو اس کے تخیل کو بمصداق "فی کل وادٍ یہیمون" بھٹکنا پڑتا ہے۔ وہ فقط وقتی طور پر اپنے سریلے نغموں سے لوگوں کے دلوں کو لبھانا جانتا ہے اور یہ کیف

جذب اور مستی کی بے مقصدی اعصاب میں اضمحلال پیدا کر دیتی ہے۔ ایسا کلام احساسات کے لئے پراگندی کا باعث ہوتا ہے۔

مقصدی شاعری ہی حقیقت میں زندگی کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس کا لازوال جذبہ زندگی کو حرکت عطا کرتا ہے۔ اس کا نغمہ دل کی گہرائیوں سے خلوص کو لے کر بلند ہوتا ہے۔ وہ قلوب سے ٹکرا کر آواز بازگشت پیدا کرتا ہے اور اپنی کیفیت کے تاثرات چھوڑتا ہوا زندگی کے لئے دوامی بقا کا سامان کرتا ہے۔ حقیقت میں اس کو حق و صداقت کی آواز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ کلام "ان من البیان لسحرا" ہی کا نمونہ نہیں ہوتا بلکہ "ان من البیان لحکمۃ" کا بھی اس پر اطلاق ہوتا ہے۔

اس طرح جب شعر مقصدی بن جاتا ہے تو وہ اپنی ہر لے میں کسی نہ کسی طور پر اس تصور حیات کی ترجمانی کرتا ہے جو اس کا مقصود ہے۔ وہ زندگی پر نہایت گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ پوشیدہ صلاحیتوں کو حوصلہ بخشتا ہے اور جمالی جذبات کو ابھار کر انہیں زندگی کی تعمیر میں لگاتا ہے۔ جہاں اس کا ظاہری حسن دلوں کو کھینچتا ہے وہاں وہ روحانی اور اخلاقی معلم بن کر مقدرات کو بدل دیتا ہے حقیقت میں مقصدی شاعری کی یہی خدمت زندگی کی پراگندی کو دور کر سکتی ہے۔

آرٹ اور زندگی کے نظرئے کو مختلف طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن اس نظرئے کو ماننے والوں کے نزدیک یہ امر متفق علیہ ہے کہ آرٹ حقیقت میں زندگی کی تفسیر ہے اور اس کی تعبیر ہے۔ لیکن زندگی کیا ہے۔ یہ مسئلہ خود جتنا مہتم بالشان ہے اتنا ہی حیران کن ہے۔ اس عقدہ کشائی پر آرٹ اور زندگی کے نظرئے کا حل موقوف ہے۔ زندگی کی قدروں کا تعین، طہارت

کا مفہوم، اخبارات کا تصور، عدالت کا معیار، سماجت کی کیفیت وغیرہ ایسے مسائل ہیں جن کے متعلق صحیح فکر و نظر پیدا کئے بغیر زندگی کا راز سمجھ میں نہیں آتا اور نہ اس کی غایت اور اس کا مقصد واضح ہوتا ہے۔ حکیمانہ نظران سب کو عقل کے سہارے حل کرنا چاہتی ہے لیکن ایک تو انسانی فہم کی کوتاہی حقیقت حال تک پہنچنے نہیں دیتی۔ دوسرے نظری اور عملی صورتوں کے درمیان ناقابل عبور خلیج کا پاٹنا انسانی تدابیر کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے پیش نظر ایک ایسی زندگی کا نمونہ ہو جو نظری طور پر زندگی کو بے نقاب دکھا کر اسوۂ حسنہ کو پیش کرے اور زبان حال سے یہ کہے کہ "عملی لحاظ سے بھی یہ تصور حیات اسی طرح درست ہے جس طرح نظری حیثیت سے۔"

اگر اس خلق عظیم کی ترجمانی ہمارے آرٹ کا مقصد ٹھہرا تو اس کے اظہار کے لئے ایک صحت بخش موضوع ہاتھ آئے گا جس کی ہمہ گیری میں زندگی کی جملہ تفصیلات آجائیں گی۔ مذہبی، اخلاقی، روحانی، معاشی، معاشرتی، دنیاوی، اخروی، جمالی، جلالی غرض کہ زندگی کے ساتھ جتنی بھی صورتیں پیش آسکتی ہیں سبھی کا بیان اس تفسیر حیات میں آجائے گا۔ آرٹ کا موضوع اگر زندگی ہے تو اسے مکمل زندگی ہونا چاہیے۔ ایسی زندگی کہ جس کے کمال کے آگے عروج کی منزلیں پس ماندہ ہوں اور فکر و نظر کی انتہائی پرواز کو بھی اپنے عجز کا اعتراف کرنا پڑے۔ زندگی کا یہ کمال اپنی تفسیر کے لئے جب شاعری کا موضوع بن جاتا ہے تو شاعری حقیقت میں وہ شاعری نہیں رہتی کہ جس پر بے مقصدی یا آوارہ خیالی کی تہمت لگائی جائے۔ نعت گو شعرا نے جس زندگی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اس کا

نمونہ زندگی کے گوناگوں مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ وہ مسائل نظری بھی ہیں، فکری بھی ہیں اور عملی بھی۔ مثال کے طور پر اقبال کی شاعری کو مقصدی شاعری کہا جاتا ہے۔ اور ان کے آرٹ کو زندگی کے ساتھ ہم آہنگ بتایا جاتا ہے۔ دراصل اقبال کی یہ مقصدی شاعری بھی اس ایک حقیقت کی ترجمانی کر رہی ہے جسے حقیقت محمدیؐ کہتے ہیں۔ اقبال کا مرد خودی، مرد کامل، مرد مومن، مرد قلندر، عشق، عقل، حکمت سب کچھ اس ایک زندگی کا ترجمان ہے۔ اقبال کی شاعری دراصل رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی آئینہ دار ہے جو منطقی، حکیمانہ، ادیبانہ اور شعری دلآویزیوں کے ساتھ نغمۂ حیات بن کر زندگی کا پیام پہنچا رہی ہے۔ دراصل نعت گوئی ابتدا ہی قطعاً مقصدی رنگ لیئے ہوئے تھی۔ دربار رسولؐ کا پہلا نعت گو شاعر جس نے صداقت اور حقیقت شناس بن کر اپنے آقا کی مدح سرائی کی وہ دراصل دشمنوں کا جواب تھا۔ اس کی شاعری 'خلق نبیؐ' کی آئینہ دار تھی۔ تعلیمات نبویؐ کی ترجمان تھی اور جو بھی تھا خلوص اور محبت کی زبان میں تھا۔

حضرت حسانؓ کی زبان نے وہ کام کیا جو خطیبوں کی جادو بیانی سے نہ ہو سکا۔ جہاں ترغیب و تحریص کی ہزاروں تدابیر بے نتیجہ ثابت ہوئیں وہاں شاعر کی سحر آفرینی کام کر جاتی۔ جہاں مجاہدین کی سرفروشی کارگر نہ ہوتی وہاں شاعر خوش فکر کی گرم گفتاری اور شعلہ بیانی سے کام لیا جاتا۔ حضرت حسانؓ نے اپنی نعتیہ شاعری کے مقصدی ہونے کو اس طرح ظاہر کیا ہے۔

هجوت محمدا فاجبت عنه ۔۔۔ وعند الله فی ذاك جزاء

(ترجمہ: تو نے ایسے کی ہجو کی جو سراپا تعریف میں محمدؐ ہے
اور میں نے اس کا جواب دیا اور اس کی جزا اللہ کے نزدیک ہے۔)

لہ دیوان حسان بن ثابت صفحہ ۲۔

تو یہاں نعت گوئی کا مقصد ناموس رسولؐ کی حفاظت، تعلیمات رسولؐ کی تبلیغ، اپنے خلوص عقیدت اور محبت کا اظہار اور اللہ سے اس کی جزا کی امیدواری قرار پایا۔

(۳) اصلاحی نعت

مقصدی نعت کے ساتھ اصلاحی نعت کی اردو ادب میں کمی نہیں ہے جو بذات خود ایک طور پر مقصدی ہے کثیر تعداد معراج نامے، وفات نامے، شمائل نبویؐ، معجزے ناموں میں ایسا کلام کثرت سے ملتا ہے جس میں اصلاحی روش اختیار کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دکن میں اس ادب کی ابتدا مقصدی اور اصلاحی رنگ سے ہوئی۔ ذکر نبیؐ کو عام کرنے کے لئے اسوۂ حسنہ کو لوگوں تک پہنچانے کی غرض سے عقائد میں پختگی اور مذہبی معلومات میں وسعت پیدا کرنے کی خاطر شعرا نے سیرت نبیؐ کے مختلف ابواب کو نظم کیا۔ مولانا باقر آگاہ نے "ہشت بہشت" لکھ کر سیرت رسولؐ کی منظوم اور ضخیم کتاب صحت روایات کا لحاظ کرتے ہوئے لکھی اور جیسا کہ انھوں نے کتاب کے شروع میں تصنیف کے مقصد میں لکھا ہے اس منظوم سیرت لکھنے کی غرض و غایت یہ تھی کہ ان غلط روایات کا سدِ باب کیا جائے جو عام طور پر نعت میں داخل ہوگئی ہیں اور اس طرح لوگوں کے غلط عقائد کی اصلاح ہو۔ اس کے علاوہ میر نوازش علی شیدا کی "اعجاز احمدی" انہی خصوصیات کی حامل ہے۔ جدید اردو شاعری میں نعتیہ کلام نے ایک نیا رنگ اختیار کیا جو زمانے کے مزاج اور اس کے تقاضے کا آئینہ دار ہے۔ اس کی اصل محرک مسلمانوں کی مذہبی یعنی اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی زبوں حالی ہے۔ مولانا حالی اور مولانا شبلی کا دور اردو شاعری کے لئے اصلاحی دَور کہلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی برکات سے نعتیہ شاعری کیوں کر محروم رہتی۔ ہر دو بزرگوں نے نعتیہ شاعری کی مقصدی مگر غیر حقیقی روش کو چھوڑ کر ایک ایسی راہ نکالی جس نے اصلاح قوم کا

بڑا سامان کیا۔ مولانا حالی نے ایک نہایت مستند اور اثر میں ڈوبی ہوئی نظم لکھی جو صاف، سادہ اور شگفتہ انداز میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی نعتیہ ادب میں اس رنگ کی نظم مشکل سے ملے گی۔ مولانا شبلی کی نظمیں بھی نہایت موثر انداز میں اسوۂ رسولؐ کی آئینہ داری کرتی ہیں۔ چنانچہ اس دور میں نعت گوئی کی ایک نئی طرح ڈالی گئی جس کی تقلید آنے والے نعت گو شعراء نہایت خوش اسلوبی سے کر سکے۔ اب نعتیہ مضامین کو نظم کرنے میں معراج نامے، وفات نامے۔ شمائل نبویؐ۔ معجزات کو نظم کرنے کے قدیم رجحانات میں زبردست انقلاب پیدا ہوا۔ فوق العادت واقعات سے شعراء کی دلچسپی کم ہو گئی اب وہ سیرت پاک کے وہ مضامین نظم کرنے کی فکر میں ہیں جن سے ہماری زندگی کے موجودہ مسائل متعلق ہیں۔ مسلمانوں کے زوال اور ان کی نکبت کا سبب شعراء نے اطاعت رسولؐ کی کوتاہیوں کو بتایا اور رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہونے کی ترغیب دی۔

اس اصلاحی نعتیہ رنگ کے شعراء میں ــ طبا طبائی، ڈاکٹر اقبال، مولانا ظفر علی خاں، حفیظ جالندھری ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ ماہر القادری کا نعتیہ کلام بھی انہی اثرات کے تحت اصلاحی رنگ لئے ہوئے ہیں۔

باب دوم

اُردو نعتیہ شاعری کے ماخذ:

(الف) عربی نعت - (ب) فارسی نعت -
(ج) نعت گوئی پر ہندوستانی صنمیات کا اثر -

(الف) عربی نعت:

عربی نعت میں ہم سب سے پہلے مدینہ کی بچیوں کا وہ گیت پیش کرتے ہیں، جو نہایت معصوم انداز میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں استقبال کے موقع پر گایا گیا۔

اشرق البدر علینا　　من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا　　مادعیٰ للہ داع
ایھا المبعوث فینا　　جئت بالامر المطاع

ان اشعار میں بیان کی سادگی کے ساتھ خلوص اور محبت کی فراوانی پائی جاتی ہے۔

رسولِ کریم صلعم کو بدر سے تشبیہہ دی گئی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر کا اظہار ہے کہ اس نے انہیں ہدایت سے نوازا۔ ساتھ ہی اطاعت رسول کے عزم کا بیان بھی سادہ اور پر عظمت ہے۔

سب سے قدیم قصیدہ جس میں رسولِ کریمؐ کی مدح کی گئی ہے وہ اعشٰی کا ہے۔ یہ وہ نعت گو شاعر ہے جو ایمان سے مشرف نہیں ہوا۔ اس کے نصیب میں عقیدت کے صرف یہی چند پھول آئے جو شاعر بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کرنے کے لئے روانہ تو ضرور ہوا لیکن آخر شقاوت سعادت پر غالب آ گئی اور دنیا کے لالچ نے دینی نعمت کو ہاتھ سے چھین لیا۔ اس قصے کا بیان طوالت سے خالی نہیں لہٰذا یہاں اسے نظر انداز کرتے ہوئے کلام کا نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

نبی یری مالا ترون وذکرہ ۔۔۔ اغار لعمری فی البلاد وانجدا

لہ صدقات ما تغب ونائلی ۔۔۔ ولیس عطاء الیوم مانعہ غدا

متی ماتناخی عند باب ابن ہاشم ۔۔۔ تراحی وتلقی من فواصلہ ندی

دوسرا قصیدہ اسی نوعیت کا حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جو حالت خوف میں کہا گیا۔ لیکن اس کی فضیلت کے لئے یہی کیا کم ہے کہ خود نبیٔ کریم صلعم نے اسے سماعت فرمایا اور اس کے صلے میں شاعر کو چادر مبارک عطا فرمائی۔ اس نعتیہ قصیدہ کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ ان تضمینوں سے ظاہر ہے جو مختلف زبانوں میں قصیدہ کے اس شعر پر بکثرت کی گئی ہیں۔

إن الرسول لنور یستضاء بہ ۔۔۔ وصارم من سیوف اللہ مسلول

قصیدہ عام رواج کے موافق تشبیب اور تغزل سے شروع ہوتا ہے۔ پھر شاعر ناقہ

کی تعریف کی طرف گریز کر کے چغل خوروں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ ساتھ ہی ان دوستوں کی بھی شکایت ہے جو خفگیِ رسولؐ کے پیشِ نظر اس سے کنارہ کشی اختیار کر رہے تھے۔ مدحِ نبیؐ کی طرف گریز کی یہ صورت ہے:

انبئت ان رسول اللہ اوعدنی | والعفو عند رسول اللہ مامول

فقد اتیت رسول اللہ معتذراً | والعفو عند رسول اللہ مقبول

مهلاً هداك الذی اعطاك نافلة | القرآن فیها مواعیظ وتفصیل

شاعر نے اس قصیدے میں نعتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی مدح اس طرح کی ہے:

ان الرسول لنور یستضاء به | وصارم من سیوف اللہ مسلول

فی فتیة من قریش قال قائلهم | ببطن مكة لما اسلموا زولوا

زالوا فما زال انكاس ولا كشف | عند اللقاء ولا میل معازیل

شم العرانین ابطال لبوسهم | من نسج داود فی الهیجا سرابیل

حضرت حسانؓ بن ثابت ۔ نعت گو شعراء میں حضرت حسانؓ کا یہ شرف نہایت جلیل القدر ہے کہ وہ دربارِ رسالتؐ کے شاعر ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار میں بے پایاں صدق اور خلوص پایا جاتا ہے جو اصحابِ رسولؐ کے جذبۂ ایمان یعنی حبِ نبیؐ کی ترجمانی کرتا ہے۔

بیان اور استدلال کی قوت بھی قابلِ صد تحسین ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ قصیدے کے خد و خال بالکل وہی ہیں جو زمانۂ جاہلیت کے رہے ہیں۔ یعنی تشبیب کے اشعار میں وہی عشق و عاشقی کا مضمون ہے۔ محبوبہ اور دیارِ خالیہ کا ذکر ہے۔ تذکرہ شراب ہے وغیرہ وغیرہ۔

فتح مکہ کے دن جو نعتیہ قصیدہ کہا اس کا رنگ یہ ہے:[1]

---

[1] دیوان حسان بن ثابت صفحہ ۱ - EDITED BY DR. H. HIRSCHFELD, 1910

عفت ذات الاصابع فالجواء الی عذراء منزلها خلاء[1]

دیار من بنی الحسحاس قفر تعفیها الروامس والسماء

محبوبہ کی یاد اور شراب کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ کی اعانت، نصرت اور عطائے فتح عظیم کا بیان ہے۔ اس کے ساتھ شجاعت اصحاب رسولؐ کا تذکرہ بھی ہے کہ سرور کائناتؐ کے اصحاب دشمن کے شعر کا جواب شعر سے دیتے ہیں اور تلوار کا جواب تلوار سے۔

فنحکم بالقوافی من ھجانا ونضرب حین تختلط الدماءُ

وصف نبیؐ کے اشعار یہ ہیں:۔

وقال اللہ قد ارسلت عبداً یقول الحق ان نفع البلاء

شھدت بہ وقومی صدقوہ فقلتم ما نجیب وما نشاء

وجبریل امین اللہ فینا وروح القدس لیس لہ کفاء

بانّ سیوفنا ترکتک عبدا وعبد الدار سادتھا الاماء

الا ابلغ ابا سفیان عنّی فانت مجوّف نخب ھواء

ھجوت محمداً فاجبت عنہ وعند اللہ فی ذاک الجزاء

اتھجوہ ولست لہ بکفو فشرکما لخیرکما الفداء

فمن یھجو رسول اللہ منکم ویمدحہ وینصرہ سواء

فان ابی ووالدہ وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

قصیدے کے خدوخال سے یہ امر واضح ہے کہ اسلام کی برکات سے عرب کا مذہب تو ضرور بدل گیا لیکن مذاہب ادبیہ ایک عرصے تک جاہلیت کا رنگ لئے ہوئے رہے۔ چنانچہ متاخرین کے دور میں بھی ادب کا یہی رنگ پایا جاتا ہے۔ البتہ

---

[1] دیوان حضرت حسانؓ بن ثابت صفحہ ۲۔

باہم اس قدر فرق ضرور ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان مضامین کا بیان حقیقت کا بیان تھا اور متاخرین عملی طور پر ان کیفیات سے ناواقف تھے اور صحابہ کرامؓ جاہلیت میں ان سے ناآشنا نہ تھے۔

اس دور میں شعراء نے رسولِ کریم صلعم کے معنوی اوصاف کے بیان کے علاوہ آپ کے حسن صورت کا نقشہ بھی پیش کیا ہے لیکن اوصاف حسنہ کا بیان جس قدر واضح اور حقیقی طور پر اس زمانے کے کلام میں پایا جاتا ہے وہ متاخرین کے یہاں نہیں ملتا. ظاہر ہے کہ جمالِ محمدیؐ کا مشاہدہ اصحاب رسولؐ نے اپنی آنکھوں سے کیا تھا اور یہ سعادت متاخرین کو نصیب نہ ہوسکی. چنانچہ سراپے کے بیان میں انھوں نے زیادہ تر تخیل سے کام لیا۔

حضرت حسانؓ کی نعت گوئی کی خصوصیات ان کے مندرجہ ذیل اشعار سے واضح ہوجائیں گی۔

مستمتحری حلق الهادی یقدمهم　　جلد النحیزة ماحن غیر رعدید

اعنی الرسول فان الله فضّله　　علی البریة بالتقوی وبالجود

فینا الرسول وفینا الحق نتبعه　　حتی الممات ونصر غیر محدود

ماض علی الهول رکاب لما قطعوا　　اذا الکماة تحاموا فی الصنادید

واف وماحن شهاب یستضاء به　　بدر انار علی کلِ الاماجید

مبارك کضیاء البدر صورته　　ماقال کان قضاء غیر مردود

مندرجہ ذیل مدحیہ اشعار جو بہ طور مرثیہ لکھے گئے ہیں ان میں جذب، کیف اور روح پائی جاتی ہے۔ شاعر منبر، مصلی، مسجد، وحی، بکائے زمین و آسمان کا

لہ دیوان حضرت حسانؓ بن ثابت صفحہ ۲۹-

ذکر کرکے لقائے حبیبؐ کے شوق میں بے تاب ہو جاتا ہے اور تمنا کرتا ہے کہ فردوس میں رسولِ مقبولؐ کی زیارت کا شرف حاصل ہو۔ نیز اس رشد و ہدایت کا ذکر بھی ہے جو آں حضرت صلعم کے ذریعے دُنیا کو نصیب ہوئی۔

مابال عینی لا تنام کانّما　　　کحلت ما آقیھا بکحل الارمد

جزعاً علی المھدی اصبح ثاویاً　　　یاخیر من وطئ الحصص لا تبعد

جنبی یقیك الترب لھفی لیتنی　　　غیبت قبلك فی بقیع الفرقد

أأقیم بعدك بالمدینة بینھم　　　یالھف نفس لیتنی لم اولد (۱)

نوراً اضاء علی البریة کلھا　　　من یھد للنور المبارك یھتدی

یارب فاجمعنا معا و نبیّنا　　　فی جنة تثنی عیون الحسد

فی جنة الفردوس والبھا انا　　　یاذا الجلال وذا العلا والسودد

واللّٰہ اسمع ما حییت بھالك　　　الا بکیت علی النبی محمّد

ضاقت بالانصار البلاد فاصبحوا　　　سوداً وجوھھم کلون الاثمد

ولقد ولدناه، وفینا قبرہ　　　وفضول نعمة بنالم نجحد

صلی اللّٰہ و من یحف بعرشه　　　والطیبون علی المبارك احمد (۲)

ایک اور مرثیہ کے نعتیہ اشعار یہ ہیں:

یاللّٰہ ماحملت انثی ولا وضعت　　　مثل النبی رسول الرحمة الھادی

ولا مثل فوق ظھر الارض من احد　　　او فی بذمة جار او بمیعاد (۳)

۱؎ دیوان حضرت حسانؓ بن ثابت صفحہ ۵۸　۲؎ دیوان حضرت حسانؓ بن ثابت صفحہ ۵۹

۳؎ دیوان حضرت حسانؓ بن ثابت صفحہ ۵۹۔

یہ قصائد تاریخ مدح رسولؐ میں نہایت اہم ہیں۔ وہ مرثیے جن میں حزن و ملال اور بکاء کے مضامین پائے جاتے ہیں حقیقت میں ثنائے رسولؐ ہی میں داخل ہیں اور عام مرثیوں سے اس طور پر مختلف ہیں کہ ان میں غم فراق کے اظہار کے ساتھ "لقائے رسولؐ فی الخلد" کی تمنا بھی پائی جاتی ہے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کے نعتیہ کلام میں چند الفاظ مثلاً ہادی، مہدی، بدر، نور وغیرہ توجہ طلب ہیں۔ اسی طرح شاعر نے صلی اللہ (جملہ دعائیہ) کو رسولِ کریمؐ اور صحابہ کرامؓ دونوں کے لئے استعمال کیا ہے مثلاً:۔

صلی الالٰہ علی الذین تتابعو　　　یوم الرجیع فاکرموا واثیبو (۱)

حضرت حسانؓ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وہ نعتیہ فقرات ہیں جو آپؓ کے خطبات میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ نعتیہ کلام بھی آپؓ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے:۔

رزانا رسول اللہ فینا فلن نری　　　بذالک عدیلاً ما حیینا من الردی
وکان لنا کالحصن من دون اهله　　　له معقل حرز حریز من العدی
وکنا بمراٰہ نری النور والهدی　　　صباحاً مساءً راح فینا او اقتدی
لقد غشیتنا ظلمة بعد موته　　　نهاراً فقد زادت علی ظلمة الدجی
فیاخیر من ضم الجوانح والحشا　　　ویاخیر میت ضمه الترب والثری
فقد نزلت للمسلمین مصیبة　　　کصدع الصفا لاشعب للصدع فی الصفا
وفی کل وقت للصلوة یهیجه　　　بلال ویدعوا باسمه کلما دعی
ویطلب اقوام مواریث هالک　　　وفینا مواریث النبوة والهدی (۲)

۱ه دیوان حضرت حسان بن ثابتؓ صفحہ ۳۹۔

۲ه دیوان امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ (مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور سنہ ۱۳۴۹ھ)

حضرت علیؓ کے نعتیہ اشعار میں شعری عنصر غالب ہے اور رسولِ کریم صلعم کی مفارقت میں اضطرابی کیفیت پائی جاتی ہے لیکن ان جذبات کا اظہار بھی نور۔ ہدیٰ۔ صلوٰۃ وغیرہ جیسے الفاظ کے ساتھ کیا جا رہا ہے جن کے ذریعے عظمت رسولؐ اور ان کی تعلیمات کا صحیح نقشہ پیش کرنا مقصود ہے۔

فرزدق[۵۱]۔ تابعین کے دور میں فرزدق نہایت ممتاز شاعر گزرا ہے۔ اس نے نعت میں یہ جدت پیدا کی کہ مدح رسولؐ اور آلِ بیت کو ایک ساتھ شامل کر دیا چنانچہ جس قصیدہ میں شاعر نے حضرت علی بن الحسینؓ کی منقبت کہی ہے اس کا پہلا شعر یہ ہے:

هذا الذی تعرف البطحاء وطأته　　والبیت یعرفه والحل والحرم

فرزدق کا یہ قصیدہ نہایت بلند پایہ ہے جس میں تصوف کی نفحات بھی پائی جاتی ہیں۔ شاعر اللہ کے شکر کو آلِ رسولؐ کے شکر کے ساتھ شامل کر دیتا ہے اور ان کی محبت کو عین ایمان اور ان سے دشمنی کو کفر قرار دیتا ہے۔ اہلِ بیت سے خلوص کی بدولت فرزدق کو ہشام بن عبد الملک کے ہاتھوں قید کی سختی بھی اٹھانی پڑی اور جب اس حالت میں حضرت زین العابدین نے بارہ ہزار درہم بطور ہدیہ بھیجے تو اس نے یہ کہہ کر واپس کر دئے کہ میں نے مدح جو کی وہ اللہ کے لئے تھی نہ کہ عطاء کی خاطر "مدحته لله تعالیٰ لا للعطاء" لیکن جب حضرت زین العابدینؓ نے فرمایا کہ ہم اہلِ بیت جب ایک چیز دے دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے تو شاعر[۵۲] نے احتراماً یہ عطیہ قبول کر لیا۔ آداب اہلِ بیت کا یہ

---

۵۱ فرزدق حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری زمانے میں پیدا ہوا۔

۵۲ "انا اہل البیت اذا وہبنا شیئاً لا نستعیدہ"۔

ایک ایسا باب ہے جس سے اسباطِ رسولؐ کی رعایت کا سبق ملتا ہے۔

اپنی ادبی خوبیوں کے علاوہ فرزدق کی مدح سرائی اس لحاظ سے بھی قابلِ تحسین ہے کہ اس نے بلا رغبتِ نفع اور خوفِ ضرر اہل بیت سے خلوص کا ثبوت دیا ہے اور اس سلسلے میں وہ بنی امیہ کی جابرانہ سختیاں برابر برداشت کرتا رہا۔

نعتِ نبیؐ کے ارتقاء میں ہم نے ان مدحیہ اشعار کا جائزہ لیا جو نعت کی ابتداء سے تعلق رکھتے ہیں۔ الاعشیٰ اور حضرت کعب بن زہیرؓ کا رنگ بالکل بادشاہ اور رؤساء کی مدح سرائی کا ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے یہاں خلوص اور محبت کی فراوانی ہے۔ حضرت علیؓ کے یہاں یہی صورت دینی فریضہ کی ادائی کے طور پر ہے۔ پھر اہل بیت پر مظالم اور ان سے محبت نے نعت کے ساتھ منقبت کو بھی شامل کر دیا اور یہ آخری صورت جو نعت نے اختیار کی اس کا چرچا چوتھی صدی ہجری میں انتہائی کمال پر تھا۔

نعتِ نبیؐ میں جو فقرات شعراء وغیرہم نے اپنے کلام میں جابجا استعمال کیے ہیں وہ بے حد و حساب ہیں۔ نمونۃً چند ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:۔

سلیل آکرم نبعۃ وفریع اشرف بقعۃ۔ جاء بامتہ من الظلمۃ الی النور۔ وافاء علیہم الظل بعد الحرور۔ محمد نبی اللہ وصفوتہ۔ وخیرتہ من بریتہ۔ خیرۃ اللہ من خلقہ وحجتہ فی ارضہ۔ والھادی الیٰ حقہ والمنبہ علی حکمہ۔ والداعی الیٰ رشدہ۔ مبارک مولدہ۔ سعید موردہ۔ ساطع صباحہ متوقد مصباحہ۔ مظفرۃ حروبہ۔ میسرۃ خطوبہ۔ آخر الانبیاء فی الدنیا عصرا۔ واولھم یوم الدین ذکرا وارجحھم عند اللہ میزانا واوضحھم حجۃً وبرھانا وغیرہ وغیرہ

اس طرح منقبت اہل بیت کو نعت نبیؐ سے گہرا تعلق ہو گیا۔ چنانچہ عربی ادب

میں مدح اہل بیت کو فروغ واقعہ کربلا کے بعد ہوا جب اہلِ بیت مسلسل جور وستم کا شکار ہو کر راہ خدا میں شہید ہوئے۔ فرزدق کے علاوہ الکمیت بن زید الاسدی بھی مداحین اہلِ بیت میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ یہ شاعر ۶۰ سنہ ہجری میں کوفہ میں پیدا ہوا۔ وہ انساب، اشعار اور احوال زمانۂ جاہلیت کا بڑا عالم تھا اور حُبِّ اہل بیت اس کا ایمان رہا۔ الکمیت کا عقیدہ تھا کہ حُبِّ اہلِ بیت ہی سے حق وصداقت کی منزل طے کی جا سکتی ہے جو تقرب الی اللہ کا وسیلہ ہے۔ اس محبت کی پاداش میں اسے قید کی مصیبت بھی اٹھانی پڑی۔ ایک روز شاعر قید سے بھاگ کر روپوش ہو گیا تو رسُولِ کریمؐ کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ تیرا خوف کس وجہ سے ہے۔ شاعر نے جواب دیا " بنی امیہ سے خائف ہوں اور یہ شعر پڑھا۔

الم ترنی من حبّ آلِ محمّد　　　　اروح واغد وخائفا اترقب

رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اظہر فان اللہ قد امنک فی الدنیا والاخرۃ "

الکمیت کے علاوہ دعبل، الشریف الرضی اور مہیار نے اہل بیت کی مدح خلوص سے سرشار ہو کر کی ہے۔ مہیار نے اپنے ان مدحیہ قصائد میں سیاسی دقت نظری کا بھی ثبوت دیا ہے۔ اس کا بیان شہادت نہایت دردانگیز ہوتا ہے اور وہ قتلِ حسینؓ کو تقریباً شرک قرار دیتا ہے۔

بردۃ البوصیری۔

بوصیری (متوفی ۶۹۶ھ) ساتویں صدی ہجری کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ نام محمد بن سعید بن حماد بن عبداللہ بن صنہاج ہے۔ شاعر کے آباؤ اجداد میں سے کوئی ابوصیر کا رہنے والا تھا لہذا یہ بھی اسی مقام سے منسوب ہوئے،

اور بوصیری کہلائے۔

بوصیری کے قصیدے بردہ نے نعتیہ ادب میں جو مقام حاصل کیا وہ کسی اور نعتیہ قصیدہ کو نصیب نہ ہو سکا۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اقطار اسلامیہ میں اسے نہایت کثرت سے پڑھا جاتا ہے اور اس کی خاص مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ اس قصیدے نے مسلمانوں کی تعلیم، ان کے ادب، تاریخ اور اخلاق پر نہایت گہرا اثر ڈالا ہے۔ چنانچہ اس کی شرحیں بیشمار لکھی گئیں۔ اسے نصاب تعلیم میں شامل کر کے ادبی شاہکار کے طور پر آج تک پڑھایا جاتا ہے۔ اس کی تضمینیں بھی کثرت سے کی گئیں اور اس طرح شعری ادب میں اس ایک قصیدے نے بڑی وسعت کا سامان کیا۔

بردہ (۱۸۲) ابیات کا قصیدہ ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

امن تذکر جیران بذی سلم مزجت دمعاً جری من مقلة بدم

ام ھبت الریح من تلقاء کاظمة او اومض البرق فی الظلماء من اضم[1]

شاعر نے تشبیب کے بعد خواہش نفسانی کی مذمت کی ہے۔ پھر مدح نبیؐ کا مضمون باندھا ہے جس میں آپؐ کی ولادت، معجزات، قرآن، معراج اور جہاد کا بھی ذکر ہے۔ آخر میں شفاعت رسولؐ کی تمنا کے علاوہ بارگاہ ایزدی میں مناجات کو بھی شامل کر دیا ہے۔

قصیدے کی تشبیب عام رنگ میں ہے یعنی وہی عشق کا بیان ہے۔ اظہار شوق ہے۔ آنسوؤں کی بارش ہے۔ لاغری، درد اور مصیبت کا مضمون ہے۔

ایحسب الصب ان الحب منکتم مابین منسجم منه ومضطرم[2]

۱؎ و ۲؎ قصید بردہ (مطبوعہ تاج کمپنی لاہور) صفحہ ۲۔

پھر ہوائے نفس سے باز رہنے کی خواہش ہے۔ حقیقت میں شاعر کے اعلیٰ مذاق اور اس کی شاعری کا انتہائی کمال ہمیں ان اخلاقی مضامین میں نظر آتا ہے جنہیں تشبیب کے ساتھ نہایت حسن وخوبی سے جوڑ دیا گیا ہے۔ تشبیب کی اس عام روش میں بھی بوصیری نے انفرادی شان پیدا کی ہے اور اس طرح قصیدے کے اس حصہ کو مقدس موضوع کی مناسبت سے اخلاقی مضامین سے سنوارا ہے۔ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف گریز کی صورتیں بے ساختہ ہیں جن میں باہم ربط نہایت حسن وخوبی سے پیدا کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کو محسوس نہیں ہوتا کہ شاعر ایک بات کہتے کہتے خواہ مخواہ دوسری بات چھیڑ رہا ہے۔ تشبیب کے بعد شاعر معلم اخلاق بن کر تمثیلات کے ذریعے اخلاقی مضامین ذہن نشین کراتا ہے۔

والنفس کالطفل ان تھملہ تب علی　　حبّ الرضاع وان تفطمہ ینفطم

فاصرف ھداھا وحاذر ان تولیہ　　ان الھدی ما تولّی یصم اویصم[1]

قصیدے میں مضمون کا یہی رنگ نہایت بدیع ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اشعار ضرب الامثال کے طور پر استعمال ہونے لگے ہیں۔ مندرجہ بالا اشعار میں شاعر نے نفس کو بچہ سے تشبیہہ دی ہے کہ جب تک دودھ پلایا جائے گا وہ برابر پیتا رہے گا لیکن جب اس کا دودھ چھڑا دیا جائے گا تو یقیناً وہ چھوڑ بھی دے گا۔ پھر اس امر کی تلقین ہے کہ نفس کو اس کی آرزوؤں سے روکنا چاہیئے۔ اس لئے کہ ہوا وہوس کا غالب ہوجانا زندگی کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔ مدح نبیؐ میں جہاں حضورؐ کے دیگر اوصاف کا بیان ہے آپؐ کی انتہائی

---

[1] قصیدہ بردہ صفحہ ۶،۵۔

مشقت کا ذکر بھی ہے۔ کثرتِ عبادت کے ساتھ فاقوں کا تذکرہ بھی ہے۔ آپؐ کے آمر اور ناہی ہونے کا اظہار بھی ہے۔ نیز آپؐ کی فضیلت خَلق وخُلق دونوں کی وضاحت ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

محمد سید الکونین والثقلین | والفریقین من عرب ومن عجم
نبینا الآمر الناهی فلا احد | ابر فی قول لا منه ولا نعم
هو الحبیب الذی ترجیٰ شفاعته | لکل هول من الاهوال مقتحم
دعا الی الله فالمستمسکون به | مستمسکون بحبل غیر منفصم (۲)

بوصیری کے قصیدے کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ باوجود خلوص کی فراوانی کے شاعر نے وصفِ نبیؐ میں حدود سے کہیں تجاوز نہیں کیا اور نہ کہیں غلو کی صورت پیدا کی۔ شاعر اس کی تلقین شدت سے کرتا ہے کہ مدحِ نبیؐ کے بیان میں وہ روش ہرگز اختیار نہ کی جائے جو ہم حضرت عیسیٰؑ کے متبعین میں پاتے ہیں۔

دع ما ادعته النصاری فی نبیهم | واحکم بما شئت مدحا فیه واحتکم (۳)

عربی نعت میں ابوبکر تقی الدین بن علی بن عبداللہ الحموی (ولادت سنہ ۷۶۷ھ وفات سنہ ۸۳۷ھ) کا قصیدہ بدیعیہ بھی نہایت اہم ہے جو "خزانۃ الادب" کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصیدے میں دیگر مضامین کے ساتھ نعت نبی کریم صلعم بھی شامل ہے۔ جس کے (۱۴۲) اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ مدائح ابن نباتۃ المصری بھی عربی نعتیہ ادب میں گرانقدر اضافہ ہے جو جمال الدین محمد بن محمد مصری (ولادت ربیع الاول سنہ ۶۸۶ھ

---

۲ و ۳ قصیدہ بردہ صفحہ ۹، صفحہ ۱۱۔

وفات سہ شنبہ صفر سنہ ۸۶۸ھ) کی تصنیف ہے۔ اس میں پانچ نعتیہ قصیدے ہیں۔ ان قصائد میں زیادہ تر لفظی صناعی سے کام لیا گیا ہے۔ ان کا رنگ اُردو کے مشہور نعت گو شاعر محسن کاکوروی کے کلام سے ملتا ہے۔ نمونتہً چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

شبحون نحوها العشاق فاؤا　　وصبِ ماله فی الصبر راء

صحا القلب لولا نسمة تتخطّر　　ولمعة برق بالفضا تتعثر

نبیّ اتمّ الله صورة فخرہ　　وادم فی فخّار یتصور(۱)

اُردو ادب میں نعت گوئی کے پس منظر کو پیش کرنے میں عربی نعت سے متعلق نہایت اختصار سے کام لیا گیا ہے اور صرف وہ حصے نمایاں کئے گئے ہیں جن کا اثر ہم فارسی اور اُردو نعت پر پاتے ہیں۔ مضامین اسلوب اور اصناف سخن کے اعتبار سے فارسی نعت گو شعراء نے عربی ہی سے خوشہ چینی کی ہے۔ گو مقامی اور وقتی اثرات نے ان خصوصیات میں اضافہ کی اچھی اور بُری دونوں صورتیں پیدا کیں۔

(ب) فارسی نعت

فارسی میں نعتیہ شاعری کی ابتداء اور اس کے ارتقاء کو معلوم کرنے کے لئے جب عہد سامانی پر نظر ڈالتے ہیں تو اس دَور کے ممتاز شعراء میں ہمیں

---

۵۱ المدائح النبویہ، زکی مبارک صفحہ ۱۸۸۔

رودکی نظر آتا ہے جو فارسی شاعری کے دَورِ اوّل کا پہلا اہم اور ممتاز شاعر ہے۔ رودکی کے یہاں نعتیہ کلام نہیں ملتا۔

دوسرا دَور عہدِ غزنوی سے متعلق ہے جس نے فردوسی جیسے نامور شاعر کو پیدا کیا۔ فردوسی کے کلام کے محاسن اور کمالات نے اس کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا۔ شاعر نے شاہ نامہ میں تبرکاً نعتیہ اشعار کہے ہیں اس کا ایک شعر یہ ہے۔

بگفتار پیغمبرت راہ جوئی ۔۔۔ دل از تیرگیہا بدیں آب شوئی [۱]

فارسی شاعری کے تیسرے دَور یعنی عہدِ سلجوقی میں تصوف نے شعر کو ایک نئے انداز، نئے فکر، نکھرے، ستھرے لطیف پیرائے میں جذب، کیف اور مستی سے سرشار پیش کیا ہے۔ اب شعر میں عرفان اور معرفت کے مسائل عشق کی لطافتوں کے ساتھ بیان میں آنے لگے۔ شاعر کی نظر شاہد مجازی کے حسن و جمال میں شاہد حقیقی کی جلوہ فرمائیاں دیکھنے لگی۔ اس دَور کے ممتاز رباعی گو شعراء میں باباطاہر (اواخر قرن چہارم) ابوسعید ابوالخیر (ولادت ۳۵۷ھ ۹۶۸ء۔ وفات ۴۴۰ھ، ۱۰۴۹ء) اور عبداللہ انصاری (ولادت سنہ ۳۹۶ھ، وفات سنہ ۴۸۱ھ) ہیں۔ ان کے یہاں نعتیہ رباعیات بھی ملتی ہیں۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر کی ایک رباعی نمونۃً ذیل میں درج کی جاتی ہے:

خداوندا بگردانی بلا را ۔۔۔ ازیں آفت نگہداری تو مارا
بحق آں دو گیسوئے محمدؐ ۔۔۔ زبوں گردان زبردستان مارا [۲]

اس دَور کے ممتاز صوفی شعراء میں حکیم سنائی (ولادت سنہ ۴۳۷ھ وفات سنہ ۵۲۵ھ) نے نعت کی طرف خاص توجہ کی چنانچہ ان کی تصانیف نعتیہ

---

[۱] آغاز شاہ نامہ گفتار در ستائش پیغمبر و یارانش

[۲] رباعیات حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر مطبوعہ عالمگیر پریس لاہور۔ ۱۹۴۵ء صفحہ ۱۲۔

مضامین میں سے پُر ہیں۔ سنائی کی مثنویات حدیقہ، طریق التحقیق، سیرالعباد وغیرہ
میں نعتیہ کلام مستقل عنوانات کے تحت ملتا ہے۔ اس کے علاوہ مثنوی اور قصیدہ
دونوں اصناف سخن میں نعتیہ مضامین بیان کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حکیم
سنائی کو اس لحاظ سے بھی اولیت کا مرتبہ حاصل ہے کہ انھوں نے نعتیہ مضامین
کو مستقل اور مسلسل مباحث کی صورت بخشی۔ ان کے خیالات میں صوفیانہ گہرائی، ذہنی بختگی
اور الہامی پختگی کے علاوہ خلوص کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ نعتیہ مضامین
کے لئے ان کی نظر ہمیشہ قرآن اور حدیث پر رہتی ہے۔ تصوف کی زبان میں
قرآنی مضامین کا بیان ایک نئے انداز کی دلآویزی کا کام کرتا ہے جو شاعر کے
والہانہ احساسات کی راہ سے جلوہ گر ہوکر کیف آور سماں باندھ دیتا ہے۔
حقیقت محمدیؐ کے بیان میں شاعر کا حکیمانہ انداز شعری محاسن کے
ساتھ ایجاز کا نادر نمونہ ہے جو سنائی کے کلام کے اعجاز پر شاہد ہے۔

عالم جزو را نظام بدو — غرض "نفس کل" تمام بدو
قدمش در ازل نفر سودہ — قدمش در ابد نیا سودہ
فیض فضل خدائی دایۂ او — فر پر ہما ئی سایۂ او
آمد اندر جہاں جان ہر کس — جان جانہا محمدؐ آمد و بس[۵۱]

فریدالدین عطار (ولادت سنہ ۱۱۹ء، وفات سنہ ۱۲۳۰ء) بھی اسی
عہد کے ممتاز نعت گو شاعر گزرے ہیں جن کی مثنوی منطق الطیر نے ان کے نام
کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔ عطار نے اپنی مختلف مثنویوں میں نعتیہ کلام کو
شامل کیا ہے۔ ان کا ایک نعتیہ قصیدہ بھی ہے جو ان کے دیوان میں درج ہے۔

---

۵۱ حدیقۃ الحدائق صفحہ ۱۸۲ تا ۱۸۴۔

شاعر نے نورِ محمدیؐ کے ظہور کے مراتب اور فضائل نہایت شرح و بسط سے بیان کئے ہیں۔ ان کے بیان میں سادگی، سلاست، روانی اور شیرینی پائی جاتی ہے عطار کی اس خصوصیت میں صرف شیخ سعدیؒ ہی ان کے ہم پلہ قرار دئے جا سکتے ہیں شاعر بارگاہ رسالتؐ میں نیازمندانہ اور عاجزانہ شان سے پیش ہوتا ہے اور حقیقت میں اس کی باریابی بھی اسی خلوص کی مرہونِ منت ہے۔

وصف او در گفت چوں آمد مرا — چوں عرق از شرم خود آید مرا

او فصیح عالم و من لال او — کے توانم داد شرح حال او

انبیاء در وصف او حیران شدہ — سر شناساں نیز سرگرداں شدہ[1]

نظامی

(ولادت سنہ ۵۳۵ھ وفات سنہ ۵۹۹ھ اور سنہ ۶۰۲ھ کے درمیان)

عہد سلجوقی میں نعت گو شاعر کی حیثیت سے نظامی کا مقام نہایت بلند ہے۔ "مثنویات خمسہ" میں نظامی کی عظمت کا دارومدار ان کے نعتیہ کلام پر ہے حقیقت یہ ہے کہ شاعر نے کمالِ فن کے اظہار کا ذریعہ بھی نعت کو بنایا اور اپنی ساری صلاحیتیں اس میں صرف کیں۔ نظامی جو خمسہ کے موجد گردانے جاتے ہیں ان کے خمسہ کی ہر مثنوی کے آغاز میں حمد کے بعد نہایت بلند پایہ اور روح افزا نعتیں ملتی ہیں۔ معراج نامہ لکھنے میں انھیں امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ براعت اسلوب، موقع نگاری، اثر آفرینی، زور اور روانی ان کے نعتیہ کلام کی ممتاز خصوصیات ہیں۔ بارگاہ رسالت سے وابستگی اور انعام طلبی شاعر کی

---

[1] منطق الطیر (عطار) بحوالہ نعت سید المرسلین صفحہ ۱۰۔

زندگی کا حاصل ہے۔ جو کچھ ہے بس اسی جناب کی غلامی میں ہے۔ شاعر دست سوال دراز کرتا ہے تو اللہ کا واسطہ دے کر اللہ کے نام پر سوال کو محمدؐ کے درِ دولت پر باریابی نہ ہوگی تو پھر کہاں ہوگی۔

چوں تربیت حیات کردی — حل ہمہ مشکلات کردی
زاں لوح کہ خواندی از بدایت — در خاطر ما فگن یک آیت
اے کار مرا تمامی از تو — نیروئی دل نظامی از تو
زیں دل بدعا قناعتی کن — وز بہرِ خدا شفاعتی کن [۱]

خاقانی (وفات در سنہ ۵۹۵ھ)

خاقانی کا پایہ قصیدہ گوئی میں نہایت بلند ہے۔ یہاں تک کہ اسے قصیدہ کا بادشاہ کہا گیا ہے۔ خاقانی کا شاہکار جس نے فارسی شاعری کو قصیدہ گوئی کے محاسن سے مالامال کر دیا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا گیا۔ شاعر نے اس کا نہایت اہتمام کیا ہے کہ افضل البشر کی مدح بھی افضل المدائح کی شان میں پیش کی جائے۔ دراصل یہ سخن آفرینی شاعر کا انتہائی خلوص ہے کہ وہ آقائے نامدارؐ کے حضور میں بہتر سے بہتر ہدیہ سخن لے کر پیش ہوا۔ اس کے لئے شاعر نے جو جتن کیے، اس کے ثبوت میں اس کا کلام کافی ہے۔ خاقانی کا نعتیہ قصیدہ نہ صرف خاقانی کے بلکہ فارسی زبان کے شاہکار قصیدوں میں شمار ہوتا ہے۔ خاقانی اپنی طرز کا آپ موجد ہے۔ مشکل ردیف اور قافیے پر حیرت انگیز قدرت حاصل ہے۔ زورِ طبیعت کے باعث زورِ بیان کی فراوانی پائی جاتی ہے۔

---

[۱] لیلیٰ مجنوں صفحہ ۱۶ نسخہ مرتبہ "وحید دستگردی" طہران۔

پئے ثنائے محمدؐ برآر تیغ ضمیر — کہ خاص برقد او بافتند درع ثنا
زباں بستہ بمدح محمدؐ آرد نطق — کہ نخل خشک پئے مریم آورد خرما

مالک الملک سخن خاقانیم کز گنج نطق — دخل صد خاقان بود یک نکتۂ غرائے من
از مصاف بولہب فعلاں نہ پیچانم عناں — چوں رکاب مصطفےٰ شد مقصد ملجائے من
قاسم الرحمۃ ابوالقاسم رسول اللہؐ کہ ہست — در ولائے او خدیو عقل و جان مولائے من[^1]

رومی (ولادت سنہ ۱۲۰۷ء وفات سنہ ۱۲۷۳ء)

مولانا جلال الدین رومی کو فارسی زبان کے صوفی شعراء میں جو مقام حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ ان کے یہاں اسوۂ محمدیؐ کا بیان ایک نئے ڈھنگ سے، نئے رنگ میں، زمانے کے مذاق کے موافق، تمثیلی انداز میں زندگی کی گتھیوں کو سلجھاتے ہوئے حکمت و عرفان کے مسائل کو دل نشین پیرائے میں پیش کرتے ہوئے شاعرانہ دلآویزیوں کو لئے ہوئے جس قوت کے ساتھ ہوتا ہے وہ دراصل شاعر کی اس باطنی کیفیت کی ترجمانی ہے۔ جو اس کے سینے کو عشق محمدیؐ کے زیر و بم سے ہمیشہ دوچار رکھتی ہے۔

یوں تو مولانا روم کے دیوانِ غزلیات میں بھی ان کے جستہ جستہ نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ لیکن ان کی مشہور آفاق مثنوی کے چھ دفتروں میں مختلف مباحث کے سلسلے میں جو عظمت نبویؐ اور حقیقت مصطفویؐ کو حکیمانہ نظر اور عارفانہ نکتہ رسی سے اجاگر کیا ہے اس کی مثال نعتیہ ادب میں صرف

---

[^1]: ؎ دیوان خاقانی ردیف "ن" صفحہ ۲۳۰ تا ۲۳۷۔

ڈاکٹر اقبال کے یہاں ملتی ہے۔ معانی اور بیان کے نئے نئے اسالیب نعتیہ شاعری کے لئے مولانا ہی نے فراہم کئے ہیں۔

لطف خدائی جملہ کمالات خلق را ۔۔۔ یک چیز کرد و داد بدو نام مصطفیٰ [۵۱]

مارمیت اذرمیت راست داں ۔۔۔ ہر چہ دارد جان بود از جان جاں [۵۲]

گر بصورت آدمی انساں بدی ۔۔۔ احمد و بوجہل ہم یکساں بدی [۵۳]

شدہ غلام صورت بمثال بت پرستاں ۔۔۔ تو چو یوسفی ولیکن سوئے خود نظر نداری

بعصا شگاف دریا کہ تو موسئ زمانی ۔۔۔ بدر آں قبای مہ راکہ تو نور مصطفائی [۵۴]

سعدی شیرازی (ولادت سنہ ۱۱۸۴ء وفات ۱۲۹۱ء)

سعدی کے نعتیہ کلام کی ممتاز خصوصیت بیان کی سادگی اور رسالت مآب سے ان کا خلوص ہے۔ اس لئے ان کے اشعار پُر معانی، پُر سوز اور اثر میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ سبک الفاظ اور خوش آہنگ ترکیبوں سے شاعر کلام کو ترنم ریز بنا کر وجد اور حال کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ جو سنتا ہے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سعدی کے نعتیہ اشعار دلوں میں گھر کر جاتے ہیں او

---

۵۱ دیوان غزلیات رومی معروف بدیوان شمس تبریز مطبع منشی نول کشور ردیف "د"

۵۲ مثنوی مولانا روم دفتر دوم صفحہ ۲۲۴ نسخہ مطبع نامی کان پور

۵۳ مثنوی دفتر اول صفحہ (۲۶) ۵۴ دیوان ردیف "ی"۔

حُبِ نبیؐ میں دل بے چین ہو جاتا ہے۔ ان کی گلستاں، بوستاں اور کریما کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کی وجہ سعدی کا یہی دلنشین پیرایۂ بیان ہے جس کی سادگی پر ہزاروں محاسن قربان ہیں۔ ہر سننے والا یہی محسوس کرتا ہے کہ "یہ بھی میرے دل میں ہے"۔ لیکن اب تک کوئی وہ بات پیدا نہ کر سکا۔ جو سعدی نے باتوں باتوں میں بیان کردی ہے۔ ان کی نعت "بلغ العلیٰ بکمالہ" پر جو کثرت سے تضمینیں لکھی گئی ہیں۔ اس سے اس کی مقبولیت خاص و عام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کے چند ہی اشعار ان کی فضیلت پر شہادت کے لئے کافی ہیں۔

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلّوا علیہ و آلہٖ[ا]

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتی بان
چہ باک از موج بحر آں را کہ باشد نوح کشتی بان[۲]

امیر خُسرو (ولادت ۶۵۱ھ / ۱۲۵۳ء وفات ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء)

ہندوستان کے فارسی شعراء میں امیر خسرو کو نہایت ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ غالب نے بھی فیضِ خسرو کا اعتراف اور اپنی عقیدت مندی کا اظہار نہایت نیاز مندانہ الفاظ میں کیا ہے۔ غالب کا مصرعہ ہے۔

"پیتا ہوں دھو کے خسروِ شیریں سخن کے پاؤں"

ا۔ گلستان مطبوعہ برقی پریس حیدرآباد دکن صفحہ ۳
۲۔ 〃 〃 〃 〃 〃 ۴

خسرو نے اپنی زندگی کے مختلف ادوار کے لحاظ سے اپنے کلام کو مختلف دواوین میں ترتیب دیا ہے۔ ان سب میں نعتیہ قصائد اور غزلیات پائی جاتی ہیں۔ "خمسۂ نظامی" کا نسبتہً کامیاب جواب "خمسۂ خسرو" ہے۔ مثنویات خمسہ اور اپنی تاریخی مثنویات میں خسرو نے طویل نعتیں لکھی ہیں جو آج تک اہلِ تصوف کی محفلوں کے لئے وجد و حال کا سامان کرتی ہیں۔

خسرو کا نعتیہ کلام خلوص، جوش، تڑپ، درد اور سوز سے مملو ہے۔ الفاظ کے زیر و بم سے سحر کارانہ موسیقیت ان کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اس کے علاوہ منظر نگاری جو ان کے کلام کی عام اور ممتاز خصوصیت ہے ان کے نعتیہ کلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ ان کا تغزّل اپنی سادگی اور اثر آفرینی میں سعدیؔ کے رنگ سے ملتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خسرو ان اہل دل بزرگوں میں ہیں، جن کا سرمایۂ افتخار ہی بارگاہ رسالت سے مخلصانہ وابستگی ہے۔ ان کے کلام میں نعتیہ مضامین کا منبع قرآن اور حدیث ہے۔ شاعرانہ رنگ آمیزی کہیں صادق البیانی اور شرعی حد بندیوں سے برسرِ پیکار نظر نہیں آتی۔ جو کچھ ہے حقیقت حال کی ترجمانی ہے جسے شعری دلآویزیوں نے نہایت حسین پیکر بخشا ہے۔ جذب، کیف اور مستی شاعر کی باطنی کیفیت کی آئینہ دار ہے جو عشقِ رسولؐ نے پیدا کی ہے۔

خسرو کے رنگ کا اثر اردو نعتیہ شاعری پر نہایت گہرا اور ہمہ گیر ہے۔ وصف نبیؐ میں شاعر قرآن، حدیث، تصوف، تخیل، جذب، شوق اور خلوص کی آمیزش سے نہایت بدیع مضامین پیدا کرتا ہے۔ بارگاہِ نبویؐ میں ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کے لئے خسرو اپنی شاعری کے سارے محاسن سے کام لیتے ہیں۔ ذیل میں ان کے نعتیہ کلام کا وہ نمونہ پیش کیا جاتا ہے

جس میں اوصاف کا بیان زیادہ ہے اور تغزل کا رنگ کم۔

پیشرو کوکبۂ انبیا — کوکبش از منزلت کبریا
کون و مکاں در خط امکان او — کاین و من کان گہر کان او
کرد لوا نصب در ایوان ہو — تحت لوا آدم و من دونہٗ
از حد ناسوت بروں تاختہ — بر خط لاہوت وطن ساختہ
لعل وے از خاتمت آگہ شدہ — خاتم انگشت ید اللہ شدہ
خاتمش از ہفت فلک حلقہ ساز — یافتہ از مہر نبوت طراز
گرچہ سلیماں شود انگشتریں — خضر او را نرسد در نگیں
گرد شدہ حلقۂ پیغمبراں — خاتمش مہر نہادہ بر آں
ختم نبوت شدہ برہان او — مصحف ختم آمدہ در شان او[1]

جامی (ولادت ۸۱۷ھ / ۱۴۱۴ء وفات ۸۹۸ھ / ۱۴۹۵ء)

مولانا نورالدین جامی نویں صدی ہجری میں علم ادب اور عرفان کے آفتاب بن کر چمکے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ سے اکتساب فیض باطن کے بعد ذوق تصوف نے کمال کے منازل نہایت سرعت سے طے کرائے۔ جامی نے ہر صنف سخن میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا ثبوت دیا ہے۔ خاص طور پر ان کا نعتیہ کلام اہل دل کے حلقے میں نہایت گراں مایہ سمجھا جاتا ہے۔ جامی نے بھی خسروؔ کی طرح بلحاظ ادوار اپنے کلام کو تین مجموعوں میں تقسیم کیا۔ خمسہ نظامی کا جواب لکھا اور نعتیہ شاعری

---

[1] متن قرآن السعدین در نعت رسولؐ صفحہ ۱۱ (علی گڈھ ایڈیشن)۔

کو حکمت و عرفان کے مضامین سے مالا مال کر دیا۔ ان کے کلام میں علم، عرفان، جذب اور کیف کی عجیب و غریب جامعیت پائی جاتی ہے۔ شوقِ دیدار اور اشتیاق زیارت روضۂ انورؐ کے مضامین میں سے شاعر کی باطنی کیفیت کے طوفان کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ ذیل کی مثالیں جامیؔ کے کلام کی ان خصوصیات کو واضح کرتی ہیں۔

یا شفیع المذنبین بار گناہ آوردہ ام
بر درت ایں بار با پشت دوتاہ آوردہ ام
چشم رحمت برکشا موئے سفید من نگر
گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ام
آں نمی گویم کہ بودم سالہا در راہ تو
ہستم آں گمرہ کہ اکنوں رو براہ آوردہ ام
عجز و بے خویش و درویش و دلریش و درد
ایں ہمہ بر دعوئ عشقت گواہ آوردہ ام
دیو رہزن در کمین نفس و ہوا اعدائے من
زیں ہمہ با سایۂ لطفِ پناہ آوردہ ام
گرچہ روے معذرت نگذاشت گستاخی مرا
کردہ گستاخی زباں عذر خواہ آوردہ ام [1]

کے بود یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم گہ بمکہ منزلی و گہہ در مدینہ جا کنم

---

[1] نغمات سماع مولفہ سید نورالحسن (مطبوعہ نظامی پریس بدایوں سنہ ۱۹۳۵ء) صفحہ ۲۲۰۔

بر در باب السلام آیم بگریم زار زار | گہ بہ باب جبرئیل از شوق واویلا کنم
یا رسول اللہ بسوئے خود مرا راہے نمائے | تا ز فرق سر قدم سازم ز دیدہ پا کنم
آرزوئے جنت الماوی بروں کردم ز دل | جنتم ایں بسکہ بر خاک درت ماوی کنم[1]

عرفی (متوفی سنہ ۹۹۹ھ)

عرفی کا مقام شعرائے متقدمین میں نہایت بلند ہے۔ ان کے یہاں شوکت الفاظ اور بلندیٔ مضامین کے ساتھ سلاست اور عذوبت کا کافی لحاظ پایا جاتا ہے۔ جدید استعارات اور نادر تشبیہات نے کلام کو جو زینت بخشی ہے اس سے شاعر کے تخیل کی بلندی اور خدا داد صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ عرفی کا نعتیہ قصیدہ ان کی شاعری کے بے شمار محاسن اور ان کی اعلیٰ صلاحیت کا بیّن ثبوت ہے جس نے اہل علم وفضل سے خراج تحسین وصول کر کے فارسی کے شاہکار قصائد میں جگہ حاصل کی ہے۔ قصیدے کے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

اقبال کرم میگزد ارباب ہمم را | ہمت نخورد نیشتر لا و نعم را
از رغبت دنیا علم آشوب نگردم | زیں باد پریشاں نکنم زلف الم را
فقرم بسیاست کشد از مسند ہمت | در چشم وجود ارند ہم جائی عدم را
بے برگی من داغ نہد بر دل ساماں | بے مہری من زرد کند روی درم را

ثنائے نبیؐ کے اشعار حسب ذیل ہیں:۔

در کوئے تو تبدیل کند مردمک چشم | اجزائے وجود خود و اجزائے قدم را

---

[1] نغمات سماع مولفہ سید نور الحسن (مطبوعہ نظامی پریس بدایوں سنہ ۱۹۳۵ صفحہ ۲۳۱۔

ازبس شرف گوہر تو منشئ تقدیر — آں روز کہ بگذاشتی اقلیم قدم را
تا حکم نزول تو دریں دار نوشتہ است — صدرہ بعبث باز تراشید قلم را
گر جوہر اول بحریم تو درآید — تن در ندھد قامت تعظیم تو خم را[۱]

عرفی بارگاہِ نبیؐ میں ہدیہ خلوص پیش کرتے ہوئے عظمت رسولؐ کا شدید احساس رکھتا ہے۔ اس کی نظر میں کے وجم کا جاہ وحشم سرورِ کونینؐ کے جلال اور کبریائی کے سامنے گرد کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس لئے جب وہ آقائے نامدار کی مدح میں زبان کھولتا ہے تو اس بارگاہ کے آداب کا پورا پورا لحاظ کرتا ہے۔ شاعر کے تاثرات ملاحظہ کیجیے:-

عرفی مشتاب ایں رہ نعت ست نہ صحرا ست
آہستہ کہ رہ بردم تیغ ست قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعت شہ کونینؐ و مدیح کے وجم را[۲]

قدسی

(متوفی سنہ ۱۰۵۴ھ)

قدسی کا نعتیہ کلام بھی حب رسولؐ کے نہایت لطیف اور جوشیلے مضامین سے پُر ہے۔ ان کے یہاں زیادہ تر داخلی جذبات کی ترجمانی ہے جس میں شاعر والہانہ انداز میں ہدیۂ خلوص پیش کرتا ہے۔ شاعر جمال محمدیؐ پر فریفتگی کے ساتھ جلالت رسالت سے سہما سہما معلوم ہوتا ہے۔ وہ

---

[۱] و [۲] کلیات عرفی۔ مطبوعہ منشی نول کشور کانپور سنہ ۱۸۸۲۔ در نعت سرورِ کائنات صفحہ ۵۱۴

لقائے حبیبؐ کی تمنا کے باوجود خود کو باریابی کے قابل نہیں سمجھتا۔ رسالت مآبؐ سے محبت کے رشتے کا اظہار بھی کرتا ہے تو بارگاہ کی عظمت کے خیال سے جذبۂ انفعال کی پریشانی سے دوچار ہوتا ہے۔ وہ حیران ہے کہ اس جمال عالم افروز کو کس نظر سے دیکھوں۔ شاعر کی ساری امیدیں بس ایک در سے وابستہ ہیں اور اس وابستگی کو وہ زندگی کا حاصل سمجھتا ہے۔ مختصر یہ کہ قدسی کی نعت گوئی میں شعری اور ادبی لطافتوں کے ساتھ خلوص کا احساس ہے، تمناؤں کا اظہار ہے، اپنے مقام کی کمزوری اور شان رسالتؐ کی رفعت کا احساس ہے۔ یہ ساری کیفیتیں قدسی کے کلام میں جوش، تڑپ، جذب اور مستی کی آمیزش سے نہایت بدیع مضامین پیدا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام محبان رسولؐ کے لئے نہایت جاذب توجہ رہا ہے۔ یہ غزل قدسی کی نعتیہ شاعری کی خصوصیات کو واضح کرتی ہے۔

مرحبا سید مکی مدنی العربی — دل وجان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم — اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی
چشم رحمت بکشائے سوئے من انداز نظر — اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی
نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را — بہتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی
ماہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات — رحم فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی
نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم — زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی ؎۱

؎۱ نغمات سماع صفحہ (۳۵۳)۔

اقبال

فارسی نعت گو شعرا کے سلسلے کی آخری کڑی اقبال ہیں۔ ان کے کلام پر رومی اور جامی کے نعتیہ رنگ کا اثر نمایاں ہے۔ جس کا اعتراف علامہ نے خود ہی کیا ہے۔

کشتۂ انداز ملا جامیم — نظم و نثر او علاج خامیم

شعر لبریز معانی گفتہ است — در ثنائے خواجہ گوہر سفتہ است [۱]

لیکن اقبال کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے نعت نبیؐ کو فلسفیانہ اور حکیمانہ انداز میں زندگی کے مسائل سے ہم آہنگ کیا ہے۔ اس کی مثال نعتیہ ادب میں کسی زبان میں نہیں ملتی۔ اقبال کے فلسفہ تعلیم، فلسفہ معاشرت، فلسفہ معیشت، غرض کہ ان کے فکر و نظر کے ہر گوشے میں "حقیقت محمدیؐ" بسی ہوئی ہے۔ جو جامع ہے تمام کمالات انسانی کی۔ ان کی نظر میں رسولِ کریم صلعم کا اسوۂ حسنہ زندگی کے ہر مسئلے کا عملی حل بن کر کتاب زیست کی کھلی ہوئی تفسیر ہے۔ اقبال کا "مرد مومن"۔ "مرد خودی" "مرد قلندر"، "عشق"، عقل حکمت اسی ایک حقیقت کے ترجمان ہیں۔ اس لحاظ سے اقبال کی شاعری نعتِ رسولؐ کا ایک ایسا بے نظیر نمونہ ہے جسے دیکھ کر روح پھڑک اٹھتی ہے اور رگوں میں زندگی دوڑنے لگتی ہے۔ اگر زندگی حرکت کا نام ہے تو اقبال کی نعت گوئی اس حرکت کی تفسیر ہے اور زندگی کی تعبیر ہے۔ اقبال نے اسے نہایت خوش اسلوبی سے سنجیدہ، حسین، روح افزا، اور روح فرسا بنا کر پیش کیا ہے۔

اقبال کی شاعری کا ایک انداز حکیمانہ ہے اور دوسرا والہانہ۔ جب والہانہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو شاعر لقائے حبیبؐ کے لئے بے چین ہو جاتا ہے وہ

---

[۱] اسرار خودی و رموز بیخودی صفحہ ۲۰۲ مطبوعہ سنہ ۱۹۴۰ء لاہور)

خود بھی روتا ہے اوروں کو بھی رُلاتا ہے۔ اس کے سینے میں شوق زیارت کا بے پایاں طوفان بپا ہوتا ہے لیکن اس جذب۔ کیف اور مستی کو شاعر آداب سکھاتا ہے کہ وہ بڑی بارگاہ ہے "با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار" کی حقیقت سے وہ خوب واقف ہیں۔ اس لئے اقبالؔ کا نعتیہ کلام شرعی حدود سے کبھی تجاوز نہیں کرتا۔

اقبالؔ کے نعتیہ کلام کا نمونہ مختصراً درج ذیل ہے جس سے ان کے کلام کی خصوصیات کا اندازہ ہو جائے گا:۔

اے ظہور تو شباب زندگی — جلوہ ات تعبیر خواب زندگی
ساز پردازی کہ از آوازۂ — خاک را بخشد حیات تازۂ
فکر شان ریسد ہمی باریک تر — در ع شان با مصطفیٰؐ نزدیک تر [۵۱]
غنچۂ از شاخسار مصطفیٰؐ — گل شو از باد بہار مصطفیٰؐ [۵۲]
طینت پاک مسلماں گوہر است — آب و تابش از یم پیغمبرؐ است [۵۳]

فارسی کے جن نعت گو شعراء کا یہاں ذکر کیا گیا ان کا کلام ہندوستان میں فارسی تعلیمی نصاب کا ہمیشہ جزو بنا رہا۔ اور فارسی کا ہندوستان میں جو مقام رہا ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی ادب کے اثرات اردو ادب پر نہایت گہرے ہیں۔ نعتیہ شاعری اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اردو نعت کے قصائد، مثنویاں، غزل وغیرہ میں ہم فارسی نعت کا تتبع شدت سے پاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اردو نے اس خصوص میں چند نئی راہیں بھی نکالی ہیں لیکن یہ بعد کی چیزیں ہیں جو ہندوستانی اثرات سے نعت میں داخل ہوئیں۔ اردو نعت گوئی کے ارتقاء

---

[۵۱] [۵۲] [۵۳] اسرار خودی و رموز بیخودی صفحہ ۱۴۵، ۱۵۲، ۱۵۴۔

کو ہم عربی اور اس سے زیادہ فارسی سے الگ کرکے قیاس بھی نہیں کر سکتے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر کافی روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ چیز ہمارے مقالے کے مقصد سے خارج ہے، لہذا اس اختصار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(ج) اُردو نعت گوئی پر ہندوستانی ضمنیات کا اثر

ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ جو تمدن آیا اُسے خالص اسلامی تمدن نہیں کہا جا سکتا۔ یہ تمدن ایران کے اثرات سے کچھ بدل چکا تھا۔ پھر دیگر ممالک میں پہنچ کر مختلف اقوام سے ربط نے اس میں اور بھی تغیرات پیدا کر دیئے تھے۔ جب مسلمان ہندوستان پہنچے تو انھوں نے ملک کے تمدن پر گہرا اثر ضرور ڈالا لیکن خود بھی ہندوؤں کے تمدن کے اثرات سے نہ بچ سکے۔ یہی اثرات اسلامی ادب میں بھی سرایت کر گئے ہیں اور انھوں نے کچھ ایسا رُوپ اختیار کر لیا کہ اب عام طور پر یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ غیر اسلامی ہیں۔ اسلامی تصوف پر جو ہندوستانی تصوف کے اثرات ہیں وہ بھی ظاہر ہیں۔

نعت نبیؐ کو خالص اسلامی ادب میں شمار کیا جائے گا۔ لیکن یہی ادب جب ہندوستان پہنچتا ہے تو اپنی چند ممتاز خصوصیتوں کی بنا پر فارسی اور عربی نعتیہ کلام سے الگ اپنا انفرادی رنگ بھی پیدا کر لیتا ہے جو ملکی اثرات کا نتیجہ ہے یہ امتیاز صوری اور معنوی دونوں حیثیتوں سے موجود ہے جس میں ملکی شاعری کی خصوصیات من وعن پائی جاتی ہیں۔

رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی ہندوستان میں آکر ان

اصنام یا دیوتاؤں کی مدح سرائی کی طرز سے نہایت متاثر ہوئی جن کے گیت بھجنوں میں گائے جاتے ہیں۔ ان بھجنوں کی حقیقت یہ ہے کہ آریوں کے غیر معین مذہبی خیالات اپنی قوت تخیل کی آزادی کے ساتھ اپنے لئے کوئی حدود قائم نہ کر سکے۔ کبھی تو یہ بھجن پوری کافرانہ توحید کے مضامین سے مملو ہیں اور کبھی بدترین شرک سے پر ہیں۔ اعتقادات میں باہمی ربط نہیں پایا جاتا۔ الفاظ کو اس قدر غیر محدود، اور غیر معین معنی پہنائے جاتے ہیں کہ ان سے پیدا شدہ اعتقادات میں زبردست فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اصنام پرستی کے اس ماحول میں بقول مصنف "تمدن ہند" "ان دیوتاؤں کی کسی قسم کی کوئی تقسیم نہیں ہو سکتی اور نہ ان کے طبقات قائم ہو سکتے ہیں[۵]۔" خدا کے مفہوم کو بھی کچھ اس طرح غلط ملط کر دیا ہے کہ اس میں مبہم اور غیر معین خیالات پائے جاتے ہیں جس کے اظہار کے لئے الفاظ بھی معین اور غیر مبہم نہیں ہوتے۔ اس طرح یہاں الوہیت بھی الوہیت نہیں رہتی۔ مہا بھارت اور رامائن جو وید کے بعد کی نظمیں ہیں ان میں دیوتاؤں کی عظمت اور ان کی قدرت کو بہت سراہا گیا ہے لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہی عظیم دیوتا انسان یا راکشسوں کے مقابلے میں اپنی عظمت اور قوت کھو بیٹھتے ہیں ان کے عقیدے نے اندرا اور یم کو راون کے ہاتھوں شکست دی گو راون کی حیثیت راکشسوں کے راجہ سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک اور مثال رام چندرجی کی ہے جن کے بھائی لکشمن اپنی بھاوج سیتاجی کی دلجوئی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

---

[۵] تمدن ہند از ڈاکٹر گستاولی بان مترجمہ ڈاکٹر سید علی بلگرامی مطبوعہ شمسی آگرہ سنہ ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۰۱۔

"یہ بالکل محال ہے کہ میرے بھائی کو آسور اور اندر اور تمام دیوتا مل کر بھی شکست دے سکیں"[۵۱]

اس خدائی مفہوم کے عقیدے کی یہ مثال بھی حیرت خیز ہے کہ کالیداس کے ناٹک شکنتلا میں اندر اپنا قاصد راجہ دوشینت کے پاس بھیجتا ہے اور اس سے درخواست کرتا ہے کہ "تم اسوروں کو جا کر مارو۔ کیونکہ میرا بس ان سے نہیں چلتا"۔[۵۲]

اور پھر یہ بھی جائے حیرت ہے کہ راجہ اس درخواست کو قبول کر لیتا ہے اور اسوروں کو جنھیں دیوتاؤں کا راجہ، اندر زیر کرنے سے معذور تھا مغلوب کر لیتا ہے۔ ہندوستانی فضاء میں ایک خدا کا تصور محض خیالی اور بے بنیاد ہے۔ ہر ایک دیوتا وقتی طور پر اقتدار کلی کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔ یعنی جس کے دیوتا کی مدح کی جاتی ہے تو وہ بھجن گانے والوں کے پاس تمام دیوتاؤں سے اعلیٰ اور افضل ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ اصنام پرستی کی یہ تقسیم کم و بیش اس خاکے کے تحت آجاتی ہے۔

"اوّل۔ قوائے فطرتی کی پرستش، دوم، ان قوائے فطرتی کو دیوتا قرار دے کر ان کے نام رکھنا۔ سوم، روح کی بقا کا اعتقاد۔ چہارم، پُرکھوں کی پرستش۔ پنجم۔ کل عالم یعنی انسان اور دیوتاؤں کو ایک بڑے اور زیادہ قوی دیوتا یعنی اندر کے تحت میں لانے کی طرف میلان۔ ششم، مذہب کو بالکل مادی قرار دینا یعنی دیوتاؤں اور انسان میں ایک غرض کا تعلق قائم کرنا،

---

۵۱ تمدن ہند از ڈاکٹر گستاولی بان مترجمہ ڈاکٹر سید علی بلگرامی مطبوعہ شمسی آگرہ صفحہ ۲۰۳۔

۵۲ تمدن ہند " " " " " صفحہ ۲۰۲۔

انسان کو اپنی طرف سے دیوتاؤں کو چڑھاوے دینا اور دیوتاؤں کا اس کے معاوضے میں انسان کو کثرت سے غلہ اور بارش اور مال و صحت عطا کرنا۔"[1]

رگ وید کے سو سے کچھ زیادہ بھجنوں میں تقریباً نصف اندر اور اگنی کی مدح سرائی میں ہیں باقی نصف وہ ہیں جو دیگر دیوتاؤں آفتاب ابر وغیرہ کی تعریف میں ہیں کالیداس بھی بھجن لکھنے والوں میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔

مہابھارت ہند کے ادب میں مہابھارت کا بڑا درجہ ہے۔ اس میں بھی وہی کرامات یا معجزے یا خرق عادات داستانیں ہیں جن میں فلسفی خیالات کو بھی حسن و خوبی سے شامل کر دیا گیا ہے۔ کرشن جی اور ارجن دونوں وشنو کے اوتار بتائے گئے ہیں۔ نیز دیگر پانڈو بھائی اور کورو بھی دیوتاؤں کے اوتار شمار کیے جاتے ہیں۔ اس نظم میں دیوتاؤں، رشیوں اور بادشاہوں کا ذکر ہے۔

رامائن یہ مہابھارت کی قسم کی رزمیہ نظم ہے اس میں بھی فوق الفطرت ماحول پایا جاتا ہے۔ بھوت، پلیت، دیوتا، ہوا کے رتھ، طلسمی مناظر غرض کہ فوق العادت قوت کے مظاہرے شروع سے آخر تک پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قدیم ہندوستان کے ادب میں زیادہ تر دیوتاؤں اور اوتاروں کے قصے ہیں جن میں طلسمی ہتھیاروں سے دشمن کو مغلوب کیا جاتا ہے۔ ساری منطق فوق العادت قصوں کی ایک طلسمی داستان ہے۔ اس جگہ جو چیز قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اس فضا میں شخصیت پرستی نے مذہبی رنگ اختیار کر کے منعوت کی قصیدہ خوانی کو جزو ایمان ہی نہیں بلکہ اصل ایمان قرار دیا اور اسے عبادت میں شامل کر لیا۔ جو بھجنوں کی تشکیل میں نمودار ہوا اور اس مدح میں غلو نے سارے حدود توڑ دیے۔ ان میں مراتب کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

---

[1] تمدن ہند صفحہ (۲۰۳، ۲۰۴)۔

یہاں تک کہ جب کسی ادنیٰ درجہ کے دیوتا کی مدح میں زبان کھولی گئی تو اعلیٰ ترمراتب کی ترجمانی میں الفاظ تہی دامان پائے گئے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جو صفات صرف اللہ کے لئے تھیں انھیں اگر کسی اللہ والے کی مدح میں صرف کر دیا گیا تو اللہ کے لئے کیا باقی رہ گیا۔ پھر جب حمد کی باری آئی تو خیال آفرینی نے دونوں کے لئے واحد مضمون پر ذات وصفات کے طلسمی پردے ڈالنے شروع کر دئے جس کی کافرانہ دلربائیوں نے دلوں کو لبھایا تو ضرور لیکن حقیقت سے بہت دور لے جاکر پھینک دیا۔

ہندوستان کی اصنام پرستی میں وشنو کے دو اوتار یعنی رام اور کرشن زمانہ قدیم سے نہایت مقبول رہے ہیں۔ ان کے گن جو رامائن اور مہابھارت میں گائے گئے وہ اس عشق ومحبت کے ولولے کی ترجمانی کرتے ہیں جو زمانۂ قدیم سے ان اوتاروں کے ساتھ اہل ہند کو رہا ہے۔ دوسری شکل کرشن کی ہے جس کے عشق نے ہزارہا دلوں کو لبھایا اور مردوں کے ساتھ ہندو عورتوں کے لئے جوش اور ولولے کا سامان کیا۔ اس عاشقانہ پرستش نے نیازمندانہ عقیدتمندی کو حد سے زیادہ بڑھایا اور ساری خدائی ان شخصیتوں میں مرکوز ہوکر مخلوق کو خالق کی شان میں دیکھنے لگی۔ اب ان کے اطراف زندگی رقص کرنے پر مجبور ہوگئی اور جبینیں سجدہ ریزی کے لئے تڑپنے لگیں۔ اس والہانہ تصدق کا جذبۂ شوق ان کے چرنوں میں سب کچھ نثار کرنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔ اصنام پرستی کی یہ مثال ہندوستان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ یہ صورت قوائے فطری کے پرستاروں میں کسی نہ کسی شکل میں ضرور ملے گی۔ تو یہ امر واضح ہوگیا کہ ہندوستانی شعرائے جہاں اپنے مذہبی ممدوحین کی مدح سرائی کی ہے تو انھیں عرش وکرسی پر لے جاکر بٹھا دیا۔ ان کے مدحیہ مضامین اسی نوعیت کے ہیں۔

مندرجہ بالا بیانات سے جو نتائج مرتب ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ دیوتاؤں کی مدح میں جو بھجن نظم کئے گئے ہیں ان کے مضامین میں دیوتاؤں کے حسب مراتب فرق نہیں کیا جاتا اور جوشِ عقیدت میں تخیل کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چھوٹے اور بڑے دیوتا کی مدح کا بیان ایک ہی مضمون لئے ہوئے ہوتا ہے۔

۲۔ مذہبی یا روحانی پیشواؤں کو اوتار سمجھ کر انہیں خدائی صفات سے متصف گردانا جاتا ہے یہاں تک کہ حصول مقصد کے لئے اکثر خدا کو بھی ان کی محتاجی ہوتی ہے۔

۳۔ فوق العادت عنصر کی جاذبیت اور اس سے اشتیاق ہر جگہ ہے۔

مسلمانانِ ہند کے عقائد ان ہندوستانی عقائد سے کس حد تک متاثر ہوئے ہیں اور وہ کونسی قوتیں تھیں جنھوں نے ہندو اور مسلم عقائد میں میل پیدا کرنے کی کوشش کی اور مذہب کو تصوف کا رنگ دیکر دونوں میں یگانگت کی صورت پیدا کی اس اجمال کی وضاحت ہم ڈاکٹر تاراچند کے مضمون Growth of Islamic Thought in India کے حسب ذیل اقتباسات میں پاتے ہیں۔

1. Among the eclectics, however, interestings attempts were made to draw close to one another Hindu and Muslim mystic philosophers among these Dara Shikoh's on the one side and that of the Leaders of the Bhakti movement on the other side were most remarkable.[1]

2. Dara Shikoh indicates the close similarity between the Hindu and Muslims mystic practices and beliefs, both as regards the descent of god into man and the ascent of man to god.[2]

---

1. History of Philosophy : Eastern and Western. Vol. I "Growth of Islamic thought in India" by Tara Chand, Sponsored by the Ministry of Education, Govt. of India, published in 1952. Page 512.

2. ,, ,, ,, Page 513.

3. The movement was an earnest effort on the part of many godly men to reconcile the Hindus and Muslims and to show them that in essentials they differed little.[1]

4. They addressed their message largely to the common people.[2]

5. They combined the elements of Sufism and Vedanta in their eclectics philosophy.[3]

یہ اقتباسات ہمارے مطلوبہ مسئلے پر کافی روشنی ڈالتے ہیں لہٰذا اس خصوص میں کچھ اور لکھنے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستانی ضمنیات نے نعت گوئی کو کس حد تک متاثر کیا ہے۔

(۱) مضامین نعت میں ہندوستانی عقائد

کلام مجید میں جو وصفِ نبیؐ میں مضامین درج ہیں ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت پہلے تو عبدؐ کی بتائی گئی ہے اور پھر رسالت کے عہدۂ جلیلہ پر فائز دکھایا گیا ہے اور بار بار اس کا اعادہ کیا گیا ہے کہ مخلوق کا انتہائی کمال حقیقت میں اس کی عبدیت کا کمال ہے اور اس کے اطراف سارے کمالات گھومتے ہیں۔ جہاں اللہ کی وحدانیت کو لاالہ الااللہ کہہ کر اصل ایمان قرار دیا گیا ہے وہاں محمد رسول اللہ سے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ محمدؐ کا مقام سفارت سے زیادہ نہیں ہے۔

1,2. History of philosophy: Eastern and Western Vol. I. "Growth of Islamic thought in India" by Tara Chand. Sponsored by the Ministry of Education, Govt. of India, published in 1952. Page 513

3. " " " Page 514.

عطائے الٰہی کی جتنی صورتیں مخلوق کے لئے ہو سکتی تھیں حضورؐ کے شامل حال ضرور ہیں، ساتھ ہی بندے کے انتہائی عروج کا مقام بھی یہی ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مرتبہ کی اس بلندی کا احاطہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں لیکن یہ امر بالکل واضح کر دیا گیا ہے کہ اس کمال کی انتہائی بلندی بھی اسی مقام کا پتہ دیتی ہے جو عبدیت کی آخری منزل ہے۔ سبحان الذی اسری بعبدہ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفعت مقام کو بالکل واضح فرما دیا۔ لیکن اکثر نعت گو شعرا کے عقیدت مندانہ خلوص اور عشق محمدیؐ میں جذب و شوق کی کیفیت نے اس بندگی کی رفعت کو شانِ محمدیؐ کے اظہار کے لئے کمتر جانا، اور شاعر کا تخیل ہمیشہ اس فکر میں رہا کہ مربوب کو رب کی کرسی پر کیونکر بٹھایا جائے۔ اس قسم کے مضامین سے اردو ادب کا نعتیہ کلام پر ہے۔ جس میں الفاظ کو توڑ مروڑ کر، میم کے پردے کو اٹھا کر، عرب کے عین کو لفظ سے جدا کر کے، احمد کو احد اور رسولِ عربی کو 'عرب' نہیں بلکہ 'رب' کی شان میں جلوہ گر دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ محسن کاکوروی جیسے محتاط نعت گو شاعر کے یہاں یہ مضامین بھی ملتے ہیں :-

عینیت غیر رب کو رب سے | غیریت عین کو عرب سے
ذات احمدؐ تھی یا خُدا تھا | سایہ کیا میم تک جُدا تھا[۵۱]

محسن کا جی تو یہ چاہتا ہے کہ بیان کے ان پردوں کو بھی چاک کر دیا جائے لیکن کسی خیال سے شاعر یہ کہہ کر زبان بند کر لیتا ہے کہ

کافی ہے اسی قدر بیان بس | بس اے میری طبع نکتہ داں بس[۵۲]

---

۵۱ و ۵۲ کلیات محسن کاکوروی صفحہ ۲۳۲، ۲۳۳۔

شائق حیدر آبادی کا یہ شعر بھی سنئے۔

میم کا رخ سے اٹھا کر گھونگٹ　　شکل دکھلا میرے پیارے احمدؐ [۱]

صحو نے کہا ہے۔

پردہ میم میں چھپے ہیں حضورؐ　　ہم سے نزدیک ہیں نہیں کچھ دور [۲]

شاعر نے اس شعر میں نحن اقرب الیہ من حبل الورید کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں کر کے اصنام پرستی کے اثرات کا ثبوت دیا ہے۔

اس رنگ کو کچھ ہلکا بھی کیا ہے تو یہ کہہ ہی گزرے:۔

مرا دل ہے محو جمالِ محمدؐ　　وصال خدا ہے وصالِ محمدؐ [۳]

اردو نعتیہ کلام میں اس قسم کے مضامین کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں لیکن یہ صورت کچھ اردو ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے فارسی میں بھی یہ مضمون ملتا ہے "مثلاً"

بہ صورت اگرچہ عرب آمدہ　　بمعنی مگر عین رب آمدہ

بایں ہمہ اردو میں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے مماثلت کے مضامین اندھا دھند بیان کئے گئے ہیں اس کی مثال کہیں نہیں ملتی یہاں تک کہ پڑھنے والے کو عبد اور معبود میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ توحید کے متوالے کی عقیدت مندانہ جرأت ملاحظہ کیجئے جو وحدانیت کو پارہ پارہ کر رہی ہے۔ اوتاروں اور دیوتاؤں کی شان میں بھجن کے مضامین بھی اس سے کچھ پیچھے ہی ہیں۔

وہی جو مستوی عرش ہی خدا ہو کر　　اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفےٰؐ ہو کر

عشق محمدی میں ایک اور شاعر صنمیات میں ڈوب کر الوہیت کے تخیل مکہ سے برسرِ پیکار ہے۔ شاعر نے اللہ کو فقط ایک وحدت کی لفظی دستاویز دے کر اس

---

[۱] کلیات شائق صفحہ ۱۲۵ [۲] دیوان صحو صفحہ ۳۶ [۳] دیوان صحو صفحہ ۳۳۔

قادرِ مطلق سے سارے اختیارات چھین لئے۔

اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ مجھے لینا ہے لوں گا محمّدؐ سے

اللہ تعالیٰ کو اکیلا مجبور اور لاچار بنا کر شاعر نے غیر اللہ کے لئے وہی اقتدار اور قوت کا مضمون پیدا کیا ہے جو لکشمن نے اپنے بھائی رامچندر جی کی مدح میں بیان کیا کہ

"یہ بالکل محال ہے کہ میرے بھائی کو آسور اور اندر اور تمام دیوتا مل کر بھی شکست دے سکیں"۔

عبد اور معبود کے گھمنڈ کو ایک دوسرے کے مقابلے میں لا کر کھڑا کر دینا بھی اس ہندوستانی ذہنیت کا کرشمہ ہے۔ شائق کا شعر ہے:-

ہے خدا کو جس قدر اپنی خدائی پر گھمنڈ
مصطفےٰ کو اس قدر ہے مصطفائی پر گھمنڈ [۱]

مخلوق کے لئے خالق کے حضور میں گھمنڈ کا کیا موقع ہے۔ وہاں تو جبین نیاز ہزاروں سجدوں کی تڑپ کو لئے ہوئے نیاز مندانہ جذب و شوق سے جھکی جا رہی ہے۔ اللہ کے حضور میں شانِ مصطفائی کی یہ غیر فطری تصویر کشی اسلام کی بنیادی تعلیمات کے منافی ہے۔

اس جذب و شوق کو لئے ہوئے سجدے میں درود پڑھنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ محسن کاکوروی نے کہا ہے:-

کیا ہو گئے حد سے بڑھنے والے
سجدے میں درود پڑھنے والے

اللہ سے رسولؐ کی مماثلت اور دوئی کے خاتمے کے مضامین کی چند اور مثالیں

---

[۱] کلیاتِ شائق صفحہ ۱۲۸۔

درج ذیل ہیں :-

دوئی کا مطلقاً پردہ نہ تھا جب ذات خالق سے
معما کس طرح کھلتا نبیؐ کی ذات یکتا کا [۵۱]

(طالبؔ)

اس خلوت وحدت میں نہ تھا نام دوئی کا
اللہ سے یوں ہو گئے واصل شب معراج [۵۲]

(مبینؔ)

واللہ کہ ہے رویت حق روئے محمدؐ کہتے ہیں جسے خُلد وہ ہے کوئے محمدؐ [۵۳]

(مبینؔ)

ایک غزل میں مسلسل یہی مضمون ہے :-

محمدؐ سِرِّ قدرت ہے کوئی رمز اس کی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

خُدا اور مصطفےٰ کی کنہ میں ادراک عاجز ہے
محمدؐ کو خدا جانے خُدا کو مصطفےٰ جانے

محمدؐ نے خُدائی کی خُدا نے مصطفائی کی
کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے

احد نے صورت احمد میں اپنا جلوہ دکھلایا
بھلا پھر کس طرح سے کوئی اس کا مرتبہ جانے

---

۵۱ خزینۂ نعت حصہ اول صفحہ ۱۲ ۔ ۵۲ خزینۂ نعت حصہ اول صفحہ ۱۸

۵۳ خزینۂ نعت حصہ اول صفحہ ۲۰ ۔

وہی ہے ایک دریا اور دو عالم اس کی موجیں ہیں
بحر عرفاں ہو تو جب یہ ماجرا جانے

ہوالاول ہوالاخر ہوالظاہر ہوالا الباطن
اسی کو ابتدا جانے اسی کو انتہا جانے [۵۱]

(حیدر)

اور کمال یہ ہے کہ شاعر عقیدۂ وحدت کو پارہ پارہ کر کے بھی اس فریب خوردہ خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ اس کے مضمون کو فقط وحدت آشنا ہی سمجھ سکتا ہے۔

نہ ہووے وحدتوں کو بہرہ اس مضمون سے اے حیدر
میری رمز سخن البتہ وحدت آشنا جانے [۵۲]

اللہ کی صفات میں رسولؐ کو شامل کر کے دونوں کو ذات وحدت ثابت کرنے کے مضامین کی مثالیں مختصراً ہم نے دیکھ لیں۔ اب اولیائے کرام کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بخشنے کی کیفیت بھی ملاحظہ فرمایئے۔

پیارے نبیؐ سے ملتا ہے انداز غوث کا ۔۔۔ ہے رازِ احمدی میں نہاں راز غوث کا [۵۳]
رسول اللہؐ کا جلوہ ہی جلوہ غوث اعظم کا ۔۔۔ عجب پیارا عجب بانکا ہی نقشہ غوث اعظم کا
جسے چاہا اسی دم بحر وحدت میں دیا غوطہ ۔۔۔ ازل سے تا ابد بہتا ہے دریا غوث اعظم کا
ہمیں کیوں ہو بھلا ڈر گرمیٔ خورشید محشر سے ۔۔۔ مبارک ہو ہمارے سر پہ سایہ غوث اعظم کا [۵۴]

"شافع محشر" رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔ دیگر انبیاء کرام بھی اس اعزاز سے محروم ہیں لیکن شاعر کا تخیل حضرت غوث اعظم کو حسن عقیدت

---

۵۱ خزینۂ نعت حصہ اول صفحہ ۴۶ ۔۔۔ ۵۲ خزینۂ نعت حصہ اول صفحہ ۴۶۔
۵۳ و ۵۴ کلیات شائق صفحہ ۳۶۔

میں اس اعزاز سے نوازتا ہے۔

کیا تیزی مہر حشر سے خوف　　　　ہیں زیر لوائے غوث اعظم[۵۱]

ولائے حضرت خالق ولائے غوث اعظم ہے　　　　رضا اللہ کی عین رضائے غوث اعظم ہے[۵۲]

شاعر کی یہی عقیدت مندانہ ذہنیت جس میں آداب اور مراتب کا لحاظ اٹھ جاتا ہے عجیب عجیب کرشمے دکھاتی ہے۔ حضرت غوث اعظم کی مدح سرائی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ایک ایسا مضمون ہے جس کے جواز کے لئے تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن شاعر کی یہ افترا پردازی اور کذب بیانی بھی اسی ہندوستانی صنمیات کی پیدا کردہ ذہنیت کے ماحول میں خراج تحسین وصول کر لیتی ہے۔

" شب معراج گئے فوق سما جبکہ نبیؐ　　　　غوث کی روح وہاں آکے قدمبوسی ہوئی

اور کرتے تھے بصد شوق وادب عرض یہی　　　　مرحبا سید مکی مدنی العربی

دل وجان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

پوچھا احمد نے کہ تم کون ہو اور کیا ہے اسم　　　　جو دیا عز وشرف تم کو خدائے اکرم

حسن وخوبی میں تیری مثل نہیں دو عالم　　　　من ازیں حسن وجمال تو عجب حیرانم

اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی[۵۳]

یہی حسن عقیدت کی صورت دیگر اولیائے کرام کے ساتھ بھی ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح۔ حضرت خواجہ نظام الدین رح۔ حضرت پیر کلیر وغیرہم کی شان میں اسی قسم کی مدح سرائی ہے۔ یہی ہندوستانی بھجنوں کی کیفیت ہے کہ جب ایک دیوتا کی ستائش کی جاتی ہے تو دوسرے دیوتاؤں کی شان اس کے

---

۵۱ ذوق نعت معروف بہ صلہ آخرت تصنیف مولانا حسن رضا خاں حسن صفحہ ۶۴۔

۵۲ ریاض معلی صفحہ ۶۲　۵۳ خزینۂ نعت حصہ اول مولفہ محمد شریف، ناشر ملک فضل الدین لاہور۔

سامنے ماند پڑ جاتی ہے۔ بلا لحاظ اس کے کہ عقیدہ کے لحاظ سے بھی دیگر دیوتا بلند تر مقام رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ اجمیری کے نور کی تعریف ملاحظہ ہو:- ۵۱

اسی کا جلوۂ انور ہوا ہے نور گھر گھر کا ۔۔۔ وہی اجمیر کا سورج وہی ہی چاند گھر گھر کا

منقبت کے چند اور اشعار درج کئے جاتے ہیں:-

جب نظر آیا چہرۂ خواجہ ۔۔۔ نور حق ہم نے جلوہ گر دیکھا ۵۲

مثال ماہ ہر سو جلوہ گر خواجہ ہی خواجہ ہیں
جدھر اے طالبو دیکھو ادھر خواجہ ہی خواجہ ہیں
نہ کیوں حیرت سے دیکھوں آئینہ خانہ کو میں ہر دم
اِدھر خواجہ ہی خواجہ ہیں اُدھر خواجہ ہی خواجہ ہیں
انھیں کی دید کے مشتاق ہیں دیر و حرم والے
یہاں بھی اور وہاں بھی جلوہ گر خواجہ ہی خواجہ ہیں
نہ کیوں جلوہ چمن کا چشم نرگس دیکھے حیرت سے
عیاں ہر رنگ میں اے بے خبر خواجہ ہی خواجہ ہیں
اٹھا مرد خدا پردہ دوئی کا اپنی آنکھوں سے
تجمل دیکھ ہر سو جلوہ گر خواجہ ہی خواجہ ہیں ۵۳

ہم نے اس سے پہلے ثنائے محمدیؐ کو حمد کے مضمون میں ملبوس پایا۔ پھر منقبت کو نعت کے رنگ میں جلوہ گر دیکھا۔ اب جو کلام کا نمونہ ہمارے پیش نظر ہے اس میں سارا مضمون حمد کا ہے جو فقط خالق کائنات کی صفات

---

۵۱ نغمہ روحی عرف مناقب اجمیری۔ از تجمل حسین تجمل مطبع نامی پریس بمبئی صفحہ ۱۱

۵۲ نغمہ روحی صفحہ ۱۴ ۔ ۵۳ نغمہ روحی صفحہ ۳۵۔

کی ترجمانی کرتا ہے کہ لاموجود الاّ ہو۔ لیکن شاعر کا صنم آشنا دل لاموجود الاخواجہ کہہ کر مخلوق کی خالقیت پر اپنے ایمان کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

یہاں تک حمد نعت اور منقبت کے مضامین کے الجھے ہوئے اور بے محل استعمال کی مثالوں کو پیش کر کے مضامین نعت میں ہندوستانی عقائد کے اثرات کو دکھایا گیا ہے۔ یہ حقیقت میں ہندوستانی صنمیات کے ان معنوی اثرات کا اجمالی بیان ہے جو شعوری یا غیر شعوری طور پر مذہبی ادب میں دخیل ہیں۔

(۲) نعت کے بیان میں فوق العادت عنصر کی جاذبیت اور اس سے لگاؤ

اردو نعتیہ ادب میں معجزوں کا بیان نہایت مقبول رہا ہے۔ حالانکہ کلام مجید میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اصل کمال قرار دیا ہے۔ اصحاب رسولؐ نے کبھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں کو اس نظر سے نہیں دیکھا جس نظر سے کہ اردو نعت گو شعراء دیکھنے کے عادی رہے ہیں۔ ان کے نزدیک رسالتؐ کا سارا کمال بس وہی معجزے ہیں جن میں خوارق عادت قصے عقل کو حیران کر دیتے ہیں اور یہی حیرانی سننے والوں سے ان کے عجز کا اعتراف کرا کے رسولِ کریمؐ کی برتری کو تسلیم کرنے پر انھیں مجبور کر دیتی ہے۔ چنانچہ مولود نامے بھی سیرت کے اس پہلو کو پیش کرنے میں سارا زور صرف کر دیتے ہیں اور عوام الناس یہ قصے سن سن کر عظمت رسولؐ کے متعلق یہی تاثرات لئے ہوئے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ان معجزات کے بغیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا تصور ہی محال ہو جاتا ہے۔ دراصل ہندوستانی مذہب کی صنم پرستی نے انسان پر دیوتاؤں کی عظمت کو طاری کرنے کے لئے ان کے متعلق ایسے قصے گڑھ لئے تھے جو امیر حمزہ کی داستان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لوگ دیوتاؤں کی محیر العقول

فوق العادت قوت کے مظاہروں کی داستان سن کران کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو ہندوستانی فہم کے سامنے پیش کرنے کے لئے یہی راستہ اختیار کیا گیا جس میں نیک نیتی کو دخل ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ ہندوستان کی روایات اور اس کے قائم کردہ ماحول اور ذہنیت کے لئے یہی ایک طریقہ کارگر ہو سکتا تھا۔ اس لحاظ سے معجزوں کو نظم کرنے میں مصلحت اور ماحول کا تقاضا دونوں کام کر رہے تھے۔ لیکن یہ قاعدہ ہے کہ انسان کا ہر اچھا کام افراط و تفریط میں پڑ کر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ معجزوں کے بیان پر اس درجہ توجہ مرکوز کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر غلط روایتوں نے اس میں جگہ پائی اور وہ عوام تک تواتر کے ساتھ پہنچ کر عقیدے کا جزو بن گئے۔ ان غلط روایات کے درج ہونے کی مذمت باقر آگاہ نے اپنی منظوم سیرت پاک "ہشت بہشت" میں کی ہے۔ ساتھ ہی حضرت امیر مینائی نے بھی خیابان آفرینش کے دیباچے اپنی اس تقصیر کا اعتراف کیا ہے۔

معجزوں کے بیان پر ضرورت سے زیادہ جو زور دیا گیا ہے اس سے ایک تو اصل سیرت رسُولؐ سے توجہ ہٹ گئی، دوسرے یہ کہ عقائد کی کمزوری نے زندگی کو صحیح عمل سے اپاہج بنا دیا۔ نعت گو شعرائے اُردو معجزوں سے متعلق اپنی خام خیالی ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ رسولِ کریم صلعم کی ہدایات اور ارشادات اور وعظ و پند میں ان سے زیادہ جاذبیت اور اثر ہے۔ معجزے ناموں کے علاوہ معراج نامے بھی کثرت سے لکھے گئے کیونکہ آسمانوں کی سیر میں بھی وہی فوق العادت ماحول کا مشاہدہ عقل کو حیران کر دیتا ہے۔ معراج نبویؐ کا بیان اب بھی اس قدر مقبول ہے کہ شب معراج سارے ہندوستان میں منائی جاتی ہے۔ اور اس ذکر کو ہر سال تازہ کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیلات کے بیان میں بھی

بعید از حقیقت روایات اکثر نظم کردی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ شعرائے تخیل کو آسمان پر پرواز کا حوصلہ بخش کر معراج کے بیان میں خوب خوب نکتہ سنجیاں کی ہیں۔ غرض یہ کہ معراج کی مقبولیت بھی دیوتاؤں کی آسمانی سیر کے قصوں سے انسیت کا بدل ہے۔

۳۔ ہندی شاعری کی خصوصیات نعتیہ شاعری میں۔

نعتیہ شاعری میں ہندی عنصر۔

گوپیوں کی محبت شری کرشن سے ضرب المثل رہی ہے۔ ساتھ ہی جوگن کا اپنے پیا سے عشق ہندی شاعری کی ایسی خصوصیت ہے جو اسی مذہبی روایات کی پیداوار ہے۔ عورت کو عاشق اور مرد کو معشوق قرار دینا اسلامی ادب میں کہیں نہیں ملتا بلکہ اس کے بالکل متضاد عربی اور فارسی شاعری میں مرد کی آشفتہ حالی اور والہانہ کیفیت کے جواب میں عورت کی طرف سے عام طور پر جفاؤں کا برتاؤ رہا ہے۔ عورت کی زبان سے عشق کے اظہار کی مثالیں ہم امیر خسرو رح کے زمانے سے پاتے ہیں۔ امیر خسرو رح کا شعر ہے۔

سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

نعتیہ شاعری میں اس رنگ کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ خاص طور پر نعت گو شعراء نے جو ٹھمریاں لکھی ہیں وہ عام طور پر انھی مضامین سے پُر ہیں۔ نعت گوئی کا یہ ایک حسین پہلو ہے جو خالص ہندوستانی ہے۔ عورت کے جذبات کی لطافت اور ان کا عقیدت مندانہ ہیجان اپنے اندر روحانی کیفیت رکھتا ہے جو دنیاوی عشق و محبت سے بلند بے لوث خلوص کو لئے ہوئے ہے۔ عورت کے لطائف جب نفاست اور نظافت کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں تو

ان کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اسلام میں عشق نبیؐ مرد و عورت دونوں کے لئے اصل ایمان ہے لیکن اسلامی شاعری نے عورت کی زبانی عشق کے اظہار کو ہمیشہ معیوب خیال کیا۔ اُردو نے اس خصوص میں ایک جس میں بدعت اور ندرت کو اختیار کیا جو ہندی اثرات کی برکات سے اسے نصیب ہوئی۔ یوں نعت گو شعرات نے بارگاہ نبویؐ سے اظہار عقیدت کیا بھی تو عشقیہ مضامین میں سے وہ عام طور پہ پرہیز کرتی رہیں اس لئے کہ اسلامی تمدن کے مذاق پر یہ چیز گراں گزرتی تھی۔ اس خدمت کو شاعروں نے انجام دیا اور بحسن وخوبی اس سے عہدہ برآ ہوئے۔ چنانچہ ہم نعتیہ کلام میں کثرت سے اس رنگ کے مضامین پاتے ہیں۔ خاص طور پر نعت گو شعراء نے جو ٹھمریاں لکھیں وہ ان ملکی اثرات کی بخوبی آئینہ داری کرتی ہیں۔ عشق نبیؐ میں فراق اور بے قراری کے مضمون کا نمونہ درج ذیل ہے:-

طیبہ کے رنگیلے بانکے میاں موہے چاند سا مکھ دکھلا جانا
میں برہا دیوانی تڑپت ہوں ذرا آجانا ذرا آجانا
اے بادِ صبا چوں مدینہ روی پہنچا دے وہاں عرض یہ میری
تورے چرنوں سے کب تک دور رہوں اب دیر نہ کر لو جانا
دکھ درد کے مارے تڑپت ہوں مانت ناہیں دل فرقت میں ترے
اے کملی والے سائیں میرے روٹھے کو ذرا سمجھا جانا [1]

نبیؐ جی کی کہانی | جب میں دنیا میں آئی | پردہ نزدیک مجھ کو بلاتے نہیں
میں نے کیا کی برائی | ان سے دل جو لگائی | کوئی دنیا میں کیا دل لگاتے نہیں
تلپت کلپت | رینیاں نیند اچٹ گئی ہائے۔

---

[1] کلیات شائق صفحہ ۲۳۰۔

سکھی تم ہی بتاؤ کیسا ہوگا نبھاؤ کس سے بولوں ملاؤ
وہ تو آئے نہیں اور بلاتے نہیں کوئی دنیا میں کیا دل لگاتے نہیں [۵۱]
او مکے والے بلما تو آجا رے
آجا رے پھر نہ جا رے

....

نینوں میں آجا دل میں سما جا درس دکھا جا من کو لبھا جا
آجا رے پھر نہ جا رے
جلد بلا لو اپنے دوارے کب تک حسرت جیری پکارے
آجا رے پھر نہ جا رے [۵۲]

مورا من ہی مچلتا جائے نبیؐ پہ میں بلہاری
موہے چین نہ اک پل آئے نبیؐ پہ میں بلہاری
سورج چمکے چندا دمکے چھلائے سارے جگت پہ بہار
موہے کچھ نہ اس بن بھائے نبیؐ پہ میں بلہاری
پیت سکھائے پیت نبھائے سن پریتم کی جگ میں پکار
وہ تو بھگوان کی پیت لبھائے نبیؐ پہ میں بلہاری
گیان بتائے گیان دکھائے سارے گیانوں کا کرکے نکھار
برنی چرنوں پہ سیس نوائے نبیؐ پہ میں بلہاری [۵۳]

---

۵۱ چمنستانِ حمزہ صفحہ ۱۳۶ ۵۲ نسیم عرفان مولانا عبدالقدیر حسرت صفحہ ۶۴
۵۳ معروضہ صفحہ ۹۴، ۱۰۰ از الیاس برنی۔

سرکار مدینے والے سرکار مدینے والے

صورت تو دکھا دو پیاری　　میں جان کو اپنے واری　　ہے آس چرن کی تہاری

سرکار مدینے والے

طیبہ کی پیاری بستی　　رحمت وہاں پہ برستی　　دیکھن کو نین ترستی

سرکار مدینے والے [۵۱]

فراق اور بے قراری کے مضامین کے علاوہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت اور زاری کا اظہار جا بجا کیا گیا ہے۔

بار گنہ سے ڈوب رہی ہی آن پڑی منجدھار　　نبیؐ جی موری نیّا کردو پار

بالا پن اور چڑھی جوانی دونوں گئے برباد　　بوڑھے پن میں حرص بڑھی تھی کیا تفضلے زیاد

اب تو چھوڑ چلے گھر بار　　نبیؐ جی موری نیّا کردو پار [۵۲]

بھولی بھالی میں ہوں ناری　　پیت گلے کا ہار

موری نیّا منجدھار

میّا بابل کوئی نہیں ہے　　بیری ہے سنسار

موری نیّا منجدھار

تیرے دوارے آن پڑی ہوں　　چھوڑ کے سب گھر بار

موری نیّا منجدھار

کالی کملی والے بھیّا　　آؤ اے سرکارؐ

موری نیّا منجدھار [۵۳]

---

[۵۱] کلیات شائق صفحہ ۳۲۔ [۵۲] حمزہ۔ مرقع سخن جلد دوم صفحہ ۱۸۸

[۵۳] زفرات الاشواق مع فغان حسرت مطبوعہ سنہ ۱۳۵۳ صفحہ ۱۹، ۲۰۔

ہندی مذاق کا ایک اور نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس میں وصف نبیؐ کے ساتھ ساتھ فراق کی کیفیت کو بالکل عامیانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے:۔

موُرے پیارے نبیؐ تک گذر نہیں رے — میرے آہوں میں کچھ بھی اثر نہیں رے
نہ تو بلوائے مجھ کو نہ آئے نبیؐ — میرے دکھ کی کچھ ان کو خبر نہیں رے
وہ تو نورِ خدا ہیں وہ شانِ خدا — سکھی ایسا تو کوئی بشر نہیں رے
صدقے ہوتی میں لے کر بلائیں وہیں — ہائے آئے کبھی وہ ادھر نہیں رے [51]

حضرت امجد کی "مدینہ کی جوگن" اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ قیس سے جوگن کا خطاب اور اس کی اپنی حالت کا بیان ملاحظہ ہو:۔

تو خاک چھانتا ہے لیلیٰ کی جستجو میں
نکلی ہوں میں بھی گھر سے یثرب کی آرزو میں
جوگن بنی ہوں میں بھی اپنی پیا کے کارن — چھوڑا ہے دیس میں نے اک دلربا کے کارن
کرتی ہوں آہ و نالے ایک خوش ادا کے کارن — ہے چاک جیبؔ و دامن رنگین قبا کے کارن
مثلِ حنا جہاں میں اب پائمال ہوں میں
تیغ مفارقت سے بس لا مثال ہوں میں [52]

جوگن کا محبوب سے خطاب بھی سننے کے قابل ہے:۔

آئی برہ کی ماری تیرے لئے بروگن — درشن سے اپنے کر دے دل شاد چشم روشن
ہاں کب سے رو رہی ہوں میں رکھ کے منہ پہ دامن — کب سے کھڑی ہے داتا در پر ترے بھکارن
جوگن کی جھولی بھر دے وہ رام نام والے
اس بت کو رام کر دے وہ رام نام والے

---

[51] کلیات شائق صفحہ ۳۳۰ [52] ریاض امجد حصہ اول صفحہ ۱۱ (مطبوعہ سنہ ۱۳۵۵ھ)۔

نکلی ہے گھر سے جوگن کفنی گلے میں ڈالے　　　پاؤں میں پڑ گئے ہیں اب چلتے چلتے چھالے
گرنے کو ہوں زمیں پر ہے کون جو سنبھالے　　　یثرب نگر کے راجہ وہ کالی کملی والے

کرپا کی ایک نظر ہو دکھیا پہ اپنی پیارے
بھولی نہیں میں تم کو تم کیوں مجھے بسارے　　ف[۱]

امجد کے نعتیہ کلام کے اس ہندی رنگ میں کبھی شعریت دبنے نہیں پائی۔ اور ہندی الفاظ عربی وفارسی الفاظ کے ساتھ مل کر بے جوڑ نہیں معلوم ہوتے۔ ان کی موزونیت ایک نئے حسن میں جلوہ گر ہے۔ جس کی ترنم ریزی سننے والے پر اثر کرتی ہے۔ مضمون کے محاسن کے بیان کا یہ محل نہیں۔

یہ ہندوستانی خصوصیات معنوی اور صوری دونوں اعتبار سے نعتیہ شاعری میں کچھ اس طرح داخل ہوگئے کہ ان کے اثرات سے محسن کاکوروی جیسے نعت گو شعرا بھی نہ بچ سکے جنھوں نے مضامین کے انتخاب میں قرآن اور حدیث کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور شاعرانہ رنگ آمیزی کے ساتھ بڑی حد تک جادۂ اعتدال پر قائم رہنے کا اہتمام کیا۔ محسن کاکوروی کا بادل والا قصیدہ اردو نعتیہ ادب میں بہت شہرت رکھتا ہے اس لئے نہیں کہ قصیدے کے فنی لوازم کے اعتبار سے یا نعت کے بلند مضامین کے لحاظ سے وہ نعت میں بہترین قصیدہ ہے بلکہ اس لئے کہ اس کا انفرادی دلربا رنگ جس میں ہندوستانیت کو بڑی خوبی سے سمویا گیا ہے اپنے اندر ایک جاذبیت رکھتا ہے۔ یوں قصیدے کی تشبیہات کے مضمون پر لاکھ اعتراض کیا جائے لیکن اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ملکی ماحول کی مناسبت سے جو فضا اس تمہیدی بیان میں پیدا کی گئی ہے وہ بجائے خود ایک

ف[۱] ریاض امجد حصہ اول صفحہ ۱۲۔

خوبی ہے۔ ہمارے مطلب کی بات یہاں یہ ہے کہ ہندوستان کا نعت گو شاعر توحید کے علمبردار پیغمبرؐ کی مدح میں بھی جب تخیل کو پرواز کے لئے حرکت دیتا ہے تو وہ کفرستان میں پہنچ کر کبھی سری کرشن کی پیدائش کی جگہ پہنچتا ہے اور کبھی کاشی اور متھرا کی سیر کرتا ہے یہی رنگ دیگر نعت گو شعراء میں اس قدر مقبول ہوا کہ اس قصیدے پر متعدد نظمیں لکھی گئیں۔ چنانچہ منشی عبدالمجید سحر نے مدح پیغمبرؐ ۱۳۰۶ھ کے عنوان سے نہایت عمدہ نظمیں لکھی ہیں۔

محسن کے قصیدے کا مطلع ہے :-

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل ۔ برق کے دوش پہ لاتی ہے صبا گنگا جل[۱]

محسن نے تشبیب کے ذریعے نہ صرف ہندوستانی ماحول کو پیش کیا ہے بلکہ بیان کو جن الفاظ اور ترکیبوں کا جامہ پہنایا ہے وہ بھی کلیتہً ہندوستانی ہے نیز شاعری کے مذاق سلیم نے جدید استعاروں، رعایت لفظی اور صنعت تضاد وغیرہ سے ایک خاص لطف پیدا کیا ہے۔ پھر بڑی چیز یہ ہے کہ ہندی الفاظ ایسے نہیں ہیں جن کا مطلب سمجھنے میں زیادہ دشواری کا سامنا ہو۔

چند مثالیں اس بیان کو واضح کر دیں گی :-

گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل ۔ جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل[۲]
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی ۔ کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا کے بادل
دہر کا ترسا بچہ ہے برق لئے جل میں آگ ۔ ابر چوٹی کا برہمن ہے لئے آگ میں جل
دیکھئے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن ۔ سینہ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل
راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں ۔ تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

---

[۱] و [۲] کلیات محسن صفحہ ۱۵۹۔

اب کے میلا تھا ہنڈولے کا بھی گرداب بلا — نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل
ڈوبتے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے — نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل
قمریاں کہتی ہیں طوبیٰ سے مزاج عالی — لالہ باغ سے ہنڈولے فلک کھیم کسل
جوگیا بھیس کے چرخ لگائے ہے بھبوت — یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمل
راجہ اندر ہے پری خانۂ مئے کا پانی — نغمۂ نئے کا سری کرشن کنہیا بادل
کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا — کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استھل
کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر — گھاگرا پر کبھی گزرا کبھی سوئے چمّل

شاعر نے کاشی ۔ متھرا ۔ گنگا جل ۔ مہابن ۔ تیرتھ ۔ برہمن ۔ سری کرشن ۔ درشن، گوپیاں ۔ راکھیاں ۔ سلونوں ۔ ہنڈولے کا میلا ۔ رتھ ۔ بڑھوا ۔ کھیم ۔ کسل ۔ جوگیا ۔ بھبوت ۔ بیراگی ۔ پربت ۔ راجہ اندر ۔ کنہیا ۔ مندر ۔ استھل ۔ وغیرہ کو کچھ اس طرح استعمال کیا ہے کہ اس میں تکلف کو ذرا بھی دخل نہیں اور پڑھتے وقت ان الفاظ اور ترکیبوں میں محل اور وقوع کی مناسبت سے اجنبیت محسوس نہیں ہوتی ۔ یوں قصیدے سے الگ کر کے ان الفاظ اور ترکیبوں پر نظر کی جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ انھیں نعت کے مضمون کے ساتھ کیوں کر جوڑا جا سکتا ہے ۔ اردو نعت گو شعرا کا یہی کمال ہے کہ انھوں نے ملکی رنگ کو نعت کے ساتھ ہم رنگ کر دیا اور اس طرح اس میں ایسے عنصر کو داخل کیا جو عربی اور فارسی نعت میں نہیں پایا جاتا ۔

باب سوم

اُردو میں نعت گوئی

الف آغاز

اُردو میں نعت گوئی کی تلاش میں ہمیں تاریخ ادب کا جائزہ لیتے ہوئے یہ دیکھنا ہے کہ نعت گوئی نے اُردو ادب میں کب جنم لیا اور وہ کیوں پروان چڑھی۔ اس کے ارتقاء کی تحقیق و تدقیق میں ہمیں اُردو کے روز آفرینش سے چل کر دورِ حاضر تک پہنچنا ہے۔

یوں اردو زبان کی تشکیل کے اسباب مسلمانوں کی آمد سے بتائے جاتے ہیں ظاہر ہے کہ ہند اور عرب کے تعلقات سے ایک نئی زبان کا جنم لینا فطری امر تھا جس کے ارتقاء کی ابتداء کو معلوم کرنے کے لئے ہمیں اکثر قیاس اور آثار سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ عربوں کا ہند میں داخلہ اور سندھ میں اسلامی حکومت کا قیام پھر غزنی کی حکومت کے پے در پے حملے اور سلطان محمود کی فتوحات

آل سبکتگین کے نئے دارالسلطنت یعنی لاہور کی مرکزیت اور آخرکار مسلمان حکمرانوں کی سلطنت کا وسیع پھیلاؤ مشرق میں بہار اور بنگال تک اور جنوب میں دکن اور راس کماری تک یہ ایسے سیاسی ردوبدل ہیں جن کی بدولت اہل ہند کو نئی برکتیں نصیب ہوئیں جن میں ایک اظہار خیال کا آلہ بھی تھا جسے ہم اردو زبان کہتے ہیں۔[۹]

---

[۹] غزنیوں کا ہندوستان کے باشندوں سے قریب تر تعلق درحقیقت محمد بن قاسم کے حملے سے شروع ہوتا ہے کہ ان فتوحات کے ثمرات سندھ اور ملتان ہیں جو پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اسلامی مقبوضات میں شامل ہوجاتے ہیں۔ (فتوح البلدان لابی الحسن احمد البلاذری باب ۲) پھر تیسری صدی ہجری میں صفاریوں کی فتوحات نے ہندوستان میں ایرانی اثرات چھوڑے۔ اس کے بعد غزنوی دور شروع ہوتا ہے۔ سنہ ۴۱۳ھ میں لاہور پر قبضے کے بعد علاقہ پنجاب پر محمود غزنوی کا تسلط ہوجاتا ہے۔ اب مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد فوجیوں کی حیثیت سے ملک میں پھیل جاتی ہے۔ ان کے علاوہ تجار اور سرکاری ملازمین بھی بڑی تعداد میں ملک کے گوشوں میں بس جاتے ہیں۔ ہندوستان کی آبادی سے مسلمانوں کا اس قدر قریبی تعلق اس امر کا مقتضی تھا کہ ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے کوئی توسط اختیار کیا جائے یہی حالات زبان کی تشکیل کے ضامن بن گئے۔ غزنوی حکومت کے ایک سو ستر سالہ[۱۷۰] دور میں سرکاری ملازمین عمال وغیرہ کا ملکی بولی سے ناواقف ہونا بعید از قیاس ہے۔ سندھ پنجاب ملتان۔ ہانسی۔ سرستی اور میرٹھ تک کے علاقہ کا انتظام ملکی بولی سے بے تعلق رہ کر حکمراں طبقے کے لئے ممکن نہ تھا محمود کے زمانے میں ہندی زبان کے ترجمان خود غزنین میں موجود تھے۔ جن میں تلک اور بہرام سے تاریخ روشناس کراتی ہے۔

معزالدین اور اس کے والی قطب الدین ایبک کے زمانہ میں اسلامی تسلط دور دور پھیل جاتا ہے۔ اب دہلی۔ بدایوں بنارس وغیرہ بھی اسلامی قلمرو میں شامل ہیں۔ قطب الدین ایبک دلی کو آباد کرتے ہیں اور اپنے ساتھ ہر قسم کی آبادی کو کھینچ لاتے ہیں۔ (باقی اگلے صفحے پر دیکھیے)

ان سیاسی اثرات سے زیادہ اس خصوص میں صوفیائے کرام کی مساعی ہیں جو زبان کی تشکیل کی ذمہ دار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صوفیائے کرام کی وہ جماعت جس نے صرف مذہبی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے اپنا وطن چھوڑا وہ اپنے ساتھ سیاسی جاہ وحشم کا کوئی سامان نہ لائے۔ ان کے جلو میں سورماؤں کی صف آرائی مجاہدین کے نعرے، ہتھیاروں کی جھنکار اور گرد وغبار کی آندھیاں نہ تھیں لیکن اس بے بضاعتی میں بھی یہ جماعت آہنی قلعوں سے مستحکم تر مقامات تسخیر کرتی گئی۔ یہ بے پایاں قوت

(سلسلہ، صفحہ گذشتہ) سلطنت کی وسعت کے ساتھ مشترکہ زبان کے حدود کا پھیلاؤ بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ اس کی مثال تاج الدین سنگ ریزہ جو التمش (۶۳۳ھ) اور اس کے اسباط کا مداح شاعر ہے اپنے ایک فارسی شعر میں دو ہندی لفظ 'سیر' اور 'من' باندھتا ہے۔

خیزد از مئے قدیم مرا سیر کن بر طل　　　بگذر از یں حدیث کہ یک سیر دیک من است

(پنجاب میں اُردو صفحہ ۴۳)

غازی ملک غیاث الدین تغلق پنجاب سے بڑھتا ہے اور خسرو غدار کی سرکوبی کر کے ۷۲۰ھ میں اپنی وفا شعاری کا انعام پاتا ہے۔ یعنی ہندوستان کے تخت وتاج کا مالک بن جاتا ہے۔ غیاث الدین کا فرزند محمد تغلق (۷۵۲ھ) دہلی کے ماحول کو دکن کی ہوا کھلاتا ہے۔ اب دہلی کی زبان دولت آباد (دکن) پہنچتی ہے۔ سیاسی لحاظ سے محمد تغلق کے تبدیلی سلطنت پر لاکھ اعتراض کئے جائیں اور اس کے نتائج کو تخریبی ثابت کیا جائے اصل میں شہنشاہ ہند کا یہ فرمان ہجرت جو ۷۲۸ھ میں جاری ہوا اُردو زبان کے پھیلاؤ کے اسباب میں نہایت درجۂ اہم اور مفید ہے۔ دلی اور اس کے گرد ونواح کے آٹھ میل پھیلی ہوئی آبادی کا دکن کی طرف کوچ درحقیقت شمالی ہند کے مسلمانوں کی زبان وثقافت کو دکن میں پہنچانا تھا۔

آندھیوں کے طوفان کی طرح نہ اٹھی۔ اس کے جھونکے نسیم سحر کی طرح آئے اور دل کی کلی کو بامراد کر گئے۔ انھوں نے اپنے آقا کے اسوۂ حسنہ کو پیش کرنے کے لئے ملکی بولی کو آلۂ کار بنایا اور حیات سرمدی کا ایسا راگ الاپا کہ دلوں کو موہ لیا۔ چنانچہ تاریخی حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اسمٰعیل لاہوری (متوفی سنہ ۴۴۸ھ) کی مجالس وعظ میں ہزاروں غیر مسلم شریک ہوتے اور وعظ سُن کر اسلام قبول کرتے۔

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ (سنہ ولادت ۵۶۹ھ، سنہ وفات ۶۶۴ھ) کے ہندی مقولے، منظوم قول اور چند نظمیں ملتی ہیں۔ حضرت شرف الدین بو علی قلندر (متوفی سنہ ۷۲۴ھ) کا بھی ایک شعر مشہور ہے اور حضرت امیر خسرو (سنہ ولادت ۶۵۱ھ (۱۲۵۳ء) سنہ وفات ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) نے تو ہندی میں نظمیں دوہرے وغیرہ سب ہی کچھ کہے تھے۔ ساتھ ہی حضرت شرف الدین یحییٰ منیری (سنہ ولادت ۶۶۲ھ سنہ وفات ۷۸۲ھ) ہندی بھاشا کے شاعر گزرے ہیں۔

قدیم دور کے اُردو نعت گو شعراء اور نعتیہ مخطوطات

نعت جسے صوفیانہ یا مذہبی شاعری سے تعبیر کیا جاتا ہے اپنی ابتداء اور فروغ کے لئے صوفیائے کرام کی مرہون منت ہے ظاہر ہے کہ اُردو شاعری کا آغاز مذہبی حیثیت سے ہوا اور مذہبی خیالات ایک عرصہ تک شاعری میں غالب رہے۔ لہٰذا اردو شاعری کے آغاز ہی سے شعراء نے نعت کی طرف توجہ کی۔ اس کا بڑا مقصدی پہلو یہ تھا کہ عوام تک رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مضمون دل کش اور دلنشین پیرائے میں پیش کیا جائے۔ تاکہ عوام کے لئے جاذب توجہ ہو۔ حقیقت میں یہ ایک تبلیغی مہم کا کارنامہ ہے جو نعتیہ ادب بن کر جلوہ گر ہوا۔ اس لئے اس دور میں ولادت نامے، شمائل نبیؐ، معجزاتِ نبیؐ اور معراج نامے کثرت سے لکھے گئے۔ دکن کی مذہبی مثنویات میں نعتیہ مضامین کا یہ رنگ نعت گوئی کے مقصدی پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔ جس میں کلیتہً بیانِ سیرت کو دخل ہے نعتیہ مثنویوں کے ابتدائی رنگ میں تغزل نام کو نہیں پایا جاتا۔ ان میں سے اکثر کا ذکر ہم بلالحاظ ان کی ادبی خوبیوں کے کریں گے تاکہ ہم اس دَور کے ادبی رجحانات کو پرکھیں اور اس زمانے میں نعت گوئی کی محبوبیت اور مقبولیت کی ہمہ گیری کا اندازہ کر سکیں۔

طوالت سے بچنے کے لئے شعراء کا تذکرہ نہایت اختصار سے کیا گیا ہے اور ان کے کلام کا نمونہ بھی صرف نمونہ کی خاطر پیش کیا گیا ہے۔

(۱) حضرت سید محمد حسینی آپ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے نام سے مشہور ہیں۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے۔ سنہ ۸۱۵ھ میں گلبرگہ آئے اور سنہ ۸۲۵ھ میں انتقال کیا۔ آپ کا مزار زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز کا سلسلہ رشد و ہدایت عربی فارسی اور دکھنی تینوں زبانوں کے ذریعے جاری رہا۔ تین رسالے معراج العاشقین، ہدایت نامہ اور سہ بارہ تصوف میں لکھے۔ ان رسالوں کا سن تصنیف معلوم نہ ہو سکا لیکن ظاہر ہے کہ یہ سنہ ۸۱۵ھ و سنہ ۸۲۵ھ کے درمیان لکھے گئے ہوں گے۔

خواجہ صاحب سے منسوب بعض اشعار بھی دستیاب ہوئے ہیں چنانچہ مولوی عبدالحق صاحب نے اپنی کتاب "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ" میں نعت کے چند اشعار دئے ہیں۔ پروفیسر آغا حیدر حسن صاحب کی مملوکہ بیاض میں بھی حسب ذیل نعتیہ اشعار ملتے ہیں:۔

اے محمدؐ ہجلو جم جلوہ تیرا　　ذات تجلی ہووے گی سیس سپوٹ بھرا

داحد اپنی آپ تھا بین آپ نجھانا
پرگٹہ جلوے کارنے الف میم ہو آیا
عشقوں جلوہ دینے کر کاف نون بسایا
لولاک لما خلقت الافلاک خالق پالائے
فاضل افضل جتنے مرسل ساجد سجود ہو آئے
امت رحمت بخشش ہدایت تشریف پائے

ان کے چکّی نامے میں نعت کے اشعار حسب ذیل ہیں:۔

الف اللہ اس کا دستا　　میانے محمدؐ ہو کر بستا
پہنچی طلب پون کو دستا　　کہے یا بسم اللہ ہو ہو اللہ [1]

(یہ مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اُردو حیدر آباد میں موجود ہے جو دو اوراق پر

---

[1] چکی نامہ مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اُردو حیدر آباد ورق اول۔

مشتمل ہے۔ تقطیع $\frac{1}{2}$۵" × $\frac{1}{2}$۹" سنہ کتابت سنہ ۱۲۲۲ھ)

---

(۲) سیّد محمّد اکبر حسینی

حضرت سید محمد اکبر جو حضرت خواجہ بندہ نواز کے بیٹے تھے علم و فضل میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔ یہ اپنے والد کے خلیفہ تھے۔ سنہ ۸۰۱ھ میں گلبرگہ آئے اور سنہ ۸۲۳ھ میں اس جہانِ فانی کو خیرباد کہا۔ ان کی ایک کتاب تصوف میں دستیاب ہوئی ہے جس میں نظم و نثر دونوں ہیں۔ ان کے ایک شعر کا نعتیہ مصرع ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بعد از ثنا خُدا کی بھیجوں درود نبیؐ پر

---

(۳) نِظامی

نظامی کے حالات کا بہت کم علم ہو سکا ہے۔ یہ شاعر سلطان احمد شاہ ثالث (سنہ ۸۶۵ھ تا سنہ ۸۶۷ھ) کے دربار کا شاعر تھا۔ اس کی ایک مثنوی کدم راؤ اور پدم، انجمن ترقیٔ اُردو پاکستان کے کتب خانے میں موجود ہے جس کے چند صفحات کے فوٹو "قومی زبان" میں شائع ہوئے تھے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ اس مثنوی کی تصنیف سلطان احمد شاہ ثالث ہی کے زمانے میں ہوئی۔

شاعر نے حسب دستور مثنوی کی ابتدا حمد سے کی ہے اس کے بعد نعت اور منقبت لکھی ہے۔ نعتیہ کلام کا نمونہ درجِ ذیل ہے:-

تہیں ایک سا چا گسائیں امر ۔۔۔ سری دوی نین جگ تورا دگر
بٹھایا امولک رتن نور دھر ۔۔۔ کرتی دیپک بلکٹ کرن راج کر
امولک کلت سیس سنسار کا ۔۔۔ کرے کام نو دھار کرتار کا
محمدؐ جرم ادم۔ بنیاد نور ۔۔۔ دو بھی جگ سری دے پوسا دنور

جیسا کہ نمونہ کلام سے ظاہر ہے مثنوی کی زبان نہایت مشکل ہے۔ شاعر نے عربی فارسی الفاظ بہت کم استعمال کئے ہیں۔

(۴) صدرالدین

صدرالدین بہمنی دور کے ایک صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ سنہ ۸۷۶ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی ایک کتاب "کسب محویت" دستیاب ہوئی ہے جو کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں موجود ہے۔ اس کتاب میں تصوف کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ حمد و نعت کا ایک شعر درج ذیل ہے:۔

نانوں لے اللہ محمدؐ کا اول ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ کسب کا سب کو کہوں در ہر محل [۱]

(۵) عبدالملک بھروچی

عبدالملک بھروچی نے سنہ ۱۰۰۹ھ میں "مولودنامہ" یا تولدنامہ، تصنیف کیا جو ڈھائی سو اشعار کی ایک مثنوی ہے۔ اس میں رسولِ مقبولؐ کی ولادت کے حالات درج ہیں۔ شاعر کا نام، اس کا وطن، کتاب کا نام اور سنہ تصنیف آخری ابیات میں ظاہر کیا گیا ہے۔

عاجز غریب عبدالملک لیا محمدؐ سوں پناہ
بخشے الٰہی توں اسے تیرے کرم سوں سب گناہ
میرا بھروچ ہے یا وطن جس جاگہ احمدؐ کاٹ ہیں
بھولوں کی تیئں جنگل منیں اکثر ملیں وے باٹ ہیں
نوائے ہزار اوپر لکھی تاریخ ہجرت کی جدھاں
اس سال اے مولود میں لکھ کر سنائے جگ مہاں [۲]

---

[۱] کسب محویت مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد، ورق اول الف
[۲] مولودنامہ " " " " ۱۶ الف

شاعر نے اپنا وطن بھروچ بتایا ہے اور حضرت شیخ احمد کو بھی اسی مقام سے وابستہ کیا ہے گو حضرت شیخ احمد کی وفات ۱۴ شوال سنہ ۸۴۹ھ میں بمقام سرخس یا سرکھیج ہوئی جہاں وہ رہتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس زمانہ سرخس ضلع بھروچ میں شامل ہو۔ مولود نامے کی زبان مقام اور وقت کے تقاضے سے گجراتی زبان سے متاثر نظر آتی ہے۔ نمونتہً چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

مثنوی کا آغاز:-

یاالٰہی شکر تیرا کس زبان سے ہوں کروں — تو خدا صاحب سبھوں کا حکم تیرے میں رہوں

تیں کیا پیدا محمدؐ جس نبیؐ سوں سب ہوا — عرش و کرسی لوح تینوں اور قلم چوتھا کیا

توں خدا خالق زمین اور آسمان کا بالیقیں — تیں فرشتے آدمی پیدا کیا دنیا و دیں[51]

رسُولِ کریمؐ کی ولادت کا مضمون یوں بیان کرتا ہے۔

مہینے برس سب پہلے کر ربیع الاول منیں

احمد نبیؐ پیدا ہوئے جیوں چاند چودھی رات منیں

تب ہوا یہ حکم رضواں کو کہ جنتاں کو سوار

سب بہشتوں سوں اوٹھا پردا انیں حوراں سنگار

ہور دکھاؤ سب فرشتوں کوں نبیؐ کا نور آج

جس نبیؐ کون میں دیا جو دین دنیا کا سوراج[52]

شاعر نے عام واعظوں کی طرح نصیحت بھی کی ہے۔

اے مومنا غافل نہ ہو مولود سن کر سب تمیں — بھیجو محمد پر درود اور دیو خدا کی راہ میں

---

[51] مولود نامہ مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اُردو، حیدر آباد دکن، ورق اول، الف، ب۔

[52] " " " " " ۲ الف

لاکھوں کرور و ہوئے تو بن جائے خالی ہاتھ سب ۔۔۔ جو دی نبی کے نام پر وی پاویں گے خوبیاں عجیب
ایسے نبیؐ کے نام پر قربان ہو وہیں آج سو[۵۱] ۔۔۔ جس دو ستے بخشے خدا فردا نبیؐ کی لاج سوں

شاعر نے دعویٰ کیا ہے کہ مثنوی کے مضامین اس کے اختراعی نہیں ہیں بلکہ اس کی سند حدیثوں سے ملتی ہے۔ اور اسی روشنی میں یہ مثنوی لکھی گئی ہے۔

مولود حضرت کے لکھے ہیں میں حدیثوں سوں اتار
سن کر اسے کچھ خیر کر جو تجھ دیا پروردگار[۵۲]

---

(۶) سلطان محمد قلی قطب شاہ

اردو شاعری میں اولیت کا سہرا ولی کے سر سے اتارنے والا سلطان سخن تحقیق و تدقیق کی کاوشوں سے اُردو کے افق پر اندھیروں سے نکل کر نمودار ہوتا ہے۔ اس صاحب دیوان شاعر کو دنیا زیادہ تر عیش و عشرت کے دلدادہ بادشاہ کی حیثیت سے جانتی تھی یہ نہ معلوم تھا کہ یہ بادشاہ سخن بھی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ بروز جمعہ ۱۴ رمضان سنہ ۹۷۳ھ میں پیدا ہوا اور سلطان ابراہیم کے لئے نوید مسرت لایا۔ جشن ولادت بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ شعرائے اس کے گیت گائے اور خزانوں کو سادات، علماء، مساکین اور فقراء کے لئے کھول دیا گیا۔ وجہی کی مثنوی قطب مشتری سے بھی ہمیں اس کی شہادت ملتی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ سنہ ۹۸۸ھ میں تخت نشین ہوا اور سنہ ۱۰۲۰ھ میں تیس سال سلطنت کر کے انتقال کیا۔

جیسا کہ حالات سے ظاہر ہے محمد قلی قطب شاہ فطرۃً حسن پرست واقع ہوا تھا۔

---

۵۱ مولود نامہ مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن ورق ۱۵ الف

۵۲ " " " " " ۱۶ "

اس کا آوارہ جنوں رعنائیوں کی تلاش میں ہرجائی نظر آتا ہے۔ دلربائی کے لئے تکلفات کی دنیا بسانے کے لئے وہ ہمیشہ مصروف کار ہے۔ حسن پرست کے لئے ناکامی اور ہجر ہی آتش عشق کو تیز تر اور اس کی لطافت کو لطیف تر بنا سکتا ہے، یہاں تک کہ وہ نکھر کر پاکیزہ سرشت پیدا کر دیتا ہے۔ اسی لئے ناکامی اور ہجر عشق کے فروغ کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ لیکن یہاں پر تمنا تسلی کے لئے ہزاروں سامان پاتی تھی نتیجتاً یہ عشق ہوس پرستی میں تبدیل ہو گیا اور اس کے نشاط کار میں ساری صلاحیتوں کو برباد ہونا پڑا۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ کی زندگی کے حالات اور اس کے کلام کے مطالعے سے اس کی شخصیت کا ایک حد تک اندازہ ہو سکتا ہے۔ جہاں محمد قلی نے گوری پیاری وغیرہ کی شان میں عشق و محبت کے جذبات کا اظہار کیا ہے وہاں رسولِ کریم صلعم سے والہانہ وابستگی بھی جتائی ہے۔ جشن میلاد النبیؐ کا اہتمام حسب عقیدت مندی سے ہر سال اس کے دورِ حکومت میں ہوتا رہا وہ اس کی زندگی کے ایک روشن پہلو کی آئینہ داری کرتا ہے۔ اس نعت گو شاعر کا کلام اس کے سینے میں ایک ایسے سریع الحس قلب کا ثبوت دیتا ہے جو حسن و جمال کا فدائی بن کر ہمیشہ نظارہ کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ وہ عشق و محبت کے گیت عمر بھر گاتا رہا اور اس نے عشق کو عقل پر قولاً اور فعلاً ہمیشہ ترجیح دی۔

سبھی عالمان آپ پڑن جانتے ہیں — نہیں کوئی پایا اے پیرت کا مایا
پرم کے سو پیانے سوں مدپلا کر — پیا طاق ابرو سوں سجدا کرایا
عقل کے تخت پر پرم تخت بیٹھا — عشق عقل کے ہاتھ اپسے نوایا
نہ عاشق کو کٹتا ہے بن عشق یک تل — دو عاقل سدا جن پیرت سوں گمایا[1]

---

[1] کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ، مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صفحہ ۳۱۷۔

شاعر کا دعویٰ ہے کہ مکتب عشق کے فارغ التحصیل کو علم لدنی کی دولت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ وہ خارجی علوم کا محتاج نہیں رہتا۔ اس کی طبیعت ازل ہی سے ان علوم سے بے رغبت رہتی ہے، وہ ان علوم کی حقیقت اصوات اور نقوش سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ جذبۂ عشق کی تحریک پر جو بھی کلام پیدا ہوتا ہے وہ زندہ جاوید ہوتا ہے۔ اسے کبھی فنا نہیں۔

لکھے ہیں ازل تھے ہمنا عشق قرآ عالم مجھے تعلیم کریں علم و ہنر کی

ازل تھے عشق کے پلڑے کے تئیں کئے منج بٹ

فقیہ و زاہداں میانے منجے کئے، ہیں سراج

دوسری جگہ کہتا ہے۔

وہ ناؤں کے حروف ہمن دل میں ہیں کلام عالم مجھے سکھائیں گے کیا اپنا علم

قطب شہ نبیؐ صدقے جاوید ہے عشق کی کتاباں کیا عشق سوں

محمد قلی قطب شاہ کو ناز ہے کہ اس کا علم عشق کے سرچشموں سے سرشتہ رکھتا ہے اور اس کے اسرار کا جاننا غیروں کے مقسوم میں نہیں ہے۔ جو مضامین عشق نے اس کے قلب پر القا کئے ہیں اس کی شرح کسی کے بس میں نہیں ہے۔

ہمارا علم ہے سب عالماں ہیں جوں اعجاز نہ لکھ سکے گا کنے شرح منج کتاباں کا

محمد قلی قطب شاہ کے دل و دماغ کی صلاحیتیں اس کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی زندگی پر عیش و عشرت کا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ لیکن اس افق پر جہاں بادلوں کی سیاہیاں ہوتی ہیں وہاں بجلیوں کا خندہ ابر گہربار کا گریہ بھی پایا جاتا ہے۔ رقاصہ دکن کی محبت سے جب سیری ہوجاتی ہے تو شاعر نسیم حجاز کے جھونکے بھی محسوس کرنے لگتا ہے۔ بندہ اللہ کا ہے، سلطانی اللہ

کی اور اس کے رسولؐ کی ہے۔ زندگی اسی کی ہے جس کے قبضۂ قدرت میں بندے کی جان ہے۔

"سلطانی کی بخشش اور عزت وجاہ کی نوازش اس ایک بادشاہ کی عطا کردہ ہے، اسی جذبۂ شکر میں ندامت کے آنسو بھی ہیں۔ بارگاہ رسالتؐ سے والہانہ وابستگی کا بے پایاں جذبہ بھی ہے ہر دم ہر گھڑی نام اسی کا ہے یہ غلام اس بارگاہ کا انعام یافتہ ہے، محمدؐ نام پیارا ہے۔ کیسا مبارک نام جو اپنے اندر ارض و سما کی کل نعمتیں رکھتا ہے۔ شاعر کو ناز اس پر ہے کہ محمد نام پایا ہے اور حقیقت میں اسی نام کی برکت سے زندگی کو سہارا ہے۔"

محمدؐ کے نام پر شاعر کا دل کیسا اچھلتا ہے وہ اس کی شفقت کا کتنا ممنون ہے اور اس سے کیسی امیدواری ہے۔ نازاں اس پر ہیں کہ محمد قلی ہیں اور اس غلامی کے صدقے میں دکن کی سلطانی عطا ہوئی ہے۔ شاعر کی خوش گفتاری ملاحظہ کیجیے، کیسی وابستگی کیسی محبت۔ خلوص سے دل مملو ہے۔ جذبات سے سینہ اچھل رہا ہے۔ وہ بندگی کے لیے آگے بڑھ رہا ہے۔ شہنشاہ ثقلین محبوب کبریاؐ کی ثنا خوانی کس والہانہ انداز میں کی ہے۔

اسم محمدؐ تھے اہے جگ میں سو خاقانی مجھے
بندہ نبیؐ کا جم رہے ہستی ہے سلطانی مجھے
شاہان غروری ٹھاؤں تھے کرتے ہیں اپنی دھاؤں تھے
مستی میری تج ناؤں تھے کیتی ہے دیوانی مجھے
اس ناؤں کی برت پہ جھلک مج سربلندی تا فلک
آکہیں سدا سارے ملک تو یوسف ثانی مجھے

کیا ڈر مجھے فرعون کا ہور سامری افسوں کا
موسیٰ عصا زیتون کا ہے تیغ ربانی مجھے [۵۱]

خدا منج مہکر سوں آپی بنیؐ صدقے کیا رافع
منجے تخت سلیماں جوں وہی آپی دیا رافع
یقین کر دل میں مانیا ہوں خدا جس کوں اپنے دتیا
وہ ہرگز زیر ہوسے نا کیا جس کوئی خدا رافع
جو کوئی دل میں محبت دھر کر رہیا ہے ایمان کا
سو اس کا ہت پکڑ کر آپ کرتے مصطفٰؐ رافع [۵۲]

دربار محمدیؐ میں شاعر کی مدح سرائی کا یہ انداز بھی ہے۔ آقائے نامدارؐ کی محبت کا کیف اور ذکر محمدیؐ میں نشاط کی سرمستی کن پیارے الفاظ میں سمودی گئی ہے۔

چاند سورج روشنی پایا تمارے نور تھے
آب کوثر کو شرف تھڈی کے پانی پور تھے
دل پرم چپنے تھے دتیا گل صبا بوئے وصال
کیا رضا ہے منج کو آؤں یا نہ آؤں دور تھے
دل دریا میں غم کی موجیں آوتی ہیں فوج فوج
عشق کے تختے اوپر کیا ڈر ہے طوفان زور تھے

---

۵۱ کلیات سلطان قلی قطب شاہ نعت مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین زور صفحہ ۱۰۔
۵۲ " " " " " صفحہ ۱۳۔

کیا کھلے گا مدعا کیا پھول دل گل زار میں
ناز جینے سوں میرے دل کوں ڈگاتی دور تھے

دور ہوں فرسنگ در فرسنگ تیرے وصل تھے
میرے دل کا خیال تیرے شیوے بن تا دور تھے

تو سلیمان ثانی و تج برج فیروزی دفتح
مشتری پایا شرف یتری نظر منظور تھے

اے معانی رات دن نام محمدؐ ورد کر
تج دعا با مدعا ہے رتبہ منصور تھے [۵۱]

دوسری جگہ شاعر ترانۂ محمدیؐ سے یوں شاد ہے۔

تج مکھ اجت کے جوب تھے عالم دپنھارا ہوا
تج دین تھے اسلام سے مومن جگت سارا ہوا [۵۲]

نعت رسولؐ کی برکت نے شاعر کے کلام کو ستاروں کی بلندی اور درخشانی عطا کی ہے۔

باتاں گہر سیاں نو ملیاں واریا جو تیرے ناؤں پر
سو جائے کر آسمان پر ہر یک بچن تارا ہوا [۵۳]

محمد قلی قطب شاہ نے نعتیہ رباعیاں بھی کہی ہیں، نمونہ حسب ذیل ہے۔

جیتا توں دل و جیو سوں قرآن دیکھے	احمدؐ کے سوحق پر توں سب احسان دیکھے
دیکھ حلقۂ خاتم النبینؐ میں توں	دل نیں سوں تا اضیع رحمان دیکھے [۵۴]

---

[۵۱] کلیات سلطان قلی قطب شاہ نعت مرتبہ ڈاکٹر محی الدین زور قادری صفحہ ۱۲۔
[۵۲] ایضاً صفحہ ۹ [۵۳] ایضاً صفحہ ۹ [۵۴] ایضاً نعت صفحہ ۴۶۔

دور اوّل میں محمد قلی قطب شاہ کا مقام نعت گو شاعر کی حیثیت سے نہایت بلند ہے۔ اس کے تقریباً ہر مقطع میں نعت کا مضمون ملتا ہے۔ پھر پانچ نعتیہ غزلوں کے علاوہ "عید میلاد نبیؐ" پر چھ نظمیں لکھی ہیں۔ ساتھ ہی "عید بعثت نبیؐ" پر بھی پانچ نظمیں ملتی ہیں۔ شاعر نے شب معراج کا مضمون بھی مختصراً نظم کیا ہے۔ نعتیہ رباعی نمونتہً درج کی جا چکی ہے۔

اس دور کا جو نعتیہ کلام ملتا ہے وہ زیادہ تر مثنویوں میں رسماً حمد کے بعد شامل کیا گیا ہے۔ کسی شاعر نے اس کو مستقل موضوع بنا کر اصناف سخن میں اپنی عقیدت اور خلوص کا اظہار نہیں کیا۔ جو مثنویاں سیرت سے متعلق لکھی گئیں ان میں ولادت نبی صلعم فضیلت نبیؐ معراج وغیرہ کا بیان ضرور ہے لیکن ان میں شعریت کم پائی جاتی ہے۔ ان کی حیثیت منظوم واقعات سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لحاظ سے ہم اپنی موجودہ معلومات کی بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ محمد قلی قطب شاہ کا نعتیہ کلام تاریخ نعت گوئی میں پہلا اہم شعری کارنامہ ہے۔

---

(۷) ملّا وجہی

ملّا وجہی کی شاعری کا آغاز ابراہیم قطب شاہ کے زمانے سے ہوا۔ شاعر سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں زندہ تھا۔ ملّا وجہی کا مقام دکھنی اُردو کے مصنفین میں نہایت ممتاز ہے۔ اس کو نظم و نثر دونوں پر بڑی قدرت تھی۔ چنانچہ سب رس، تاج الحقائق اور قطب مشتری اس پر شاہد ہیں۔ وجہی کو نعت گو شعراء میں جگہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس دور کے ممتاز شعرائ کے اس رنگ کا اندازہ ہو سکے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی کوئی مستقل تصنیف نعت میں نہیں ملتی۔ عام طور پر اردو مثنویوں کی ابتداء میں حمد مناجات، نعت اور منقبت کے طول طویل مضامین کے بیان کا رواج رہا ہے۔

یہاں تک کہ کبھی ان کی حیثیت میں بھی اکثر نعتیہ اشعار پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ قطب مشتری (مصنفہ سنہ ۱۰۱۸ھ) میں وجہی نے ۲۶ ادبیات کی نعت لکھی ہے۔ اس کے بعد ذکر معراج ہے۔ جو ۳۴ ادبیات پر مشتمل ہے۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے۔

محمد نبیؐ ناؤ تیرا ہے — عرش کے اوپر چھانو تیرا ہے
کہ چودہ فلک کا تو سلطان ہے — علی سا تیرے گھر میں پردھان ہے
اس ہور یک لاک پیغمبر آئے — ولے مرتبا کوئی تیرا نہ پائے
چھپیا نور سب کا ہے تیرے انگے — کہ جیوں تارے چھپے اہے سورانگے

(قطب مشتری۔ مرتبہ عبدالحق ص ۸)

وجہی کے نعتیہ اشعار صحیح وصف نبیؐ سے پر ہیں۔ شاعر صفات نبویؐ کو یکے بعد دیگرے نہایت واضح طور پر بیان کرتا جاتا ہے۔ جس میں کوئی الجھاؤ نہیں۔ تصوف کے مبہم مسائل کا بیان نہیں اور نہ داخلی جذبات کا اظہار ہے۔ تشبیہیں بھی نہایت صاف ہیں۔ مثلاً سب کے نور پر رسول کریم صلعم کے نور کو غالب دکھانے کے لئے یہ تشبیہہ دیتا ہے کہ جس طرح تارے سورج کے سامنے چھپ جاتے ہیں اسی طرح آپ کے نور کے آگے سب کا نور چھپ جاتا ہے۔ رسول کریم صلعم کا سایا نہ ہونے کی توجیہ شعرائے مختلف طور پر کی ہے۔ یہاں وجہی کا بیان نہایت صاف ہے۔ اور دلنشین ہے۔

کہ تو نور تج چھانو بھی نور ہے — اندھارا اجالے ستی دور ہے
اُجالا ہے جاں واں اندھیرا نہیں — اندھارا ہے جاں واں اجالا نہیں
ترا چھانو وو ہے جو کہہ طور تے — نکلیتج جھلکیا ادکھ سور تے
تری چھانو کا فور جگ دیک کر — خبر سن کے موسیٰ ہوا بے خبر

(قطب مشتری صفحہ ۹)

شاعر نے آخر میں شفاعت کی امیدواری کا مضمون بھی باندھا ہے جس میں آپؐ کی

محبوبیت کو ظاہر کیا ہے۔

امیدوار ہے جگ تیرے پیار کا | کہ بخشائے تو پاپ سنسار کا
شفاعت کرنہار سب کا تہیں | اپی لاڈلا ایک رب کا تہیں

(قطب مثنوی صفحہ ۹)

---

(۸) غواصی غواصی[1] جو قطب شاہی دربار کا ملک الشعراء گزرا ہے، اس نے اپنی دو مثنویوں سیف الملوک و بدیع الجمال (سنہ تصنیف ۱۰۳۵ھ) اور طوطی نامہ (سنہ تصنیف ۱۰۴۹) میں حسب دستور مثنویوں کی ابتداء، حمد اور نعت سے کی ہے۔ یہاں نعت کا نمونہ صرف کلام کی قدامت کے پیش نظر دیا جاتا ہے، تاکہ اردو نعت کے ارتقاء میں مختلف ادوار کے نعتیہ کلام کے عام رنگ کا اندازہ کیا جا سکے۔

نمونۂ کلام:-

سچا توں محمدؐ سچا مصطفٰےؐ | سچا ہے توں احمد مرتضٰےؐ
توں طٰہٰ تو یٰسین تو ابطحی | توں امی تو مکی توں مرسل ہی
توں اول توں آخر تو ہی ہے امیر | توں ظاہر توں باطن نبیؐ بینظیر

---

[1] غواصی کی تاریخ پیدائش کا علم نہیں، قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلطان ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں پیدا ہوا اور شاعری محمد قلی قطبی شاہ کے دور میں شروع کی۔ ۱۰۳۵ھ تک زندگی کو فارغ البالی نصیب نہ ہو سکی۔ آخر ۱۰۴۵ھ میں سلطان عبداللہ کے سفیر کی حیثیت سے وہ بیجاپور بھیجا گیا۔ شاید وہ آخری عمر میں تارک الدنیا ہو گیا تھا اور قرینِ قیاس یہ ہے کہ اس کا انتقال سلطان عبداللہ ہی کے زمانے میں ہوا۔

تہیں ہاشمی ہور قریشی رسولؐ — جکچ تو کہے سو کرے رب قبول
توں قائم تو حجت توں حافظ سچا — توں شافع توں سابق تو واعظ سچا
تقی ہور سخی توں ولی ہور خلیل — دیا تج نبیؐ ناؤں رب الجلیل
خدا کے بھیاں کا سو سلطان توں — دیو نہار ساریاں کو ایمان توں [۱۵]

اسی رنگ میں شروع سے آخر تک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا بیان ہے جس میں رنگ تغزل بالکل مفقود ہے۔ آخری تین شعروں میں اپنے خلوص کا اظہار اور حضرت ابوبکر عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر ہے۔ جملہ نعتیہ اشعار کی تعداد ۲۱ ہے۔ اس مثنوی میں شاعر نے حضرت علیؓ کی منقبت بھی کہی ہے۔ جس میں آپ کی ولایت، کرامت اور شجاعت کا وصف بیان کیا ہے اور پھر اپنی محبت اور خلوص کو جتایا ہے۔ شاعر نے حضرت میران محی الدین کی مدح بھی لکھی ہے۔ اور اس میں رسولِ کریمؐ کے ذکر کے ساتھ نعتیہ مضمون پیدا کیا ہے۔

قسم کھاؤں میں سورۂ یٰسین سوں — کہ حق بعد ہے جیو میرا تیں سوں
حمایت جو مج بس اہے تین کا — محمدؐ علیؓ ہور محی الدین کا [۱۶]

مثنوی کے آخری دو اختتامی شعر ذکر نبیؐ میں کہے ہیں۔

"طوطی نامہ" کے چند نعتیہ اشعار درج ذیل ہیں اس میں جملہ ۲۴ نعتیہ شعر کہے ہیں۔

رتن خاص دریائے لولاک کا — جھلک لامکاں نور افلاک کا
محمدؐ نبی سید المرسلینؐ — سدا روشن اس تے ہے دنیا و دین

۱۵، ۱۶ مثنوی سیف الملک و بدیع الجمال مرتبہ میر سعادت علی صاحب رضوی صفحہ ۴، ۸۔

عدم میں تے عالم کو پروردگار — اسی کے کیا نور سوں آشکار
رواج آفرینش کیا سو وہیچ — چراغ اہل بینش کیا سو وہیچ
ازل مخص اس کا خزینا دسے — ابد عین اس کا مدینہ دسے
ہوئے ختم اس پر نبوت کے گن — بجے طبل اس کا قیامت لگن
تم اس کے دسے لطف کا سلسبیل — لکھی اس کے ہے شہد کا جبرئیل
حرم کبریا کا سو اس کا مقام — بندا شمس ہور بدر اس کا غلام ۵۱

آخری دو شعر یہ ہیں۔

بڑے بخت جو ہیں غواصی غلام — ہوں ایسے نبیؐ کا علیہ السلام
سدا پاؤں سکھ ہیں اسے یاد کر — ہزاروں درود اسکی اولاد پر ۵۲

طوطی نامہ کے آخر میں شاعر نے دنیا سے بیزاری کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اس سے غواصی کا مذہبی اور صوفیانہ رجحان پایا جاتا ہے۔ طوطی نامہ سیف الملوک و بدیع الجمال کے چودہ سال بعد لکھی گئی۔ لہٰذا دونوں میں زبان کا فرق نمایاں ہے۔ طوطی نامے کی زبان سلیس اور دلکش ہے۔ نیز اس میں تصوف کا رنگ نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔ دونوں مثنویوں کے نعتیہ کلام کے موازنہ سے خود اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ سیف الملوک میں رسولِ کریمؐ کے اوصاف کا صاف صاف بیان ہے۔ نہ اس میں "چراغ اہل بینش" کا ذکر ہے اور نہ ابد اور ازل کا تذکرہ ہے۔ مثنوی چندا و لولاک میں غواصی نے رسماً جو منقبت کہی ہے اس کے اشعار کا نمونہ درج ذیل ہے۔

---

۵۱ طوطی نامہ مرتبہ میر سعادت علی رضوی صفحہ ۳۔
۵۲ " " " " ۵۔

محمدؐ نبیؐ سروری اولیا　　نبیاں مرسلاں پر شفاعت کیا
منور کیا جنتیں اسلام کوں　　شفاعت دیا خاص ہور عام کوں

محمدؐ نبیؐ خاتم الانبیا　　شرف جنتیں حق جگمیں ہمنا دیا
دیا جس کو تشریف لولاک کا　　ہوا جیتی مظہر یو افلاک کا [۵۱]

نعت میں نبی کریمؐ کے اوصاف کا بیان ہے۔ آخر میں شاعر نے خلوص اور عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے تصدق کے مضمون کو نظم کیا ہے۔

تصدق ہمن سار کی کئی ہزا　　محمدؐ کے نعلین پر بار بار
ہزاروں ہمن سار کی نیک نام　　محمدؐ پر صدقہ ہیں ساری تمام

---

(۹) صنعتی

'قصۂ بے نظیر'، جو عام طور پر قصۂ تمیم انصاری کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا مصنف صنعتی ہے۔ جو بیجاپور کا رہنے والا تھا۔ اور محمد عادل شاہ (سنہ ۱۰۳۷ھ سنہ ۱۰۶۷ھ) کا معاصر تھا۔ قصہ بے نظیر سنہ ۱۰۵۵ھ کی تصنیف ہے۔ اس کی ابتدا بھی حمد و نعت سے کی گئی ہے۔ نعت کافی طویل ہے جو ۷۶ اشعار پر مشتمل ہے۔ نعت کے بعد حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی منقبت بھی لکھی ہے جس کے ۴۹ شعر ہیں۔

شاعر نے حمد میں انسان کی عظمت اور خلافت کی بخشش کا ذکر کرتے ہوئے قصۂ آدم اور تخلیق کائنات کے ساتھ جملہ جلیل القدر انبیاء کرام کی یکے بعد دیگرے مدح کی ہے۔ جس میں نعت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہے۔ مثلاً۔

---

[۵۱] مثنوی چندا لورک صفحہ ۲، ۳۔ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ۔ حیدرآباد دکن۔

توں ایسا محمدؐ کوں بخشا شرف ۔۔۔ کہ جاں سب نبیاں کا شرف ایک حرف [۱]

حمد میں طویل مضمون ہے جس کا اختتام دعائیہ اشعار پر کیا ہے۔

نعت نبی کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ درج ذیل ہے۔

نبی کریمؐ شفیع امین ۔۔۔ رسُولِ خداؐ رحمت العالمین
کہ جن سر پر لولاک کا تاج ہے ۔۔۔ سو اسکوں عرش آپی محتاج ہے
ثنا جس کی بولیا ہے سبحان نے ۔۔۔ سو طٰہٰ و یٰسین و قرآن مے
احد میں تجھے ناؤں احمد دیا ۔۔۔ بجز میم بھی فرق کچھ نیں کیا [۲]

شاعر کا بیان ہے کہ ساری کائنات کو نور محمدؐی سے درخشانی حاصل ہے۔ اور زحل، مشتری، مریخ، سورج، عطارد، چندر سب ہی بارگاہ نبیؐ کے خدمتگزار ہیں۔

چندر مشعلہ دار ہو وقت شام ۔۔۔ جمع کر ستارے کرے تجھ سلام
شرف ہے دو عالم کو تجھ ذات سی ۔۔۔ بھی آخر خلاصی ہی تجھ بات سی
ترا ناؤں عزت ہی آدم کے تئیں ۔۔۔ ترا اسم ہے ورد عالم کے تئیں
ترا ناؤں ہی ذات بعدے صفات ۔۔۔ کہ جوں بیج اول بزاں پھول پات [۳]
دو عالم ہے یکتاب تجھ سور تے ۔۔۔ شرف سب ہے آدم کوں تجھ نور تے
تجلی تے تجھ پائے جب یک جھلک ۔۔۔ کئے سجدہ آدم کون سارے ملک [۴]
عیاں تجھ میں ہے جلوۂ ذوالجلال ۔۔۔ ہے عالم کوں معراج تیرا جمال
سزاوار توں جلوۂ ذات کوں ۔۔۔ شرف تجھ تے معراج کی رات کوں
ہوا جب تو اس رات براق سوار ۔۔۔ سرافیل تھا خاص دغاشہ دار

---

[۱] قصۂ بے نظیر مرتبہ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری صفحہ ۳۔ [۲] ایضاً صفحہ ۷۔
[۳] ایضاً صفحہ ۸ [۴] ایضاً صفحات ۸، ۹۔

نہ ہے شہ سوار و نہ ہے خنگ پاک　　کہ جس سم پہ البرج تھا چاک چاک[۵۱]

شاعر اس نعتیہ نظم میں معراج کا قصہ بھی بیان کرتا ہے۔ یہاں تک کہ رسول کریمؐ کے دیدار الٰہی سے مشرف ہونے کو بیان کرتا ہے۔

سو دیدار اپنا دکھلیا تجے　　عجب ذوق لذت چکھایا تجے
سو او ذوق کہنے میں آئے کہاں　　اور لذت بیان میں سماوے کہاں
وہ مازاغ کا کحل انکھیاں میں کر　　نہ واں زاغ دکھیا نہ واں باغ پر
کسی انبیا کو نہیں تھی یو بات　　جو بے پردہ واصل ہے حق سنگات[۵۲]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیدار الٰہی سے محرومی کا ذکر کرکے رسول کریمؐ کی جلالت کو پیش کرتا ہے۔ پھر رسول اللہؐ کی امت کے لئے سفارش کا مضمون باندھا ہے۔

دیا جب یو تشریف رب العباد　　کیا آخر امت کو بھی اسیں یاد
فاوحی علی عبدہ کا شرف　　بزاں حق تے نازل ہوا تج طرف[۵۳]

صنعتی کو اپنی اور امت محمدیؐ کی خوش بختی پر ناز ہے کہ آپ کی پشت پناہی حاصل ہے۔ شاعر نے رسولِ کریمؐ کی خوشنودی سے ایک اچھا مضمون پیدا کیا ہے جس میں امت کی بخشش پر دلیل قائم کی ہے۔

ازل سے ہمن بخت ہیں نیک خواہ　　جو تج سا ابد لگ ہے ہمنا پناہ
تری خوشنودی حق کو مقصود ہے　　توں امت کی بخشش پہ خوشنود ہے
جو کئی تجھ پر ایمان یاں لیائیں گے　　سو دوزخ میں کیوں کر کہ او جائیں گے
ترے تابعاں میں خدا کر قبول　　کہ بولیا خدا من یطیع الرسولؐ
چلے صنعتی سوں تیری بات پر　　دو جگ میں اسے توں سرافراز کر[۵۴]

---

۵۱ قصہ بینظیر مرتبہ جناب پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری صفحہ ۹ - ۵۲ ایضاً صفحہ ۱۰
۵۳ ایضاً صفحہ ۱۱ - ۵۴ صنعتی مرتبہ جناب پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری صفحہ ۱۱، ۱۲-

رسولِ کریمؐ سے وابستگی کا اظہار اس طرح کیا ہے:۔

تیرے پاس رہنے کی ہے آس اوس ‏ ‏ رکھ اپنے کرم سوں اپس پاس اوس
کراوس خاک کوں یک نظر سوں کچن ‏ ‏ بحق چار یاراں حسین وحسن
نہ دھرتا ہوں کچھ تحفہ از بھر خود ‏ ‏ تیری بارگہ میں بغیر از درود
اچھو حق تعالےٰ تے نازل سلام ‏ ‏ بر اصحاب بر اہل بینش تمام[۱]

صنعتی نے جو قصہ نظم کیا ہے اس کی مرکزی شخصیت حضرت تمیم انصاری ہیں۔ جو اصحاب رسُولِ کریمؐ میں سے ہیں۔ لہٰذا اس میں مذہبی عنصر کا غالب ہونا بھی لازمی امر ہے۔ اس میں جگہ جگہ ذکرِ نبیؐ بھی پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر پیرپری آں حضرتؐ سے عقیدت مندی کا بیان ہے۔ جو آپ کی وفات کی خبر سن کر بیہوش ہو جاتی ہے۔

بزاں مجھ کوں پوچھی کہ اے نیک ذات ‏ ‏ رسُولِ خُدا ہیں جہاں میں حیات
کہا میں تب اس کوں کہ اے نیک نام ‏ ‏ ہوئی رحمت حق علیہ السلام
خبر سن کر تب او اٹھی آہ مار ‏ ‏ کری تن پر کسوت آپس تار تار
ادک درد ہور غم سوں رونے لگی ‏ ‏ سو پلکھیاں کوں موتی پرونے لگی
لگی چابنے ہاتھ کی پیٹ تب ‏ ‏ زریتہ اپس کا ستی کاڑ سب
سو اس درد ہور غم سوں مدہوش ہو ‏ ‏ پڑی تھی کتیک وقت بیہوش ہو
بھی آخر کتیک وقت کوں ہو ہوشیار ‏ ‏ میرا ناؤں لے مجکوں پوچھی پکار
کہ تم سچ کہو مجھ ستی ایک بات ‏ ‏ اس انکھیاں سوں دیکھے ہیں او پاک ذات
کیا ہوئے دیکھیا ہوں اس ذات کون ‏ ‏ بھی بوسہ دیا ہوں سو اس ہات کوں
یو سن دیکو بوسہ مجھ انکھیاں اوپر ‏ ‏ چلی لے کر عزت سوں گھر کے بھتر[۲]

---

[۱] صنعتی مرتبہ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری صفحہ ۱۲ [۲] قصہ بینظیر صفحہ ۴۵، ۴۶۔

حضرت تمیم انصاری کو ایک حسین لڑکی نظر آتی ہے۔ اس نے ان کا نام لے کر پکارا۔ بعد ازاں اس نے اس دیو کا حال پوچھا جو حضرت تمیم کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی حاصل کرنے کے فریب سے لے گیا تھا۔ حضرت تمیم نے اس کی موت کا حال سُنایا۔ اور اس لڑکی سے پوچھا کہ تمھیں میرا نام کیوں کر معلوم ہوا۔ اس نے کہا میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ محمد نبیؐ کے ایک صحابی ادھر سے گزریں گے اس کے بعد آں حضرتؐ کی نعت میں جو اشعار اس لڑکی کی زبان سے ادا ہوئے ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں۔

کہ توریت میں حق تعالیٰ کی بات	محمدؐ کی دیکھی ہوں اس میں صفات
محمدؐ نبی سرورِ سروران	حبیب خدا ختم پیغمبران
نبیؐ سب ستارے ہیں او آفتاب	دو عالم کوں ہے ان سوں پر نور تاب
سکل انبیا کے وہ سرتاج ہے	کہ جس کوں شرف حق نے معراج ہے
محمدؐ کوں ہے سب نبیاں پر شرف	اس امت کو سب امتاں پر شرف[1]

---

(۱۰) ابنِ نشاطی مصنف پھول بن (سنہ تصنیف ۱۰۷۶ھ) نے حسبِ معمول اصل قصے سے پہلے حمد نعت اور منقبت کہی ہے چنانچہ مثنوی کے اختتام پر جو اشعار لکھے ہیں ان میں دعائیہ شعر کے بعد یہ شعر درج ہیں۔

درود اول نبیؐ پر بھیج کر میں	مرتب اس حکایت کوں کیا ہیں
سچا پن سو نبیؐ پر ہے مسلم	سُنیا تیوں کہیا واللہ اعلم[2]

---

[1] قصہ بے نظیر مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری صفحہ ۹۷۔

[2] پھول بن مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری صفحہ ۱۶۹۔

حمد کے (۷، ۴) اشعار کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات کے (۲۴) شعر کہے ہیں۔ اس کے بعد نعتیہ اشعار ہیں جن کی تعداد ۲۹ ہے۔ ایک نعتیہ شعر بطور عنوان کہا گیا ہے، یہ ہے :

کہوں میں نعت سرور کا شفیع المذنبیں برحق
کہ جس کے نور سے پرتو کیا دو جگ کوں تابانی [۵۱]

نمونۂ کلام :

محمدؐ پیشوا ہی سرداراں کا	اہے سرخیل سب پیغمبراں کا
محمدؐ توں نبی ہے آج برحق	قمر کوں ایک اشارت میں کیا شق
ہوا عالم ینج احمدؐ کی خاطر	پیالہ جیوں کہ آیا مد کی خاطر [۵۲]
تری تعریف کا اونچا ہے پایا	خدا قرآں میں تجکو سرایا
نبیؐ توں پاک تیرا پاک دین ہے	سچا توں رحمت للعالمیںؐ ہے
اگر ہوتا نہ تو آدم نہ ہوتا	نہ آدم بلکہ یہ عالم نہ ہوتا
شرف پایا ہی آدم تجھ طرف تے	ہوا موجود عالم تجھ طرف تے
تری تعریف کرنے کس کوں حد ہے	ہوا تو روح اور آدم جسد ہے [۵۳]

نعت کا شروع سے آخر تک ایک ہی رنگ ہے یعنی آپؐ کے اوصاف بیان واقعہ کے طور پر نظم کئے ہیں۔ کلام میں جدت اور تنوع نہیں پایا جاتا۔ شاعر آدم کی بزرگی اور عالم کی تخلیق کو آپ ہی کے وجود کا مرہونِ منت قرار دیتا ہے

---

۵۱ پھول بن، مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری صفحہ ۷

۵۲ " " " " ۸

۵۳ " " " " " ۸

اور دیگر انبیائے کرام پر آپ کی بزرگی جتاتا ہے۔ پھر شریعت طریقت اور معرفت کا ذکر کرتا ہے۔

شریعت کا ستیا آوازہ جگ میں — طریقت کوں کیا توں تازہ جگ میں
حقیقت تجھ سوں ہے حق کا ہویدا — خدا کا معرفت تجھ سوں ہے پیدا
صفاداری کی رہ میں تیری ہر سو — کریں جاروب حوراں اپنے گیسو
ہے تجھ مکھ نور کا دیوانہ جبریل — اہے تجھ شمع کا پروانہ جبریل
شب معراج ہے تجھ مہ سوں روشن — فلک کا سبز ہے تجھ شہ سوں گلشن
ہے تیرے خُلق سوں جنّت معطّر — کرم سوں ہے ترے طوبیٰ مثمر
سُرج کوں چھانوں کئی دیکھے نہیں کیں — توں سورج تھا سی نے چھانوں تجھ نیں[۵۱]

بارگاہ نبویؐ میں شاعر کی التجا بھی سُن لیجئے۔

شہا جس دن جو رستا خیز ہوگا — سُرج کا آنچ بھو تج تیز ہوگا
تو کر ابن نشاطی کے سر اوپر — شفاعت کے ترے سایہ کوں چھتر
تیری اولاد پر ہور تج پہ ہر دم — ہزاروں سو اچھو صلوات سلم[۵۲]

---

(۱۱) نصرتی

نصرتی کا نام محمد نصرت تھا۔ جو علی عادل شاہ کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ نصرتی نے بڑی عمر پائی اور تین بادشاہوں یعنی محمد عادل شاہ علی عادل شاہ ثانی اور سکندر عادل شاہ کا زمانہ دیکھا۔ اس کی حسب ذیل تصانیف دستیاب ہوئی ہیں۔[۵۳]

---

۵۱ پھول بن، مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری صفحہ ۹ ۵۲ ایضاً صفحہ ۱۰۔ ۵۳ تذکرہ قدرت، تذکرہ غلام محی الدین اویسی میں لکھا ہے کہ ایک معراج نامہ بھی لکھا تھا جو تیرہ[۱۳] شعر پر مشتمل ہے۔

۱۔ گلشن عشق ۲۔ علی نامہ ۳۔ تاریخ اسکندری ۴۔ قصائد۔ ۵۔ غزلیات۔ رباعیات۔ حسب دستور شاعر نے اپنی مثنویاں حمد اور نعت سے شروع کی ہیں۔ گلشن عشق کے نعتیہ اشعار کی تعداد ۱۳۷ ہے جو بجائے خود ایک چھوٹی سی نعتیہ مثنوی ہے۔ شاعر نے عنوان یوں قائم کیا ہے۔[1]

بو نعت سرور عالم محمدؐ مصطفےٰ کا ۔۔۔ کھلایا گلشن ہستی اول جس نور کا پانی[2]

نعت کا ابتدائی مضمون یہ ہے۔

رہے نامور سید المرسلین ۔۔۔ کہ آخر ہے وے شافع المذنبین

ادا ہوئے نہ حمد احد کے بچن ۔۔۔ نرا کھے جگ مدح احمدؐ ہیں من

عجب آفرینش کے دریا کا دُر ۔۔۔ کہ جس نور تی بحر ہستی ہے پر[3]

شاعر نے صفات محمدیؐ کے بیان کے ساتھ اپنے خلوص اور محبت کا جگہ جگہ اظہار کیا ہے۔ نعت حقیقی وصف محمدیؐ سے پُر ہے جس میں آپ کے اوصاف کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ احد اور احمد کے مضمون کو شعراء نے زمانہ قدیم سے باندھا ہے۔ نصرتی کے یہاں یہ مضمون اس طرح ادا کیا گیا ہے۔

حبیب خدا تو نج اے مصطفےٰؐ ۔۔۔ ترا ناؤں تیج ہوئے دل صفا

احمدؐ ہور احد ہیں جگ اکون عظیم ۔۔۔ معما ہوئی گرچہ میانے کی میم

اس میم تھے بن معما شگاف ۔۔۔ دکھیں عین احد کون (تجھ) جہ احمدی صاف[4]

اسی نعت میں شاعر نے معراج کے ذکر کو مستقل عنوان کے تحت لکھا ہے

---

[1] مثنوی گلشن عشق، مرتبہ ڈاکٹر عبد الحق شائع کردہ انجمن ترقی اردو کراچی سنہ ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۰ [2] ایضاً صفحہ ۱۰ [3] ایضاً صفحہ ۱۱۔

عنوان یہ ہے:-

صفت معراج کی جب تس ترنگ چڑا و حبیبِ حق

پھر آیا لامکان تک جا کرے لگ وہم جنبانی[51]

معراج کے مضمون کی ابتدا اس طرح کی ہے۔

دھریا پردہ سوز جہاں جب حجاب | ہوئی حجلۂ راز کوں نس نقاب
کھولی بات طالب کی مطلوب پھیر | مقاماں ہوئے وصل کے دلپذیر
جو تھی من میں مطلوبِ طالب کی آس | اپڑنے کی باری آپی آئی پاس

رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر پہنچنے کو اس طرح بیان کیا ہے:

رکھے تب نبیؐ عرش عالی پہ پاؤں | چلے چھوڑ دے تس کے انگے کی ٹھاؤں
سمندِ ہوا رہ نوردِ جہاں | دیکھا یا لجا منزلِ لامکاں
لکھی جائے تا لامکاں کی صفت | کہ اس شرح میں ہے سخن بے سکت
مکاں لامکاں ہو جم اس ذات کی | نہ تمثیل اچھے تس کمی دھات کی
تشاریف رحمت کی برکات کی | عنایت لگی ہونے کئی دھات کی
محبت کے دریا کو تھا عین جوش | خلاصی کیاں موجاں دھرے خوش خروش
او فیاض ساقی کی بزمِ لطیف | دکھیت ہور ھیا خاوتی اَت حریف[52]

نصرتی کے کلام کے نمونے سے ظاہر ہے کہ شاعر نے نعت کے بیان میں زیادہ تر صفاتِ محمدی کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ساتھ ہی شاعرانہ رنگ آمیزی سے بھی کام لیا ہے لیکن اسی قدر جتنا کہ تصوف کی راہ سے جگہ پاسکتا تھا۔ جہاں مضمون میں رسُولِ کریمؐ کے ساتھ شاعر کی قلبی وابستگی کی

---

[51] مثنوی گلشن عشق۔ صفحہ ۱۳۔ [52] ایضاً صفحہ ۱۶۔

جھلکیاں ہیں وہاں تصوف کی زبان میں عشق و محبت کا بیان بھی ہے۔

---

(۱۲) سید بلاقی معراج نامہ سنہ ۱۰۸۰ھ میں لکھا جو ۵۲۵ ابیات پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی حیدر آباد کے ایک شاعر سید بلاقی کی تصنیف خیال کی جاتی ہے۔ اس میں معراج کے واقعات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔ تین نسخے سر سالار جنگ مرحوم کے کتب خانے میں ہیں۔ ادارہ ادبیات اُردو حیدر آباد دکن کا نسخہ سب سے قدیم ہے جس کا سنہ کتابت سنہ ۱۱۶۵ھ ہے۔ شاعر مثنوی کا آغاز حمد سے کرتا ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے نسخے کے ابتدائی اشعار درج ذیل ہیں۔

اوّل نام اللہ سو بولوں احد — ثنا و صفت اس کی ہے بے عدد
ثنا اس اپر نت سزا وار ہے — کہ تہار قدرت میں کرتار ہے

جس طرح کہ عام طور پر معراج کے بیان کا قاعدہ ہے ہم سید بلاقی کے معراج نامے میں بھی آسمانوں کی سیر کا حال پاتے ہیں جہاں رسولِ کریمؐ انبیائے کرام علیہ السلام سے ملاقات فرماتے ہیں۔ بہشت و دوزخ کے مشاہدے کا حال بھی درج ہے۔ آخر ان تفصیلات سے گزر کر شاعر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جناب باری میں پہنچنے کی کیفیت کو بیان کرتا ہے۔ اور آخر معراج سے دنیا کی طرف مراجعت کا ذکر کرتا ہے۔ نعت کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

کہ معراج تم کو خدا نت کرے — فرشتیاں نے سن کر بھی کلمہ پڑے
خوشی سوں کھڑا رہ مبارک بدن — دسی خوب رونق کہ گل در چمن
سچی توں محمدؐ تیرا ناوں ہے — دو عالم کے سر پر تیرا چھانوں ہے

تو ہی بادشاہی تجی راج ہے　　　دو عالم کی شاہا ہمیں سرتاج ہے[۵۱]

مثنوی کا اختتام مندرجہ ذیل اشعار پر کیا ہے۔

جو سید بلاقی نبیؐ کا غلام　　　قصہ یو کھیا تجھ لطف سوں تمام

ہزاروں درود و ہزاروں سلام　　　بحق محمد علیہ السلام[۵۲]

ایک اور معراج نامہ جو مختار کی تصنیف ہے پروفیسر آغا حیدر حسن صاحب حیدر آباد کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۰۹۴ھ اور سنہ کتابت ۱۲۵۲ھ ہے۔

---

(۱۳) طبعی سلطان عبداللہ قطب شاہ کے آخری دور کا شاعر ہے۔ یہ ابوالحسن تاناشاہ کا درباری شاعر تھا۔ یہ شاہ راجو حسینی سے عقیدت رکھتا تھا۔ جس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید یہ ان کا مرید ہو۔ طبعی اپنی اعلیٰ شعری صلاحیت کا خود بھی مداح ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے معترضین پر چوٹیں بھی کی ہیں۔ اس کی مثنوی قصہ بہرام و گل اندام سے اس کی اعلیٰ قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ مثنوی کا سنہ تصنیف سنہ ۱۰۸۱ھ ہے۔ اس نسخہ کا قلمی نسخہ کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے۔ مثنوی میں حمد اور مناجات کے بعد شاعر نے جو نعت کہی ہے اس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

محمد نبیؐ توں خدا کا رسولؐ　　　پیغمبراں باغ ہی توں سو پھول

خدا نے کیا تجکوں اپنا حبیب　　　یو منصب نہیں ہر کسی کو نصیب

---

[۵۱] معراج نامہ، بلاقی۔ صفحہ ۱۔ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن

[۵۲] 〃 〃 ۱۰۶ 〃 〃 〃 〃

سہاتا ہے مہر نبوت تجی — یو دولت ہوا ہی عنایت تجی
نبیاں جگ میں یک لاکھ اسی ہزار — یو ساری پیادی ہیں توں ہی سوار[۵۱]

شاعر کی تمنا دربار رسولؐ میں۔

ہوئے ہیں میرے ہات تے کئی گناہ — نہیں کوئی تجھ باج پشت و پناہ
کر تیری شفاعت کے دھر نا امید — قیامت میں طبعی کون رکھ رو سفید[۵۲]

---

(۱۴) معراج نامہ مختار مختار کا نہ تو نام معلوم ہو سکا اور نہ اس کے حالات ملتے ہیں۔ اس کی ایک نعتیہ تصنیف یعنی معراج نامہ معراج کے بیان میں ایک تفصیلی مثنوی ہے جو ۱۲۸ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے میں ۱۱ شعر درج ہیں۔ اس طرح جملہ ابیات کی تعداد تقریباً ۲۷۹۳ ہے۔ زیر نظر نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں موجود ہے جو رمضان سنہ ۱۱۷۲ھ کا نوشتہ ہے۔ شاعر نے کتاب کے آخری ورق پر نام اور سنہ تصنیف درج کیا ہے۔

محمدؐ یو مختار گوں کر فدا — تو ایمان اسکوں اچھیگا سدا
یو معراج نامہ لکھیا یادگار — نبیؐ کے کرم کا اسے ہے ادھار
یو معراج نامہ ہوا ہے تمام — سلام علی روح خیر الانام
سنہ تھا یو ہجرت کا دل قرار — تھے گذرے نو د چار پر ایک ہزار[۵۳]

اس طرح اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۰۹۴ھ قرار پاتا ہے۔

---

۵۱ و ۵۲ مثنوی بہرام و گل طبعی صفحہ ۴ ۔ مخطوطہ ۔ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن
۵۳ معراج نامہ مختار ورق ۱۲۸ الف " " " "

مختار نے مختلف روایات کو جمع کیا ہے جو معراج کے بیان میں وارد ہوئی ہیں۔ اور مضامین کے لیئے مختلف عنوانات قائم کیئے ہیں۔ مثلاً

در بیان سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان روایت دیگر سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان روایت سوم سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان روایت چہارم سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان روایت پنجم سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

فی معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم پنج روایت ست

بیان رفتن در آسمان اول نبی صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان دیدن عجائب ......

بیان رسیدن آسمان دویم و دیدن عجائب وغرائب آن

اس طرح مختار نے آسمان ہفتم تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر دکھائی ہے اور ان عجائبات کا ذکر کیا ہے جو آپؐ نے مشاہدہ فرمائے۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے کا بیان ہے۔ شاعر نے تفصیل سے عجائب غرائب کے تحت آپ کے عالم ملکوت کے مشاہدے کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ آخر لقائے الٰہی کا ذکر ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے ذکر میں اتنی مبسوط مثنوی اپنی نوعیت کی پہلی ہے جس میں صحیح روایات کے بیان کا اہتمام کیا گیا ہے۔

شاعر نے مثنوی کی ابتدا حمد سے کی ہے اور حمد کے پہلے ہی شعر میں معراج کا ذکر کر کے گویا براعت الاستہلال کی کیفیت پیدا کی ہے۔ پڑھنے والے کے لئے یہ ایک اشارہ ہے کہ یہ مثنوی معراج کے بیان میں ہے۔

کہوں حمد اول اوسی راج کا | نبیؐ کوں دیا تاج معراج کا[1]

نعتیہ اشعار حسبِ ذیل ہیں۔

عجب دیک محبوب ہی بے بدل | محمدؐ شہ انبیاء ازازل
اس چار حرفاں کا ہے ناوٗن آج | رکھے اسکوں لولاک کا سر پر تاج
سو ہر حرف کا میں کہوں یوں بیان | کہ ہے میم محبوبیت کا نشان
سو حی ہے دلادت حمایت اپر | حمایت کی ساری شفاعت اپر
سو میم دگر سب مدد کی خبر | قیامت میں دیتا ہے امت اپر
ہوں دال ہے او نشانی دوا | جو ہے درد عصیاں کا اوہے شفا

......

خزینہ سو دارو کا قرآن ہے | کہ سب مومناں کا او ایمان ہے
دیکھے درد جیسا سو ویسا علاج | کرے او کہ ہے سب خلائق کا تاج
نتیجہ کئے اسکوں دارین کا | خلاصہ کیئے اسکوں کونین کا[2]

نعت گو شعرا نے احد اور احمد کو ایک دکھانے میں مختلف خیال آرائیاں کی ہیں۔ یہ ایک قدیم روایتی بیان چلا آرہا ہے جس میں بے اعتدالیاں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ مختار کے یہاں بھی یہی صورت ہے۔ اس شعر سے بیان کی وضاحت ہو جائے گی۔

کہتے ہیں اور احمد ہیں لا میم کا | ہے نقطہ جلالین کے جیم کا[3]

(معراج نامہ، ورق ۳ ب)

---

[1] معراج نامہ ورق ۱ [2] معراج نامہ ورق ۲ (ب) و ۳ (الف)
[3] معراج نامہ مختار، ورق ۳ ب۔

نعت کا یہ رنگ بھی ہے -

عجب نور نور علی النور ہے ۔۔۔ جہاں سب سمجھنے تی او دور ہے
سمجھنے منے او سماتا نہیں ۔۔۔ زباں سوں کتے کوں او آتا نہیں
بیاں ہیں سو اسکو عیاں کیوں کروں ۔۔۔ حقیقت اسی کا بیاں کیوں کروں
بیاں کو نہیں ٹہار اس ٹہار ہیں ۔۔۔ نکو کھول اسرار بازار ہیں
ولے کھولنا کس کو آتا نہیں ۔۔۔ جو او پوچنے ہیں سماتا نہیں[۱]

(معراج نامہ مختار۔ ورق ۳ ب)

شاعر کے بیان میں تسلسل اور روانی کے ساتھ صدق و خلوص کی فراوانی ہے۔ نعت کے مضمون کے بعد خلفائے راشدین کی ثنا میں بھی مختار نے اصحاب نبیؐ سے عقیدت اور محبت کا اظہار کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی تعریف میں چند شعر ملاحظہ ہوں -

نبیؐ کا اسے عشق اپر دیب تھا ۔۔۔ کہ سب عاشقاں میں او محبوب تھا
مسلماں کوں حجت ہے ایمان کا ۔۔۔ سو عثمان فرزند عفان کا

مختار عشق نبی کو ایمان کی جان سمجھ کر صحابہؓ کے وصف میں بھی اسی صفت کو زیادہ اجاگر کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی منقبت کے اشعار میں بھی یہی انداز ہے۔

چلیا لشکر عشق سب فوج فوج ۔۔۔ کیا علم کا بحر سب موج موج
اتحاد لدل عشق پر او سوار ۔۔۔ شجاعت سخاوت کا تھا او ر پار
محبت دو جگ میں سو باقی ہوا ۔۔۔ کہ سب عاشقاں کا او ساقی ہوا
ولیاں کی انی بادشاہی کیا ۔۔۔ کہ سب کو ولایت کا خلعت دیا

---

[۱] معراج نامہ مختار، ورق ۳ ب -

عجب شاہ محبوب ہے دلنواز | کہ سارے ولیاں کون کیا سرفراز[۵۱]
(معراج نامہ مختار۔ ورق ۵ الف)

مختار نے حضرت غوث الاعظم اور اپنے پیر حضرت شیخ عبدالصمد کی مدح سرائی کے بعد معراج کا بیان اس طرح شروع کیا ہے۔

اتا کچھ بیان کرتوں معراج کا | بنیاں ل ہور ولیاں کے سرتاج کا
جواہر جو رولوں اسی تاج کے | کتیک ہیں سبب اس کے معراج کے[۵۲]
(معراج نامہ مختار، ورق ۱۲ الف)

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تشریف آوری کو یوں بیان کیا ہے۔

کہے جبرئیل آکے قم یا حبیب | بڑا ہے خدا کے کنے تجھ نصیب
سو جبرئیل نے حق تے ان پر سلام | پچھیں ان ستے یوں کئے ہیں کلام
کہیا حق تعالیٰ نے حق تھے سو کام | بھی صلوٰت بولیا درود و سلام
کیا حق تعالیٰ نے یوں تم کون سب | جو پیدا کیا تمکوں ہیں اس سبب
شفاعت منگے سب گناہ گار کی | جو بخشا دے سب اونکوں یکبارگی
چلو بیگی مکے کے جنگل منے | سب امت کے اعمال کو دیکھنے
تو عبرت ہوے گی تمن دل اپر | کہ یو وقت ہیں نیند کا سربسر
پکڑ ہاتھ جبرئیل کا ہوشیار | تب آئے ہیں سرور مکے کے بہار[۵۳]
(معراج نامہ مختار۔ ورق ب ۱۳، الف)

اس طرح سبب معراج میں مختار نے پانچ روایتیں بیان کی ہیں۔ اور پھر

---

۵۱ معراج نامہ مختار، ورق ۵ الف ۵۲ ایضاً ورق ۱۲، الف

۵۳ ایضاً ورق ۱۲ ب و ۱۳، الف۔

یکے بعد دیگرے آسمانوں کی سیر کا حال درج کیا ہے۔ آسمانوں پر پیغمبروں سے آپؐ کی ملاقات کا ذکر بھی ہے۔

---

(۱۵) قدرتی قدرتی کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہوسکے سوائے اس کے کہ وہ عادل شاہی دور کا شاعر تھا۔ جس کی ضخیم مثنوی "قصص الانبیا" سے اس کی قادر الکلامی کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے۔ جس کا طول ۷، ۱۲/۱ انچ اور عرض ۱۱، ۹ انچ ہے۔ جملہ اوراق ۴۲۳ ہیں اور اشعار کی تعداد دس ہزار سے زیادہ ہے۔ دستیاب شدہ دکھنی مثنویوں میں رسمی کی مثنوی "خاور نامہ" کے بعد ضخامت کے لحاظ سے یہ دوسری مثنوی ہے۔ مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۰۹۵ھ شمار کیا جاتا ہے۔

"مثنوی قصص الانبیا" میں اکیس انبیاء کرام کا تذکرہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ۳۴۹ ویں ورق سے شروع ہوتے ہیں جن میں صرف حبش کی ہجرت تک کا ذکر ہے۔

شاعر نے مثنوی کی ابتدا اس طرح کی ہے۔

که الحمد للہ و پروردگار — کیا جگ آپس نور تے آشکار
سراؤں اول میں جو سبحان کوں — جب کوئی جیو دیا ہے سو سلطان کوں
خلیفہ ہے اس کا نبیؐ مصطفٰے — کیا جس کتیں وَالیل ہور والضحیٰ
کیا قدرتی قصہ نرملا — اچھی سب کوں معلوم یہ سلسلہ
کہ یک دن نبیؐ سو علی یوں کہے — دنیا دین کسی دھات پیدا اہے
کہے یوں محمدؐ سنو یا علی — وہی ذات کا نور تھا اولی[۱]

(قصص الانبیا، ہندی۔ ورق اول)

---

[۱] قصص الانبیا ہندی ورق اول:

رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر صرف ہجرت حبش تک درج ہے۔ نظم میں شعری عنصر بہت کم ہے۔ صرف سیرت پاک کا ایک منظوم خاکہ ہے۔ بی بی خدیجہؓ کے عقد کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔

نہیں مسخرانی یو ہے جان توں — قبولی ہوں میں اپنی ایماں سوں
سو جتنے تمارے اچھیں گے جو خویش — بلا کر جمع کر توں سارے قریش
سو میرا چچا ورقہ نوفل کتیں — بلالیا ای توں میری منزل کتیں
محمدؐ کوں ہاں تم بلالیاے کر — کرو خواستداری میری آئے کر

(قصص الانبیاء ہندی۔ ورق ۳۹۹)

وصفِ نبیؐ میں یہ مضمون پیدا کیا ہے۔

جو آدم کوں حق آپ ظاہر کیا — اسی نور کے سات باہر کیا
انو کیرے سب پشت میانی تمام — وہی نور ظاہر ہے دنیا میں نام [۱]

---

(۱۶) فتّاحی

مفید الیقین (مولود نامہ) فتاحی کی تصنیف ہے جس کا قلمی نسخہ کتب خانہ' سالار جنگ حیدر آباد میں موجود ہے مصنف نے مفید الیقین کا سنہ تصنیف اس شعر میں ظاہر کیا ہے۔

سو ہجرت کے بعد از برس یکہزار — نو دھوا تھا پانچہ کا بھی شمار
۱۰۹۵

یہ ایک طویل مثنوی ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت مختلف عنوانات کے تحت بیان کی گئی ہے۔ شاعر نے بیان محمدیؐ میں ابواب فضیلت کے انتخاب میں اہتمام کیا ہے۔ یہ ایک منظوم سیرت کا سیدھا سادا بیان نہیں ہے

---

[۱] قصص الانبیاء ہندی ورق اول

بلکہ منتخب عنوانات کے تحت شاعر نے مضامین نظم کئے ہیں جن میں معجزات نبویؐ
کو زیادہ نمایاں کیا ہے مثلاً در بیان دیباچہ کتاب مفید الیقین کہ معجزات
وتولد نور وذات حضرت خیر الانام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم درست۔

مولود

در بیان آنکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نماز را بر صورت حروف احمد صلی اللہ
علیہ وسلم پیدا ساخت۔

در بیان آنکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ آدم را بر صورت محمد مصطفےٰ صلی اللہ
علیہ وسلم پیدا ساخت۔

در بیان آنکہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نوکر حضرت خدیجہ کبریٰؓ شدہ
بہ شام این قافلہ گشتہ رفتہ کدام بہ ظہور آمدہ وغیرہ۔

در بیان جلوۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام با خدیجہ کبریٰؓ۔

در بیان اوّل وحی و نزول جبرئیل علیہ السلام وغیرہ۔

در بیان آنکہ ابوجہل ملعون و یاران او معجزات دیگر طلب نمودند و بر غلانیدہ
بادشاہ دیگر برائے آزمودن معجزات۔

در بیان معجزات کہ ابوجہل ملعون پادشاہے را برائے طلب معجزہ شق قمر
در مکہ معظمہ آوردہ بود۔

شق قمر را راجا ملیبار دیدہ نجومیاں را حاضر کردہ پرسید۔ نجومیان در علم فلکی
ندیدہ حیران شدند و از فیض ملاقات علیہ الصلوٰۃ والسلام سامر یرا
بشارت دادند۔

فتاحی کا مولود نامہ صحت مضامین کے لحاظ سے معتبر نہیں گردانا گیا ہے۔
چنانچہ مولانا باقر آگاہ نے "ہشت بہشت" کی وجہ تصنیف میں جہاں دیگر

شعرا کی اس بے احتیاطی کی شکایت کی ہے وہاں فتاحی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ اس نے معجزات کے بیان میں غلط روایات شامل کر دی ہیں۔

جیسا فتاحی لکھا ہے معجزات — اکثر اد سمیں ہے غلط ہور جھوٹ بات[١]

فتاحی نے حمد کے چھ صفات کے بعد مولود کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

یہ مولود ہے سرورِ انبیاء — چونی کئی ہیں عالم کھتے ہور اصفیا
یو سن کان دھر ابتدا سوں بیان — کہ دکھنی زبان سوں ہوا ہے عیاں
خدا نے جو یک جھاڑ پیدا کیا — اس جھاڑ شاخاں ہویدا کیا
بڑا خالق ہے او سورت الیقین — رکھیا جھاڑ کا نانو شجر الیقین
بزان اجلے موتی کے سر دہی بہتر — رکھیا نور احمد کوں پیدا شس کر
دیا مہور کا شکل اس نور کوں — ہوا فلک او جھاڑ اس نور کوں
کہ لغلی رکھے نور اس جھاڑ پر — سو تسبیح نت او کرے ڈال فکر
یو تسبیح کر سال ستّر ہزار — یو مدت کا وال جب ہوا ہے شمار
بزان آرسی یک شرم مے کیا — ایسے نور کی تب مقابل دیا
دیکھیا نور کا مصوّر اپنے کمال — بہوت خوب اپنا او دیکھیا جمال

وصفِ نبیؐ کے اشعار یہ ہیں:

جو کوئی مصطفیٰؐ کا صفت نت کرے — دو عالم کو او پر شرف بی او دھرے
پورا وصف اس کا کہاں منجھ سکت — کہ سبحان جس کا کیا ہے صفت
سو او ہاشمی البطحی پاک ذات — محمدؐ قریشی جو عالی جناب
اتھے خود سالی میں او نیک نام — سو چھوڑ و اول شاہ بولہین تمام

١؎ "ہشت بہشت" مخطوطہ کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد، ورق ٢٤، الف۔

برس آٹھ ہور نو کے جب سے تھے رسولؐ　　یو سردار ہیں کر کئی تھے قبول

---

(۱۷) قصہ ہرنی کا　یہ ایک ۱۹ اشعار کی نظم ہے۔ اس کا زمانہ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ ہے۔ شاعر کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نظم کیا گیا ہے کہ آپؐ کس طرح ایک ہرنی کے ضامن ہوئے تھے اور وہ وعدے کے مطابق واپس آئی۔

آغاز

پیدا کیا حق نے نبی ایسا نہ کوئی نبیوں منے
دیتا بڑائی ان کے تئیں نبیاں ستی محشر منے
سب انبیاں ہور اولیاں کر گئے ہیں دل میں آرزو
پاویں دو جگ میں ہم شرف ہو دیں جو اس امت منے [۱]

اختتام

جنگلی جناور ہیں جتے لاگے نبی کے آ چرن
توڑیا کفر دل کا سبھی لا صدق سب کے دل منے
نیکی عبادت تم کرو غافل نہ رہ ہوشیار ہو
پینا پیالا موت کا دنیا جو ہے فانی منے [۲]

---

[۱]، [۲] تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صفحہ ۲۴۳۔

(۱۸) باز و فاختہ[1]

یہ تقریباً (۷۰) ابیات کی مثنوی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز حضرت جبرئیلؑ اور حضرت عزرائیل علیہما السلام باز اور فاختہ کی شکل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ فاختہ نے آپ سے فریاد کی کہ باز مجھے کھانا چاہتا ہے۔ آپ نے باز کو منع فرمایا تو باز نے کہا آپ اپنے رخسار مبارک کا گوشت کھلائیں تو میں فاختہ کو چھوڑ دوں گا۔ اہلِ بیت اور اصحابِ رسولؐ نے اپنا گوشت پیش کیا لیکن باز نے قبول نہیں کیا۔ آخر جب اپنا گوشت کاٹنے لگے تو باز نے ہاتھ پکڑ لیا اور بتایا کہ ہم فرشتے ہیں صرف آپ کی سخاوت آزمانا چاہتے تھے۔ مثنوی کی زبان قدیم ہے اس لئے قیاس ہے کہ یہ سنہ ۱۱۰۰ھ سے قبل کی تصنیف ہوگی۔ نمونتہً چند اشعار درج ذیل ہیں:۔

قضا میں کیوں یک نبی خاص کا — دو عالم کے صاحب کی اخلاص ہے
کہ یک روز محمدؐ نے یاراں سنگات — مدینے کی مسجد میں کرتے تھے بات[2]

شاعر مثنوی کا اختتام ان اشعار پر کرتا ہے۔

چلے گئے فرشتے یہاں سے مگر — کئے جا خدا کو یہ ساری خبر
الٰہی ہمیں کیا جو تعریف کرے — کہ پیارے حبیب کی صفت کیا کرے
سخن صفت اوسکا سوا ثبات ہے — کہ سب حال میں پاک اوذات ہے
کہیں کس زبان سوں جو تعریف ہم — کہ دریا بھرا نور ہے در فہم
ہزاروں درود اور ہزاراں سلام — زبان پر محمدؐ علیہ السلام[3]

---

[1] تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صفحہ ۱۸۱
[2]، [3] " " " " " صفحہ ۱۸۱

(۱۹) قصیدہ معجزہ | ایک تین اوراق کا قصیدہ ہے۔ اس کے متعلق قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کس کا لکھا ہوا ہے۔ گمان ہے کہ شاید جنونی گجراتی کا ہو۔ نعت کے دو شعر درج کئے جاتے ہیں۔

زبان کتنی سکت ناہی جو اس کے سو نبیؐ اوپر
جنے نوری بنیؑ کتے اپس کے نور سیں اظہر
اونہو کے نور سیں کتے ملائک جن سب حیوان
زمین نو آسمان کرسی عرش شمس و قمر اختر[۱]

---

(۲۰) ایک اور قصیدہ معجزہ | جو پانچ اوراق اور ۷۲ اشعار پر مشتمل ہے جنونی کی تصنیف ہے جو ۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۱۰۲ھ میں لکھا گیا۔ شاعر نے تاریخ تصنیف اور اپنے وطن کا نام بھی لکھا ہے۔ اصل میں یہ قصیدہ حضرت مولانا روم کے اس کلام کا ترجمہ ہے جس میں حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل کے مکالمے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے ظاہر کئے گئے ہیں۔ شاعر ہندی زبان میں نعت لکھنے کا سبب بیان کرتے ہوئے اپنا تخلص بھی بتاتا ہے۔ وہ سبب تالیف یوں بیان کرتا ہے۔

سب عاقلوں کے سدھ گئے ان کی صفت کہتے منیں[۲]
بس میں جنونیں (جنونی) کیا کہوں کیا آسرا ہے اس اندر

---

[۱] تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صفحہ ۲۲۔
[۲] " " " " " ۲۲

اندر زبان فارسی یہ معجزہ ملائے روم
ہے گا جو کیا خوب ونکو تم نے سنا ہے پیشتر

بولی عرب کی ہے سری سب بولیوں کی بے سخن
ترکی شجاعت کارتی ہے فارسی باشد شکر

میں اس کو در ہندی زبان اس واسطے کہنے لگا
جو فارسی سمجھے نہیں سمجھے اسے خوش دل ہو کر[۵۱]

اول کہوں حمد خدا یارا سنو تم کان دھر
جس نے زمین و آسمان پیدا کیا شمس و قمر

ستار وہ کرتار وہ غفار وہ جبار وہ
قہار وہ داتار وہ اس میں نہیں کوئی دگر[۵۲]

قصیدہ کا اختتام:

میں مانگتا ہوں یہ ہوے اپنین دلوں میں جا مدام
یارب بحق مصطفےٰ[ص] بر خلق عالم کرم کر[۵۳]

---

(۲۱) نورنامہ یہ نعتیہ مثنوی فارسی نثر کے ایک رسالے کا ترجمہ ہے۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۱۱۱ھ ہے۔ اوراق ۱۸ ہیں۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب زور نے تذکرہ اردو مخطوطات (صفحہ ۲۳) میں لکھا ہے

---

۵۱ تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صفحہ ۲۲۔
۵۲ " " " " " " ۲۲، ۲۳۔
۵۳ " " " " " " ۲۳۔

کہ اس کے مصنف شاہ عنایت اللہ غالباً وہی بزرگ ہیں جن کا تذکرہ گلزار آصفیہ (صفحہ ۳۵۴) اور تذکرہ اولیائے دکن (جلد اول صفحہ ۵۹۳) میں درج ہے۔ ان کا انتقال سنہ ۱۱۵۵ھ میں ہوا۔ اس کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔

ترے نور کے نامے کروں میں — الٰہی منگوں لکھنے دکھنی سوں میں
سکت دے مجھے اے سکت کار توں — جو دکھنی سوں میں اسکو سارا لکھوں
کرم کر الٰہی گنہ گار پر — گناہاں یہ میرے نکو کر نظر
شفاعت نبیؐ کی مجھے کر نصیب — نکو پوچھ مجھ سے حساب اے حبیب [۱]

نور نامہ کا اصل مضمون مندرجہ ذیل بیت سے شروع ہوتا ہے۔

الٰہی کریم ہار کرتار توں — سنوریا ہے قدرت سوں سنسار توں [۲]

اس نعتیہ نظم میں حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا اور آپ کے خلق عظیم کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اس میں زیادہ تر عقیدت مندی کے جذبات کا اظہار ہے۔

اختتامی ابیات :

مرتب کیا مختصر یو کلام — کہ عاجز ہوں بندا نبیؐ کا غلام
ختم کر کہا فاختہ نت مدام — بحق محمدؐ علیہ السلام [۳]

---

[۱] تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول مرتبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور صفحہ ۴۳۔

[۲] " " " " " " " ۴۴۔

(۲۲) وفات نامہ سرورِ کائنات[1][2]

یہ ۳۶ اوراق کی مثنوی ہے جو ۲۳۵ ابیات پر مشتمل ہے۔ اس میں دریلنے حضورِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے حالات نظم کئے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانہ میں ہے۔ شاعر کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ممکن ہے کہ وہی بزرگ ہوں جنھیں شاہ محمد قادری دریا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ بھی قیاس کیا جاتا ہے کہ شاید یہ محمود بحری مصنف "من لگن" (متوفی سنہ ۱۱۳۰ھ) کے والد ہیں۔ واللہ اعلم۔

وفات نامہ کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں بھی موجود ہے۔ جو ۱۰۲۳۲ ابیات پر مشتمل ہے۔ سنہ تصنیف شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے۔

ہوئے برساں الگیارہ سو پر گیارہ | ہوا نسخہ لو ہجری بعد سارا

نمونہ کلام:

اتھی باقی سو آیت ہوئی نازل | ہوئے یکدھر نے سن اصحاب خوش دل

قال اللہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا

اگر صدیق سن کر میں ہوی شاد | سٹی دل میں آپ کی غم کی بنیاد

مبارک عمر تھی ٹو انو یہ ان کی | کہ ام المومنین تھا نام جن کی

ہوئے جب مصطفےٰ بیتاب اس ٹھات | دیکھی تب عائشہ سینے پر دھر ہات

ہوا ہے مرض یہ حق کی رضا تے | نہیں چارا کسی کا اب قضا تے

بدن تھا گرم پوچھے مصطفےٰ کوں | کہے پھر مصطفےٰ فی اس خنا سو لا

---

[1] مخطوطہ ادارۂ ادبیات اُردو حیدر آباد دکن۔

[2] وفات نامہ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ صفحہ ۱۹۔

صفر کی چاند ہیں زحمت ہمارا — ربیع الاول میں ہے رحلت ہمارا
یہ سن کر عائشہ نے آہ ماری — حرم رونی لگی یکدھرتے ساری [۱]

مثنوی کا بیان دردانگیز ہے۔ شاعر نے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا واسطہ دے کر دعائیہ اشعار کہے ہیں۔

نبیؐ کی روح کی حرمت سوں یارب — کہ تیوں بخش میرے ہو گناہ سب
نہیں میرے گناہاں کوں نہایت — طفیل مصطفےٰ کرتوں عنایت
ترے لطف وکرم سے کر مجھے پیار — نبیؐ تیرے قدم کا مجکوں آدھار
کرم تیرا تو در روز قیامت — توں دیوے گر نبی مجکوں شفاعت [۲]

---

(۲۳) امامی دکنی

نے بھی وفات نامہ سرورِ کائنات کے عنوان سے ایک نعتیہ مثنوی لکھی ہے جو سنہ ۱۱۴۰ھ سے قبل کی تصنیف ہے۔ یہ مثنوی ۲۱، اوراق اور ۵۱۵ ابیات کی ہے۔ اس میں شاعر نے اپنا تخلص امامی وطن (دکن)، اپنے مرشد کا نام اور ان کا وطن بتایا ہے۔ شاعر مثنوی کا آغاز حمد اور نعت کی ایک ایک بیت سے کرتا ہے۔

اول حمد عاشق کتا ہوں پوکار — کہ عاشق سوں معشوق ہوا آشکار
پیچھے نعت معشوق بولو بیان — جنے ایک ہو کر کیا لکھ ایان [۳]

اس کے بعد ساقی نامہ میں اس نے اپنے مرشد شاہ عبداللہ ہمشیرزادہ

---

[۱] وفات نامہ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ، صفحہ ۳

[۲] " " " " ۱۸

[۳] وفات نامہ سرورِ کائنات، مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد، ورق (۱-الف)۔

میر سید جلال) کی محبت میں ان کے وطن (دہلی) کا اشتیاق ظاہر کیا ہے۔ شاعر اپنے مرشد اور ان کے ماموں کی مدح میں ممدوح کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی ظاہر کرتا ہے۔

کہ ہیں دو نگینے سلیمان کے — مہر ہیں محمدؐ کے فرمان کے
دو مالک رسالت ولایت کے ہیں — دو ہادی حقیقت ہدایت کے ہیں
مرا تن میرے پیر کے تن منیں — میرے پیر کا تن محمدؐ منے
کہ حیدر سری کا ہے اس کا جمال — محمدؐ کی خصلت ہے اس میں کمال [۱]

وفات کے بیان میں چند اشعار درج ذیل ہیں۔

محمدؐ گئے کوچ جنت طرف — قیامت جہاں میں پری ہر طرف
جہاں کی عمارت کوں برباد کر — جنت کی عمارت کوں آباد کر

اختتامی اشعار حسب ذیل ہیں۔

کہ صانع کی قدرت نبی پر تمام — علیک الصلوٰۃ وعلیک السلام
ہزاروں درود و ہزاروں سلام — محمدؐ او پر آل یاراں تمام
ختم کر امامی تو خیر الکلام — وصال محمد علیہ السلام [۲]

---

(۲۴) شمائل النبیؐ (مصنفہ قبل سنہ ۱۰۵۰ھ) یہ عبد المجید ترین کی مثنوی ہے۔ جو پشتو زبان سے ترجمہ کی گئی۔ پشتو میں اس کا مصنف اخوند اویزائی ہے۔ اس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[۱] وفات نامہ سرور کائناتؐ، مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد (ورق ۴ الف و ب)

[۲] تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر محی الدین قادری زور، صفحہ ۲۱۔

شمائل نظم کئے ہیں۔ شمائل میں سراپا، خلق وغیرہ کا بیان ہے۔ مثنوی کا سنہ کتابت اوائل بارہویں صدی ہجری ہے۔ اور اس کے جملہ اوراق ۱۲ ہیں۔

آغاز مثنوی:

الٰہی سچا توں ہے پروردگار — دونو جگ میں قدرت ترا آشکار
سچا توں ہی قادر سچا تو حکیم — سچا توں ہی صانع سچا توں رحیم [۵۱]

اختتام:

شمائل نبیؐ کا سمج بہترین — کیا نظم دکھنی میں عبدل ترین
اگر کوئی پڑے یاد کو کوئی سنے — دعا نیک سوں یاد کرنا اونے
خدایا گنہ بخش ہور منج خطا — دئے کر توں ایمان کی منج عطا
بحق محمدؐ ہے تیرا رسول — مناجات کر منج بندے کی قبول [۵۲]

(۲۵) ولیؔ

ولی محمد نام۔ ولیؔ تخلص تھا۔ پیدائش کا صحیح سنہ معلوم نہ ہو سکا۔ دکن کے رہنے والے تھے۔ تعلیم گجرات میں پائی اور ایک مدت تک وہاں مقیم رہے۔ فیض باطنی حضرت شاہ وجیہہ الدین گجراتی سے پایا۔ عالمگیر کے عہد میں پہلی مرتبہ دلی گئے۔ وہاں ان کی بڑی شہرت ہوئی اور ان کی وجہ سے اردو شاعری کی طرف عام رجحان پیدا ہوا۔ دوسری مرتبہ جب ولیؔ دلی پہنچے تو محمد شاہ کا زمانہ تھا۔ مولوی عبدالحق صاحب کی تحقیق کے لحاظ سے ولیؔ کے انتقال کے متعلق بیانات میں اختلاف ہے۔ بعض نے انتقال کا سنہ ۱۱۵۵ھ

---

[۵۱] تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ صفحہ ۳۴ -

[۵۲] " " " " " " " " " " ۳۴

بتایا ہے۔ بعض کا خیال ہے سنہ ۱۱۴۳ھ میں انتقال ہوا۔ مولوی عبدالحق صاحب
کی حالیہ تحقیق نے سنہ ۱۱۱۹ھ قرار دیا ہے۔ ولی کی اولیت مسلم ہے۔ ساتھ ہی
اردو زبان کے لئے ان کے مجدد ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ ولی کی عربی اور
فارسی کی لیاقت بھی اچھی تھی۔ ان کے کلام میں الفاظ ترکیبیں اور تلمیحیں ان کی
قابلیت پر شاہد ہیں۔ ولی کا کلام متعدد مرتبہ شائع ہو چکا ہے پھر بھی قلمی دواوین
میں ایسا کلام ملتا ہے جو شائع شدہ کلیات میں نہیں پایا جاتا۔ امت محمدی کے
آقائے نامدار سے عشق ان کے ایمان کا جزو ہی نہیں بلکہ اصل ایمان رہا ہے۔
خطیبوں نے اس نام سے زبان کھولی ہے اہل قلم نے نعت رسولؐ کو لازماً کلام
کی تمہید قرار دیا ہے اور شاعروں نے اس کا گیت گایا ہے۔ کسی نے مستقلاً اور
کسی نے تبرکاً اور عقیدۃً۔ ولی جیسا قادر الکلام شاعر جس کی زندگی پر مذہبی رنگ
غالب ہے۔ اس سعادت سے کیونکر محروم رہ سکتا تھا۔ چنانچہ ہم ان کے کلام
میں نعتیہ غزلیں، قصیدے، مثنوی، مخمس اور مستزاد شامل پاتے ہیں۔
ولی نے دربارداری اور خوشامد کی راہ سے کسی کی مدح نہیں کی۔ ان کے سارے
کلام میں صرف ایک جگہ بادشاہ وقت کا نام ہے جو تغزل کے رنگ میں ہے۔
ولی کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہایت قانع اور درویش صفت
مسلمان تھے۔ شاعر کی حسن پرست طبیعت ظاہری اور معنوی حسن پر فریفتہ
ضرور رہی ہے لیکن ان دنیاوی مطبوع نظروں کے لئے بھی ولی نے کوئی مدحیہ
قصیدہ نہیں لکھا۔ ان کی تعریف دو چار غزلوں میں کر دی ہے۔ چنانچہ ان
ان لوگوں میں سید معالی، گوبند لال، محمد یار خاں، محمد مراد، امرت لال
وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ یہ مثالیں صرف عاشقانہ نیاز مندی کی ہیں اس میں
دنیادارانہ مدح کو دخل نہیں ہے۔

ولی کے دیوان میں ۶ مدحیہ قصائد ہیں جن میں ایک حمد، نعت منقبت موعظت میں ہے۔ دوسرا نعت رسول میں ہے۔ تیسرے میں حضرت مولا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی منقبت ہے۔ چوتھے میں بیت الحرام کی مدح ہے۔ پانچواں حضرت میراں محی الدین کی مدح میں ہے اور چھٹے میں حضرت شاہ وجیہہ الدین کی مدح سرائی کی ہے۔

ولی کی نعت گوئی کے سلسلے میں ان کی یہ خصوصیت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ شاعر کے دل میں کسی کی عظمت ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہے۔ ان کے کلام میں حمد، نعت، منقبت اور پیران سلسلہ کی مدح فقط ان کے جذبۂ ایمان کی ترجمانی ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی نے شاعر کے دل میں پیدا کیا ہے۔ شاعر کی ساری امیدیں اسی ایک بارگاہ سے وابستہ ہیں اور وہ مطمئن ہے کہ اس نے ایسا سہارا پا لیا جس کی پناہ میں دونوں عالم کی سرفرازیوں کے سامان ہیں۔ ولی نے کس جذبۂ کیف میں اپنے اس ایقان کو ظاہر کیا ہے۔

ہم کوں شفیع محشر وہ دین پناہ بس ہے شرمندگی ہماری عذر گناہ بس ہے[۵]

ایک اور شعر ہے۔

مغفرت تیری ولی سہل بلا ریب ہے کیوں
نام احمدؐ کا جو لب پر تیرے ہر دم آیا[۶]

وصف نبیؐ میں ولی کی ایک غزل کے اشعار درج ذیل ہیں۔

---

۵ کلیات ولی مرتبہ انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۲۷ء۔ صفحہ ۲۶۴۔
۶ " " " " " " " صفحہ ۵۹۔

لامکاں پر بنا احمدؐ جو بنا بٹھلایا
تب ملائک نے وہیں صلوا علیکم گایا
حور و غلماں نے ترانے سوں وہ نغمے بولے
قاب قوسین کا نوشہ تو ہے سب کو بھایا
تھے براتی وہاں آدم سوں لگا تا عیسیٰ
اور جبریل امیں گوندھ کے سہرا لایا
حق نے لولاک لما حق میں محمدؐ کے کہا
ان سوا کون سے مرسل نے یہ رتبہ پایا [۵]

نعت نبیؐ میں شاعر کی نظر نہ تو قرآن سے ہٹتی ہے اور نہ حدیث کے مضمون کو بھولتی ہے "قاب قوسین" سے قرآنی وصف بیان کیا ہے اور "لولاک لما" کہہ کر حدیث قدسی کو نظم کیا ہے۔

ایک غزل میں سارا مضمون عشق مجازی کا ہے لیکن شاعر نے اس میں جو حمد، نعت اور منقبت کا مضمون پیدا کیا ہے اس نے ایک انوکھے انداز میں کلام کو عجیب حسن بخشا ہے۔

سجن کی خرد سالی پر خدا ناصر خدا حافظ
رقیباں کی ملامت سوں محمد مصطفےٰؐ حافظ
سجن کے حسن افزوں پر خدایا تو اماں کرنا
کہ اس امید گلشن پر علی مرتضیٰ حافظ

---

[۵] کلیات ولی مرتبہ انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۲۷ء۔ صفحہ ۵۸ و ۵۹۔

سجن کی تیغ ابرو سوں شہادت گاہ پاؤں میں
میرے اس قتل ہونے پر شہید کربلا حافظ ۵۱

ولی کے نعتیہ قصیدے

ولی نے نعت میں دو قصیدے کہے ہیں۔ ان میں سے ایک میں حمد، منقبت اور موعظت کو بھی شامل کر دیا ہے۔ اس قصیدے کے ۱۲۳ شعر ہیں۔ حمد کے بعد نعت کا مضمون اس طرح شروع ہوتا ہے۔

بعد حمد خدائے بے ہمتا — یاد کر نعت سید مرسل
جس کی ہمت کی ہے ترازو میں — دو جہاں مثل دانۂ خردل
اس کی مجلس میں آ ہوا ہے کھڑا — صف آخر میں جو ہر اول
گر ہو وہ آفتاب گرم عتاب — آسماں جائیں مثل موم پگھل
دیکھ اس کے جلال و عظمت کوں — بادشاہوں کا ڈنگ ہے دنگل
کاملاں سوں سنا ہوں یہ نکتہ — عشق اس کا ہے ہادی اکمل
نام اس کا ہے حرز ہر مومن — یاد اس کی ہے دافع کلول
دیکھ اس زلف و مکھ کوں بے جا ہے — بحر اور بر میں عنبر و صندل ۵۲

دوسرے قصیدے کے ۲۹ شعر ہیں۔ یہ قصیدہ پورا نعت میں ہے۔ مطلع ہے:-

عشق میں لازم ہے اول ذات کوں فانی کرے
ہو فنا فی اللہ دائم یاد یزدانی کرے ۵۳

---

۵۱ کلیات ولی مرتبہ انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۱۹۔
۵۲ " " " " " ۳۴۹، ۳۵۰
۵۳ " " " " " ۳۶۰

ابتداءً شاعر نے عشق کی فضیلت، اس کی برکت اور بالآخر عاشق کی کامرانی اور حصول کمال کے ساتھ اخلاقی مضامین بھی بیان کئے ہیں مثلاً۔

عشق کی آتش میں جاوے تن کوں جو کئی رات دن
وہ قیامت لگ سو جیوں سورج درخشانی کرے
وہیچہ پاوے مطلب راضیۃ مرضیۃ
محض للّٰہ جگ میں جو اعمال پنہانی کرے [1]

مدح کے اشعار یہ ہیں۔

یا محمدؐ دو جہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں
خلق کوں لازم ہے جی کوں تجھ پہ قربانی کرے
وہ اچھے آزاد جو بازار میں تجھ حسن کے
بندگی میں آپ کو جیوں ماہ کنعانی کرے
نوحؑ تجھ رحمت کی کشتی باج کہیں پاوے نہ ٹھا
تجھ غضب کا گر سمندر جوش طوفانی کرے
جس مکان میں ہے تمہاری فکر روشن جلوہ گر
عقل اول آکے وہاں اقرار نادانی کرے
دیکھ طوبیٰ قد ترا جنبش میں آوے شوق سوں
جب گلستان ارم کی تو خرامانی کرے
عارفاں بولیں گے جان و دل سوں لاکھوں آفریں
جب ولی تیری مدح میں گوہر افشانی کرے [2]

---

[1] کلیات ولی صفحہ ۳۶۰
[2] کلیات ولی، صفحہ ۳۶۲، ۳۶۱۔

ولی کی مثنویات جو ان کے کلیات میں درج ہیں صرف دو ہیں۔ ان میں سے ایک مناجات، حمد اور نعت ہے۔ نعتیہ اشعار نمونۃً درج ذیل ہیں۔

محمدؐ وہ کہ جس کے حق میں لولاک ... کہا ہے خالق املاک و افلاک
عجب گلزار ہے وہ مظہر کل ... کہ ہے جس باغ کا خورشید اک گل
وہی ہے بے دلاں کا دلکشا باغ ... وہی ہے عاشقاں کا مرہم داغ
اسی کا ذکر ہے ایمان مومن ... اسی کی یاد اطمینان مومن

وہی ہے باغ اقدس سرور دین ... کہ جس کے باغ کا رضواں ہی گلچیں
کھلا کونین میں وہ دین کا گل ... دو جگ مشتاق اس کے مثل بلبل
دکھایا عاشقاں کوں عشق کی راہ ... کیا عارف کوں عرفان سیتی آگاہ[1]

مخمس:

ولی کے دیوان میں ۱۲ مخمس ہیں جو خود ان کی غزلوں پر ہیں۔ مخمس نمبر ۸ میں تمام مضمون نعتیہ ہے۔ دوسری جگہ بھی شاعر نے نعت کہی ہے لیکن اس کے ساتھ منقبت اور دیگر مضامین کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

نعتیہ مخمس کا نمونہ درج ذیل ہے :-

یٰسین و طٰہٰ و الضحیٰ نازل ہوئے تجھ شان میں
والیل اور والشمس ہے تجھ زلف و مکھ کے دھیان میں
افلاک سب پیدا ہوئے لولاک کے احسان میں
تجھ یاد سوں راحت اچھو پر مومناں کی جان میں
تیرے چرن کی خاک سوں روشن نین سب دن اچھو[2]

---

[1] کلیات ولی صفحہ ۳۲۰ [2] کلیات ولی صفحہ ۲۰۸

شاعر نے اس مخمس میں والہانہ جذب و شوق کا اظہار کیا ہے۔ وصف نبیؐ کے ساتھ ذکر حبیبؐ میں خلوص کی فراوانی اور تصدق اور نیاز و ناز کے مضامین ولی کی باطنی کیفیت کے آئینہ دار ہیں۔ عشق محمدیؐ کا مضمون ملاحظہ کیجیے :-

دل کی صدف میں کر جتن تجھ عشق کا گوہر رکھوں
سینے کے معدن کے بھتر تجھ نیہ کا جوہر رکھوں
دائم سخن کے لب اپر تجھ قول کی شکر رکھوں
ہر دم طبع کے سیس پر تجھ یاد کا افسر رکھوں
تیری محبت کا رتن دل میں جتن سب دن اچھو [۵]

ولی کے نعتیہ کلام میں نہ تو تصوف کی زبان میں اللہ اور اس کے رسولؐ میں یگانگت یا مماثلت کے مضامین ہیں اور نہ عشق محمدیؐ کے اظہار میں وہ بے احتیاطی ہے جو بارگاہ رسالتؐ کی شان کے خلاف ہے۔ ہمیں اس عہد تک نعت میں تقدس اور انتہائی احترام کی فضا ملتی ہے کہ شاعر نپے تُلے الفاظ میں آقائے نامدارؐ کی ثنا کرتا ہے۔ اندازِ بیان صاف، سادہ، نکھرا ستھرا ہوتا ہے۔ قرآن اور حدیث کے مضامین کے ساتھ نیاز مندانہ کیفیات کی ترجمانی بھی پائی جاتی ہے۔

ولی کی شاعری جہاں اپنی دیگر خصوصیات کی بنا پر انھیں مجتہد کا رتبہ بخشتی ہے وہاں ان کا نعتیہ کلام بھی اس دور میں امتیازی خصوصیت رکھتا ہے۔

---

[۵] کلیات ولی صفحہ ۳۳۱۔

باب چہارم

قدماء کا دور

دکن میں اُردو شاعری کے ابتدائی دَور میں نعتیہ ادب نے جو فروغ پایا، اس کا جائزہ لیا جا چکا ہے۔ ولیؔ کے زمانے میں نعتیہ شاعری ارتقائی منازل سے گزر کر ادبی لحاظ سے بھی بلند ہو جاتی ہے۔ قدماء کے دَور میں نعت گوئی کے مذاق میں انحطاط پایا جاتا ہے۔ البتہ اس دَور کے آخری طبقے میں سوداؔ کا نعتیہ کلام گو مقدار میں کم ہے لیکن اس کی ادبی حیثیت بلند ہے۔ اس دَور کی چند عام خصوصیات ہیں جن سے نعتیہ شاعری مستثنیٰ نہیں ہے۔ شعراء کی کاوشوں نے فارسی ترکیبوں اور محاوروں کو اُردو کا لباس بخشا، اور اس طرح خیالات کے اظہار کے لئے وسعت کا سامان کیا۔ دراصل یہ زمانہ زبان کی اصلاح اور صفائی کے لئے نہایت ممتاز ہے۔ زبان کے حسن و قبح کو تنقیدی نظر سے پرکھا گیا اور اساتذہ نے اس کے کھوٹ کو دور کرنے میں بڑی جانفشانی سے کام لیا۔ ان کے مذاق سلیم نے ہندی کے

ثقیل الفاظ کے ساتھ فارسی کی نامانوس ترکیبوں کو بھی کلام سے خارج کر دیا۔ یہ ضرور ہے کہ دکن کے نعت گو شعراء کے کلام میں دکنی رنگ اب بھی نمایاں ہے۔

یہ دَور مثنوی اور قصیدے کے فروغ کے لئے مشہور ہے۔ نعتیہ مضامین کے لئے بھی شعراء نے انہی اصناف سخن کو اختیار کیا۔ چنانچہ نعت میں ہم سوداؔ کے یہاں قصیدہ، نوازشؔ کے یہاں قصیدہ و مثنوی اور آگاہؔ کے یہاں مثنوی پاتے ہیں۔ اس عہد کا ایک اور کارنامہ یہ ہے کہ شعراء نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو بالتفصیل احادیث صحیحہ کی روشنی میں نظم کیا اور اسوۂ حسنہ کے وہ پہلو پیش کئے جن سے اصلاح امت کی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ وہ غلط روایات جو نعتیہ ادب میں ایک عرصے سے دخیل ہو گئی تھیں انھیں خارج کیا اور اس کی قباحت کو واضح کیا۔ ساتھ ہی اردو ادب میں منظوم سیرپاک کے اچھے نمونے پیش کئے جو آنے والے شعراء کی رہنمائی کے لئے مفید ثابت ہوئے۔

سیّد شاہ سراج الدین سراؔج اورنگ آبادی

سراؔج کی ولادت سنہ ۱۱۲۸ھ میں ہوئی۔ بارہ سال کی عمر تک ان کی تعلیم وتربیت توجہ سے ہوتی رہی۔ پھر جذب کی کیفیت طاری رہی اور اضطراری طور پر فارسی اشعار کہنے لگے۔ دیوانگی کا زمانہ سنہ ۱۱۴۱ھ سے سنہ ۱۱۴۸ھ تک رہا۔ جب افاقہ ہوا تو فقیروں کی صحبت کی طرف میلان ہوا اور حضرت شاہ عبدالرحمٰن چشتی سے باطنی فیض حاصل کیا۔ سنہ ۱۱۶۱ھ میں مرشد کا انتقال ہو گیا۔ سراؔج کا انتقال یوم جمعہ ۴ شوال سنہ ۱۱۷۷ھ کو ہوا۔

سراؔج کے کلیات میں حمد باری تعالیٰ میں ۴۰ شعر ہیں اور اس کے بعد ۲۷، اشعار پر مشتمل مناجات ہے۔ پھر ۲۳، اشعار نعت کے ہیں۔ "در صفت چار یار" کے عنوان سے ۲۰، اشعار کی منقبت بھی کہی ہے۔ جس میں خلفائے راشدین کے ساتھ اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی شامل کیا ہے۔
کلیات کے آخری حصے میں ایک اور مناجات ہے جس میں حشر میں رسول کریمؐ اہلِ بیت، ائمہ اہلِ بیت، اصحاب رسولؐ، حضرت غوث اعظمؒ، حضرت معین الدین چشتیؒ اور دیگر اولیائے کرام کی معیت کے لئے دعا ہے۔ ایک منقبت حضرت علیؓ کی شان میں علیٰحدہ لکھی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ حمد، مناجات اور منقبت میں نعت کا مضمون آجاتا ہے، ورنہ مستقل نعت سراؔج کے کلام میں اور کہیں نہیں ملتی۔ چند نعتیہ اشعار متفرق طور پر مل جاتے ہیں۔

نعتیہ کلام کا نمونہ:

رسولِ خداؐ سید المرسلین　　　قیامت کے دن شافع المذنبین

نبوت کی مسند کا ہے جانشین
کیا جس کی تعظیم روح الامین
عجب روز محشر کا سردار ہے
صف اصفیا میں دو سالار ہے
جگت میں رہے سلطنت ہی مدام
جماعت میں ہے انبیار کی امام
رہِ شرح کا ہادی مستقیم
شریعت کے دریا کا درِّ یتیم
حبیب خدا والیٔ روزگار
دو عالم کی اقلیم کا تاجدار
شہ انس و جاں سب کا مقبول ہے
نبوت کے گلزار کا پھول ہے
کہ جس واسطے خلق پیدا کیا
زمین آسمان سب ہویدا کیا
کہا حق نے لولاک جس شان میں
شہنشاہ ہے ملک عرفان میں
سدا گمرہوں کا وہی رہنما
ہے خیر الورا احمد مجتبیٰؐ
عجب ذات مقبول کونین ہے
کہ کونین کا قرۃ العین ہے[۱]

نعت میں شروع سے آخر تک سلاست، روانی اور بیان کی دلکشی پائی جاتی ہے۔ مضمون سادہ اور رسولِ کریمؐ کے عام اوصاف کا بیان ہے جس کی سند حدیث اور قرآن میں ملتی ہے۔ شاعر نے اس میں داخلی جذبات کو نعت کے مضمون پر غالب ہونے نہیں دیا۔ لیکن اشعار کے اندر ایک کیف اور خلوص کا پتہ چلتا ہے۔ نعت کے کے آخری حصے میں سراج نے تصوف کی گفتگو چھیڑ دی لیکن اس مقام کی نزاکتوں سے وہ خود ہی دم بخود رہ گئے۔ لکھتے ہیں :-

سراج اب نہ کر گفتگو بیشتر
ادب کے محل سے نہ جا بیشتر
کہ دم مارنے کی یہاں نہیں ہے بات
اگرچہ وہی ذات یہاں ہوئی صفات
وہی نور یہاں آکے ظاہر ہوا
آپس آپ قدرت پہ قادر ہوا

---

[۱] مثنویات سراج۔ مرتبہ پروفیسر عبد القادر سروری۔ صفحہ ۱۲۸۔

ولیکن ادب تجھ کو درکار ہے　　شریعت کی یہ راہ دشوار ہے [۱]

غزل کے دو نعتیہ شعر درج ذیل ہیں ۔

جو دل سیں غلام احمدی ہے　　حق سیں اسے فیض سرمدی ہے

محشر میں سراؔج کیا مجھے خوف　　ایمان مرا محمدیؐ ہے [۲]

مرزا محمد رفیع سوداؔ

سوداؔ کے آباء و اجداد کابل کے رہنے والے تھے ۔ ان کے والد مرزا محمد شفیع ایک تاجر تھے جو کابل سے ہندوستان آئے اور دلی کو اپنا نیا وطن بنایا ۔ سوداؔ دلی ہی میں پیدا ہوئے ۔ سنہ ولادت کا تعین نہ ہو سکا ۔ اغلباً سنہ ۱۱۱۹ھ اور سنہ ۱۱۲۵ھ کے درمیان پیدا ہوئے ہوں گے ۔

سوداؔ نے پہلے سلیمان قلی خاں وداد کو کلام دکھایا پھر شاہ حاتم کی شاگردی اختیار کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی خداداد صلاحیت کا ثبوت دیا ۔ دلی کی تباہی اور معاشی پریشانی نے فرخ آباد پہنچایا ۔ نواب بنگش کے یہاں تقریباً سترہ سال آسودگی سے گزارے ۔ آخر فیض آباد پہنچ کر شجاع الدولہ کے دربار میں عزت پائی ۔ عمر کا باقی حصہ لکھنؤ میں گزرا یہاں تک کہ ۱۱۹۵ھ میں اس دار فانی کو خیرباد کہا ۔

شعر و سخن میں سوداؔ خداداد قابلیت کے مالک تھے ۔ قدرت نے جو نعمتیں سوداؔ کو عطا کی تھیں وہ بہت کم شعراء کو نصیب ہوتی ہیں ۔ ان کی طبیعت

---

[۱] مثنویات سراج ، مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری صفحہ ۱۲۹ ۔

[۲] غزلیات " " " " ۵۲۹

کی ہمہ گیری نے کسی صنفِ سخن کو اچھوتا نہیں چھوڑا۔ اس لحاظ سے ملک الشعرا کا خطاب انھیں ہر طرح زیب دیتا ہے۔ ان کے کلام کی خصوصیات گوناگوں ہیں۔ کلام کا زور اور مضامین کی نیرنگی ان کا ادبی کرشمہ ہے۔ زبان کی لطافت اور بیان کی رنگینی کہیں ساتھ نہیں چھوڑتی۔ الفاظ کا حسنِ انتخاب، نئی نئی ترکیبیں اور محاورات کا رنگِ ایجاد ان کی اجتہادی اور اصلاحی صلاحیت پر شاہد ہے۔ فارسی کی روایات اور تلمیحات کے ساتھ ہندوستانی رنگ کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ دراصل فارسی کے محاسن کو اختیار کرنے اور مروجہ ثقیل الفاظ کو خارج کرنے میں ان کے صحیح فطری مذاق نے ان کا ساتھ دیا۔

سوداؔ کی شاعری کے گوناگوں محاسن کو زیرِ بحث لانے کا یہ موقع نہیں ہے۔ ہمیں یہاں صرف ان کی نعتیہ شاعری سے بحث ہے۔ اس خدائے سخن نے جہاں دیگر موضوعات میں اپنے کلام کے جوہر دکھائے ہیں وہاں نعت کے مقدس موضوع سے بھی اپنے کلام کو سنوارا ہے۔ اور سعادت دارین کا سامان کیا ہے۔ سودا نے نعت میں ایک اڑتالیس اشعار کا قصیدہ لکھا ہے۔ دوسرا قصیدہ نعت اور منقبت دونوں مضامین پر مشتمل ہے۔ باقی نعت یا تو غزل کی شکل میں ہے یا مثنوی کی تمہید میں۔

سوداؔ قصیدے کے بادشاہ شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کی جودتِ طبع، زورِ بیانی اور تخیل کی بلندی کو اپنے کمال کے اظہار کے لئے قصیدے میں وسیع میدان ہاتھ آتا ہے۔ انھوں نے اس فن میں عرفیؔ اور خاقانیؔ کے قصائد کی شان پیدا کی۔ ان کی تشبیب عموماً زمانۂ جاہلیت کے پامال مضامین کی بھونڈی تقلید نہیں ہوتی۔ وہ مدح کے مضمون کی مناسبت سے تشبیب کا مضمون پیش کرتے ہیں۔ فنی اعتبار سے ان کے قصائد میں کہیں سقم نظر نہیں آتا۔ تخیل کی

گرمی اور شگفتگی، جذبات کی لطافت کے ساتھ کلام کو دلآویز بنا دیتی ہے۔ تشبیہیں نہایت لطیف اور بدیع ہوتی ہیں۔ استعاروں کا بھی یہی رنگ ہے۔ الفاظ پُر شکوہ، بندش دلکش، زبان صاف اور رواں ہے۔ کلام کی یہ تمام خصوصیات شاعر کے حسنِ مذاق کی آئینہ دار ہیں۔

سوداؔ کے نعتیہ قصیدے کا مطلع یہ ہے :-

ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی ۔۔۔ نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی [۵۱]

قصیدے کی تشبیب کو اخلاقی مضامین سے سنوار کر نعت کی تمہید کو مدح سے ہم آہنگ بنایا ہے۔ گریز کی صورت بھی حسنِ مذاق کی اچھی مثال ہے۔ یعنی اس میں عشق مجازی سے بیزاری کا اظہار ہے اور اس کفر کو دل سے نکال کر دینِ محمدیؐ میں داخل ہونے کی تلقین کی ہے۔

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیف مسلمانی [۵۲]

اس کے بعد دین محمد کی تعریف کے ساتھ نعت کا مضمون شروع ہو جاتا ہے۔

زہے دین محمدؐ پیروی میں اوسکو جو ہووے
رہے خاک قدم سے اوسکی چشم عرش نورانی
ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکی کو گر اس کے
امانت دار نور احمدیؐ ہوتی نہ پیشانی

---

۵۱ کلیات سودا مطبوعہ مطبع منشی نول کشور۔ کانپور سنہ ۱۹۱۶ء۔ صفحہ ۷۳۔
۵۲ " " " " " " " ۷۴۔

اوسی کو آدم و حوا کی خلقت سے کیا پیدا
مراد الفاظ سے معنی میں تا آیات قرآنی

خیال خلق اوس کا گر شفیع کا فراں ہووے
رکھیں بخشش کے سر منت یہودی اور نصرانی

رکھا جب سے قدم مسند پر آ اون نے شریعت کا
کرے ہے موج بحر معدلت تب سے یہ طغیانی [۱]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء میں سودا نے آپؐ کے حقیقی اوصاف بیان کیے ہیں، جن میں شفاعت اور حسن و جمال کا خاص طور پر ذکر ہے۔ شاعر کو افسوس ہے کہ وہ جمال محمدیؐ کے دیدار سے محروم رہا۔ اسے تمنا ہے کہ کاش وہ حضورؐ کے زمانے میں پیدا ہوتا۔ حضورؐ کا سایہ نہ ہونے کے مضمون کو زمانہ قدیم سے شعراء باندھتے آئے ہیں۔ سودا کے یہاں بھی اس مضمون کا یہ شعر ہے:-

نہ ہونے سے جدا سایہ کے اوس قامت کے پیدا ہی
قیامت ہوویگا دلچسپ وہ محبوب سبحانی [۵۲]

آخری چند اشعار میں عقیدت مندی کی فراوانی میں مبالغے کی بے اعتدالی کا پتہ بھی چلتا ہے۔ مثلاً

جو صورت اوسکی ہے لاریب ہے وہ صورت ایزد
جو معنی اوس میں ہیں بے شک وہ ہیں معنی ربانی

حدیث من رآنی دال ہے اوس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اوسکو اون نے دیکھا شکل یزدانی

---

[۱]، [۵۲] کلیات سودا۔ صفحہ ۳۷۔

غرض مشکل نہیں ہوتی کہ پیدا کرے ایسے کو
خدا گر یہ نہ فرماتا نہیں کوئی میرا ثانی[۱]

لیکن سودا اس جلے احتیاطی کا احساس بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد جو آخری شعر ہے اس میں استغفار بھی کیا ہے۔

بس آگے مت چل اے سودا میں دیکھا فہم کو تیری
کر استغفار اس منہ سے اب ایسی کی ثنا خوانی[۲]

دوسرا قصیدہ "در نعت و منقبت حضرت امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب رض" لکھا ہے۔ اس میں نعت اور منقبت دونوں کو شامل کر دیا ہے۔ نمونتہً چند اشعار درج ذیل ہیں :-

کہتی ہے مجھ سے مغفرت ہووے گی خوب یہ غزل
ہمرہ نعت و منقبت کر اسے انصرام دو

مطلع نعت و منقبت کہہ تو چکا ہی میری جان
بس مجھے آگے مانگ لے کر کے تو اب کلام دو

مثل زبان خامہ ہیں گرچہ نبی و امام دو
معنی تو اون میں ایک ہیں گو کہ ہوئے بنام دو

ہونے نہ دے غروب ایک بہر نماز مہر کو
ایک کرے اشارے سے قرص مہ تمام دو

اون کے طواف روضہ کو پہنچے کبھو نہ جبرئیل
رکھنے زمین پہ ایک گام تا نہ کرے سلام دو

---

۱ و ۲ کلیات سودا۔ صفحہ ۲۷۔

موسیٰ و خضر اور مسیح در پہ انھوں نے وقت طوف
ایک بت جو چوب دار کرتے ہیں اہتمام دو[۵۰]

اس قصیدے میں حضورؐ کی افضلیت اور عظمت کے مضمون کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ ان قصائد میں سودا کا خلوص مادی صلہ سے بے پروا ہو کر صرف مغفرت کی امید میں حضور کی بارگاہ میں مدح خوانی کرتا ہے۔ جہاں اوصاف کے بیان میں قرآن اور احادیث کے مضامین نظم کئے ہیں وہاں تخیل کی رنگ آمیزی سے بھی آپ کی عظمت کو ظاہر کیا ہے۔ دیگر انبیائے کرام سے تقابل بھی اسی تخیل کی ایجاد ہے۔

قصائد کے علاوہ مثنوی میں بھی سوداؔ کے یہاں نعت کا مضمون ملتا ہے۔ لیکن یہ مثنوی کی تمہید کے طور پر حمد کے ساتھ رسماً اور تبرکاً نظم کیا گیا ہے۔ مثلاً "مثنوی در عشق پسر شیشہ گر بہ زرگر پسر بطور ساقی نامہ و دیگر حکایات شیخ و دعا، پادشاہ" کی تمہید میں حمد کے بیان کو نہایت طول دیا ہے اور شگفتہ مضامین پیدا کئے ہیں۔ اس کے بعد نعت بیان کی ہے جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

محمدؐ باعث ایجاد افلاک — محمدؐ علت غائی افلاک
محمدؐ کنت کنزاً کی گواہی — محمدؐ عالم علم الٰہی
محمدؐ ہے مشیر عالم غیب — محمدؐ راز دار حق ہے لاریب
محمدؐ عادل و کامل و عاقل — محمدؐ ہے جو کچھ تھا اسکے قابل[۵۲]

حضورؐ کا ثنا خواں یکے بعد دیگرے اپنے آقاؐ کے اوصاف، مترنم بحر اور

---

۵۱ کلیات سودا صفحہ ۷۵۔ ۵۲ کلیات سودا صفحہ ۱۵۹۔

رواں دواں سبک الفاظ میں پیش کرتا جاتا ہے۔ جس کی سادگی اس کے حسن کو دوبالا کرتی ہے۔ نعت کے بعد حضرت علیؓ کی منقبت بیان کی ہے لیکن اس میں بھی ایک مستقل نعت کہہ ڈالی جس کے چند اشعار یہ ہیں:۔

محمدؐ جگ میں سالار رسل ہے ۔۔۔ محمدؐ ماہر ہر جز و کل ہے
نہ پیدا خاک سے ہوتا جو وہ پاک ۔۔۔ نہ پھرتی آسمان گرد سر خاک
اسی کی ذات سے اثبات حق ہے ۔۔۔ کہ اوس کی ذات عین ذات حق ہے
لیا جب نام پاک اپنا بہ تعظیم ۔۔۔ یہ فرمایا انا احمد بلا میم
خدا کا اوس کو ہم سمجھیں نہ ثانی ۔۔۔ پر اوس سے ہے حدیث من رآنی
ہمیں کیونکر نہ رحمت پر یقین ہو ۔۔۔ کہ جب ایسا شفیع المذنبیں ہو
کہوں کیا خلقت انساں میں کیا ہے ۔۔۔ شرف آدم کا فخر انبیا ہے[۵۱]

اس طرح دیگر مقامات پر حکایات کے بیان میں بھی حمد و نعت کے مضامین ملتے ہیں۔ مثلاً۔

الا اے ساقی فرخندہ فرجام ۔۔۔ ادب کی مئے سے تو آتش کا بھر جام
کہ یاں نقد فضولی ناروا ہے ۔۔۔ نہیں یہ حمد، نعت مصطفےٰؐ ہے
محمدؐ وہ کہ ہیں جتنے پیمبر ۔۔۔ ہیں اس کے مرتبے سے سب فروتر
نہ ہوتا وہ اگر زینت دہ خاک ۔۔۔ تصدق خاک کے ہوتے نہ افلاک
جہاں میں ہے یہ جتنا کچھ ہویدا ۔۔۔ ہوا اس کے لئے سب کچھ یہ پیدا
یہ منہ اس کی ثنا لائق نہیں ہے ۔۔۔ ثنا گو واں کا جبریل امیں ہے[۵۲]

---

۵۱ کلیات سودا۔ صفحہ ۱۶۰۔

۵۲ کلیات سودا۔ صفحہ ۲۱۵، ۲۱۶۔

نعتیہ غزل کا نمونہ یہ ہے۔

دلا دریائے رحمت قطرہ ہے آب محمدؐ کا
جو چاہے پاک ہو پیرو ہو اصحاب محمدؐ کا

محمدؐ علم کا گھر ہے علی اوس کا ہی دروازہ
غلام اوس کا ہو تو جو کلب ہو باب محمدؐ کا

قد رعنا جب اپنا خم کیا بہر نماز اون نے
ہوا اس وقت ساجد کعبہ محراب محمدؐ کا

زمین و آسمان کیوں ہوں نہ روشن نور سے اسکے
کہ ہے اک پرتو خورشید مہتاب محمدؐ کا

ادا کس کی زباں سے ہو سکے شکر اس کی نعمت کا
دو عالم ریزہ چیں حق نے کیا قاب محمدؐ کا[1]

اس کے علاوہ نعت میں جا بجا متفرق اشعار بھی ملتے ہیں۔ سودا کے کلام کی ضخامت کے اعتبار سے ان کے یہاں نعتیہ اشعار زیادہ نہیں ہیں۔ لیکن جو کچھ ہیں ادبی لحاظ سے بلند پایہ ہیں۔ ان کے نعتیہ قصائد کی شان و شوکت مسلمہ ہے۔ نعتیہ غزل میں تغزل کا رنگ نہیں ہے۔ اوصاف کا بیان ہے اور یہ خصوصیت ان کے نعتیہ کلام میں ہر جگہ موجود ہے۔

---

[1] کلیات سودا۔ صفحہ ۲۴۸۔

نوازش علی شیدا

نام اور خطاب، نوازش علی خاں بہادر تھا۔ شیدا تخلص کرتے تھے۔ نواب نظام علی خاں کے میر ساماں تھے۔ شاہی عاشور خانہ کے منتظم بھی رہے۔ علَم و مغفر وغیرہ کی نگرانی کی خدمت بھی آپ ہی سے متعلق ہے۔

شیدا کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں علم و ادب سے گہرا لگاؤ رہا۔ مثنوی روضۃ الاطہار میں واقعات کربلا نظم کئے ہیں۔ اس مثنوی کا سنہ تصنیف سنہ ۱۱۷۳ھ ہے۔ ایک اور مثنوی "گلشن ایمان" کے نام سے لکھی تھی جو اب نایاب ہے۔ شیدا کی تیسری اور ضخیم مثنوی "اعجاز احمدی" ہے جو سنہ ۱۱۸۶ھ کی تصنیف ہے۔ یہ مثنوی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوم سیرت پاک ہے جس میں شرح و بسط سے آپؐ کے حالات نظم کئے گئے ہیں۔ اس کی داخلی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیدا نے نعتیہ قصائد بھی لکھے تھے۔ ان کے علاوہ "جامع الفوائد" اور "قانون سوم" بھی ان کی تصانیف ہیں۔ "روضۃ الاطہار اور "اعجاز احمدیؐ" کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد دکن، کتب خانہ جامعہ عثمانیہ، کتب خانہ سر سالار جنگ، کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد وغیرہ میں موجود ہیں۔

شیدا بڑے پرگو شاعر گزرے ہیں۔ انھوں نے مرثیہ خوانی اور عزاداری کو بھی بڑا فروغ دیا۔ وہ خود بھی مرثیہ گو تھے۔ پھر عاشور خانہ کے منتظم بھی رہے۔ اس لحاظ سے ان کی شاعری کے موضوعات تمام تر مذہبی ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ان کی مثنوی "اعجاز احمدی" اپنی ضخامت اور مضامین دونوں کے اعتبار سے نعتیہ ادب میں نہایت اہم ہے۔ یہ مثنوی

چار جلدوں میں ہے۔ پہلی تین جلدوں کے جملہ صفحات ۳۶۶ ہیں۔ پہلی جلد صفحہ ۳۷ پر ختم ہوتی ہے۔ دوسری ۱۰۵ پر اور تیسری صفحہ ۳۶۶ پر۔ اس کے بعد چوتھی جلد شروع ہوتی ہے۔ اس کے صفحات درج نہیں ہیں جو تقریباً ۱۱۰ ہیں۔ فی صفحہ ۲ ۴۲ اشعار کے حساب سے پہلی تین جلدوں میں کم و بیش ۱۵۳۷۲، ابیات ہیں۔ جلد چہارم میں فی صفحہ ۳۲، ابیات ہیں۔ اس لحاظ سے اس جلد میں جملہ ابیات ۳۶۴۸ ہیں۔ اس طرح کل مثنوی کے ابیات کی تعداد ۱۹۰۲۰ ہوئی۔ سرخیوں کا لحاظ کیا جائے تو تعداد کو کچھ گھٹانا ہوگا۔

شیدا نے ہر جلد کے خاتمہ پر اپنا تخلص ظاہر کیا ہے مثلاً

اے شیدا کہاں تک کہا جائے گا سمندر کو کوزے میں کیوں لائے گا[۱]

اے شیدا قلم پر ہے یہ اضطراب کہ منزل کو مقصد کے پہنچے شتاب[۲]

اے شیدا ہے مضمون یہ دردناک کیا صبر اپنے گریباں کو چاک[۳]

اے شیدا تو تاریخ لکھ اس کی اب کریں ختم کا سال دریافت سب[۴]

وجہہ تالیف میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کو ظاہر کیا ہے اور ساتھ ہی نعت گوئی سے گہرے لگاؤ کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیدا نے نعت میں متعدد قصائد بھی لکھے تھے۔ اس کے علاوہ آپؐ کے معجزوں کے بیان میں "گلشن ایمان" مثنوی بھی لکھی تھی۔

۱؎ اعجاز احمدی جلد اول صفحہ ۳۷ ۲؎ ایضاً، جلد دوم صفحہ ۱۰۵

۳؎ " " " سوم " ۳۶۶۔

۴؎ " " " چہارم، آخری صفحہ۔

بہوت نعت کے توں قصاید کہا | معطر و باغ سخن کون رکھا
توں کر مثنوی معجزوں کی تمام | رکھا گلشن ایمان کر اوس کا نام [1]

شاعر نے اپنے کلام کی زبان کو ہندی قرار دیا ہے۔

توں ہندی زبان میں لکھیگا اگر | سبھی پڑھ اوسے ہوئینگے بہرہ ور [2]

نوازش کے بیان میں شعریت کا عنصر ان کی طبیعت کی شگفتگی اور موزونیت کا آئینہ دار ہے۔ وجہ تالیف ہی کو لیجیے، اور انداز بیان ملاحظہ کیجیے۔ [3]

میں اک روز بیٹھا تھا خاطر فراغ | سخن کے گلستان میں ہو باغ باغ
کبھی قد کے شمشاد کی دلبری | کری جلوہ دل میں بہ رنگ پری
نین کا کبھی نرگس نیم خواب | یہ مستی شوق کا تھا جواب
کبھی زلف کا سنبل پیچ دار | کرے رشتۂ فکر سب تار تار
غرض نظارہ تھا ہر طرف | کھلے تھے معانی کے گل کئی صنف
تماشے کے بازار گرمے تھے سب | نگہ کا مہیا تھا سارا طلب
میرا شاہد طبع ویسے میں آ | نہایت تلطف سیں کہنے لگا
کہ اے نخل بند ریاض سخن | تیرے شعر کا دھوم ہے چو کدھن

میں آیا ہوں دینے تجھے اب نوید | کہ ہے مغفرت تیری جس میں امید
توں سن ہوش کے کان دھر یہ سخن | بیان تجھ سے کرتا ہوں میں من و عن
جناب رسالت کا سب ماجرا | سیر میں مفصل گیا ہے لکھا [4]

---

[1] و [2] و [3] اعجاز احمدی۔ جلد اول صفحہ ۴۔

[4] اعجاز احمدی صفحہ ۴۔

شاعر نے روایات صحیحہ کو نظم کرنے کا ذکر کیا ہے اور طبع میں روانی کی دُعا مانگی ہے۔

الٰہی میں تیرے نبیؐ کا بیان — نظم بیچ چہتا ہوں کرنے عیاں
میری طبع کو چست و چالاک کر — رموز معانی کا دراک کر
فصاحت عطا کر سخن کوں میری — حلاوت ستی بھر دہن کوں میری
یہ اعجاز نامے کو مشہور رکھ — ہر اک بزم میں اسکا مذکور رکھ[1]

شیدا نے مختلف عنوانات کے تحت مضامین نظم کئے ہیں جن میں حضورؐ کی سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ مثلاً

(۱) آغاز داستان در کیفیت ظہور نور محمدیؐ۔
(۲) در بیان معجزائے کہ در ایام حمل بوقوع آمدہ و رحلت بر کلفت عبداللہ۔
(۳) در بیان طلوع خورشید رسالت۔
(۴) احوال رضاعت حضرت خیر البشرؐ۔
(۵) در بیان شق صدر آں والا قدر
(۶) در بیان احوال سال ششم تا دوازدہم از ولایت باسعادت آں والا نسب۔
(۷) احوال سال ہفتم و ہشتم مشتمل بر وفات عبدالمطلبؓ وغیرہ وغیرہ

اس طرح ہر جلد میں سیرت سے متعلق اس قسم کے عنوانات کے تحت اسوۂ محمدیؐ کا بیان ہے۔ جلد چہارم میں وفات کے بعد کے حالات درج ہیں۔ ساتھ ہی معجزے اور فضائل صلوات کا بھی بیان ہے۔

---

[1] اعجاز احمدی جلد اول صفحہ ۴۔

حمد کے بعد جو نعت بیان کی ہے اس کا نمونہ یہ ہے:۔ [۱]

حبیب خدا سید المرسلینؐ — بنا جس کی خاطر کوں دنیا و دین
نبوت کے دریا کا درِ یتیم
شفاعت کے گلشن کا رنگین بہار
ہے وہ انبیا میں الف کے مثال — مقدم موخر ز راہِ کمال
سراپا تھا وہ ذات پر نور نور — اسی واسطے اوس سیں سایہ تھا دور
قلم کون اگرچہ نہ پکڑا ہے ہات — رکھا حکم کے خط میں سب کائنات
کیا دین جب اوسکا جگ میں ظہور — اڑا لات و عزا کے سر میں غرور
وہ ہے آئینہ ذات اللہ کا — وہ سرپنجہ زور ید اللہ کا
چراغ شبستان ایمان ہے وہ — گل مغفرت کا گلستان ہے وہ
ہے قرآن ورق اس کے اعجاز کا — وہ واقف ہے سب غیب کے راز کا
سنے اوسکے جو دین کے آثار کوں — سنے سینہ بیں توڑ زنار کوں
نبوت اوپر اوسکے رب الجلیل — قمر کے کیا شق کوں روشن دلیل
شریعت کا کر اوس نے روشن چراغ — طریقت کا سب کون بتایا سراغ
احد اور احمد میں ایک میم ہے — سو وہ میم از بہر تعظیم ہے
ہے وہ فقر کے ملک کا تاجدار — کیا رنج و محنت کتیں اختیار
ہے مضمون لولاک میں یوں عیاں — اگر وہ نہ ہوتا نہ ہوتا جہان
اے شیدا تجھے یہ قافیہ کہاں — کرے نعت ختم النبیؐ کا بیان [۲]

---

[۱] زیرِ نظر نسخے کے صفحۂ اول کا کچھ حصہ ضائع ہوگیا اس لئے نعت اور حمد کے چند مصرعے نہیں ملتے۔ [۲] اعجاز احمدی جلد اول صفحہ ۲۔

کلام کے نمونے سے ظاہر ہے کہ شیدؔا نے نعت محمدیؐ میں آپؐ کے اوصاف کا بیان زیادہ تر کیا ہے جس میں تلمیحات قرآنی سے بھی کام لیا ہے۔ ان کا طرز بیان نہایت سادہ اور مضامین عام فہم ہیں۔ مثلاً سایے کا مضمون اکثر شعراء نے باندھا ہے اور اس کو نہایت طول دیا ہے۔ مومنؔ نے اپنے خاص انداز میں اسے منطقی رنگ میں پیش کیا ہے۔ شیدؔا کے یہاں یہ صورتیں نہیں ہیں۔ انھوں نے حضورؐ کا سایہ نہ ہونے کی صاف اور سیدھی وجہ اس طرح بیان کی ہے:-

سراپا تھا وہ ذاتِ پُرنور نور
اِسی واسطے اوس سیں سایہ تھا دور

اسی طرح احد اور احمدؐ میں مماثلت کا مضمون نعت گو شعراء نے اکثر باندھا ہے اور اس میں زیادہ تر جادہ اعتدال سے ہٹ گئے ہیں۔ شیدؔا کے یہاں بھی اس کا بیان اپنی جگہ موجود ہے لیکن احتیاط کے ساتھ۔ حالات کے بیان میں تواریخ کے ذکر کا اہتمام ہے اور اس کی تاریخی حیثیت کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اس کے باوجود شعریت اپنی جگہ موجود ہے۔ شاعر کا فکر ذکر نبیؐ سے سرشار ہو کر واقعہ کے بیان میں بھی ثنائے محمدیؐ کے مضامین پیدا کرتا جاتا ہے۔

ہوا سال چالیس پر ایک جب
سنو اس کا کہتا ہوں احوال سب

سترویں تھی تاریخ رمضان کی
دلیل اس آیت ہے قرآن کی

لکھے کئی محدث ہیں ارباب دین
ربیع الاول کی اٹھی بار دیں

رسولِ خدا سید کائنات
امام دو عالم شہ ممکنات

اتھے غار حرا میں بیٹھے ہوئے
ردا کے اوپر اپنے تکیہ کیے[1]

---

[1] اعجاز احمدی جلد اول۔ صفحہ ۳۸۔

مضمون کی مناسبت سے شاعر تمہیداً اخلاقی مضامین بھی بیان کرتا ہے جو بیان واقعہ سے الگ اس کی اپنی خیال آرائی کا نتیجہ ہوتے ہیں، مثلاً حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات کی تمہید اس طرح لکھی ہے :-

فنا ہے یہ عالم دیکھو سر بہ سر — بقا میں بجز ذات مولا دگر
ہے یہ زندگی پے برنگ سراب — ہوا میں بندھی ہوئی ہے مثل سراب
یہ ہستی موہوم کا نقش اگر — بجا ہے لکھوں تختہ آب پر
یہ نقش طلسم ہے ہوا ہے نمود — سراپا ہے دھوکے کا اس کا وجود[1]

شیدا کی زبان سادہ صاف اور رواں ہے۔ حضورؐ کی سیرت کے بیان میں شاعر نے ہر جگہ واقعیت کو قائم رکھا ہے اور اس میں تخیل کی رنگ آمیزی کو شامل نہیں ہونے دیا۔ صحت روایات، ضخامت اور قدامت کے اعتبار سے نعتیہ ادب میں یہ مثنوی مولانا محمد باقر آگاہ کی "ہشت بہشت" کے بعد نہایت گراں قدر تصنیف ہے۔

---

[1] اعجاز احمدی جلد اول صفحہ ۶۶۔

مولانا محمد باقر آگاہ

محمد باقر[1] نام ۔ آگاہ تخلص ۔ والد کا نام محمد مرتضیٰ تھا جو محمد صاحب کے نام سے مشہور تھے ۔ ان کے آباؤ اجداد کا وطن دارالسرور بیجا پور تھا ۔ آگاہ سنہ ۱۱۵۸ھ میں ویلور میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی ۔ سات سال کی عمر میں کلام مجید ختم کیا ۔ اس کے بعد فارسی کی مروجہ کتابیں گلستان سے تحفۃ العراقین اور قرآن السعدین وغیرہ پڑھیں ۔ پندرہ سال کی عمر میں نظم و نثر لکھنے پر قدرت حاصل کر لی ۔ سترہ سال کی عمر میں جو قصیدہ حضرت قربی کی مدح میں لکھا اس کا مطلع یہ ہے :-

آفتاب اوج وحدت ماہتاب برج دین　　　کاشف اسرار قربت صاحب عین الیقین

مولانا آگاہ نے علم و فضل میں بڑی شہرت پائی ۔ چنانچہ نواب والاجاہ نے بکمال تعظیم و توقیر ان سے ملاقات کی اور نواب امیر الامراء کی اتالیقی کی خدمت کے صلے میں دو سو روپے ماہوار مقرر کئے ۔ کچھ عرصے کے بعد النور کی جاگیر بھی عطا کی ۔ جاگیر کے سالانہ محاسن ایک ہزار دو سو ہون تھے ۔ بعد ازاں امیر موصوف کے ساتھ مدراس تشریف لے گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی انتقال پنجشنبہ کی شب میں ۱۴ ذی الحجہ کو سنہ ۱۲۲۰ھ میں ہوا اور میلاد پور کے راستے میں خود کی مملوکہ زمین میں دفن ہوئے ۔

مولانا باقر آگاہ کی ہشت بہشت "سیرت النبیؐ" کے موضوع پر نہایت گرانقدر تصنیف ہے ۔ مولانا نے اس منظوم سیرت کو آٹھ رسالوں میں تقسیم

---

[1] تذکرہ گلزار اعظم از نواب محمد غوث خاں بہادر اعظم ۔ مطبع سرکاری (سنہ ۱۲۷۲ھ) صفحہ ۸ ۔

کیا ہے اور اس لحاظ سے اس کا نام "ہشت بہشت" رکھا ہے۔ ایک بسیط دیباچہ بھی کتاب کے شروع میں درج ہے جس میں سبب تالیف اور مضامین کے ماخذ وں کا بیان ہے۔ ہر رسالہ بجائے خود ایک کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ "ہشت بہشت" کے متعدد قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ یہ کتاب مطبع حیدری بمبئی میں ایک عرصہ پہلے طبع ہوئی تھی۔

زیر نظر مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد کا ہے۔

کتاب کا آغاز رسالۂ عقائد سے کیا گیا ہے۔ حمد کے دو شعر کے بعد نعت کا مضمون ہے۔ اس کے بعد شاعر نے رسالہ کا سبب تصنیف بتایا ہے پھر اخلاص کی عطا کے لئے اس طرح دعا مانگی ہے۔

خداوندا بحق احمد خاص — عطا ہر کام میں کر مجھکوں اخلاص[1]

اس رسالے میں مختلف عنوانات کے تحت مضامین نظم کئے گئے ہیں۔ مثلاً

(۱) در بیان آں کہ حقیقت ہر چیز در نفس الامر ثابت است۔
(۲) در بیان آں کہ عالم حادث است یعنی نو پیدا شدہ۔
(۳) در بیان آں کہ عالم قابل بہ ہلاک و فنا است۔ وغیرہ وغیرہ۔

ذات وصفات سبحانہ، تعالےٰ کے وصف کے لئے چند ابواب وقف ہیں پھر ارکان ایمان۔ ایمان کی کمی و بیشی اور اس قبیل کے مضامین باندھے ہیں۔ آگاہ تے کلام اللہ کے قدیم ہونے اور "بعثت انبیاء برائے ہدایت خلق" کے ذکر کے علاوہ ان کے معجزات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اور جملہ انبیائے کرام

---

[1] "ہشت بہشت" مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد۔ ورق ۳ ب

پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اور خاتمیت کو ثابت کیا ہے اور عقیدے کو بھی ظاہر ہے کہ شریعت محمدیؐ کی موجودگی میں جملہ شریعتیں منسوخ ہیں۔

مولانا آگاہ نے اہل سنت کے چاروں مذہبوں کو برحق قرار دیا ہے اور کسی ایک امام کی اتباع کی تلقین کی ہے۔ اس کے بعد خانوادۂ حضرت غوث الثقلین کو تمام خانوادوں سے افضل بتایا ہے۔ وہ قرآن اور حدیث میں عقل کی تاویل کو مذموم قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ آخرت کا بیان عذاب قبر کا ذکر اور اس قبیل کے دیگر مضامین بھی ہیں۔ مضامین کی ترتیب اور بیان سے آگاہ کی وسیع معلومات کا پتہ چلتا ہے۔

دیباچہ میں مصنف نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے نہایت جانکاہی سے کام لے کر معتبر کتابوں سے مضامین لئے ہیں۔ جن ماخذوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں :۔

فتح الباری۔ کتاب شفا۔ عیون الاثر۔ شمائل ترمذی مع شرح ملا عصام و شیخ ابن حجر۔ رسائل مولود شریف تصنیف حافظ جلال الدین سیوطی۔ اصابہ۔ وفاء الوفا۔ جواہر العقدین۔ حسن التوسل۔ تحفۃ الاخیار۔ فتح المتعال۔ حیاۃ الحیوان۔ روضۃ الاحباب۔ معارج النبوۃ تصنیف مولانا معین الدین ہروی۔ شواہد النبوۃ۔ مدارج النبوۃ۔ جذب القلوب وغیرہ۔

دیباچہ کا ضروری اقتباس درج ذیل ہے :۔

چھے رسالے اول کے مع رسالہ عقاید و تحفۃ النسا یکہزار یک سو اسی اوپر پانچ میں اور سنہ ۱۱۸۶ھ میں بنے ہیں۔ نیچے اوس کے بہت ڈھیل

ہوئی ...... آخر ابتدا سنہ ایک ہزار اور دو سو اور چھے میں رسالہ من درپن اور رسالہ من جیون بنانے کا اتفاق ہوا اور رسالہ آرام دل میں بیان عادات شریف کا اور رسالہ راحت جان میں بیان اکثر خصائص امت کا اور رسالہ جگ سوہن میں حضرتؐ کی نبوت سے تا وفات اون کی صلی اللہ علیہ وسلم داخل کیا گیا۔ ان آٹھ رسائل میں تخمیناً آٹھ ہزار اور چھے سو اور پچاس بیت ہیں اور سرخیوں کے ساتھ نو ہزار بیت ہونگے"[1]

آگاہ نے دیباچہ کے اختتام پر فضائل ذکر نبیؐ وغیرہ نظم کیے ہیں۔ ذکر نبیؐ کے فضائل کا بیان اس طرح کیا ہے:-

گزرے ہیں جو اولیا اور عالمان
متفق اس بات پر ہیں بے گمان

کہ نبیؐ کا ذکر ہر شام و سحر
افضل الاذکار ہے اے باخبر

قفل دل کا ذکر اس کا ہے کلید
گمرہان کو ہیں کرتا ہے رشید

گھر کو سینے کے ہے ذکر اس کا چراغ
جسم و جان ہوتا ہے اس سے باغ باغ

ذکر سے اس کے ٹلے سب درد دکھ
ذکر سے اس کے ملے نت عیش و سکھ

بیکساں کو ذکر اس کا ہے امان
عاصیان کو ذکر اس کا ہے ضمان

ذکر سے اس کے ملے باغ نعیم
ذکر سے اس کے بجھے نار جحیم

سالکان کو ذکر اس کا شمع راہ
عاشقان کو ذکر اس کا ہے پناہ

عارفان کو ذکر اس کا من لگن
واصلان کو ذکر اس کا من موہن

انبیا کو ذکر اس کا ہے انیس
اصفیا کو ذکر اس کا ہے جلیس[2]

---

[1] "ہشت بہشت" ورق ۲۰ ب [2] ایضاً ورق ۲۲ الف و ب۔

اس بیان کو شاعر نے بہت طول دیا ہے۔ آگاہ صحت روایات کا نہایت اہتمام کرتے ہیں اور ان تعبیہ تصانیف کی مذمت کرتے ہیں جن میں مضامین بلا تحقیق نظم کر دئے گئے ہیں۔ فتاحی کی مثنوی "مفید الیقین" کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ آگاہ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتاحی کی اس تصنیف میں جو معجزوں کا ذکر ہے۔ ان کے مضامین پر مولانا آگاہ کو سخت اعتراض ہے۔ چنانچہ اس کا اظہار مندرجہ ذیل اشعار میں کیا ہے:

جیسا فتاحی لکھا ہے معجزات — اکثر اس میں ہے غلط اور جھوٹ بات
اور یوں نور و شمائل کا بیان — اور یوں معراج نامہ اے میاں
اور وفات شاہ کا ذکر اس نمط — اکثر ان نسخوں کا مضمون ہے غلط[۱]

۱۔ من دیپک مولانا آگاہ کا پہلا رسالہ "من دیپک" ہے۔ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مقدس کا ذکر ہے جو ۱۶۰۲ ابیات پر مشتمل ہے۔ حمد و نعت کے اشعار کے بعد حضرت غوث اعظمؓ کی منقبت ہے۔ پھر اپنے مرشد کی مدح کے بعد سبب تالیف بیان کیا ہے۔

حدیث قدسی کو اس طرح نظم کیا ہے۔

نہ ہوتا گر تو اے سلطان — نہ کرتا میں یہ کل منڈان
تا ارض و سما تا لوح و قلم — تا جن و ملائک تا آدم
ان سب کو کیا ہوں تجھ خاطر — اور تجھ کو کیا ہوں مجھ خاطر[۲]

اس رسالے کا سنہ تصنیف حسب ذیل بیت میں درج ہے:۔

جب گیارہ سو تھے از ہجرت — ہوا چوراسی اے باصفوت
اس وقت بنا یہ نسخہ خوب — جو ہے اہل دل کا مرغوب

۱؎ ہشت بہشت ورق ۲۴، الف ۲؎ ایضاً ورق ۲۹ ب۔

۲۔ من ہرن یہ رسالہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی بشارت کے بیان میں ہے۔ نعت کے بیان کے بعد مناجات، منقبت حضرت غوث اعظم اور مدح پیر حضرت ابوالحسن درج ہے۔ توریت، انجیل اور دیگر کتب سماوی میں جو آپ کے ظہور کی بشارت ہے اسے بھی بیان کیا ہے۔ بخت نصر کا خواب اور حضرت دانیال پیغمبر علیہ السلام کی تعبیر بھی علیحدہ عنوانات کے تحت نظم کی ہے۔ ابیات کی تعداد ۶۵۱ ہے۔ نعت کے اشعار نمونۃً درج ذیل ہیں :۔

احمد مختار دو نو جگ کا نور — آدم و عالم کو ہے جس سے ظہور
جس کو ہے خوش نام رؤف و رحیم — سب کے اوپر جس کی ہے رحمت عمیم
جو ہے گرفتار بجرم و گناہ — اس کو ہے اس سرور دین کا پناہ
جو ہے سادات و زمین کے اوپر — اس کا طلب گار ہے شام و سحر[۱]

۳۔ من موہن یہ "ہشت بہشت" کا تیسرا حصہ ہے۔ ابیات کی تعداد ۲۰۷ ہے، سنہ تصنیف ۱۱۸۶ھ ہے۔

حسب معمول حمد کے بعد نعت کا مضمون اس طرح باندھا ہے۔

جس کی ہے نور سے جہاں پیدا — جس کے ہیں مکھ پر کن فکاں شیدا
جس کی مشعل عدم کی ظلمت سوں — وہ بتائے وجود کی سب کون
جس کا ہے دیکھنا خدا کا شہود — جس کا ہے نام ورد ہر موجود
مکتب علم میں ہیں جس کے ملک — مور رسل طفل بے زباں بے شک[۲]

اس رسالے میں حسب معمول حضرت غوث اعظمؓ کی منقبت اور پیر و مرشد

---

[۱] ہشت بہشت ورق ۴۵ الف [۲] ایضاً ورق ۶۴ ب۔

کی مدح درج ہے۔ بعد ازاں ولادت با سعادت اور اس سے متعلق معجزات کے ظہور کا بیان ہے۔ حضرت آمنہ کی زبانی حضورؐ کی نعت اس طرح بیان کی ہے :-

شکل یوسف زبان اسمٰعیل — علم لوط و نوید اسرائیل
صبر ایوب و عظمت موسیٰ — زھد عیسیٰ و عصمت یحییٰ[1]

ولادت با سعادت پر حضرت عبد المطلب کی خوشی کا اظہار یوں کیا ہے :-

گھر میں میرے ہے وہ مہ تاباں — جس سے روشن ہوا ہے سرو عیاں
گھر میں میرے ہے وہ طرب افروز — جس سے ہووے گی رات غم کی روز
گھر میں میرے ہوا ہے وہ سرور — جس کے در پر گھسیں گے عالم سر
گھر میں میرے ہوا ہے وہ مرسل — جس سے جاویگا کفر سارا جل[2]

مولانا آگاہ نے مختلف عنوانات کے تحت بہ روایات مختلفہ آپ کے معجزات بیان کئے ہیں۔ ان میں بتان عرب کا سرنگوں ہونا، آسمان پر شیاطین کی آمد و رفت کا موقوف ہونا وغیرہ نظم کیا ہے۔

۴- جگ موہن یہ چوتھا رسالہ ہے جو ۸۱۷ ابیات پر مشتمل ہے۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ ہے۔ نعت کے اشعار درج ذیل ہیں :-

جس سے صحرائے قدم ہے گلشن — جن سے ظلمات عدم ہے روشن
اس کی جان جلوہ گر ذات وصفت — ابنیاء کو نہ ملی جز حیرت
جس کی امت میں رسولاں سارے — کوئی نعت اوسکی کرے کیا بارے[3]

---

[1] ہشت بہشت ورق ۷۰ ب [2] ایضاً ورق ۷۲ الف [3] ایضاً ورق ۸۹ الف

شاعر بارگاہ صمدیت میں اپنی پریشانی ظاہر کرتا ہے اور اپنی حاجت طلب کرتا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ کے حالات میں حضرت ابو طالب کی کفالت، سفر شام، تزویج بام المومنین حضرت خدیجہؓ، وغیرہ یعنی چالیس سال کی عمر شریف تک کے حالات درج ہیں۔ پھر بہشت کے ابتدائی حالات اور نبوت کے ہر سال کے واقعات بیان کئے ہیں۔

۵۔ آرام دل یہ ہشت بہشت کا پانچواں حصہ ہے۔ تعداد ابیات ۱۲۵۲ ہے اور سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ۔ اس رسالے میں تین باب ہیں۔ باب اول میں حضورؐ کے شمائل کا بیان ہے۔ باب دوم میں آپؐ کے اخلاق کا ذکر ہے اور باب سوم میں عادات شریفہ کا۔

ابتداء میں حمد کے بعد نعت کا مضمون یہ ہے :-

حقیقت میں سب کا ہے مطلوب او ہیں سب عاشقاں اور محبوب او
او مہتاب ہے سب خلائق چکور دو عالم میں ہے حسن کا اوسکے شور
سب اخلاق پاک اوسکے بے قیل و قال کمالات وحی اوپر تھے دلیل
ہیں من دیپک اندر کہا ذکر نور لکھا من ہرن میں تو ید ظہور
بہ من موہن اوس ولادت کی بات بہ جگ موہن اوسکا بیان تا وفات
ہیں اب حسن کا اوسکے کرتا ہوں ذکر جلایا دے تا اوس سے مرأت فکر[۱]

آگاہ شمائل نبویؐ کے بیان میں پہلے اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں پھر مختلف عنوانات کے تحت مضامین باندھتے ہیں۔ مثلاً

(۱) در صفت مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

کہ تھا بادشاہ دو عالم کا سر بزرگ اور با اعتدال اے پسر

---

[۱] ہشت بہشت ورق ۱۱۳ ب و ۱۱۴ الف۔

بحق سر مصطفےٰ اے خدا — مری طبع کوں کر تو جودت عطا[۵۱]

(۲) درصفت روئے مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم:

روئے مبارک کی روشنی کا بیان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی اس طرح کیا ہے۔

گری سوی مجھ ہاتھ سے . بر زمین — لگی ڈھونڈنے ہیں اوسے ہر کہیں
کہ اتنے میں آیا سراج الانام — کہ ہے نور سے جس کے عالم تمام
پڑا اوس کے چہرہ کا اس طرح تاب — کہ مجھ کو ملی سوئی میری شتاب[۵۲]

(۳) درصفت چشم مبارک و بینائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۴) درصفت گوش مبارک و شنوائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۵) درصفت جبین مبارک ....

(۶) درصفت ابروئے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۷) درصفت بینی مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۸) درصفت دہن مبارک ولب و دنداں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

او سلطان دیں بات کرتا تھا جب — چمکتا تھا نور اوسکے دانتاں سوں تب
تصدق سوں اوس لب کے اے کردگار — مجھے ذکر میں اوسکے رکھ . برقرار[۵۳]

(۹) درصفت تبسم و ضحک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۰) درصفت آب دہن مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۱) درصفت آواز مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

خوش آواز تھا وہ شہ نامدار — لے جاتا تھا خاطر سوں صبر و قرار[۵۴]

---

۵۱ ہشت بہشت ورق ۱۱۶ ، ب — ۵۲ ایضاً ، ورق ۱۱۷ ، الف ۔

۵۳ ایضاً ، ورق ۱۱۹ ، الف — ۵۴ ایضاً ، ورق ۱۲۰ ، الف ۔

(۱۲) درصفت فصاحت مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سخن اوسکا پڑتا تھا جب کان میں　　نکلتے تھے ارواح ابدان میں [۱]

(۱۳) درصفت موئے مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۴) درصفت ریش مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۵) درصفت گردن مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۶) درصفت ہر دو دوش مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۷) درصفت سینۂ مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۸) درصفت پشت مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۹) درصفت دستہاء مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲۰) درصفت قدم مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲۱) درصفت قامت زیبائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲۲) درصفت رنگ مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲۳) درصفت رفتار جانفزائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲۴) درصفت بوئے خوش و عرق مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس رسالے کا باب دوم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سیرت سے متعلق ہے۔

کہی عائشہ اوسکو اے ہوشیار　　ہے تفصیل اوسکی نہایت سو بہار
ولیکن میں کہتی ہوں اب مختصر　　کہ خلق اوسکا قرآں تھا سر بسر [۲]

---

[۱] ہشت بہشت ورق ۱۲۰ ب

[۲] ہشت بہشت ورق ۱۲۵ الف

پھر صفت حیا کو اس طرح بیان کیا ہے۔

بیاں کروں اوس کی شرم و حیا — فیستحی منکم ہے قول خدا[۵۱]

رحمت و شفقت کے اوصاف کا بیان یہ ہے۔

میں رحمت کا اوسکی کروں کیا بیاں — سراہا ہے اوسکوں خدا اور قرآن
رکھا رحمت العالمین اوسکا نام — رؤف٘ رحیم٘ بھی اے شاد کام[۵۲]

اس رسالہ کا اختتامی شعر یہ ہے:۔

مرا خاتمہ کرتوں ایمان پر — بحق محمد سراج البشر[۵۳]

۶۔ راحت جان | یہ چھٹا رسالہ ہے۔ ابیات کی تعداد ۶۰۲ ہے۔ سنہ تصنیف ۱۱۸۶ھ ہے۔ اس رسالے میں آگاہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص بیان کئے ہیں مثلاً

خصائصے کہ برآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض بودند

چیز ہائیکہ برآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرام بودند و برامت حلال۔

چیز ہائیکہ برآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مباح بودند و برامت حرام۔

مولانا آگاہ نے خصائص دنیوی کے علاوہ خصائص اُخروی کو بھی بیان کیا ہے اور ان کو آپ کے فضائل و کرامات کے ذکر سے واضح کیا ہے۔ اس کے بعد امت محمدی پر اللہ تعالیٰ کی نوازشوں کا ذکر ہے۔

کلام کا نمونہ درج ذیل ہے۔

---

[۵۱] ہشت بہشت ورق ۱۲۵ الف۔

[۵۲] ہشت بہشت ورق ۱۲۷ الف۔

[۵۳] ہشت بہشت ورق ۱۵۲ الف۔

جوں خدا کی حمد میں حیران ہے عقل — یوں نبیؐ کی نعت میں نادان ہے عقل
احمد مرسل شہنشاہ رسل — سرور عالم امام جزو کل
وحدت مطلق کے گہن کا آفتاب — خلق جس کے نور کا ہے ایک تاب
جب خلائق کو ہوا اوس سے ظہور — اس سبب سے حق رکھا نام اوس کا نور[۱]

ذکر نبیؐ کی فضیلت کو اس طرح نظم کیا ہے۔

بہترین ذکر و طاعت اے پسر — ہے نبیؐ کا ذکر ہر شام و سحر
ذکر اوس کا عین ذکر حق ہی جان — طاعت اوس کی طاعت حق ہی پہچان
علوی و سفلی ہے اوس کے ذکر میں — جزوی و کلی ہے اوس کے ذکر میں[۲]

پھر بارگاہِ ایزدی میں یہ درخواست پیش کی ہے۔

کر تو ہم کو اے خدائے مہربان — امت پیغمبر آخر زمان[۳]

رسالہ کی وجہ تصنیف کے بیان کے ساتھ عشق نبیؐ کی عطا کے لئے دعا بھی مانگی ہے۔

ظاہر و باطن کو لا وسکے کرنا — مصطفےٰؐ کے ذکر میں اے ذو العطا[۴]

آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اس طرح دعا مانگی ہے:

گرچہ ہوں جرم و گنہ میں مبتلا — لطف کر مجھ پر بحق مصطفےٰؐ

[۱] ہشت بہشت ورق ۱۵۲ ب
[۲] ہشت بہشت ورق ۱۵۳ الف و ۱۵۳ ب
[۳] ہشت بہشت ورق ۱۵۳ ب
[۴] ہشت بہشت ورق ۱۵۴ الف

مصطفیٰؐ کے واسطے اے کارساز | مصطفیٰؐ کے واسطے اے بے نیاز
اوس شفیع المذنبینؐ کے واسطے | رحمت اللعالمین کے واسطے
اوس پناہ بے کساں کے واسطے | اوس دوائے خستگاں کے واسطے
واسطے اوس کے کہ جس کا لطف عام | عاصیاں کا زاد ہے روز قیام
ہور شہادت پر مرا انجام کر | ہور مدینے بیچ میرا کر مقر
راحت جان یاں ہوا پورا تمام | از طفیل مصطفیٰؐ شاہ انام[1]

۷۔ رسالہ ہفتم من درپن | اس رسالہ کا سنہ تصنیف ۱۲۰۶ھ[2] ہے۔ گویا یہ رسالہ راحت جان کی تصنیف کے ۲۰ سال بعد لکھا گیا۔ اس لئے اس رسالے کی زبان اور دیگر چھ رسالوں کی زبان میں بہت فرق ہے۔ اس میں ۳۱۶۱ ابیات ہیں۔ مولانا آگاہ کی یہ تصنیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں پر نہایت بسوط اور مستند منظوم کتاب ہے۔ اس شرح و بسط کے بعد بھی آگاہ کا خیال ہے کہ انھوں نے اجمال سے کام لیا ہے ورنہ ابیات کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچتی۔

شاعر نے حمد کے مضمون کے بعد نعت نبیؐ میں اس طرح گلفشانی کی ہے:

ہے گنج غیب کا مفتاح اسرار | ہے بیت القدس کا مصباح انوار
بہار حسن کا ہے صبح اول | فروغ عشق کا ہے نور اکمل

---

[1] ہشت بہشت ورق ۱۷۰ الف۔
[2] ہشت بہشت ورق ۱۷۱ الف۔

ہے حسن و عشق کا وہ رق منشور | کہ جس کا عرش ہے یک آیت النور
ہے وہ ام الکتاب و نور قدسی | کہ جس کی آیۃ الکرسی ہے کرسی
حروف اوس کے ملایک ہور رسل ہیں | نقاط و سطر اوس کے جز و کل ہیں
ہے جس کا خواب گاہ خاص وحدت | ہے بار عام جس کا واحدیت
مقام خاص "اَوْ اَدْنیٰ" ہے جس کا | خدا بن کوئی نہیں داتا ہے جس کا
تھے جس کے پیشکاران انبیا سب | تھے جس کے مژدہ گویاں اصفیا سب
ملائک جس کے تھے فوج معظم | نقیب اوس فوج کا جبریل اکرم[1]

نعت کے بعد خلفائے راشدینؓ اور حضرت عبدالقادر جیلانی رح کی منقبت اور اپنے شیخ کی مدح کے بعد ذکر نبیؐ کی فضیلت اس طرح بیان کی ہے:

ہے ذکر پاک اوس کا ذکر حق کا | ہمیشہ کر توں تکرار اس سبق کا
ہمیں کیا چیز ہیں جب رب علام | رکھا ہے اوس کا ذکر العالمین نام
ملائک ذکر پر اوس کے ہیں قائم | رسولاں ذکر میں اوس کے ہیں دائم
غرض ملک و ملک میں جو ہیں اشیاء | ہیں اوس کے ذکر میں سرمست و شیدا

اس کے بعد آگاہ معجزات کا ذکر کرتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں کہ جو بات حدیث میں سند نہ رکھتی ہو اس کا پڑھنا اور پڑھانا حرام ہے۔ معجزات کے بیان کے شروع میں مولانا نے دیگر پیغمبروں (علیہم السلام) کے

---

[1] سنہ تصنیف مولانا آگاہ نے اس طرح بیان کیا ہے:

تھے بارہ سو کے اوپر چھ برس جب
ہوا یہ نسخہ دل کش مرتب

ہشت بہشت ورق ۲۶۸ ب۔

معجزوں سے حضورؐ کے معجزوں کا تقابل کیا ہے۔ پھر معجزہ کی حقیقت اور اس کے مفہوم اور معنی سے بحث کی ہے۔ اور معجزہ، کرامت، معونت، استدراج اور اہانت کے فرق کو واضح کیا ہے۔ پھر قرآن کریم کو "اعظم معجزات سرور عالمؐ" قرار دیا ہے۔ آگاہ نے معراج کو بھی معجزات نبویؐ میں شامل کیا ہے۔ شاعر کے نزدیک حضورؐ کے اعجاز میں آپ کا جمال با کمال، آپؐ کے اخلاق حسنہ، آپؐ کی فصاحت، بلاغت، حشمت وغیرہ بھی شامل ہیں۔ جنھیں علیحدہ عنوانات کے تحت درج کیا گیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض حال اس طرح کیا ہے:۔

میں اب کرتا ہوں اپنا عرض احوال / کرم سے سن اسے اے بحر افضال
تو بے شک رحمۃ اللعالمین ہے / دو جگ میں تو شفیع المذنبین ہے
ہے تیرا جود وہ باران رحمت / ہے رشحہ ایک جس کا سب یہ خلقت
مچی ہے ایسی تیرے فیض کی دھوم / کہ شیطان بھی نہیں ہر گز اس سے محروم
رسولاں تیرے یکسر خوشہ چیں ہیں / ملک در پر ترے سر بر زمیں ہیں
تو سب کا اصل ہے سب فرع تیرے / تو سب کا نور ہے سب شمع تیرے
ملک اور ملک میں جتنے بڑے ہیں / ترے سب آستانے پر کھڑے ہیں
ہیں تیرے خوان کے مہمان سارے / ہیں تیرے مہد کے سب شیر خوارے
منابر عالم ملکوت کے سب / تھے تیرے ذکر طیب سے مطیب
توں ہے وہ آفتاب اوج وحدت / کہ ظاہر تجھ سے ہیں ذرات کثرت
جو ہیں ملک و ملک میں سب کے سرتاج / پہنچنا تیرے پاس ان کو ہے معراج
بلیغان عرب سب نارسا ہیں / ثنا میں تیری اہل فرس کیا ہیں[۵۱]

---

[۵۱] ہشت بہشت ورق ۲۶۸ ب و ۲۶۹، الف و ب۔

مولانا آگاہ نے ثنائے نبیؐ کو بہت طول دیا ہے۔ جس کے چند اشعار اوپر پیش کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد حضورؐ کی بارگاہ میں اپنی کوتاہیوں کا اعتراف رقت آمیز انداز میں کیا ہے۔

نہیں اس کمترین میں بوئے ایمان سر نو سے مجھے کر تو مسلمان
بآن رحمت کہ شد از خوش نصیبے یاں مخصوص آں مرد نجیبے[۵۱]

شاعر کی تمنا ملاحظہ ہو۔

تری منزل میں کر میرا ٹھکانا کر اپنے پائنتی میرا سرہانا[۵۲]

آگاہ کو اپنی ذات سے زیادہ امت محمدیؐ کا خیال ہے۔ چنانچہ وہ حضورؐ کی امت کی مشکلات کو بارگاہ رسالت میں مشکل کشائی کے لئے پیش کرتے ہیں۔ اس میں حالی کی قومی شاعری کی وہ خصوصیت پائی جاتی ہے جس میں مسلمانوں کی درمان طلبی کے لئے حضورؐ سے درخواست کی گئی ہے۔

کدھر جائیں کہ یہ لشکر ہیں تیرے اگر ہیں نیک و بد چاکر ہیں تیرے
شفیع المذنبین سن ان کی زاری کر اپنے لطف سے اب ان کی یاری
تو اپنے دین کا ہے آپ حامی ہے میری عرض یہ از راہ خامی[۵۳]

شاعر اپنے لئے قربت رسولؐ کی التجا کرتا ہے۔ اپنی اولاد، اپنے بھائی اور دوستوں کے لئے بھی الطاف و عنایت کی خواستگاری ہے۔

مولانا آگاہ نے امت محمدیؐ کے لئے جہاد کی استدعا اس

---

۵۱ ہشت بہشت ورق ۲۷۱، الف ۵۲ ہشت بہشت ورق ۲۷۱ ب
۵۳ ہشت بہشت ورق ۲۷۱ ب و ۲۷۲، الف۔

طرح کی ہے:

زبان سے تیغ سے دل سے قلم سے
رہیں تائید میں دن رات دین کے

کر اپنے دین کا تو بول بالا
کر او سکے دشمناں کے منہ کو کالا[1]

عورتوں کے جوہر عفت، حیا، اور پاکبازی کا آگاہ کو کتنا خیال ہے۔ وہ اپنی التجا میں اس طبقے کو بھی نہیں بھولے۔ اس کے ساتھ بچوں کی صحیح تربیت کی اہمیت کا بھی شدید احساس ہے۔

تو ہو عصمت کا آپ اون کی نگہبان
دے اون کوں دین کی توفیق ہر آن

جہاں لگ ہیں تری امت میں اطفال
سعادت مند کر اون کوں بافضال[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے بارگاہ ایزدی میں آگاہ کی کی التجا بھی اسی خلوص، سادگی اور اثر کی آئینہ دار ہے۔

تصدق سے محمدؐ کے الٰہی
مسلماناں کی قائم رکھ توں شاہی

تصدق سے نبیؐ کے حیّ و قیوم
مچا عالم میں اوس کے دین کی دھوم

رکھ اوس کے عشق میں یوں ہم کوں سرشار
کہ جان و تن کریں ہم اوس پر بلہار

تصدق میں محمدؐ کے خدایا
دے دونوں جگ میں ہم کوں اوسکا سایہ

حیات و موت کر ملت میں اوس کی
ہمارا حشر کر امت میں اوس کی

بحمد اللہ ہوا یہ نسخہ آخر
بحق مصطفےٰؐ سالار فاخر[3]

---

[1] ہشت بہشت ورق ۲۷۲ ب۔

[2] ہشت بہشت ورق ۲۷۲ ب۔

[3] ہشت بہشت ورق ۲۷۲ ب۔

۸۔ من جیون — من جیون[1] کا سنہ تصنیف ۱۲۰۶ھ ہے اور ابیات کی تعداد ۸۱۸ ہے۔ جو کتاب کے آخر میں اس طرح درج ہے۔

بارہ سو اوپر تھے چھے برس — یہ نسخۂ خوش ہوا مرتب
ابیات سب اسکے دل آرا — بے ریب ہیں آٹھ سو اٹھارہ[2]

اس رسالے میں تین فصلیں ہیں۔ فصل اول میں حضور مقبول صلعم کی محبت کی فرضیت اور اس کی علامات کا ذکر ہے۔ فصل دوم میں درود کی فضیلت کا بیان ہے اور تیسری فصل میں فضائل و آداب، زیارت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون ہے۔ حسب معمول آگاہ نے رسالے کی ابتدا، حمد و نعت کے مضامین سے کی ہے۔ حمد کے مضمون میں شاعر نعت کا رنگ پیدا کرتا ہے۔ اللہ کی تخلیق کی تعریف میں ثنائے محمدی اس طرح کی ہے:۔

لایا تو اک آفتاب وحدت — جس سے نہ رہی جہاں میں ظلمت
لایا تو یک ایسا ابر رحمت — جس سے نہ رہی کہیں بھی عسرت
لایا تو یک ایسا روح اعظم — پایا ہے حیات جس سے عالم
ایسا تو چراغ یک لگایا — دل جس سے ترا سراغ پایا
یعنی شہ دو جہان محمدؐ — سرمایۂ جسم و جان محمدؐ
طاعت ہے تیری اطاعت اسکی — قربت ہے تیری محبت اسکی

---

[1] من جیون رسالہ کا زیر نظر نسخہ مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی ہے۔ اس سلسلہ میں صفحات کے جو حوالہ جات ہوں گے وہ اسی نسخے سے ہوں گے۔

[2] ہشت بہشت مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی صفحہ ۲۰۷۔

جو اس کی رضا تیری رضا ہے — حکم اس کا ہے تیری قضا ہے
بات اس کی ہے وحی تیری مطلق — شان اسکی ہے تیری شان الحق
طالب اس کا تیرا ہے مطلوب — تابع اس کا تیرا ہے محبوب[۵۱]

پھر آگاہؔ نے حضرت غوث پاک اور اپنے شیخ کی مدح کی ہے۔ فصل اوّل میں رسول کریم صلعم کی محبت کے وجوب کو اس طرح بیان کیا ہے:

اس سرور دین کی محبت — واجب ہے سبھوں پر در حقیقت
جتنی ہے محبت اسکی اے جان — اتنا ہی کمال دین و ایمان[۵۲]

قرآنی مضامین کے ساتھ احادیث کے مضامین بھی حب رسول ؐ کے سلسلے میں بیان کئے ہیں۔ پھر صحابۂ کرام رضؓ کی محبتِ رسول صلعم کے حیات بخش واقعات نظم کئے ہیں۔ جو مختلف عنوانات کے تحت ہیں۔ مثلاً

(۱) حکایت صحابہ انصاری کہ مرد میدان محبت بود رضی اللہ عنہا
(۲) حکایت زید بن دفنہ و خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہما
(۳) حکایت سعد بن ربیع و مصعب بن عمیر رضؓ
(۴) حکایت اطفال مدینہ
(۵) در بیان دوست داشتن جماد و نبات و حیوان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔
(۶) در بیان آثار و علامات محبت سید موجودات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات
(۷) در بیان آنکہ تبعیت آں حضرت صلی اللہ وسلم افضل علامات است۔

---

۵۱ ہشت بہشت مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی صفحہ ۱۶۹ - ۱۷۰۔
۵۲ " " " " ۱۷۳۔

حبِ رسولؐ کو اتباعِ رسولؐ کے رنگ میں دیکھنا ایسی حقیقت شناسی ہے جس پر تعمیرِ حیات کا دارومدار ہے۔ رقت آمیز جذبات کی پرورش اپنی لطافت میں ایک حد تک قابلِ ستائش ضرور ہے لیکن اگر زندگی محبتِ رسولؐ میں اتباعِ رسولؐ کی نعمت سے محروم ہے تو جذب و حال کی ساری کیفیتیں بے نتیجہ ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اس رنگ میں پیش کرنا درحقیقت نعتِ رسولؐ کا اہم اور بنیادی مقصد ہے۔ مولانا باقر آگاہ نے اس خصوص میں نعت گو شعراء کے لئے اچھا نمونہ چھوڑا ہے۔

تبعیتِ شاہ با کرامات | ہے افضل و اکمل علامات
جتنی تجھے اس کی پیروی ہے | نسبت وہ وداد کی قوی ہے[۵۱]

فصل سوم میں حضورؐ کی زیارت کے فضائل اور آداب کا بیان ہے جو اثر میں ڈوبا ہوا ہے۔ آگاہ کے اس بیان میں فطرۃً شعری کیفیت غالب ہے۔ دیارِ حبیبؐ کے ذکر سے شاعر کا دل اُچھلتا ہے، اور وہ لقائے حضورؐ کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے۔

بیٹھا ہے تو کیا چل اے برادر | طیبہ کی طرف قدم کر از سر
گر پاؤں کے چلنے میں الس ہے | تو آہ کا تیرے پاؤں بس ہے
مژگان سے کر اپنے اس کا سکان | اور پردۂ چشم بادبان جان
یا رنگِ بریدہ سے ہو دمساز | کر اسکی ہوا میں جلد پرواز
در مشربِ عاشقان حیران | ہے فرض زیارت اسکی اے جان
مرقد سے زمین ہے اسکی پرنور | اور ہوں میں اس سے آہ مہجور

---

۵۱ ہشت بہشت مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی صفحہ ۱۸۱۔

کیوں سر سے قدم نہیں گیا ہیں ۔۔۔ روضے طرف ہیں اس کے نین گیا ہیں
بے شک مجھے گھیرلے ہے حرمان ۔۔۔ گر بیٹھوں میں دور اس سے یک آن [۱]

اس کے بعد زیارت کی فضیلت کے بیان میں احادیث کے مضامین نظم کئے ہیں، آخر میں بارگاہ رسالت سے نظر عنایت کی التجا ان الفاظ میں کی ہے۔

اے آئینہ دار نور وحدت ۔۔۔ اے صبح بہار واحدیت
اے لطف ترا دو جگ کا آدھار ۔۔۔ اے تیرے کرم کا جلوہ ہر ٹھار
ہے علم و عمل سے جن کو افلاس ۔۔۔ کونین میں ان کو ہے تیری آس
تخصیص تباہ کار مجھ سا ۔۔۔ بن تیرے نہیں کچھ اس کو آسا
بایں ہجوم اضطراری ۔۔۔ کرتا ہوں میں تیرے پاس زاری
پکڑا ہوں میں تیرا آستانہ ۔۔۔ بن تیرے نہیں مجھے ٹھکانا
تو اپنی عطا و رحمت سے ۔۔۔ کر مجھ کو نہال عاقبت سے
گر جلوہ کرے گا مہر تیرا ۔۔۔ جاویگا یہ سب مبرا اندھیرا
منہ اپنے کرم کا مجھ سے مت موڑ ۔۔۔ اس درد و بلا میں مجھ کو مت چھوڑ
دکھلا شفقت کا ایک جذبہ ۔۔۔ تو کھینچ مجھے بہ سوئے طیبہ [۲]

مولانا باقر آگاہ نے سیرت نبی صلعم کے مضامین کو نظم کرنے میں صحت روایت کا کماحقہ خیال رکھا ہے۔ ہم ان کے کلام پر مضامین کے نقصان سے شعریت کا غلبہ نہیں پاتے۔ جذبات کا اظہار ہے تو وہ بھی

---

[۱] ہشت بہشت مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی صفحہ ۲۰۲۔۲۰۳۔
[۲] " " " حیدری بمبئی صفحہ ۲۰۷۔۲۰۸۔

حسب موقع و محل۔ آگاہ نے زبان علم و فہم استعمال کی ہے۔ جو مقامی رنگ لئے ہوئے ہے اس لئے کہ "ہشت بہشت" کی تصنیف کا مقصد بھی انھوں نے یہ قرار دیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسے پڑھیں اور حضورؐ کی سیرت پاک کو اپنی زندگی میں بسائیں۔ اس لحاظ سے اگر ہشت بہشت کی زبان اس دور کے مذاق کی تشفی نہیں کرتی تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ شاعر خود بھی اس کا دعویٰ نہیں کرتا۔

ایک بڑی خصوصیت "ہشت بہشت" کی یہ ہے کہ ایک عرصے سے حضورؐ کے حالات سے متعلق غلط روایات شہرت پا رہی تھیں۔ چنانچہ آپؐ کی ولادت، معراج وغیرہ کے سلسلے میں بہت سی خیالی باتیں داخل ہو گئی تھیں۔ مولانا باقر آگاہ نے ان کی تردید کی اور صحیح حالات کو نظم کر کے اصلاحی اور تبلیغی دونوں خدمات انجام دیں۔ "ہشت بہشت" کا مقام اس لحاظ سے بھی نعتیہ ادب میں نہایت اہم بالشان ہے۔

باب پنجم

نظیر اکبر آبادی

ولی محمد نام اور نظیر تخلص۔ والد کا نام محمد فاروق تھا۔ نظیر کی تاریخ پیدائش کو متعین نہیں کیا جا سکتا۔ رام بابو سکسینہ کا خیال ہے کہ ان کی پیدائش اس زمانے میں ہوئی جبکہ نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کیا۔ اس لحاظ سے وہ میر و سودا کے معاصرین میں شمار ہوں گے لیکن چونکہ ان کا انتقال سنہ ۱۸۳۰ء میں ہوا اس لئے انہیں قدماء کے دور سے متعلق نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ انہیں متقدمین اور متوسطین شعرائے دہلی کی صف میں اس لئے بھی شامل نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا رنگ زبان، انداز بیان، مضامین اور آزادہ روی ان دونوں ادوار سے مختلف ہے۔

نظیر باپ کے لاڈلے تھے اس لئے کہ ان کے بارہ بچوں میں ایک یہی زندہ بچے تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے دلی پر حملہ کیا تو نظیر اپنی والدہ اور نانی کو لے کر آگرہ چلے گئے اور محلہ تاج گنج میں جا بسے۔ یہیں ان کی شادی ہوئی۔

ان کی طبیعت میں قناعت تھی ۔ اس لیے دربارداری سے پرہیز کیا۔ نواب سعادت علی خاں نے بلایا لیکن توجہ نہ کی۔ پہلے متھرا میں معلم ہوئے پھر آگرہ میں لالہ بلاس رام کے بیٹے کو سترہ روپے مشاہرے پر پڑھایا۔ آخر عمر میں فالج کے شکار ہوگئے اور ۱۶ اگست سنہ ۱۸۳۰ء کو انتقال کیا۔

نظیرؔ اکبرآبادی نے گوناگوں موضوعات سے اپنے کلام کو سنوارا ہے۔ ان میں مذہبی شاعری کو بھی مختلف عنوانات سے جگہ دی ہے۔ چنانچہ ان کے کلام میں حمد باری، مناجات، نعت، منقبت حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ، مدح سلیم چشتی، عیدالفطر، شب برات اور اس نوع کے کئی عنوانات شامل ہیں۔ نظیرؔ نے نعت زیادہ نہیں کہی۔ تاہم اس اعتبار سے کہ اس دور میں نعت کا رواج زیادہ تر رسمی پایا جاتا تھا، نظیرؔ کی نعت گوئی کو غنیمت جانتے ہوئے ان کے نعتیہ رنگ کو نمونتہً پیش کرنا مناسب ہے۔

نظیرؔ نے نعت میں ایک خمسہ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ صفت کلمہ کے عنوان کو "بیان کلمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" قرار دے کر اس میں نعت کا مضمون پیدا کیا ہے۔ ساتھ ہی منقبت میں بھی نعتیہ اشعار شامل کئے ہیں۔ مثلاً حضرت علیؓ کی منقبت کے اشعار کی ابتداء اس طرح کی ہے:

کروں کیا وصف میں ان کا الم ناک　　　کہ جن کی شان میں آیا ہے لولاک
پھرا جو عرش اور کرسی پہ چالاک　　　کہاں وہ اور کہاں میرا یہ ادراک
چہ نسبت خاک را با عالم پاک

محمدؐ رحمتہ اللعالمین ہے　　　حبیب حقؐ شفیع المذنبیں ہے
رسول پاکؐ ختم المرسلین ہے　　　کوئی ایسا خدائی میں نہیں ہے
لگا تحت الثریٰ سے تا بہ افلاک

محمدؐ اور علیؓ یاقوت احمر — دُرِ بحرِ خدا خاتونِ اطہر
زمرد لعل ہیں شبیرؑ و شبّر — جواہر خانۂ قدرت کے اندر
یہی پانچوں گہر ہیں پنجتن پاک ۵۱

نعتیہ مخمسہ سے نمونہ کلام درج ذیل ہے:

تم شہ دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفےٰؐ — سرگروہ مسلمیں ہو یا محمد مصطفےٰؐ
حاکم دین متین ہو یا محمد مصطفےٰؐ — قبلہ اہل یقین ہو یا محمد مصطفےٰؐ
رحمۃ اللعالمین ہو یا محمد مصطفےٰؐ ۵۲

نظیرؔ نے شروع سے آخر تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ جن میں کوئی خصوصی رنگ نہیں ہے۔ البتہ کلام کی رنگینی سلاست، سادگی اور روانی حسب معمول یہاں بھی پائی جاتی ہے:

تم ظہور اولیں ہو یا محمد مصطفےٰؐ — ہمدم جان آفریں ہو یا محمد مصطفےٰؐ
وجہ قرآن مبین ہو یا محمد مصطفےٰؐ — نزہت بستان دیں ہو یا محمد مصطفےٰؐ
زینت خلد بریں ہو یا محمد مصطفےٰؐ

آپ کا فضل و کرم کونین میں مشہور ہے — اور تمہیں ہر طور سے لطف و کرم منظور ہے
حشر میں گرچہ سزا ملنے کا بھی دستور ہے — کیا ہوا لیکن دل اس امید سے مسرور ہے
تم شفیع المذنبین ہو یا محمد مصطفےٰؐ ۵۳

نظیرؔ کے یہاں نعت کے مضمون میں کہیں عقیدت مندانہ بے اعتدالی

---

۵۱ کلیات نظیر اکبرآبادی مطبوعہ ۱۲۹۷ھ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ صفحہ ۳۷۔
۵۲ " " " " ۱۲۶۔
۵۳ " " " " ۱۲۶۔

نہیں ہے۔ شاعر آداب رسالت کو ہر جگہ ملحوظ رکھتا ہے۔ جہاں عقیدتمندی کا اظہار ہے تو بس اس حد تک کہ ذاتِ والا کے لطف وکرم میں امید کا سہارا ہے۔

مخبر صادق ہو تم اور حضرت خیر الورا | سرورِ ہر دوسرا اور شافع روزِ جزا
ہے تمہاری ذات والا منبع لطف وعطا | کیا نظیرؔ اک اور بھی سب کے مدد کا آسرا

یاں بھی تم واں بھی تمہیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ [۱]

"کلمہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم" میں نعت کا نمونہ یہ ہے:

اس کلمہ سے ہیں اے دل زمین وآسماں روشن
مہ وخورشید تارے عرش وکرسی لامکاں روشن
اسی کلمہ سے ہیں جنت کے باغ اور باغباں روشن
غرض جنت تو کیا اس سے تو ہیں دونوں جہاں روشن
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں اب یہ جو کلمہ ہے یہ حق کی خاص رحمت ہے
یہ صدقہ سے رسول اللہؐ کے ہم پر عنایت ہے
اسی سے یاں نظیرؔ عزت اسی سے واں شفاعت ہے
یہی سب مومنوں کے واسطے افضل عبادت ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا [۲]

---

[۱] کلیات نظیر اکبر آبادی صفحہ ۱۲۶ [۲] کلیات نظیر اکبر آبادی صفحہ ۱۳۸۔

بابِ ششم

متوسطین کا دَور

اس دَور کا نعتیہ کلام کم و کیف دونوں اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ حقیقت میں ادبی لحاظ سے نعت گوئی کے فروغ کی ابتدا، کا شرف اس دَور کو حاصل ہے۔ کرامت علی خاں شہیدؔی، مومن خاں مومنؔ، لطف علی خاں لطفؔ اور مولوی غلام امام شہیدؔ نے نعتیہ شاعری کو مستحکم بنیادوں پر رکھنے میں اپنی فطری قابلیت کو پرخلوص طور پر استعمال کیا۔ اس دَور کی پہلی خصوصیت کلام کی تاثیر ہے۔ جو اثر انگیزی اس زمانے میں نعتیہ کلام کو حاصل ہوئی، وہ اس سے پہلے کہیں نظر نہیں آتی۔ شہیدؔی نے نعت زیادہ نہیں کہی لیکن جو کچھ کہا اثر میں ڈوب کر کہا اور فنا فی الرسولؐ ہو کر کہا۔ یہاں تک کہ اس کا طائرِ روح ہجوم شوق میں گنبد مبارک کے نظارے کی بھی تاب نہ لا سکا۔ حضورِ رسالتؐ میں شہیدی کی اس طور پر باریابی نے نعت گوئی کے شوق کو اور بھی پر پرواز لگا دیئے۔ شہیدؔی کے کلام نے اس طرح تضمینوں کے لئے بھی دروازہ کھول دیا اور نعتیہ ادب بہر طور فروغ کی منزلیں طے کرنے لگا۔

لطف علی خاں لطف نے نعتیہ غزل میں اپنا رنگ جمایا اور جو کچھ کہا صرف حضورؐ کی نعت میں کہا۔ اس طرح غلام امام شہید ایک نیا رنگ لے کر اٹھے۔ انھوں نے والہانہ خلوص کا اظہار حضورؐ کی سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں کو پیش کر کے کیا اور نعتیہ کلام میں تنوع پیدا کیا۔ شہید کے یہاں نعتیہ کلام کی خوبیاں ہمہ گیر ہیں۔ وہ ایک تو شعری دلآویزی پیدا کر کے واقعات کو موثر انداز میں پیش کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ ان کے یہاں تشبیہوں اور استعاروں کی سادگی اور شگفتگی واقعات کو نہایت دلچسپ بنا دیتی ہے۔

اس دَور کی خصوصیات مختصراً یہ ہیں :-

(۱) زبان نہایت صاف، شستہ پائی جاتی ہے۔ تشبیہات اور استعارات کی ندرت اور رنگینی ہر دَور سے زیادہ ہے۔

(۲) نعتیہ شاعری کے رنگ تغزل میں فروغ کے آثار نمودار ہوئے۔

(۳) کلام میں اثر، خلوص اور معنویت زیادہ پائی جاتی ہے۔ ساتھ ہی خیالات میں تنوع اور انداز بیان میں بدرت بھی نمایاں ہے۔

(۴) دکنی دَور کے بعد متوسطین کے زمانے تک جو نعتیہ ادب میں خلا سا محسوس ہوتا ہے اس دَور نے نہ صرف اس کی تلافی کی بلکہ اسے ایک نیا رنگ بخشا اور اب نعتیہ شاعری جاندار ہو گئی۔

(۵) ایک عرصہ کی معاشرتی بدحالی کے بعد سیاسی اور معاشی تباہ حالی نے مذہبی رجحانات کو جھنجھوڑا اور اس طرح اس کش مکش نے مذہبی ادب کے فروغ کا سامان کیا۔

مولوی کرامت علی خاں شہیدی

مولوی کرامت علی خاں شہیدی (المتوفی سنہ ۱۲۵۶ھ) عبدالرسول خاں کے بیٹے اور بانس بریلی[1] کے رہنے والے تھے۔ لکھنؤ میں بڑے ہوئے اور وہیں پہلے[2] مصحفی (المتوفی سنہ ۱۲۴۰ھ) سے اصلاح لی اور ان کے بعد شاہ نصیر دہلوی (المتوفی سنہ ۱۲۵۴ھ) سے رجوع کیا۔ تذکرۂ مہر جہاں تاب میں ہے کہ وہ مجسٹریٹ میں ملازم تھے۔ وہاں کا روپیہ یار باشی میں اڑا ڈالا اس لئے ماخوذ ہونے کا خوف ہوا تو دفتر کے جس حصے میں خود رہتے تھے وہیں آگ لگادی اور ذاتی سامان کے ساتھ وہ دفتر بھی جل گیا جہاں حساب تھا۔ پھر کچھ دنوں تک دیوانے بنے رہے اور آخر میں حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ بھوپال، اجمیر، دہلی وغیرہ میں سیاحت کرنے لگے تھے۔ اور نواب مصطفٰے خاں شیفتہ کی صحبت میں بھی کبھی رہتے تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ نواب شیفتہ نے ان کے متعلق گلشن بے خار میں لکھا ہے کہ "در عروض دستگاہے معقول دارد"۔ سنہ ۱۲۵۵ھ میں حج کیا اور اس دوران میں ایک قصیدہ غرا لکھا جو اس طرح شروع ہوتا ہے:-

سر دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا
رقم پیدا کیا طرفہ بسم اللہ کے مد کا

اسی قصیدے کا یہ شعر مشہور خلائق ہے:-

---

1. ایک غزل میں بریلی کا ذکر اس طرح آیا ہے:

تیرے باعث ہوئی اے جان بریلی جو تھی
ہے جس کے شہر میں چین و چگل و کشمیر

بعض جگہ شہیدی کو اناؤ کا رہنے والا لکھا ہے۔

2. لیکن شہیدی کہتے ہیں:

سودا سے اس نے لی ہے شکر میر سے نمک
ہے طرفہ تر زبان شہیدی میں چاشنی

تمنّا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقیّد کا

حج کر کے جب مدینہ طیبہ جا رہے تھے تو راستے میں بیمار پڑے اور چار صفر سنہ ۱۲۵۶ھ کو جب وہ ایسے مقام پر پہنچے کہ وہاں سے روضۂ اقدسؐ نظر آرہا تھا تو انھوں نے حسرت سے نظر ڈالی اور ان کی وہ تمنا پوری ہوئی کہ:

ع۔ تمنّا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے

یہ قصیدہ صرف ۱۳۳ اشعار پر مشتمل ہے اور یہی قصیدہ (سوائے ایک نعتیہ غزل کے) شہیدی کا نعتیہ سرمایا ہے۔ لیکن حسن خاتمہ کی وجہ سے جو مقبولیت ان کو حاصل ہے اس کا اندازہ صرف اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب کبھی اردو کی نعتیہ شاعری کا ذکر آتا ہے تو شہیدیؔ کا نام عزت سے لیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ اس قصیدے میں فن کے لحاظ سے زیادہ خوبیاں نہیں ہیں۔ کچھ اشعار یہ ہیں:۔

دبستان ازل میں وہ معلم عقل کل کا تھا
نہ تھا نام و نشاں جن روزوں اس لوح زبرجد کا

چمن پیرائے کن فراش جس کی بزم رنگیں میں
بہار آفرینش ایک بوٹا اس کی مسند کا

عجم میں زلزلہ نوشیرواں کے قصر میں آیا
عرب میں شور اٹھا جس وقت اس کی آمد آمد کا

شرف حاصل ہو آدمؑ اور ابراہیمؑ کو اس سے
نہ تنہا فخر عالم، فخر تھا اپنے اب وجد کا

لے لیکن شہیدی نے غزل میں یہ مضمون باندھا ہے:
یں ہفتہ اول میں محرم کے مروں گا
دیکھیں کہ نہ وہ ہوں گے عزادار کئی دن

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

گز روحدت سے کثرت میں نہ ہوتا ذات مطلق کو
نہ بنتا صفر گر نقش احد پر میم احمد کا

رہا کعبے میں تیرے روضے کے در پر نہ جا پایئں
اسی اندوہ سے ہے رنگ تیرہ سنگ اسود کا

اس قصیدے میں نکتہ آفرینی صرف اسی طرح کی ہے ورنہ مضامین عام انداز کے ہیں۔ لیکن آخر میں جو عقیدت ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ لکھتے ہیں:۔

مدینے کی گلی کے گر نہ لائق ہو مرا لاشہ
کسی صحرا میں وال کے طعمہ ہوں ہیں دام و دد

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

خدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے
زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمدؐ کا

ان اشعار میں سے پہلے دو شعر جس عقیدت اور شیفتگی کے آئینہ دار ہیں اس کی مثالیں بہت کم نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دربار نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں شہیدی کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی ہے کہ طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ ان پر کبھی خیانت کا جرم تسلیم کیا جائے۔ شہیدی نے بھی اپنی شہرت[۱]

---

۱ ایک جگہ کہتے ہیں:۔

شہیدی کشتہ ہوں ان صاحبوں کی قدر دانی کا
سمجھتے ہیں کتاب آسمانی میرے دیوان کو

کے متعلق پیش گوئی کی تھی۔

بیٹھیں گے مثل تقویم کہن دیوان ہزاروں کے
ہوا عالم میں شہرہ میرے اشعار مجدد کا

یہ شعر اپنی شاعرانہ تعلّی کے باوجود حقیقت کا آئینہ دار ہے اور یہی وجہ ہے کہ شہیدی نے گو کہ نعت میں بہت کم لکھا لیکن محسن کاکوروی اور امیر مینائی نے بھی اسی ایک قصیدے پر اپنے قصیدے لکھے۔ شہیدی کی نعتیہ غزل صرف ایک ہے اور وہ بھی مشہور ہے۔

ہے سورۂ والشمس اگر روئے محمدؐ
والّیل کی تفسیر ہوئی موئے محمدؐ

جب روئے محمدؐ کی نظر آئی تجلی
سمجھا میں شب قدر ہے گیسوئے محمدؐ

کم ساتھ ہوا روئے نکو خوئے نکو کا
ہے نیک مگر روئے صفت، خوئے محمدؐ

ہے سرمۂ کوری میں نہاں دیدۂ بدبیں
جس دن سے عیاں ہے رخ نیکوئے محمدؐ

ماہ نو شوال سے عاشق کو نہیں عید
جب تک نظر آجائے نہ ابروئے محمدؐ

یعنی پوری غزل گیسو اور ابرو وغیرہ ظاہری محاسن کی تعریف میں ہے اور وہ اوصاف کہیں نہیں ہیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین ہوئے۔ مذہبی رنگ میں ایک رباعی بھی ہے :۔

عصیاں سے مراد ست اہل کو تہ ہے ہاں چشم شفیع کی طرف گہ گہ ہے
ذاکر کو ہے لا الہ الا اللہ کا شغل یاں ورد محمد رسول اللہ ہے

شہیدی کو نعت کا شوق غالباً اس وجہ سے بھی ہوا تھا کہ وہ سید تھے، جیسا کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، کی منقبت والے ایک[۵۱] قصیدے میں اس طرح کہا ہے :-

شہیدی مصطفٰےؐ کا لاڈلا حیدر کا پیارا ہوں
مجھے کیا خوف ہے بردہ ہوں میں شاہ شہیداں کا[۵۲]

غرض کہ نعت میں شہیدی کی سخن گستری صرف اس قدر ہے۔ لیکن مقبولیت خدا کی دین ہے۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء

مولوی کرامت علی شہیدی کے دیوان میں قصیدے، خمسے، غزلیں، رباعیات، مثنویاں اور قطعات بھی ہیں۔ فارسی شعراء میں سے فغانی بیدل، جامی اور حافظ وغیرہ کا ذکر ان کے کلام میں آتا ہے کہ ان کی تقلید کرتا ہوں۔ لیکن صرف جامی کی ایک نعتیہ غزل پر نعتیہ خمسہ لکھا ہے

---

۵۱ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں دو قصیدے لکھے ہیں جن کے مطلع یہ ہیں:
یہ قدرت لقب ہے میرے کلکِ گوہر افشاں کا بیاضِ صنع لک سادہ ورق ہو میرے دیوان کا
مرا سینہ ہے بیشہ، بود وباش شیر یزداں کا فضائے لامکاں سے قرب ہے میرے نیستاں کا

۵۲ شہیدی کا یہ مقطع سید حسن غزنوی (المتوفی سنہ ۵۵۶ھ) کے مطلع سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ جو اس طرح ہے :-
دانند جہاں کہ قرۃ عین پیمبرم شائستہ میوۂ دلِ زہرا و حیدرم

جو اس طرح شروع ہوتا ہے :۔

بادشاہی سو تو بہتر ہے مجھے رنج کشی ۔۔۔ شہد ہمت سے بھی شیریں ہے مجھے تلخ
عقل کل کو ہے تمنا مری دیوانہ وشی ۔۔۔ بے حبیب عربیؐ مدنی قرشی

کہ بود درد وغمش مایۂ صد عیش و خوشی

لیکن اردو شعراء میں سے شاہ نصیر اور عطاء حسین عطا کی ایک ایک غزل پر اور جرأت کی تین غزلوں پر خمسے[۵۱] لکھے ہیں اور حقیقت ہے کہ جرأت سے شہیدی کا رنگ زیادہ ملتا ہے گو کہ وہ جرأت کی طرح نہیں "کھلے" تھے۔ بیدل کا رنگ بھی وہ پسند کرتے تھے۔

اس غزل کی نہ ملی داد شہیدی مجھ کو
زندہ اے کاش مرے عہد میں بیدل ہوتا[۵۲]

اس لئے لکھنؤ کے رنگ میں شہیدی نے مشکل مضامین اور سنگلاخ زمینیں بھی اختیار کی ہیں۔ مثلاً :۔

"قمر کو ٹھے پر"۔ "شرر آتش"۔ "رنگ و شمع"۔ "دس کے"۔ "پیراہن کے پھول"۔ وغیرہ وغیرہ۔

لکھنؤ کے خارجی رنگ کی بھی مثالیں بکثرت ہیں۔ مثلاً :۔

---

۵۱ ایک خمسے میں ترجیعی مصرع یہ ہے :۔

ع عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

یہ وہی مصرع ہے جو خلافت کے زمانہ میں بہت مشہور تھا۔

۵۲ جامی کے متعلق کہتے ہیں :

لکھ شہیدی وہ غزل جس کے صلے میں تجھ کو ۔۔۔ مرشد جام سے ہر دم ملے انعام شراب

یقین ہے چاند کا دھوکا پڑے گا چہرے پر
ہے آج اس کے دوپٹے کا آسمانی رنگ

ننھے ننھے ہاتھوں پر کافی ہے گل مہندی کا رنگ
تو ابھی نادان ہے، کیا مہندی لگانا چاہیے

دکھایا اپنا روئے آتشیں جب اس ببھوکے نے
گمان بالی کی مچھلی پر ہوا مجھ کو سمندر کا

بعض مرتبہ ایک ہی غزل میں کئی شعر اس رنگ کے نظر آجاتے ہیں۔

وہ پری پہنے تھی کل رات طلسمات کا ہار
میں نے بھولے سے لیا اسکو جو چھو، ٹوٹ پڑا

صبح تک خوار پھرا شہر میں کلنٹے کے لئے
رات زاہد کا کنوئیں میں جو سبو ٹوٹ پڑا

لیکن اسی رنگ میں کہیں کہیں اچھے شعر بھی نظر آجاتے ہیں:

دن رہائی کے قریب آئے شہیدی شاید
خود بہ خود آج مرا طوقِ گلو ٹوٹ پڑا

شہیدی کثرتِ عصیاں سے مجھ کو خوف آتا ہے
سفر ہے دور کا اور دوش پر بار گراں باندھا ہے

حکیم مومن خاں مومنؔ

حکیم مومن خاں مومنؔ ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۰ء میں دہلی کے کوچہ چیلان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام حکیم غلام نبی خاں اور دادا کا نام حکیم نامدار خاں تھا۔ مومن کے کان میں اذان شاہ عبدالعزیز نے دی۔ اور نام بھی مولانا نے رکھا۔ گھر والوں نے حبیب اللہ نام رکھنا چاہا مگر مشہور مومن ہی ہوا۔

ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی۔ پھر حضرت شاہ عبدالقادر کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے۔ مومن کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ چنانچہ شاہ صاحب نے خود بھی حافظہ کی تعریف کی۔ درسیات سے فارغ ہو کر علم طب اپنے والد اور دونوں چچا حکیم غلام حسین خاں اور غلام حیدر خاں سے حاصل کیا۔ مومن علم نجوم اور رمل میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ شادی خواجہ محمد نصیر رنجؔ کی بیٹی سے ہوئی، جن سے ایک لڑکی سنہ ۱۲۵۹ھ میں پیدا ہوئی۔ مومن نے ۵۱ سال کی عمر پائی۔ سنہ ۱۲۶۸ھ سنہ ۱۸۵۱ء میں انتقال ہوا۔ موت کوٹھے سے گرنے کے باعث واقع ہوئی۔

حکیم مومن خاں مومنؔ کی نعتیہ شاعری میں ایک قصیدہ، ایک تضمین ایک مثنوی اور چند رباعیاں ملتی ہیں۔ آغاز غزلیات میں حمد کے ساتھ چند نعت کے شعر بھی کہے ہیں۔

مومنؔ نے اپنے نو قصیدوں میں سے ایک حمد میں ایک نعت میں اور چار خلفائے راشدین کی مدح میں کہے ہیں۔ اصحاب رسول کی مدح میں ثنائے رسولؐ کا مضمون بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ حمد میں بھی وہی صورت ہے۔ اس لحاظ سے مومنؔ کی شاعری میں نعتیہ کلام کی کمی نہیں ہے۔

اپنی چند خصوصیات کی بنا پر مومنؔ تغزل میں فرد ہیں۔ ان کے تغزل میں شاہد مجازی پر والہانہ فریفتگی انفرادی شان میں ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ شاعر اپنے ذاتی جذبات اور تجربات سے تخیل کو فروغ دیتا ہے۔ اس کی علمیت اور درد اس کو اور نکھار دیتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ عشق مجازی کی باتیں ہیں۔ جب مومنؔ بارگاہِ نبوی میں اسی جذبۂ عشق کو لئے ہوئے پہنچتے ہیں تو جذبات کو روکتے ہوئے طوفان کو سمیٹتے ہوئے، جمال عالم افروز کے جلال سے کانپتے ہوئے، باادب با ملاحظہ نغمہ سنجی کرتے ہیں۔ شاعر غلام اور آقاؐ کے حدود کو پہچانتا ہے اور اس کا احساس بھی شدت سے رکھتا ہے۔ وہ فقط ایک نظر کرم کے لئے بے چین ہے اور بس یہی اس کے عشق کا حاصل ہے۔ رسولِ کریمؐ کا عشق زار اپنے اس جذبۂ خلوص و عقیدت سے تعبیر کرنا بھی اس بارگاہ کے آداب کے خلاف سمجھتا ہے۔ مومن کی نیازمندی آقائے نامدار پر قربان ہو کر کسی عشق و محبت کے دعوے کو بے ادبی خیال کرتی ہے۔

ہوں تو عاشق مگر اطلاق یہ ہے بے ادبی
میں غلام اور وہ صاحب ہے میں امت وہ نبیؐ

یا نبیؐ یک نگہ لطف بہ امی و ابی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی[۱]

بارگاہِ نبویؐ کا جلال اور شاعر کے شوق کا تلاطم اس کے حواس کو پراگندہ

[۱] کلیاتِ مومنؔ: تضمین بر غزل قدسی در نعت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ صفحہ ۲۴۰۔

کر دیتا ہے اور وہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ کن الفاظ میں خلوص و عقیدت کا یہ ہدیہ پیش کرے۔ ثنائے نبیؐ کے لئے وہ آپ کو تہی داماں پاتا ہے اور اسے انتہائے مدح کے لئے بہتر سے بہتر الفاظ پر بھی ذم کا شبہ ہوتا ہے کہ وہ بڑی بارگاہ ہے۔

جوش میں شوق کے کچھ یاد رہی مدح نہ ذم
یہ نہ سمجھے کہ یہ کیا جائے ہے اور کیا ہیں ہم
خودستائی ہے زبس رسم فصیحان عجم
نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی[۱]

شاعر ہجر کا مضمون باندھتا ہے تو منتخب الفاظ کے ساتھ۔ وصل کے مفہوم کو "منزل مقصود" کی ترکیب میں بیان کرتا ہے۔ بے پایاں شوق کے ساتھ، سلجھی ہوئی ترکیبیں سلجھا ہوا انداز ملاحظہ ہو:

دشت عالم میں سراسیمہ گزاری اوقات — آج تک منزل مقصود نہ پائی، ہیہات
مدد اے خضر کرامت کہ نہیں پائے ثبات — ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات
لطف فرما کہ ز حد می گزرد تشنہ لبی[۲]

نخل بستان مدینہ کی سرسبزی میں مومن کا منطقی بیان بھی قابلِ داد ہے۔

صاحب خانہ سے ہوتا ہی مکاں کا اکرام — وہی جنت ہی جہاں میں ہو جہاں تیرا نام

---

[۱] کلیاتِ مومن: تضمین بر غزل قدسی در نعت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ صفحہ ۲۴۱
[۲] " " " " " " - " ۲۴۱

آب ہر چشمہ کرے کوثر و تسنیم کا کام　　نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام

زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیر یثربی

مومن نے ایک نعتیہ قصیدہ کہا ہے جس کے ۱۰۹ اشعار ہیں۔ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس　　کہ جیسے صبح شب ہجر نالہائے خروس

امیر مینائی نے بھی اسی زمین میں ایک قصیدہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلے میں لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

نشاط دہر سے ہو کس طرح نہ دل مایوس
کہ چار دن کی یہ مہماں ہے مثل شمع عروس

مومن کے قصیدے میں تمہید بہاریہ ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں:

چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس
کہ جیسے صبح شب ہجر نالہائے خروس

ہے اس طرح فرح انگیز کو کوئے قمری
کہ جیسے فوج مظفر کو شور و غلغل کوس

نوائے طوطی شکر فشاں کی لذت سے
سماع و رقص میں اہل مذاق جوں طاؤس

غبار صحن چمن کیمیائی عیش و نشاط،
بہار لالہ و گل سیمائے عرض سموس

صفا سے وہ در و دیوار باغ کا عالم
کہ آشیانہ میں دشوار طائروں کو جلوس

قصیدے کی تمہید میں شاعر نے بہار کا سماں باندھ کر سرسبزی اور

شادابی کا فروغ بتایا ہے۔ چمن کی شگفتگی کو روضۂ جنت سے بھی شگفتہ تر دکھایا ہے۔ یہاں تک کہ ہوائے سیر چمن زار کی مستی نے خلق کو بے تاب کر دیا ہے۔ شاعر شراب و مستی کے مضمون کو لے کر نعت کی طرف گریز کی راہ تلاش کرتا ہے اور بہار کی اس ہوا کا سررشتہ آخر مدینہ سے جوڑتا ہے۔

عجب ہوا ہے کہ فیض ہوا سے ہوتا ہے
شکم میں خستہ کے نشو و نما ہے اصل السوس
غریق آب خجالت ہوا کے فیض سے ہوں
کہ گل ہوا ہے مرا غنچۂ دل مایوس
ہوا ہے کونسی ایسی مگر مدینہ کی
دم مسیح کو ہے جس کی حسرت پابوس
شرف مدینہ کو جس سے ہے ہو نہ ہو وہ ہوا
جسے بناتے ہیں محبوب حضرتِ قدوس
جو خواب میں بھی کبھی دیکھتی جمال اس کا
نہ دیتی دل کبھی یوسف کو دختر طیموس
جو شمع بزم کہوں اس کے روئے تاباں کو
ہاں وہ ماہ بنے نور شعلہ فانوس
وہ کون احمد مرسل شفیع ہر دو سرا
جو خلق کا سبب اور باعث معاد نفوس
جہاں مطاع شہنشاہ آفتاب نشان
فلک سریر قمر طلعت فلک ناموس

نعت میں حسن تعلیل بکثرت ہے۔ جو شاعر کی بلند تخیل کا آئینہ دار ہے۔

خمیدہ کس لئے نہ آسمان بنے تے بھلا
نہ تھا ازل سے جو مد نظر ترا پابوس
بہا ہیں دیتی ہے ماہی دفینہ ہائے زمین
یہ پڑ گئی ترے سکے سے قدر تا بفلوس
ہے احتساب ترا مانع لباس حریر
نہ پھینک دیوے کہیں چرخ اطلس ملبوس

مومن نے قصیدہ میں لبی اصطلاحیں بھی استعمال کی ہیں مثلاً کابوس طبیب ۔ معالج ۔ جالینوس ۔ ابلاوس ۔ اقیوس وغیرہ ۔

باقی قصیدہ عام قصیدوں کے رنگ میں ہے ۔ شاعر نے اپنا مدعا یوں پیش کیا ہے ۔

شہا ستم ہے کہ تیرے مدیح خواں پہ کرے
ہزار گونہ ستم روزگار ناموس
کچھ انتہا بھی کواکب کے دورے جا کی
ہمیشہ ہے میرے طالع میں اجتماع نحوس

شکایت زمانہ کے ساتھ اپنے جوہر خداداد یعنی علوم وفنون کے خاک میں ملنے پر ماتم کیا ہے اور پھر تین دعائیہ اشعار پر قصیدے کو ختم کیا ہے ۔

خدا کے واسطے گرم دعا ہو بس مومن
کہ منتظر ہے ازل سے اجابت قدوس
ہے جب تلک گل وبر قسمت نہال وشجر
ہے جب تلک دل لالہ میں داغ حسرت دوس
مدام پھولے پھلے دوستوں کا نخل مراد
رہیں داغ عدو کا رہے دل مایوس

مومن کے قصائد میں علمی شان اور تخیئل کی بلندی پائی جاتی ہے۔ وہ مشکل زمین میں اچھے مضامین پیدا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ الفاظ اور ترکیبیں متانت سے خالی نہیں ہیں۔ ساتھ ہی مومن نے جو قصیدے لکھے وہ کسی منفعت کے خیال سے نہیں لکھے۔ اس لئے ان میں خلوص اور اثر پایا جاتا ہے۔ نو قصیدوں میں صرف دو مدحیہ ہیں جن میں ایک تو نواب ٹونک کی دعوت کے جواب میں اعتذار لکھا اور دوسرا راجہ اجیت سنگھ برادر راجہ کرم سنگھ رئیس پٹیالہ کے ہدیہ اور عزت افزائی کے شکریہ کے طور پر لکھا۔

مومن نے مثنویاں مختصر اور عشقیہ لکھی ہیں۔ جن میں واردات قلبی کا زیادہ بیان ہے جو حقیقت حال کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صحیح جذبات کی ترجمانی اور محاکات کی نادر مثالیں جو مومن کی مثنوی میں ملتی ہیں وہ نہایت بدیع ہیں اور مومن کی مثنوی نگاری کا یہ پہلو نمایاں ہے اور روشن ہے۔ یہاں موضوع کا لحاظ کرتے ہوئے صرف اس مثنوی سے بحث کی جاتی ہے جس میں حمد و نعت کا مضمون بیان کیا گیا۔ اس مثنوی میں مومن نے حمد کے بیان کو ساقی نامے سے ملا دیا ہے۔ اور شراب وحدت کے مضمون کو خوب پھیلایا ہے۔ ساتھ ہی انبیار کرام کی مدح بھی شامل ہے۔

وہ مے جس کا ساقی لب مرسلین　　　وہ مے جو مزا دے دم واپسیں
وہ مے جو پئے درد عیسیٰ دوا　　　وہ مے جس سے محروم اہل ہوا
وہ مے جس سے روح الامین کامیاب　　　وہ مے جس کو قدسی کہیں آفتاب
وہ مے جس سے سرشار جام فلک　　　وہ مے جس سے شیریں ہی کام ملک

وہ مے جس کی موجیں تجلیٔ طور وہ مے جس کے کف مہر و مہ کا ظہور

وحدت کے مضمون میں شان تنزیہ کا بیان اس طرح ہے :-

گل گلستان تنزہ نسیم نسیم ریاض تقدس شمیم
بہار چمن زار بے رنگ و بو تبسّم دہ غنچہ آرزو
ہیولیٰ طراز ندہ جز و کل نگارندۂ صورت خار و گل

حمد نہایت طویل ہے ۔ نعت بھی ساقی نامے سے شروع ہوتی ہے، لیکن براعت الاستہلال سے منعوت کا پتا فوراً چل جاتا ہے ۔ اس مثنوی میں نعت کے ۸۳/۱ اشعار ہیں ۔

پلا ساقیا جام کوثر مجھے خراب شراب ہدیٰ کر مجھے
وہ ذوق آشنا لذت افزا اثر کہ تسنیم ہو شرم سے جسکی آب
وہ مے جو کرے لوث عصیاں کو دور کہے جس کو خالق شراب طہور
وہ مے جس کی حور و ملک تشنہ کام وہ مے جو سوا احمدی کے حرام

وصف مے کے بعد شاعر نعت نبیؐ کی طرف گریز کرتا ہے :

خراب شراب سخن ہو قبول بنوں مے فروش ثنائے رسولؐ
محمدؐ سزائے ستائش گری مدح آفریں جس کی پیغمبری
دل ساکنان سپہر بریں سر انبیا، سیدالمرسلینؐ
وہ امی ولے نقش بند علوم کلام اس کے سب دلپسند علوم
یہ کیسے فنون اسکو حاصل ہوئے کہ سارے صحف نقش باطل ہوئے

نعت میں مومن نے قرآن اور حدیث کے مطالب کو نہایت خوبی سے نظم کیا ہے ۔ شفاعت اور اطاعت کے مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے :-

وہی شافع خلق روز جزا — اسی کی گذارش پہ عفو و سزا
نکو خواہ ساری اُمم کا وہی — وسیلہ نجات و کرم کا وہی
وہ ہے ساقی کوثر و سلسبیل — وہ ہے آبرو بخش عبد ذلیل
اسی کے مقلد کو جنت میں راہ — اس کی ضراعت پہ عفو گناہ
اسی کی اطاعت کا سارا حساب — محب پر عنایت عدو پر عذاب
نہ کیجے اگر حسب شرع رسولؐ — خدا کی بھی طاعت نہ ہووے قبول

مومن بیان کو منطقی رنگ دے کر دلیل سے اسے نہایت قوی اور ذہن نشین بنا دیتے ہیں۔ اس مضمون کو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قد کا سایہ نہ تھا، قوی دلائل کے ساتھ باندھا ہے اور اس ایک مضمون میں کئی مضامین پیدا کئے ہیں۔

جو وہ اوج ہو جلوہ گر پھر کہاں
ستاروں کی تاب آسمانوں کی شان

یہ تابش میں انجم کا پایہ نہیں
کہ ان کے ہے ظل اس کے سایہ نہیں

کدورت کہاں جسم اطہر ہے وہ
کہ نور محمد کا مظہر ہے وہ

نہ ہونے میں سایہ کے کیا بات ہے
یہ ادراک فخر کرامات ہے

نہیں یہ پذیرائی طبع سلیم
کہ حکمت سے خالی ہو فعل حکیم

لگا پوئے اندیشۂ چرخ ناز
رہے پائے بند طریق مجاز

حقیقت کھلی کچھ نہ اس بات کی
عبث سعی میں صرف اوقات کی

مگر جب خدا ہی سے کی التجا
تو ہاتف نے پیر خرد سے کہا

کہ اے نکتہ سنج سراپا شعور
نہ ہونا تھا سایہ کا اس کے ضرور

رہے تا شریروں کو باہم اجل
نظام جہاں میں نہ آئے خلل

اگر وہ سبب خلقِ افلاک کا
تو سایہ بھی باعث ہے اہلاک کا

اگر ذات وجہِ وجود اہم
تو سایہ ہے آباد ملکِ عدم

کیا عقل کل سے فلک نے سوال
کہ ہے مصدر گونہ گونہ کمال

محمدؐ کے سایہ نہیں کیا سبب
کہا اس نے مت پوچھ اس کا سبب

نہیں راز یہ قابل اظہار کے
کہ اصرار ہیں حفظ اسرار کے

ہوا جبکہ بہر ہدایت ضرور
کہ ہو جلوہ فرما زمیں پر وہ نور

گوارا نہ تھا بسکہ ہونا جدا
رہا سایہ حاضر حضور خدا

سائے کے مضمون سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ قدس میں محبوبیت کا مضمون پیدا کرنے میں مومن نے جو کمال دکھایا ہے اس کی مثال نعت گو شعراء کے یہاں کم ملتی ہے شاعر نے بیان کو تمثیل کا رنگ دے کر نہایت دلنشین اور دلآویز بنا دیا ہے۔

یہ ہے رسم تجھ کو نہیں کیا خبر | کہ رکھ چھوڑتے ہیں زمان سفر
مصور سے کھنچوا کے تصویر یار | برائے سکون دل بے قرار
مرے دل کی پوچھو تو ہے بات اور | یہ فکر اور سب کے خیالات اور
غلط یہ کہاں ذہن کا کام ہے | خود انصاف کیجئے تو الہام ہے
زبس سایہ تھا ہم شمار گناہ | نہ حاصل ہوا قرب عصمت پناہ

مومن نے قرآن اور حدیث کو پیش خاطر رکھتے ہوئے تمنائے محمدؐ میں جو نغمہ سنجی کی ہے وہ ان کی عالمانہ اور شاعرانہ دونوں کمالوں کی آئینہ دار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقیدت کی فراوانی کے باوجود انتہائی خلوص کے اظہار کے وقت بھی کلام میں کہیں بے اعتدالی نہیں پائی جاتی۔

مثبت فقط قول جن و بشر | گواہ نبوت شجر تا حجر
مطاع دو جہان و مطیع اللہ | سرفراز عبد جہاں بادشاہ
بہار ازل خاتم المرسلین | گل اولین زیر آخرین
کروں کس طرح میں شمار صفات | کہ ممکن نہیں انحصار صفات
کہاں میں کہاں مدح خیر الانام | علیہ الصلوٰۃ و علیہ السلام

راجہ مکھن لال مکھن

دکن کے اُردو شعراء میں راجہ مکھن لال کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ یہ مہاراجہ چندو لال (حیدر آباد) کی طرف سے عرض بیگی تھے۔ سنہ ۱۲۶۰ھ میں عمر خیام کی رباعیات کا منظوم ترجمہ رباعیات میں کیا۔ ان کا یہ کارنامہ ان کی علمی قابلیت اور شعری صلاحیت کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ راجہ مکھن لال کے شعری کارناموں میں ان کا نعتیہ کلام بھی ہے۔ ان کا زیرِ نظر قلمی دیوان کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ جس میں حمد، نعت اور منقبت پائی جاتی ہے۔ اس مجموعے میں نعت زیادہ ہے۔ حضرت معین الدین چشتی اور حضرت عبد القادر جیلانی کی مدح میں جو کلام ملتا ہے اس سے ہر دو بزرگوں کے ساتھ عقیدت کا ثبوت ملتا ہے۔ نعت کے بعد حضرت محبوب سبحانی کی شان میں مکھن نے زیادہ لکھا ہے۔ فارسی اور اُردو دونوں میں نعتیہ اشعار ہیں۔ کہیں کہیں ایک ہی نظم میں فارسی اور اردو اشعار ملے جلے پائے جاتے ہیں۔

زیرِ نظر دیوان کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول ۸۴ صفحات پر مشتمل ہے اور حصہ دوم کے ۵۲ صفحات ہیں جن میں زیادہ تر کلام فارسی میں ہے۔ اُردو نعت حصہ دوم میں نہیں ہے۔ حصہ اول میں ۴ مسدس ہیں۔ پہلے مسدس کے ۱۷ بند ہیں۔ دوسرے کے ۱۸، تیسرے کے ۲۹، اور چوتھے کے ۳۰ بند ہیں۔ تیسرے مسدس کے ابتدائی ۱۰ بند غائب ہیں۔ سولھویں بند میں صرف آخری مصرع درج ہے۔ ان کے علاوہ ایک مثمن اور ایک نعتیہ تضمین ہے۔ اردو کی نہ تو کوئی نعتیہ غزل ہے اور نہ رباعی۔

راجہ مکھن لال ان غیر مسلم نعت گو شعراء میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں جنھوں نے اپنے نعتیہ کلام میں رسالت مآب سے انتہائی خلوص اور عقیدت کا اظہار کیا ہے اور حضورؐ کے دامن رحمت میں پناہ کی امید باندھی ہو۔ مکھن کا کلام اس قسم کے مضامین سے پُر ہے۔ شاعر جگہ جگہ اپنے حالِ خراب کی چارہ گری کے لئے آپؐ ہی کو پکارتا ہے۔ اور جب نالہ و فریاد کے ساتھ بارگاہِ نبویؐ میں پہنچتا ہے تو نہایت ادب و احترام کو ملحوظ رکھتا ہے۔

صبح دم دل نے مجھ کو کر تعلیم — یوں کہا جاگ رائے، گناہگار اثیم
بسکہ تو نے کیا ہے جرم عظیم — جا پکڑ دامن شفیع رحیم
عرض کر بندگی بصد تعظیم — بول اپنا پکار حال سقیم
کر مدد مجھ پہ یا رسولِ کریم — تا نہ دیکھوں عذاب نار جحیم [۵۱]

شاعر نے فراق نبیؐ میں بیقراری اور التفائے حبیب کے لئے بیچینی کا اظہار اس طرح کیا ہے:

نہیں مجھ پر فراغت تاکہ میں پہنچو مدینے کو
رکھوں آنکھوں کے خاتم بیچ اس نوری نگینے کو
بنٹ اس آرزو میں تلخ میں سمجھا ہوں جینے کو
جو حاصل ہووے مطلب تم بتاؤ اس قرینے کو

نہ باشد غیر تو دیگر پناہم یا رسول اللہؐ
بکن لطف و کرم بر اشک و آہم یا رسول اللہؐ [۵۲]

---

۵۱ دیوان اوّل، مکھن لال، صفحہ ۱۳۔

۵۲ دیوان مکھن۔ صفحہ ۴، ۵۔

یہی ہے آرزو دل میں کہ دیکھوں یثرب و بطحیٰ
کرم سے یا نبی اللہ مجھے اوس جا پر پہنچا
کروں تا خاک تجھ درگاہ سے کحل البصر اپنا
اوس خاک مرتب بخشش میں مدفن بنے میرا
نباشد غیر تو دیگر پناہم یا رسول اللہؐ
بکن لطف و کرم بر اشک و آہم یا رسول اللہؐ [1]

اوصاف محمدیؐ کا بیان:

حمید و احمد و محمود تم ہو یا رسول اللہؐ
سعید و اسعد و مسعود تم ہو یا رسول اللہؐ
بہر آن و زمان موجود تم ہو یا رسول اللہؐ
دل و جان کے میرے مقصود تم ہو یا رسول اللہؐ
نہ باشد غیر تو دیگر پناہم یا رسول اللہؐ
بکن لطف و کرم بر اشک و آہم یا رسول اللہؐ [2]

جہاں مکھن نے حضورؐ کی محبت میں اپنے داخلی جذبات کا اظہار کیا ہے وہاں آپ کے محاسن کا بیان بھی ان کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ ان محاسن میں داخلی اور خارجی دونوں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل قرآن رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، ہادی راہ ہدیٰ وغیرہ حقیقی اوصاف کا بیان ہے۔ مکھن بارگاہ نبوی میں معروضہ بھی پیش کرتے ہیں تو ان اوصاف کا واسطہ

۱؎ دیوان مکھن، صفحہ ۳۔
۲؎ دیوان مکھن، " ۴۔

دیتے ہوئے، احسان کا ذکر کرتے ہوئے اور آپؐ کے رحمۃ عالم ہونے کو سہارا بناتے ہوئے۔ نعتیہ مسدس کے چند بند نمونتہً پیش کیے جاتے ہیں جن سے کلام کی جملہ خصوصیات واضح ہو جائیں گی۔

کیا نبیؐ اور کیا نبوت کی علی شان ہے
جس کی صورت سے ہویدا صورت رحمٰن ہے
ذات جن کی دو جہاں میں منبع احسان ہے
مدح میں ان کی مقصر طاقت انسان ہے
یا رسول اللہؐ تم پہ جان و دل قربان ہے
یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے

رحمۃ اللعالمین ہو یا نبی خیر الوریٰ
شاہد صادق تمہارے وصف کا قول خدا
ہو شفیع المذنبین اور ہادی راہ ہدا
کر کرم راہ سعادت پر مجھے ہو رہنما
یا رسول اللہؐ تم پر جان و دل قربان ہے
یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے

سورۃ والشمس ہے تجھ حسن عارض پر گواہ
زلف مشکیں تس پہ جیوں والیل ہے بے اشتباہ
آیہ انا فتحنا فتح میں ہے شمع راہ
قاتل حساد دین تم ہو تیغ لا الٰہ
یا رسول اللہؐ تم پر جان و دل قربان ہے
یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے[۱]

ہیں تمہارے نور کے یک ذرہ ماہ و آفتاب
بہرہ در تجھ خوان بخشش سے ہی دریا اور سحاب
انبیائے ماسلف تم سے ہوئے ہیں فیضیاب
رحم کر مجھ حال اوپر یا اخی بوتراب
یا رسول اللہؐ تم پہ جان و دل قربان ہے
یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے[۲]

---

[۱] دیوان مکھن صفحہ ۲۰، ۲۱۔ [۲] دیوان مکھن، صفحہ ۲۲۔

لطف علی خاں لطف

دیوان لطف سنہ ۱۲۷۹ھ میں مطبع نظامی کانپور میں چھپا تھا۔ لیکن اس سے پہلے بھی اس دیوان کا ایک ایڈیشن مطبع گلشن محمدی لکھنؤ میں چھپا تھا۔ موخر الذکر کے دیباچے میں یہ عبارت ہے:-

"......... یہ بندہ گنہگار امیدوار مغفرت ایزد غفار حاجی محمد قمر الدین ولد نظام الدین ابن عظیم الدین ...... قوم کمبوہ۔ سکن و مولد۔ شہر بانس بریلی۔ مرید حضرت سبحان شاہ صاحب زیداللہ عرفانہ قادریہ ونقشبندیہ مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ عبدالرشید صاحب نقشبندیہ کا ہے اور گیارہ برس سے بوجہ نسبت فرزندی بخاندان نواب مبارک علی خاں صاحب میرٹھ میں رہتا ہے۔ اس عاجز نے حسب اجازت مولوی حافظ محمد لطف علی خاں صاحب لطف بریلی، مطبع آئینہ اسکندر میں چھ سو پچیس جلدیں دیوان لطف کی چھپوائیں۔ جس نے دیکھا پسند کیا بجان و دل خریدار ہوا اور میں اس کی برکت سے مشتاق زیارت مکہ و مدینہ منورہ ہوا۔ مگر چونکہ سرمایہ نہ رکھتا تھا بطور وظیفہ مناجات مرقومۃ الذیل کو پڑھنا شروع کیا۔

مناجات دیوان لطف:-

شفیع الورا یا شفیع الورا ‎ ‎ مجھے بخشوا یا شفیع الورا

چند روز میں اثر ہوا کہ حسن اتفاق سے مولوی حاجی محمد علی خاں صاحب تحصیلدار گوڑہ جہاں آباد ضلع فتحپور سوہ ایک سال کی رخصت

لے کر مکہ معظمہ جانے کو تیار ہوئے۔ یہ عاجز بھی مع والدہ و ہمشیرہ ہمرکاب جناب ممدوح الالقاب ہوا اور وہ میرے کفیل اور مددگار ہوئے۔ فتح پور سے کلکتہ تک بسواری شکرم اسپ اور وہاں سے جہاز میں .... ایک نسخہ دیوان لطف کا داخل بیت اللہ شریف میں کرا کے اور ایک جلد کتب خانے میں بھی دیوان کی رکھ کر مدینہ شریف کو روانہ ہوا۔ بارہ روز میں بزیارت روضۂ منور آں حضرتؐ کے مشرف ہوا۔ ایک دیوان لطف کو کتب خانہ اور ایک جلد کو داخل کرا کے ہمراہ لایا۔ یہ دیوان لطف مطبوع عام و مقبول انام ہوا۔ ...."

اس مطبع گلشن محمدی لکھنؤ کے ایڈیشن کے آخر میں یہ عبارت ہے:۔

"ایں دیوان در نعت شریف سرورِ دو جہاں محبوبِ رب العالمین تصنیف محمد علی لطف خاں عاشق و معشوق یزداں۔ ساکن بریلی محلہ سوداگران۔

قطعہ تاریخ از مصنف:۔

رسول اللہؐ کی مدحت سے اے لطف ۔۔۔ مرتب نعت کا دیوان ہوا آج
صدا یہ غیب سے آتی ہے پیہم ۔۔۔ مرتب نعت کا دیوان ہوا آج

سنہ ۱۲۷۰ ہجری

صاحب شعر الہند لکھتے ہیں کہ "قدماء کے دور میں نعت و منقبت کے لئے صرف قصائد مخصوص تھے۔ اور مومن اور غالب نے انھی کی تقلید کی۔" (شعر الہند حصہ دوم صفحہ ۱۹۳)۔ اگر اسے اس طرح کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا کہ اس دور میں نعت اور منقبت کے مضامین زیادہ تر قصائد میں بیان کئے جاتے تھے اس لئے کہ سودا کے یہاں ہم نعتیہ غزل بھی پاتے ہیں۔ اس

کے علاوہ مثنوی کی تمہید میں نعتیہ اشعار ایک دو نہیں مستقل نعت کے طور پر ملتے ہیں۔ مومن نے بھی تقلیداً نعت میں نہ صرف قصیدہ کہا بلکہ مثنوی، تضمین اور رباعیاں بھی لکھی ہیں۔ البتہ جن شعراء نے نعت کو اپنے کلام میں مستقل حیثیت دی اور اس میں وسعت پیدا کی وہ غلام امام شہید کے ساتھ لطف علی خاں لطف ہیں۔ لطف نے نعت گوئی کو شاعری کے لیے مخصوص کر لیا۔ چنانچہ تذکرہ مہر جہاں تاب میں لطف کے بارے میں لکھا ہے: "دیوانش بتمامہا در نعت"۔

لطف یہ شہرت ہوئی عالم بدولتِ نعت
ہر کوئی کہتا ہے کہ مداح رسول اللہ ہے[۵۱]

لطف نے غزلیں زیادہ لکھی ہیں۔ جن کی تعداد ۲۰۱ ہے۔ ان کے علاوہ ۹۷ اشعار کا ایک طویل سراپا ہے۔ نیز ایک خمسہ اور قطعہ ان کے دیوان میں شامل ہیں۔ دیگر نعت گو شعراء کی طرح لطف نے نعتیہ کلام کے ساتھ منقبت کو بھی شامل کیا ہے۔ چنانچہ ان کے دیوان میں خلفائے راشدین اور پنجتن کی منقبت میں کئی اشعار ملتے ہیں۔ حضرت غوث الاعظمؒ سے بھی عقیدت مندی کا اظہار ہے۔ لطف کی شاعری کا موضوع تمام تر نعت رہا ہے اور جو مناسبت طبعی انھیں وصف رسولؐ سے رہی ہے۔ اس کا اظہار انھوں نے اپنے کلام میں جا بہ جا کیا ہے۔ مثلاً

میری وہ فکر رسا ہے وہ ہوں طبیعتِ دار ۔۔۔ ازل کے روز سے لکھتا ہوں نعت کے اشعار[۵۲]

---

۵۱ دیوان لطف۔ سراپائے آں سرورِ کائنات۔ مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی سنہ ۱۳۰۱ھ صفحہ ۵۵
۵۲ " " صفحہ ۵۸۔

روز ازل ہی لکھ گیا تقدیر میں میری　　مداح ہو گا شافع روز شمار کا[۵۱]

۱- لطف ذکر نبیؐ کو عشق نبیؐ کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ "حقیقت میں شاعر کی نعت گوئی کیا ہے یہی نغمات عشق ہیں۔

اے لطف نعت گوئی میں یہ مرتبہ ہوا　　مجھ کو حصول عشق حبیب خدا ہوا

عشق ہے اے لطف مجھ کو احمد مختار سے　　شغل ہو دن رات نعت سید ابرار سے[۵۲]

پھر نعت گوئی کی توفیق کو بھی الطاف قدسی کا نتیجہ قرار دیا ہے جو اس بارگاہ کی بڑی دین ہے۔

لطف الطاف خدا ہوتا ہی جس شاعر پہ　　بخدا ہے وہی مداح پیمبر ہوتا[۵۳]

لطف کو نعت گوئی کے سہارے کیا کیا امیدیں وابستہ ہیں:

دیکھنا راضی ہی کر لوں گا خدا کو اے لطف　　حشر کے روز محمدؐ کی ثنا کر تعریف[۵۴]

جہاں جذبۂ عشق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی وابستگی کا دعویٰ ہے وہاں اس بارگاہ کی عظمت کے پیش نظر یہ خیال بھی ہے کہ دعویٰ غلامی بھی کیوں کر کیا جائے۔

محبوب خدا ہے وہ رسولوں کا نبیؐ ہے
دعوائے غلامی بھی وہاں بے ادبی ہے[۵۵]

لطف نے ثنائے نبیؐ میں اپنے عجز کے مضمون کو اکثر نظم کیا ہے:

---

۵۱ دیوان لطف صفحہ ۳۔
۵۲ " " ۵۳۔
۵۳ " " ۱۰۔
۵۴ " " ۳۲۔　　۵۵ دیوان لطف، صفحہ ۵۲۔

داب لی ہے منہ میں اپنے صورت غنچۂ زبان
ہم نے قرآں میں ترے وصف وثنا کو دیکھ کر[۵۱]

اگرچہ وصف پہ اس کے ہراک کو ہے اصرار
مگر ہوا ہے نہ پورا نہ ہو کبھی زنہار[۵۲]

وہ ہے مدیح خدا اس کا ہے خدا مداح
بشر کی جان لکھے نعت سیدِ ابرار

خداوند دوعالم ہے تیرا مداح قرآں میں
تری تعریف لکھنے کی کہاں طاقت ہے انساں میں

خالق ارض وسما آپ ہو جس کا مداح
ایسے ممدوح کی ہو عبد سے کیونکر تعریف[۵۳]

لطف نے مدح نبیؐ کو اپنی شاعری کے لئے کیوں مختص کیا، اس کا جواب ان کے کلام میں ملتا ہے۔ انھوں نے طبع کی اس میلان کو ظاہر کرتے ہوئے شیفتگی کے مضمون اور عشق محمدی کے صلے کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔

طبع کہتی ہے کہ وصف قد بالا کیجئے
طائر سدرہ سے اب بحث کا دعویٰ کیجئے
روز و شب مدحت صحرائے مدینہ کیجئے
خلد میں رہنے کی صورت کوئی پیدا کیجئے

---

۵۱ دیوان لطف: صفحہ ۲۴۔ ۵۲ دیوان لطف: صفحہ، ۲۵۔
۵۳ " " : " ۲۷۔ ۵۴ " " : " ۳۲۔

سر کے بل ہند سے اب قصد مدینا کیجئے
بخت برگشتہ کو اس راہ سے سیدھا کیجئے

دل میں عشق رخ پر نور کو پیدا کیجئے
زنگ آلودہ ہے آئینہ مصفّا کیجئے

کیا ہی پیارا ہے ترا نام خدا اسم شریف
حرز جاں کیجئے تعویذ گلے کا کیجئے

جس نے سونگھا عرق جسم معطر یہ کہا
عطر یہ سونگھیے، خوشبو یہ لگایا کیجئے

جیتے جی آتش دوزخ ہے بجھانی گو لطفؔ
یاد میں احمد مختارؐ کی رویا کیجئے [۵۱]

شہیدی کی تمنا کی باریابی اور اس کی اجابت شاعر کی عاقبت بالخیر کا حیرت انگیز اور قابل رشک ثبوت ہے[۵۲]۔ اکثر نعت گو شعراء نے شہیدی کے مقدر کی کامرانی پر رشک کے مضامین باندھے ہیں۔ لطفؔ نے بھی اس کا اظہار اس شعر میں کیا ہے :-

---

۵۱ دیوان لطف: صفحہ ۵۱

۵۲ تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

خدا جانے شہیدی نے یہ شعر کیف جذب اور خلوص میں کہا تھا کہ ۳ صفر ۱۲۵۶ھ کو ان کی یہ تمنا پوری ہوئی۔ جب وہ حج کر کے ایسے مقام پر پہنچے کہ وہاں روضۂ اقدس نظر آرہا تھا تو انھوں نے حسرت سے نظر ڈالی اور طائر روح نے پرواز کی۔

پہنچا نہ آپؐ کے درِ اقدس تلک پہ لطف   ہیہات مرتبہ نہ شہیدی عطا ہوا[۵۱]

شاعر کی دعائے اجابت بھی اس وابستگی کا اظہار ہے۔

فقط امیدِ اجابت پہ ہے ثنا خوانی   قبول ہوں میرے اشعار یا رسول اللہؐ[۵۲]

۲۔ مومن کی طرح لطف نے اپنے تخلص سے اکثر فائدہ اٹھایا ہے اور اس کی مناسبت سے مضمون باندھا ہے۔ مثلاً

نبیؐ کی مدح کرنے کے قابل نہ تھی میری زبان ہرگز
مگر اے لطف یہ لطفِ خدا لطفِ پیمبر ہے[۵۳]

اب لطف بات تب ہے کہ میدانِ حشر میں
خالق کہے کہ لطف ہے دیوانۂ رسولؐ[۵۴]

تصور سے عجب ہی لطف میں ہے لطف ان روزوں
کہ ہے وصلِ نبیؐ حاصل اسے شبہائے ہجراں میں

بخدا لطف بڑا لطف ہو گر جنت میں
کفش برداری حضرتؐ کی ہو خدمت ہم کو[۵۵]

لیکن جیسا کہ کلام کے نمونے سے ظاہر ہے یہاں وہ بات نہیں جو مومن نے پیدا کی۔

۳۔ لطف کے کلام میں رعایتِ لفظی کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں۔ یہاں تک کہ کسی غزل میں تو شروع سے آخر تک شاعر کے پیش نظر لفظی

---

۵۱ دیوان لطف: صفحہ ۶۔   ۵۲ دیوان لطف: صفحہ ۴۶۔
۵۳ " " : " ۵۱۔   ۵۴ " " : " ۳۵۔
۵۵ " " : " ۳۸۔

مناسبت اور صناعی ہے جس میں کوئی جاذبیت نہیں پائی جاتی۔

ہوں میں بلبل باغ وصف احمدؐ مختار کا
سو زبان رکھتا ہے ہر پتا مرے گلزار کا

عشق ہے جس کو جناب سید ابرار کا
لطف حاصل ہوگا اسکو لطف کے اشعار کا

وصف جب گلزار میں چشم مبارک کا کیا
خواب آنکھوں سے اڑایا نرگس بیمار کا

وسوسے شیطان کے بے شمشیر ہوں دم میں فنا
وصف حضرتؐ کے لکھوں گر ابروئے خمدار کا

دفتر کونین سے ہوگا وہ رہتے میں فزول
کل نہ ہو گر جزو بھی نعت احمد مختار کا

اک جہاں جس بادشاہ دوجہاں کا ہے غلام
مجھ کو بھی کر دے گدا یارب اسی سرکار کا

قبلۂ حاجات دو عالم ہے تیری ذات پاک
کعبۂ مقصود ہے تو زاہد و دیندار کا

۴۔ اس دور تک ہم نعت گو شعراء کے کلام کی یہ خصوصیت نمایاں طور پر پاتے ہیں کہ ان کے یہاں وہ بے اعتدالیاں نہیں پائی جاتیں جو عقیدت کی فراوانی میں اکثر بعد کے نعت گو شعراء نے اپنے کلام میں پیدا کی ہیں۔ لطف نے صفات محمدیؐ میں احمد بلا میم کے مضمون کو باندھنا چاہا بھی ہے کہہ کر خاموش ہو گئے کہ

میم احمد کے نہ کرنا راز کو افشاں کہیں — بند کر اے لطف منہ اپنا حد کے واسطے[۱]

۵[۱] دیوان لطف : صفحہ ۴۸ ۔

یا اگر بہت کچھ کہنا چاہا تو اس حد تک کہ

اے لطف وہ محبوب خداوند جہاں ہے — جو کچھ کہو وہ سب ہے سزاوار محمد[۵۱]
حق تو یہ ہے کہ جو بہتر سے ہی بہتر تعریف — میرے مولا کی وہ کمتر سے ہی کمتر تعریف

اس کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے لئے شاعر آداب کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب الفاظ استعمال کرتا ہے اور مضمون کو اس لحاظ سے سنوارتا ہے۔ حقیقت میں نعت ہی میں تغزل کا جو رنگ لطف نے پیش کیا ہے وہ بعد کے نعتیہ غزل گو شعراء کے لئے جادۂ اعتدال پر قائم رکھنے کے لئے اچھا نمونہ تھا۔ ساتھ ہی ان کے یہاں نعت میں خارجی متعلقات حسن کا بیان شعر کو اس کے محاسن کے مرتبے سے گرنے نہیں دیتا۔ دراصل حسن صورت کا بیان نعت کا ایک اہم جزو ہے۔ چنانچہ نعت گو شعراء نے سراپے پر بڑی توجہ صرف کی ہے۔ لطف نے اس خصوص میں اتنی احتیاط ضرور برتی کہ عشق و محبت کے جذبات کے ساتھ یہ مضامین بیان میں لائے ہیں تو وہ عام خارجی مضامین کے رنگ میں نہیں ہیں بلکہ مقام مصطفائی کے شایان شان ہیں۔ الفاظ اور ترکیبوں کا استعمال بھی محل وقوع کے مناسب ہے۔ تغزل اور متعلقات حسن کے بیان کی یہ صورت اکثر نعت گو شعراء کے یہاں نہیں پائی جاتی۔ ان کی اس بے احتیاطی نے کلام کو بلاغت سے محروم کرنے کے علاوہ نعت کو اس کے مرتبہ سے گرا دیا۔ لطف کا کلام ان معائب سے پاک ہے۔ مثال کے طور پر ابرو کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

تیغ ابروئے مبارک کا جہاں طالع ہی — جس کو دیکھو بھر رہا ہی دم اسی شمشیر کا[۵۲]

---

۵۱ دیوان لطف۔ صفحہ ۲۰۔ ۵۲ دیوان لطف : صفحہ ۵۸۔

سر مبارک کا ذکر ہے :-

سر جناب ہے سترِ خدا سے کب خالی — بھرے ہیں سر بسر اس سر میں غیب کے اسرار
یہ سر وہ ہے کہ کیا جس پہ ابر نے سایہ — یہ سر وہ سر ہے رہی جس پہ رحمتِ غفار
کہ ایک سر کا یہی سر ہے سر بسر افسر — اسی کے آگے جھکا تا ہی سر ہر ایک سردار[1]

لطف کے کلام میں جگہ جگہ رعایت لفظی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان گزرے ہوئے اشعار میں شروع سے آخر تک صنعت تجنیس کا استعمال کیا ہے۔

وصف زلف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم :-

سنو حضورؐ کے اب زلف مشکبار کے وصف
جو اس کو سنبل جنت لکھوں تو ہے بے کار
اسی کی شان میں وَالَّیل کا ہوا ہی نزول
اسی کو دیکھ کے اسلام لائے ہیں کفار
بجز خدائے زمین و زمن خدائی سے
ہوا ہے وصف سر مو نہ ہوئے گا زنہار[2]

چشم مبارک :-

اب ان کی چشم مبارک کا دل سے وصف سنو
ازل سے جن کی خدائی ہے طالبِ دیدار
جو ہوشیار کو دیکھا بنایا مست الست
جو دیکھا مست ہے کم ظرف کر دیا ہشیار
نگاہ لطف و عنایت ہوئی جو مشرک پر
تو صاف اوس کو کیا کفر و شرک سے بیزار[3]

---

۱ دیوان لطف : صفحہ ۵۸ ۔ ۲ دیوان لطف : صفحہ ۵۹ ۔
۳ " " : " ۵۹ ۔

وصف چشم مبارک میں سارا مضمون اسی قسم کا ہے پھر بینی مبارک ریش مبارک وغیرہ کے وصف کو بھی اسی رنگ میں پیش کیا ہے۔

(۱) تیرے رخسار قمر رشک کا ہے جب سے خیال
جوں کتاں چاک ہے ہر سینے کا پردا محبوب[1]

(۲) دل یہ کس خورشید رو کے تل پہ مائل ہو گیا
جو سویدا کو قمر کا نور حاصل ہو گیا
قامت موزون حضرت کے لکھے اکثر جو وصف
نغمہ سنج شاخ طوبیٰ طائر دل ہو گیا

۵۔ لطف کے کلام میں زیادہ تر داخلی جذبات کا اظہار ہے۔ شاعر کے تخیل کی والہانہ سرمستی، جذب، کیف۔ اور اظہار عقیدت، صفات کو کما حقہ، بیان میں آنے نہیں دیتی۔ لیکن وصف سے کلام خالی بھی نہیں ہے۔ ولادت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے علاوہ ان کے کلام میں ایسی مثالیں ہیں کہ لطف یکے بعد دیگرے آپ کی فضیلتوں کے بیان سے کلام کو سنوارتے جاتے ہیں۔ مثلاً

باعث پیدائش خلق خدا پیدا ہوئے
پیشوا و مقتدیٰ و رہنما پیدا ہوئے

نور سے اسلام کے عالم منور ہو گیا
واہ کیا بدر الدجےٰ صل علیٰ پیدا ہوئے

نور سے جن کے ظہور عالم امکان ہوا
وہ زمین پر رونق ہر دو سرا پیدا ہوئے

عاصیوں کو ہاتف غیبی یہ دیتا ہے نوید
خوش ہو خوش ہو شافع روز جزا پیدا ہوئے

ہر پیمبر جس نبیؐ کی ہے نبوت کا گواہ
اب وہ ختم المرسلین و انبیاء پیدا ہوئے[2]

---

[1] دیوان لطف، صفحہ ۱۵ [2] دیوان لطف : صفحہ ۵۶۔

دوسری جگہ ولادت کا بیان اس طرح کیا ہے۔

آج فخر انبیا صلی علیٰ پیدا ہوئے　　شافع روز جزا صلی علیٰ پیدا ہوئے
زینت ارض و سما صلی علیٰ پیدا ہوئے　　رونق ہر دوسرا صلی علیٰ پیدا ہوئے
حامد و محمود و احمد خاص ہی جن کا لقب　　وہ محمد مصطفےٰ صل علیٰ پیدا ہوئے
حضرت آدم سے جن حضرت کا تھا پہلے ظہور　　اب وہ ختم الانبیا صل علیٰ پیدا ہوئے
نور سے جن کے ہوئی تھی آتش نمرود سرد　　آج وہ نور خدا صل علیٰ پیدا ہوئے [۱]

اس طرح شاعر نے شب معراج لوائے حمد وغیرہ کے ذکر سے ستائش رسولؐ کی ہے۔

اس رنگ کے چند اشعار یہ ہیں :-

تمہیں ہو رونق ہر دوسرا خاص　　تمہیں ہو زینت ارض و سما خاص
خدا کے نور سے پیدا ہوا ہے　　تمہارا نور اے نور خدا خاص
خدا کو کس نے دیکھا ہی سنا ہے　　تمہیں حاصل ہوا یہ مرتبہ خاص
شفاعت عاصیوں کی تم کروگے　　تمہیں ہو شافع روز جزا خاص
خدا کا راستہ تو نے بتایا　　تو ہی ہادی ہے رہبر رہنما خاص [۲]

لطف نے جگہ جگہ داخلی جذبات اور خارجی محاسن کے ملے جلے مضامین میں تشبیہوں اور استعاروں سے بیان میں لطافت پیدا کی ہے۔

ہے چشم تصور میں جو گیسوئے محمدؐ　　دل قبلہ نما کعبہ ہے ابروئے محمدؐ
ہے فرح رواں نکہت گیسوئے محمدؐ　　بیار اہے رگ جان سے ہر اک موئے محمدؐ
سنبل میں نہیں نکہت گیسوئے محمدؐ　　گل میں نہیں رنگ رخ نیکوئے محمدؐ
ہے شوق فزائے دل و جان روئے محمدؐ　　رہئے دل و جان کیوں نہ رہے سوئے محمدؐ
ہوں بلبل شیدائے گل روئے محمدؐ　　ہوں قمری سرو قد دل جوئے محمدؐ

---

[۱] دیوان لطف : صفحہ ۵۷۔ [۲] دیوان لطف : صفحہ ۲۹۔

پروانے بنیں طائر دل اہل نظر کے
دو شمع سر طور ہیں بازوئے محمدؐ

شق القمرؐ انگشت کا ہے ادنیٰ اشارہ
اے صل علیٰ قوت بازوئے محمدؐ

پیشانی انور سحر عید ہے لاریب
مومن کو شب قدر ہے گیسوئے محمدؐ

رخ شمع سر طور ہے قامت شجر طور
شاخ شجر طور ہیں بازوئے محمدؐ

سجدہ صف عشاق کو لازم ہے اسی سمت
محراب عبادت ہیں ابروئے محمدؐ

نہ طاق ازل خم ہیں ازل سے پئے تسلیم
ہیں صل علیٰ کیا خم ابروئے محمدؐ

اک جوہر آئینہ سویدا نظر آیا
جب دل میں ہوا جلوہ نمارُوئے محمدؐ

سایہ نہیں جو جسم مطہر کا یہ ہے وجہ
اک نور مجسم ہے سراپائے محمدؐ

طوبیٰ کی بلندی پہ جو یہ فخر ہے رضوان
دیکھا نہیں کیا قامت رعنائے محمدؐ

ہو شمع لحد شمع تو لائے محمدؐ
ہو نقش لحد نقش کف پائے محمدؐ [۱]

وصف مدینہ میں بھی شاعر کا وہی رنگ ہے :-

گویا زبان بہر سخن ہائے مدینہ
روشن ہے نظر بہر تجلائے مدینہ

آہوئے مدینہ ہے نظر حور سے خوش چشم
کیا غیرت فردوس ہے صحرائے مدینہ

ہے نور محمدؐ سے زمین مہر جہاں تاب
اور خط شعاعی ہے شجر ہائے مدینہ

گو گلشن فردوس ملا رہنے کی خاطر
کہتا ہوں بصد یاس مگر ہائے مدینہ

---

[۱] دیوان لطف : صفحہ ۲۱ ، ۲۲ -

ہے گوشہ سے کم شش جہت گلشن امکاں
کیا عرض کروں وسعت صحرائے مدینہ

ہے باغ جہاں غم میں تری وادی حرماں
اے غیرت گلشن چمن آرائے مدینہ

کیا گلشن ایجاد ہے دیکھوں نہ سوئے خلد
ہاتھ آئے اگر دامن صحرائے مدینہ

عقیدت کی فراوانی اور مذہبی جوش کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور ذرہ نوازی کے مضامین لطفؔ کے کلام میں کثرت سے ملتے ہیں۔ مثلاً

عشق رخ رسولؐ میں کھوئی جو میں نے جان
تن سے نکل کے بن گئی بوئے گلاب روح [۵۱]

کوکب بخت مرا چرخ سعادت کا ہے نجم
تیری لکھتا ہوں جو اے مہر منور تعریف

باغ فردوس ہی خالق سے صلہ میں لیں گے
حشر میں کوچۂ پرنور کی پڑھ کر تعریف [۵۲]

بولے خوش ہو کر پیمبر ان خوشا ایسی مرگ ۔۔۔ یاد احمد میں مجھے لطفؔ جو دیکھا غمناک [۵۳]

---

۵۱ دیوان لطفؔ : صفحہ ۱۹ ۔ ۵۲ دیوان لطفؔ : صفحہ ۳۲ ۔
۵۳ " " : " ۳۳ ۔

جان کر اس جانِ جاں کو شافع روز جزا
خوف محشر نے کیا دل سے کنارا ان دنوں[1]

کیوں کرنہ شوق نعت رسالت مآب ہو
سب شاعروں میں لطف تمہیں باریاب ہو[2]

لے چلے ہیں اس جہاں سے داغ عشق مصطفےٰ
اور اب کیا چاہیے روز جزا کے واسطے

گور کی گرمی سے گھبرایا جو مداح رسولؐ
کھل گئی جنت کی کھڑکی بس ہوا کے واسطے[3]

کیسی حجت کر رہے تھے گور میں منکر نکیر
چل دیے چپکے جناب مصطفےٰ کو دیکھ کر[4]

بھروسا ہے مجھے بخشش کا حضرت کی شفاعت پر
نہ توبہ پر نہ تقویٰ پر نہ محنت پر نہ طاعت پر[5]

۷۔ اس لیے شیفتگی، بیتابی اور بے قراری کے مضامین بھی بہ کثرت پائے جاتے ہیں:

راہی ہوا ہوں کعبۂ مقصود کی طرف
دیکھوں تن آگے جائے کہ پہنچے شتاب روح

رکھتا ہے دل جو گیسوئے حضرت کا سلسلہ
زندان تن میں کھاتی ہے کیا پیچ و تاب روح

۱؎ دیوان لطف: صفحہ ۳۷۔ ۲؎ دیوان لطف: صفحہ ۴۳
۳؎ " " ۴۸۔ ۴؎ دیوان لطف صفحہ ۲۴۔ ۵؎ دیوان لطف، صفحہ ۲۳۔

للّٰہ اب تو آکے مسیحائی کیجیے
ہوتی ہے مثل جسم فنا اے جناب روح[۱]

عشق احمد نے بنایا ہے مجھے دیوانہ آج
فرض و واجب ہے ادائے سجدۂ شکرانہ آج
ہے شراب عشق احمد سے مجھے خود رفتگی
طاق سے اترے نہ ساقی شیشہ و پیمانہ آج[۲]

سنتا نہیں ہوں میں بجز افسانۂ رسولؐ
دیوانۂ رسول ہوں دیوانۂ رسولؐ[۳]

خاک ہو جاؤں گا گر عشق شہ لولاک میں
بوئے کافور جناں آئے گی میری خاک میں[۴]

جس روز عاصیوں کا حساب و کتاب ہو
پائے نبی کی ہاتھ میں میرے رکاب ہو[۵]
سرمہ کیا نہ آنکھ کا یثرب کی خاک کو
برباد یا خدا دل خانہ خراب ہو
ہم سر نہ آستان نبی سے اٹھائیں گے
سو گردشیں ہوں چرخ کی لاکھ انقلاب ہو
اک دم گر آپ چشم عنایت سے دیکھ لیں
کشت امید کو مری بجلی سحاب ہو

---

[۱] دیوان لطف، صفحہ ۱۹۔ [۲] دیوان لطف۔
[۳] " صفحہ ۳۴ [۴] دیوان لطف صفحہ ۳۹ [۵] دیوان لطف صفحہ ۴۳۔

عاشق ہوا ہے بندہ بھی تیرے حبیبؐ کا
چاہے عذاب ہو کہ الٰہی ثواب ہو

عشق نبیؐ میں لطف جو بیدار ہم رہیں
ہنگامۂ روز حشر کا آنکھوں کو خواب ہو[۱]

جلنا مجھے قبول غش آنا مجھے قبول
اے رشک شمع طور ذرا بے نقاب ہو[۲]

اے فلک لے چل مدینہ کو خدا کے واسطے
دل تڑپتا ہے حبیبِ کبریا کے واسطے[۳]

چاندنی چھٹکی ہوئی آنکھوں میں ہے مثل نگاہ
خواب سے چونکا ہوں اک بدرالدجیٰ دیکھ کر

بعد مردن گر مدینہ سے فرشتے لے گئے
آگ لگ جائے گی جنّت کی فضا کو دیکھ کر[۴]

۸۔ مذہبی جوش بھی لطف کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے:

خموش بیٹھے ہو کیا مومنو درود پڑھو
شفیع روز جزا پر پڑھو درود پڑھو

تمام جسم میں خوشبو ملو درود پڑھو
مشام جاں کو معطر کرو درود پڑھو

اگر خدا کے ہو طالب تو پہلے لازم ہے
رسُول پاک کو راضی کرو درود پڑھو

اگر حضور کی مدِ نظر حضوری ہے
حضورِ قلب سے اے دوستوں درود پڑھو

جو اس حبیب کا مدِ نظر نظارہ ہے
پڑھو درود پڑھو عاشقوں درود پڑھو

یہ کون بزم ہے کس کا ہے ذکر لطف یہاں
ادب سے بیٹھو ادب سے اٹھو درود پڑھو[۵]

---

[۱] دیوان لطف، صفحہ ۴۳، ۴۴ [۲] دیوان لطف: صفحہ ۴۴۔
[۳] ،، ،، صفحہ ۴۷ [۴] دیوان لطف، صفحہ ۲۴ [۵] دیوان لطف صفحہ ۴۲۔۴۱۔

نواب اختر محل اختر

اختر تیموریہ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ طبیعت نیک اور طبیعت شعر و شاعری کے لئے موزوں پائی تھی۔ ان کی شاعری کا خاص موضوع نعت و منقبت رہا۔ انتقال سنہ ۱۸۷۶ء میں ہوا۔

اختر کے کلام کے متعلق عبد الباری آسی کی رائے ہے کہ "لفظ لفظ سے مشق کلام کا پتہ چلتا ہے۔"[۵]

قدسی کی مشہور نعتیہ غزل پر اختر نے جو تضمین کی ہے اس سے شاعرہ کے کلام کے محاسن کا اندازہ ہوتا ہے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے:-

---

لہ تیموریہ خاندان کی ایک اور شہزادی کیفی کی نعتیہ تضمین قدسی کی مشہور غزل پر ملتی ہے۔ کیفی کا انتقال سنہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:

کس کا منہ ہے جو کرے مدح تری میرے نبیؐ — نعت اطہر میں ہو جب شخص ذکی محض غبی
حبذا ذات تری مایۂ حاجت طلبی — مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

حق تعالیٰ نے کیا آپ کو ابرِ اکرام — تجھ سے خندان ہے لب غنچہ امید آدم
ہیں شجر اور حجر غرق سحاب انعام — نخل بستان مدینہ ز تو سر سبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں لقبی

(تذکرہ شاعرات اُردو)

۵ تذکرہ شاعرات اُردو۔ مؤلفہ محمد جمیل احمد۔ مطبوعہ بریلی الکٹرک پریس سنہ ۱۹۴۴ء

تجھ پہ قربان ہوں اے ہاشمی و مطلبی ‏ کہ ہے مشہور دو عالم تری عالی نسبی
دیکھ رتبہ کو ترے شوکت افلاک ‏ مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

وہ ترا نور ہے ماہ فلک و مہر کرم ‏ تیرے جلوے سے منور ہوئے دونوں عالم
تاب یوسف کو کہاں ہو کہ ترے دیکھے قدم ‏ من بیدل بہ جمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدین بوالعجمی

سب سے پہلے کیا پیدا ترا اللہ نے نور ‏ پردۂ ذات میں اس نور کو رکھا مستور
اور اس نور کا اظہار ہوا جب منظور ‏ ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی

قدسیاں آنکھیں بچھاتے ہیں ترے زیر قدم ‏ خاک پا تیری زبس سرمۂ چشم عالم
بخش دیجو میری تقصیر تو اے شاہ امم ‏ نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

سختی حشر سے گھبرائیں گی جب مخلوقات ‏ اور نہ بن آئے گی اے ابر کرم کوئی بات
انبیا سب تجھے کہدیں گے کہ اے ابر نجات ‏ ماہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات
لطف فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی

ہو گئی لہو و لعب ہی میں مری عمر بسر ‏ یاد خالق میں نہ مصروف ہوئی میں دم بھر
گھستی ہوں ناصیۂ عجز کو ترے در پر ‏ چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

درد عصیاں کے سبب سے ہے مری جان چلی ‏ اور بچنے کی نہیں سوجھتی تدبیر کوئی
عرض اختر کی بھی قدسی کی طرح سے ہے یہی ‏ سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی [۵۱]

---

۵۱ تذکرہ شاعرات اردو: صفحہ ۱۶۰، ۱۶۱ -

جو نمونہ اختر کے کلام کا ہمارے پیش نظر ہے اس سے پختگی، بے ساختہ پن، متانت اور قوت شعری کا پتا چلتا ہے ۔ شاعر نے تضمین میں قدسی کے بعض مصرعوں کو اس طرح ملا دیا ہے کہ وہ اسی کا جزو معلوم ہوتے ہیں اور اس کا محل استعمال اس سے بہتر سمجھ میں نہیں آتا ۔ مثلاً :

اور اس نور کا اظہار ہوا جب منظور
ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور

یا یہ کہ :

انبیاء سب تجھے کہدیں گے کہ اے ابر نجات
ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات

مولوی غلام امام شہید

"والد کا نام مولوی شاہ غلام محمد۔ قصبہ امیٹھی ضلع لکھنؤ وطن تھا۔ عربی و فارسی کے بڑے عالم تھے۔ فارسی کا آغا میر محمد اسمٰعیل مازندرانی سے حاصل کی تھی۔ نظم فارسی میں مرزا قتیل کے شاگرد تھے، اردو میں شیخ مصحفی کے۔ ایک عرصے تک صدر نظامت آگرہ میں سررشتہ دار رہے۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں سرسید احمد خاں بھی نوکر ہو کر آگرہ آ گئے۔ مولانا شہید، سرسید اور دیگر مشاہیر آگرہ کی صحبتیں گرم رہتی تھیں۔ شہید کی ترک ملازمت کے بعد ہندوستان کے مشاہیر، امراء و رؤسا، ان کی خدمت کرتے تھے۔ نواب کلب علی خاں والئ رام پور، سر سالار جنگ وزیر اعظم حیدر آباد، سعید عالم خاں رئیس سورت ان کے بڑے قدر دان تھے۔ حیدر آباد سے ۳۰۴ روپیہ سالانہ نذرانہ مقرر ہو گیا تھا جو آخر عمر تک ملتا رہا۔ یہ سب قدر دانیاں شہید کے عشق و محبت رسول اللہؐ کی برکتیں تھیں۔ ان کی شیفتگی اور فدائیت اس درجہ پہ پہنچ گئی تھی کہ بجز نعت شریف لکھنے اور پڑھنے کے اور کوئی شغل نہ تھا۔ اسی سبب سے مداحِ نبیؐ و عاشق رسولؐ کے مبارک القاب سے مشہور تھے۔ اطراف ہندوستان میں ضلع آگرہ و مراد آباد و رام پور و الہ آباد و دکن میں شہید نے صدہا شاگرد و مرید چھوڑے۔ پیرانہ سالی میں انتقال کیا۔ تاریخ ولادت و وفات معلوم نہیں۔ فارسی میں قصائد و غزلیات وغیرہ کا ضخیم کلیات شہید کی یادگار ہے۔ اُردو میں انشائے بہار بے خزاں ان کے خطوط و مضامین کا مجموعہ ہے جو سنہ ۱۸۶۶ء میں مرتب ہ

وشائع ہوا۔ دوسری کتاب محفل میلاد النبیؐ میں پڑھنے کے لئے تصنیف کی جو مولود شریف شہید کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی اور اتنی مرتبہ چھپی کہ اس کی اشاعتوں کا شمار دشوار ہے۔ آج تک رائج وشائع ہے۔ اس کے ایک ایک فقرے ایک ایک روایت ایک ایک شعر سے شہید کا عشق و ولولہ جوش و شوق سوز و درد مترشح ہے۔ سنا ہے جب شہید خود اس کو محفل میں پڑھتے تھے تو عجب سماں بندھ جاتا تھا۔ اکثر اہل محفل پر وفور رقت سے غش طاری ہو جاتا تھا۔ اس طرز اور اس مقصد کی یہ اردو میں پہلی کتاب ہے......"[۵]

متوسطین کے دور میں نعت گو شاعر کی حیثیت سے غلام امام شہید کا مقام نہایت بلند ہے۔ شہید کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے نعت میں کیف وکم دونوں لحاظ سے وسعت کا سامان کیا۔ ان کے یہاں قصیدہ، مثنوی، غزل اور ترجیع بند سب میں نعت ملتی ہے۔ مولود شہید میں جو مندرجۂ ذیل نعتیہ نظمیں شامل ہیں ان سے شہید کے نعتیہ کارنامے کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

(۱) ترجیع بند (متعلق تذکرۂ معراج۔)

(۲) خمسہ شہید بر غزل خسرو۔

(۳) قصۂ حضرت بلالؓ (۴) غزل در وصف قدم شریف۔

(۵) قصۂ حضرت حلیمہ سعدیہ۔

(٦) روایت استن حنانہ۔

---

[۵] داستان تاریخ اردو پروفیسر حامد حسن قادری صفحات ۲۴۸، ۲۴۹۔

غزلیں اور قصیدے اس کے علاوہ ہیں جو مولود نامہ میں شامل نہیں ہیں۔ قدما کے دور میں ممتاز شعرائے نعت کی طرف توجہ نہیں کی۔ جو کچھ لکھا برائے نام لکھا۔ صرف سودا کے یہاں کچھ نعتیہ کلام ملتا ہے۔ شیدا اور باقر آگاہ کی کاوشیں اس دور میں نہایت گراں قدر ہیں لیکن ان کی ضخیم منظوم سیرت میں شعری عنصر کم ہے اور زبان کے لحاظ سے بھی ان کا رنگ زمانہ کا ساتھ نہیں دیتا۔ شعری محاسن کے لحاظ سے دکن کی نعتیہ مثنویوں کو بھی کوئی خاص حیثیت حاصل نہیں جن میں معراج نامے، وفات نامے، غزلیں وغیرہ، سب ہی شامل ہیں یا اس میں شک نہیں کہ شیدا کی "اعجاز احمدی" اور آگاہ کی "ہشت بہشت" ماضی کے کارناموں کی نہایت حسین اصلاحی صورت ہے۔ لیکن غلام امام شہید کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اس میں شاعرانہ رنگ آمیزی سے اسے حسین تر بنا کر پیش کیا۔ تشبیہات اور استعارات سے کلام کو سنوارا اور اس کے بیانیہ انداز میں شاعرانہ طرز اختیار کیا۔

شہید کے یہاں حبِ رسولؐ میں شوق، جذب اور سرمستی کی مثالیں جا بہ جا ملتی ہیں۔ شاعر ہر اس چیز کا فدائی نظر آتا ہے جس کا تھوڑا بھی رشتہ سرورِ کائنات سے ہے۔ چنانچہ وصفِ مدینہ میں وصف کا عنصر بہت کم ہے۔ جو کچھ ہے بس شاعر کے اپنے والہانہ داخلی جذبات کا اظہار ہے۔ اس کیفیت و مستی میں جہاں شہید وصف کا مضمون بیان کر جاتے ہیں تو "گرد طور" اور "ید بیضا" کی رقصاں اور تابناک ترکیبوں سے ان قلبی واردات کا ثبوت دیتے ہیں جن سے یہ مضمون پیدا ہوا ہے:

سینہ ہے مِرا ردکشِ صحرائے مدینہ — دل ہی جرسِ محمل لیلائے مدینہ
اس دشت سے پیدا ہے تمنائے مدینہ — اس رنگ سے نکلے ہے صداہائے مدینہ

بوسے کی تمنا ہے جو مینائے فلک کو   جھکتا ہے سوئے گنبد خضرائے مدینہ

وصف مدینہ میں شعر کی رقصاں کیفیت ملاحظہ کیجئے۔

ہر سنگ میں واں کے شرر طور ہے پنہاں
ہر خشت کو کہیئے ید بیضائے مدینہ

حُبِّ رسولؐ میں شاعر کی فریفتگی کا یہ عالم ہے کہ وہ نہ صرف مدینہ پر والہانہ قربان ہے بلکہ ہزار جان سے اس پر بھی فدا ہے جس کی آنکھیں مدینہ کے دیدار سے مشرف ہوئی ہیں۔ اس جذب وکیف میں حسرت کا مضمون بھی ہے۔

قسمت یہ دکھاتی ہے کہ حسرت کی نظر سے
ہم دیکھتے ہیں اوس کو جو دیکھ آئے مدینہ

غرض یہ کہ شہیدؔ نے نعت کے مقدس موضوع میں اپنی شعری صلاحیتوں کا استعمال نہایت خوبی سے کیا ہے، اور کلام کو لطافت، نظافت، تڑپ، کیف مستی اور جذب وشوق سے آراستہ کرکے اس میں بے پایاں اثر بھر دیا ہے۔

شہیدؔ کو اس لحاظ سے نعتیہ شاعری میں اولیت حاصل ہے کہ انھوں نے سراپا کے بیان میں شاعرانہ طرزِ بیان اختیار کیا ہے اور جمالِ محمدیؐ کو دلربایانہ بنا کر پیش کیا ہے۔ بایں ہمہ ان کے یہاں وہ ناہمواری کہیں نظر نہیں آتی۔ جو بعد کے شعراء نے اس رنگ کے ناکام تتبع کی کوشش میں اپنے کلام میں پیدا کرلی۔

معراج سے متعلق ترجیع بند کے اشعار ان کے اس رنگ کو واضح کرتے ہیں:

قدِ رعنا کی ادا جامۂ زیبا کی پھبن   سرمۂ چشم غضب ناز بھری وہ چتون

وہ عمامے کی سجاوٹ وہ جبین روشن
اور وہ مکھڑے کی تجلّی وہ بیاض گردن
وہ عمامہ عربی اور وہ نیچا دامن
دلربایانہ وہ رفتار وہ بیساختہ پن
مردہ بھی دیکھے تو کرچاک گریبان کفن
اوٹھ چلے قبر سے بیتاب زبان پر یہ سخن

مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل وجان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

ہر بیان میں عشق ومحبّت کے انداز ہیں۔ شاعؔر حبِ رسولؐ سے سرشار ہوکر ساری کائنات کو اس رنگ میں دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ جہاں معراج کا بیان ہے وہاں یہی کیفیت کائنات میں جاری وساری دکھائی ہے۔ بیان کی قوت اور اس کی اثر آفرینی قابل صد تحسین وآفرین ہے۔

آمد آمد کی جو افلاک پہ پیہم تھی دھوم
عرش ہر مرتبہ بس شوق سی جاتا تھا جھوم
پانوں رکھتا تھا جہاں ناز سے وہ عین علوم
اوس جگہ آنکھیں بچھاتے تھے تمنا سی نجوم
اور ہر اک نقش قدم پر تھا فرشتوں کا ہجوم
کوئی رکھتا تھا جبیں اور کوئی لیتا تھا چوم
کوئی کرتا تھا ادا عشرت شادی کی رسوم
اور کسی نغمے سے ہوتا تھا یہ مضمون مفہوم

مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دلؐ جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

سرورِ کائناتؐ کے استقبال کی شان اور بیان کا حسن تخیل بھی دیدنی ہے:

مہر نے فرش تمامی کا بچھایا تھا تمام
بادۂ نور سے لبریز ہوا اس کا جام
چاندنی پر جو بنایا تھا ستاروں کا کام
ماہ کو حسن ملاحت سی ملی شہرت عام
مرکب انداز تجمل سے اوٹھاتا تھا گام
نہ تو آہستہ ہی چلتا تھا نہ تھا تیز خرام
ملک وجن وبشر کرتے تھے جھک جھک کے سلام
حور وغلماں کی زبانوں پہ تھا جاری یہ کلام

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ بھی اس عشق نبیؐ کی داستان ہے۔ شاعر کا انداز بیان دل نشین، دلسوز اور ترنم ریز ہے۔ بیان کی سادگی لفظی رعایت کے باوجود نہایت حسین ہے۔

ایک موذن تھا نبیؐ کا بلالؓ — ہجر سے اوس مہ کے گھٹا جوں ہلال
دام محبت میں گرفتار تھا — شیفتۂ طرۂ طرار تھا
تشنۂ سرچشمۂ دیدار تھا — نرگس بیمار کا بیمار تھا
شیفتۂ کاکل شب فام کو — زلف جو یاد آئی چلا شام کو
چھوٹ گیا دیس جو محبوب کا — شام کا ملک آنکھوں میں تاریک تھا

روایت استن حنانہ کا رنگ بھی یہی ہے۔ ساری کائنات کا ایمان یہی حب رسولؐ ہے۔ اور اس کا اظہار ذرہ ذرہ کی زبانی ہو رہا ہے۔ یہ حقیقت، شاعر کے تخیل کی پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ اس کے مشاہدہ پر نفوس قدسیہ کی شہادتیں موجود ہیں۔

شہید نے اس کے صحیح رنگ میں پیش کرنے کی نہایت کامیاب کوشش کی ہے۔

مسجد مصطفےٰؐ میں ایک ستون — تھا بہت اوس جمال پر مفتون
گو کہ آتش کو چوب سے ہے لاگ — لیکن اوسکی غذا تھی عشق کی آگ
دست بستہ رہ وفا میں سدا — ایک ہی پانوں سے کھڑا رہتا
خشک ہو کر وہ درد وغم کا دوست — رہ گیا صرف استخوان و پوست
محو عکس جمال دلبر تھا — چوب میں آئینہ کا جوہر تھا

عشق جانانہ سے جو بے کل تھا رکن کعبہ سے بھی وہ افضل تھا

حضرت حلیمہ سعدیہ کا قصہ بچوں اور عورتوں میں نہایت مقبول رہا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اب تک وہ گھروں میں گایا جاتا ہے، اور چھوٹے بچوں کے لئے لوری کا کام کرتا ہے۔ اس کی اس قدر مقبولیت کا سبب مضمون کی سادگی، بیان کا دلنشین انداز، نہایت صاف اور بدیع تشبیہیں اور رواں دواں سلیس الفاظ کا استعمال ہے جن کی ترکیب اور خلوص سے شاعر نے کلام کو پُرتاثیر بنا دیا ہے، محبوب یزدانی پر تصدق کا مضمون ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن یہاں اس کی خصوصیت اس کا معصوم رنگ ہے۔ ماں کا اپنے بچے کے ساتھ پیار اور محبت کا اظہار اس قدر شگفتہ، وارفتہ اور والہانہ انداز میں شاعر کے اپنے جذب و کیف کی ترجمانی کرتا ہے جو اس بخت عالم کے ساتھ عشق و محبت کے ایمانی رشتے نے پیدا کیا ہے۔ خلوص کی فراوانی سے شاعر کا دل پیچ و تاب کی اضطرابی کیفیت سے دوچار ہے۔ وہ اس جذب و شوق کو حضرت حلیمہ سعدیہ کی زبان حال سے ظاہر کرتا ہے:-

ایک عاشق تھی حلیمہ دائی جس نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی

دودھ اس گل کو پلاتی تھی وہ گل سی پھولی نہ سماتی تھی وہ

کبھی مکھڑے کی بلائیں لیتی صدقے ہو ہو کے دعائیں دیتی

گرد پھرتی تھی کبھی سو سو بار جیسے ہو شمع پہ پروانہ نثار

کبھی کر بیٹھتی بیساختہ شور چاند کو دیکھ کے جس طرح چکور

خواب سے کرتی تھی جس دم بیدار آنکھوں کو تلووں سے ملتی ہر بار

بخت عالم ہے تو اے دلبر جاگ
جاگنا بخت کا ہے بہتر جاگ

مولوی غلام امام شہید کا مقام نعت گو شعراء میں نہایت بلند ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ان کے کلام کی گوناگوں خصوصیات اور اس کے رنگا رنگ محاسن الفیں اس صف میں امام کا مرتبہ بخشتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک عرصے کی رسمی شاعری کے بعد ہم پہلی مرتبہ ایک نعت گو شاعر کو اس اجتہادی اور انفرادی رنگ میں بزم سخن میں جلوہ گر پاتے ہیں۔ جس نے نعت رسولؐ کی لَے ہی بدل دی اور آنے والوں کے لئے ایک ایسا نمونہ چھوڑا کہ جس کی تقلید میں اُردو نعتیہ ادب مضامین اور دلآویز طرز بیان سے مالامال ہوگیا۔ مولوی غلام امام شہید کی اس حیثیت کو نظر انداز کرنا نہ صرف ان کے ساتھ بڑی بے انصافی کے مترادف ہوگا بلکہ اس طرح ہم نعتیہ شاعری کے ارتقاء میں ایک نہایت ہی اہم سنگ میل سے صرف نظر کریں گے اور نتیجتہً ان اثرات کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہوجائیگا جو موجودہ دور تک اس ادب میں جاری و ساری پائے جاتے ہیں۔

منشی شنکر لال ساقیؔ

قوم کے کائستھ بھٹناگر تھے۔ والد کا نام خوب چند تھا۔ منشی ہرگوپال سہائے تفتہؔ کے چچیرے بھائی تھے۔ بمقام سکندر آباد، ۱۰ دسمبر سنہ ۱۸۲۰ء کو پیدا ہوئے اور سنہ ۱۸۹۰ء میں انتقال کیا۔ اور اس طرح ۷۰ سال کی عمر پائی۔ سہارن پور کی ایک عدالت میں پیشکاری کی خدمت پر کارگزار رہے۔ گویا غدر سے سینتیس (۳۷) سال قبل آپ کی ولادت ہوئی جب کہ شعر و شاعری کی محفل کی زینت غالبؔ، ذوقؔ، مومنؔ، بہادر شاہ وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ ساقیؔ نے ان مشاعروں میں بھی شرکت کی جن میں غالبؔ، ذوقؔ اور بہادر شاہ نے حصہ لیا۔ کلام منشی بال مکند بے صبرؔ کو دکھاتے تھے لیکن زیادہ فیض غالبؔ اور تفتہؔ سے پایا۔

رغبت نہیں کلام سے اُردو کے ساقیا
ہوں لینے والا غالبؔ و تفتہؔ کے نام کا

ساقیؔ کی دو کتابیں ایک کریما شیخ سعدیؒ کا ترجمہ بھاشا نظم میں اور دوسری انتخاب کلیات چھپ چکی ہیں، اور اردو اور فارسی کلام کے دو دیوان اور ایک رمائن بطرز بھجن غیر مطبوعہ ہیں۔ نعت اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کہی ہے۔ اپنی نعت گوئی کے متعلق کہتے ہیں۔

مرا ہر لفظ نعت احمدیؐ کو درکیتا ہے
لکھا جو دائرہ ہے وہ مہ کامل کا ہالا ہے [۱]

---

[۱] اذان بتکدہ: مرتبہ فوقؔ، مطبوعہ ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۴۔

پھر بارگاہ رسالتؐ کے جلال اور عظمت کو دیکھتے ہوئے اظہار عجز بھی کیا ہے :

صفات ذات احمد لکھ سکوں کیا میری طاقت ہے
خیال اہل دانش جب یہاں مکڑی کا جالا ہے [۵۱]

نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے
کیا مری ان کے مدح خوانوں میں پیشی ہوگی [۵۲]

ساقی کے کلام سے عقیدت مندی کے ساتھ خلوص جگہ جگہ جھلکتا ہے اور اس کے سہارے انھیں در مصطفےؐ سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ شان نبوت کی رفعت سے امید داری ہے کہ گدائے در احمدؐ کو بھی ضرور نوازا جائے گا۔ اسی لئے شاعر کی نظر "خاک نشین در احمد کو" اس کی بے مائگی کے باوجود عرش کا ہمسر دیکھ رہی ہے۔

میں اگر خاک نشین در احمدؐ ہوں گا
رفعت عرش کی ہمسر مری بستی ہوگی [۵۳]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

نام احمد پہ فدا کیوں کر دل ساقی نہ ہو — مالک ارض وسما کون ومکاں آپ ہی تو ہیں
(اذان بتکدہ ۔ صفحہ ۳۴)

شاعر کو عقیدت اور عشق کے دعوی کے ساتھ اپنے عجز اور تہی دامنی کا بھی احساس ہے۔

نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے — کیا مری انکے مدح خوانوں میں ہستی ہوگی [۵۴]

---

[۵۱] اذان بتکدہ، مرتبہ رزاق صفحہ ۴۲ [۵۲] [۵۳] [۵۴] ایضاً صفحہ ۲۵ ۔

ساقی کی نعتوں سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ ایک غیر مسلم کا اظہار عقیدت ہے جو ایمان کی دولت سے محروم ہے۔ شاعر جابجا شرک اور کفر کی برائی اور توحید کے مضامین بلا تکلف باندھتے ہیں۔ اس جگہ نہ تو ابہام کو دخل ہے اور نہ کسی تاویل کی گنجائش۔

ہوئی کافور نور مصطفےٰ سے شرک کی ظلمت
سیاہی سے ندامت کی دل کفار کالا ہے (اذان بتکدہ صفحہ ۳)

عشاقان نبیؐ کی دنیا کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ نہ تو انہیں جنت کی طلب ہے اور نہ دوزخ کا خوف۔ ان کی نظر میں ایک ہی جنت بسی ہوئی ہے اور وہ ذات محمدیؐ ہے۔

جب مے عشق نبیؐ سے مجھے مستی ہوگی
بیخودی ہوگی بلندی نہ یہ پستی ہوگی
بزم عشاق میں جب بادہ پرستی ہوگی
یاد میں ساقیؐ کوثر ہی کے ہستی ہوگی
جیتے جی روضہ اقدس کو نہ آنکھوں دیکھا
روح جنت میں بھی ہوگی تو ترستی ہوگی
میں اگر خاک نشین در احمدؐ ہوں گا
رفعت عرش کی ہمسری پستی ہوگی
عاشق زار محمدؐ میں ہوا پیری میں
ہستی خضر سے کیا کم مری ہستی ہوگی
سرور دین کی ملی دولت دیدار جسے
پاس اس کے نہ پھٹکتی تہی دستی ہوگی

پی گیا بھر کے جو جام مئے عشق احمدؐ
اس کی مستی کو نہ ہرگز کبھی پستی ہوگی
کچھ غرض جنت و دوزخ سے نہیں ہے ساقی
ان کے مستوں کے لئے اور ہی بستی ہوگی ؎۵۱

ساقی کے کلام میں داخلی جذبات سے زیادہ وصف محمدیؐ کے مضامین پائے جاتے ہیں۔ ذیل کے نمونے سے ان کے کلام کی یہ خصوصیت واضح ہوتی ہے۔

جلوہ گر تھا نور شاہ دو جہاں قندیل میں
حق نے نورانی بنایا تھا مکاں قندیل میں
آیت لولاک سے ظاہر تھی عظمت آپؐ کی
سب سے پہلے تھا یہی نور نہاں قندیل میں
مصلحت کچھ تھی خدا کی ورنہ یہ نور عظیم
یوں بھلا ساقی سمائے تھا کہیں قندیل میں ؎۵۲

مشکل زمین میں اچھے مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔ چاندنی کی زمین میں جمال محمدیؐ کی نور افشانی ساقی نے نہایت حسن وخوبی سے کی ہے:

تھی شب معراج میں سارے فلک پر چاندنی
نور محبوبؐ خدا سے تھی منور چاندنی

۵۱؎ اذان بت کدہ: مرتبہ محمد الدین فوقؔ، مطبوعہ سنہ ۱۹۲۴ء - صفحہ ۳۵ -
۵۲؎ " " " " " " ۲۳ -

عرش و کرسی پر کہاں تھا ماہ کا نام و نشان
روئے احمدؐ چاند تھا تھی اس سے یکسر چاندنی

نور افشاں جب ہوا وہ آپؐ کا نورِ جمال
ہو گئی تھی چاند سے بھی پھر تو بہتر چاندنی

خود بدولت جب براق بادپا پر تھے سوار
فرش نوری ہر قدم پر تھی برابر چاندنی

کھل گئی جاتے ہوئے جب کاکلِ عنبر فشاں
ہو گئی فیضانِ نکہت سے معطر چاندنی

کیا کہوں جلوہ تھا کیا صلی علیٰ صلی علیٰ
رہ گئی تھی دیکھ کر حیران و ششدر چاندنی

ساقیا جس جا کہیں جاتے ہوئے ٹھہرا براق
بن گئے قندیل تارے فرش چادر چاندنی [۱]

---

[۱] اذانِ بت کدہ : صفحہ ۳۳ -

باب ہفتم

متاخرین کا دور

اس دور میں نعتیہ شاعری کے ستون امیر مینائی اور محسن کاکوروی ہیں۔ دونوں لکھنؤ کے دبستان شاعری سے تعلق رکھتے ہیں لیکن یہ وہ زمانہ ہے جبکہ دہلی اور لکھنؤ دونوں دبستان ایک دوسرے سے متاثر ہوئے۔ امیر کا کلام اس پر شاہد ہے۔ محسن کی صناعی اب بھی لکھنوی رنگ کو پورے آب و تاب سے پیش کر رہی ہے لیکن اس کا استعمال لطافت اور کیف سے خالی نہیں ہے۔ الفاظ کے حسن انتخاب اور تشبیہات اور استعارات کی ندرت نے کلام کو دلآویز بنا کر پیش کیا ہے۔ شاعر کا خلوص بھی جگہ جگہ نمایاں ہے۔

یہ دور اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ یہاں سے نعت گو شعراء کا وہ طبقہ فروغ پاتا ہے جس نے حبِ رسولؐ کے والہانہ اظہار میں مناسب اور نامناسب کے امتیاز کو نظر انداز کر دیا۔ اب داخلی جذبات کے اظہار میں وہ مضامین بھی جگہ پانے لگے جن کی تشریح تصوف کی زبان میں ہو سکتی ہے۔ ان کا جواز

شریعت میں کہیں نہیں ملتا۔ جذبات کی فراوانی اور لطافت نے ادبی حیثیت سے نعت کا پایہ نہایت بلند کر دیا لیکن اس غلط جذبۂ خلوص نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے درمیان وہ حدیں بھی توڑ دیں جو خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھیں۔

اس دَور کے عام شعراء نے حضورؐ کی شان میں عاشقانہ الفاظ کا بلا تکلف استعمال جائز سمجھا یہاں تک کہ اکثر مقامات پر یہ تمیز کرنا مشکل ہو گیا کہ یہ اشعار حضورؐ کے لئے ہیں یا شاہد مجازی کے لئے - خارجی اوصاف کے بیان میں یہی احتیاطی پائی جاتی ہے۔ اس طرح وصل، ہجر، سبزۂ خط، دلربا، پیارے، میرے بانکے جیسی نامناسب ترکیبیں اور الفاظ آپؐ کی نعت میں استعمال ہونے لگے۔

اس کے علاوہ موضوع روایات سے حضورؐ کی شان کو بڑھانے کی کوشش کی گئی اور صحیح روایات کے نظم کرنے میں اس قدر مبالغے سے کام لیا گیا کہ نعت کی صحیح صورت بھی بگڑ گئی۔

غرض یہ کہ یہ دَور نعتیہ شاعری میں تغزل کے شباب کا دَور ہے اور ظاہر ہے کہ رنگ تغزل میں بے احتیاطی کی صورتیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔

امیر مینائی

امیر مینائی مشہور مینائی خاندان کے فرد ہیں۔ جن کا تقویٰ اور روحانی فیض مرجع خاص و عام رہا ہے۔ امیر مینائی کے والد کرم احمد مینائی بھی علم ظاہر و باطن کے لئے لکھنؤ میں مشہور تھے۔ اکثر شرفاء لکھنؤ نے ان سے اکتساب فیض کیا۔ امیر مینائی ۱۶ر شعبان سنہ ۱۲۴۲ھ سنہ ۱۸۲۶ء میں پیدا ہوئے اور والد ہی کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت پائی۔ باپ سے بہتر بیٹے کا معلّم کون ہو سکتا ہے۔ امیر مینائی کی زندگی پر ان کے والد کے فیض صحبت کا اثر نمایاں ہے۔ ان کے علاوہ امیر نے فرنگی محل کے اہلِ فضل سے بھی اکتساب علم کیا۔

شاعری کا مشغلہ اگر تکمیل علم و فضل سے پہلے شروع ہو جائے تو علوم کے حصول میں یہ بہت بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ امیر کے والد نے اس کا خیال رکھا اور بیٹے نے باپ کی مرضی کے مطابق اپنا وقت نہایت جانفشانی سے تحصیل علوم میں لگا دیا اور اس میں فضیلت حاصل کی۔ امیر مینائی کی تعلیم و تربیت جس ماحول میں ہوئی تھی اور جو فضیلت امیر نے حاصل کی تھی اس کا فطری تقاضا یہ تھا کہ شعر و سخن میں بھی وہ ایسا استاد تلاش کرتے جو ان کے مذاق کا ساتھ دیتا چنانچہ مظفر علی خاں اسیر کا سا استاد انھیں مل گیا جو لکھنؤ کی نسائیت کے رنگ سے دور تھا اور رکاکت اور ابتذال سے بلند۔

اسیر کی وساطت سے امیر کو سنہ ۱۲۶۹ھ ۱۸۵۲ء میں واجد علی شاہ کی ملازمت حاصل ہوئی۔ اس وقت امیر کی عمر سنہ عیسوی کے حساب سے ۲۶ سال اور ہجری سے ۲۷ سال تھی۔ انھوں نے "ارشاد السلطان" اور ہدایت السلطان"

لکھ کر واجد علی شاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ کتابیں اب نہیں ملتیں۔

امیر کے ابتدائی کلام کا مجموعہ جسے انھوں نے "بہارستان" کے نام سے مرتب کیا تھا سنہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں تلف ہو گیا۔ لہٰذا ان کے اس زمانے کے رنگ کا اندازہ پوری طرح نہیں ہو سکتا البتہ جو تھوڑا سا کلام ملتا تھا اس میں اخلاقی مضامین پائے جاتے ہیں اور شاعر کی طبیعت کا مذہبی رنگ جھلکتا ہے۔ اس عہد کی یہ غزل اس کی ترجمانی کرتی ہے۔[۵]

ہم ہوں یا موسیٰ ہو کوئی دیکھ سکتا ہے اسے
پردے حیرت کے پڑے ہیں جلوہ گاہ طور میں

حوصلہ عالی اگر ہو ہر جگہ معراج ہے
دار بھی ہے شاخ سدرہ دیدۂ منصور میں

منزلِ مقصود کی مستوں کو دکھلاتی ہے راہ
خضر بن بیٹھی ہے سبزی دانۂ انگور میں

واجد علی شاہ کی معزولی اور سنہ ۱۸۵۷ء کی پریشانی نے دیگر شرفائے لکھنؤ کے ساتھ امیر مینائی کو بھی لکھنؤ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ امیر کاکوری چلے گئے۔ کاکوری کا قیام امیر کی زندگی اور تاریخ ادب اردو کا اہم واقعہ ہے۔ اردو ادب کے دو بڑے نعت گو شعراء یعنی امیر مینائی اور محسن کاکوروی کی صحبت نے یقیناً امیر کو نعت گوئی کے لئے ابھارا جو امیر کے نعتیہ کلام کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور امیر کے اس فطری رجحان کو جلا دی، چنانچہ محسن کاکوروی کے مشہور قصیدے "ابیات نعت" کی تضمین جو امیر نے

---

[۵] دبدبہ امیری: صفحہ ۲۲

کہی وہ اسی فیضِ صحبت کا نتیجہ ہے۔ محسن کاکوروی کے قصیدے کا پہلا شعر یہ ہے:

مٹا نا لوحِ دل سے نقشِ ناموسِ اب وجد کا
دبستانِ محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

امیر مینائی کی تضمین کا نمونہ درج ذیل ہے:

میں بسم اللہ آزادی ہوں سر پر تاج ہے مد کا
الف آوارگی کا راست نقشہ ہے مرے قد کا
تجرد تختۂ اول ہے میرے مشق بے حد کا
مٹانا لوحِ دل سے نقشِ ناموسِ اب وجد کا
دبستانِ محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

وہ احمد جس کے پرتو سے ہے دل آئینۂ معنی
ثنا، سے جس کے صندوقِ جواہر سینۂ معنی
مرصع دستِ کاتب میں پڑے دستینۂ معنی
ملا ہے سب کو جس کے وصف سے گنجینۂ معنی
زباں نے رتبہ پایا ہے کلیدِ قفلِ ابجد کا

امیرِ مینائی نے تلاشِ روزگار میں انگریز سرکار کی ملازمت کا ارادہ کیا۔ لیکن اس خدمت کا وہ موقع حاصل نہ کر سکے۔ آخر نواب یوسف علی خاں نواب رام پور کی ملازمت کا انھیں موقع مل گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رام پور ہندوستان کے اہلِ کمال کا مرجع بنا ہوا تھا امیر کی اس دور کی شاعری "مراۃ الغیب" کی صورت میں نمودار ہوئی امیر کا یہ پہلا مطبوعہ دیوان ہے جس میں جگہ جگہ نعتیہ مضمون کے اشعار

پائے جاتے ہیں۔ مثلاً

عاشق کیا ہے شوق نے تیرے حبیب کا — یارب امیدوار ہوں عفو قصور کا
محشر کا اور ساقی کوثر کا واسطہ — اک جام تشنگی میں شراب طہور کا[۵۱]

نام عاصی داخل فرد شفاعت ہو گیا — خاتمہ بالخیر احمد کی بدولت ہو گیا[۵۲]

نور ایسا دیدۂ دل کو خدا بخشے امیر — سامنے روضہ نظر آئے رسول اللہ کا[۵۳]

جلوہ گر ہے نور حق ہونے سے یکتائی امیر — سایہ بھی ہوتا اگر ہوتا پیمبر کا جواب[۵۴]

روضہ رسول کا ہی اگر بارگاہ حق — میں بھی امیر خاک در بارگاہ ہوں[۵۵]

یہ وظیفہ سب وظیفوں سے ہے بہتر اے امیر — یاد احمد کو کروں یا احمد بے میم کو[۵۶]

محبوب حق کا خاص یہ رتبہ ہے اے امیر — داخل ہو لامکاں میں یہ حد بشر بھی ہو[۵۷]

امیر اس سرور عالم کی کیا توصیف ہو تجھ سے — خدا کی شان ہی سیرت ملک کی شکل آدم کی[۵۸]

۵۱، ۵۲ مراۃ الغیب صفحہ ۴۲ ، ۵۳ مراۃ الغیب صفحہ ۹ ، ۵۴ مراۃ الغیب صفحہ ۱۰۲
۵۵، ۵۶ " " ۱۸۷ ، ۵۷ " " ۲۵۰ -
۵۸ " " ۲۶۷ -

امیر اب دغدغہ کیسا کہ پہنچے ہم مدینے میں
چھٹے آفت سے ظلِّ احمدِ مختار میں آئے[۵۱]

سنہ ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء) میں نواب یوسف علی خاں کے انتقال کے بعد نواب کلب علی خاں کا دور شروع ہوا۔ نواب نے امیر کو ملک الشعراٗ کا خطاب دیا اور خلعت دی۔ نواب کلب علی خاں امیر سے مشورۂ سخن کیا کرتے۔ یہیں امیر نے انتخاب یادگار جو تذکرہ کاملان رام پور ہے سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) میں لکھا۔ نواب کلب علی خاں کے عہد میں امیر (۲۱۶) روپیہ ماہوار بطور تنخواہ کے پاتے رہے۔ اس کے علاوہ نواب صاحب چار پانچ ہزار روپیہ سالانہ دیتے۔ سنہ ۱۸۸۴ء میں امیر اللغات کی تدوین کا کام شروع ہوا۔ لیکن امیر مینائی رام پور سے لکھنؤ آگئے اور دربار سے ان کا تعلق منقطع ہو گیا۔ یہاں امیر کی شاعری کا پہلا دور ختم ہو جاتا ہے۔ اب امیر اللغات کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔ لکھنؤ آکر سنہ ۱۸۸۵ء میں "دامن گلچین" ایک ماہ نامہ جاری کیا۔ یہاں امیر کی شاعری کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ ایک ہی سال کے بعد پھر رامپور بلا لیا گیا۔ رام پور پہنچ کر امیر اللغات کا کام باقاعدہ شروع ہو گیا لیکن بدقسمتی سے سنہ ۱۸۸۷ء میں نواب کلب علی خاں کا انتقال ہو گیا۔[۵۲]

---

[۵۱] مراۃ الغیب صفحہ ۲۷۶۔ [۵۲] سنہ ۱۸۹۱ء میں امیر اللغات کا پہلا حصہ شائع ہوا؛ جس میں الف ممدودہ کے الفاظ شامل تھے۔ دوسرا حصہ سنہ ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا اس میں الف مقصورہ کے الفاظ تھے۔ تیسرا حصہ جو بائے موحدہ کے الفاظ پر مشتمل تھا، اشاعت سے محروم رہا۔

جنرل عظیم الدین خاں مدار المہام ریاست رام پور نے امیر مینائی کی تنخواہ تخفیف کر دی جس کی بنار پر امیر دل برداشتہ ہو گئے۔ اور جب سنہ ۱۹۰۰ء میں میر محبوب علی خاں نظام حیدر آباد بنارس سے گزرے تو امیر کو ملازمت کے لئے طلب کیا۔ امیر مینائی نے موقع کو غنیمت جان کر رام پور سے حیدر آباد کا رُخ کیا لیکن کوئی خدمت حاصل کرنے سے پہلے ۲۰ جمادی الآخر سنہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء کو اس دار فانی سے کوچ کیا۔ امیر کا مزار درگاہ یوسف شاہ کے احاطہ میں ہے۔ مزار پر یہ شعر کندہ ہے :

ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں
پھر اس قدر بھی ہمارا نشاں رہے نہ رہے

تصانیف کی فہرست درجِ ذیل ہے :-

(۱) ارشاد السلطان۔
(۲) ہدایت السلطان۔
(۳) غیرت بہارستان۔
(۴) سرمۂ بصیرت (عربی و فارسی کے وہ الفاظ جو اردو زبان میں غلط استعمال ہونے لگے تھے، ان کی وضاحت کی ہے)۔
(۵) بہار ہند۔ اردو محاورات اور مصطلحات کا مجموعہ۔
(۶) نور و تجلی و ابر کرم، دو مثنویاں۔
(۷) نماز کے اسرار
(۸) شعلۂ جوالہ مجموعہ واسوخت سنہ ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء)
(۹) محامد خاتم النبیینؐ، (سنہ ۱۲۸۹ھ، ۱۸۷۲ء) نعتیہ دیوان۔

(١٠) انتخاب یادگار سنہ (١٢٩٠ھ، ١٨٧٣ء)۔

(١١) مراۃ الغیب۔ سنہ ١٢٩٠ھ، ١٨٧٣ء)

(١٢) خیابان آفرینش۔ سنہ ١٣٠٥ھ، ١٨٨٧ء)

(١٣) صبح ازل۔ شام ابد۔ لیلۃ القدر۔ ذکر شاہ انبیاءؑ جو نعتیہ مسدس ہیں۔

(١٤) صنم خانۂ عشق۔[1]

(١٥) دیوان غیر مطبوعہ

(١٦) جواہر انتخاب و گوہر انتخاب۔ منتخب اشعار کا مجموعہ۔

(١٧) امیر اللغات جلد اول و دوم۔

امیر مینائی کا نعتیہ کلام جس کا تاریخی نام محامد خاتم النبیینؐ ہے پہلی مرتبہ منشی نول کشور نے سنہ ١٢٨٩ھ میں چھاپا۔ یہ دیوان اس قدر مقبول ہوا کہ کئی مرتبہ اور چھپنے کی نوبت آئی۔ منشی نول کشور کے مطبع سے شائع شدہ نسخوں میں کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئیں۔ چنانچہ امیر مینائی نے ان کی تصحیح کے لئے اپنے چند تلامذہ کو مامور کیا اور اسے اہتمام سے سنہ ١٣٠٦ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے چھپا کر شائع کیا جس کی تاریخ محسن کاکوروی نے یہ لکھی ہے۔

---

[1] صنم خانۂ عشق بھی نعتیہ اشعار سے خالی نہیں ہے مثلاً

سکہ رائج جب سے دین مصطفیٰؐ کا ہو گیا — غلغلہ ساری خدائی میں خدا کا ہو گیا

جب سے دل دیوانہ محبوبِ خدا کا ہو گیا — مصطفیٰ اس کے ہوئے وہ مصطفیٰؐ کا ہو گیا

اوّل بہشت میں ختم الانبیاءؐ پایا لقب — رتبہ حاصل ابتدا میں انتہا کا ہو گیا

صد شکر منہ سے نام محمدؐ نکل گیا — بات اپنی بارگاہِ الٰہی میں رہ گئی (صفحہ ١٨٩)

اب مدینہ کی طرف قصد مصمم ہے امیر — دیکھیے چل کے ذرا گلشن ایماں کی بہار (" ٨٩)

سروشِ غیب نے تاریخ کیا اچھی کہی محسنؔ
کہ یادِ مصطفےٰؐ سچا وسیلہ ہے شفاعت کا

سنہ ۱۳۰۶

اس میں قطعہ ہائے تاریخ کے علاوہ بہت سی تقریظیں بھی چھپی ہیں لیکن ان میں واہ واہ اور سبحان اللہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ محسن کاکوروی نے بھی ایک نظم امیر مینائی کے اس مجموعہ کی تعریف میں لکھی ہے۔ جس کے آخر میں اوپر دیا ہوا قطعہ تاریخ شامل کیا ہے۔

اس نسخے میں وہ غزلیں اور مناجاتیں بھی شامل کی گئیں جو بقول امیر "اگلے دیوان سفینہ کے بعد موزوں ہوئی تھیں"۔ اس طرح اس دیوان میں ۱۵۸ غزلیں، ۵ قصیدے، ۱۹ رباعیاں، ۵ ترجیع بند، تضمینیں اور ۶ مناجاتیں ہیں۔ ان کے علاوہ دو غزلیں حضرت غوث پاک کی منقبت میں لکھی ہیں اور ایک غزل حضرت امام حسینؑ کی شان میں ہے۔

لیکن قصیدے سب کے سب نعت میں نہیں ہیں، ایک حضرت علیؓ کی منقبت میں اور ایک حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے سلسلے میں ہے۔ شروع میں ایک منظوم دیباچہ ہے جس میں اس دیوان کے سبب تالیف کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

یہ آیا میرے دل میں ایک دن خیال — کہ کب تک رہا اشتغال خسران مآل
چہل سال عمر عزیزت گذشت — مزاج تو از حال طفلی نہ گشت
کہی عاشقانہ جو اچھی غزل — نہیں ہے کوئی اس میں حسن عمل
وہ کر فکر جس میں کہ عقبیٰ ہو پاک — ترا اختر بخت ہو تابناک
مناسب ہے فکر مضامین نعت — کہ تزئین ایماں ہے تبیین نعت

یہ دیوان امیرمینائی نے والیٔ رام پور نواب کلب علی خاں سے منسوب کیا تھا جن کا ذکر دیباچے کے علاوہ ایک نعتیہ قصیدے کے آخر میں بھی ہے اور اس طرح ہے :

سلامت رکھ میرے کلب علی خان بہادر کو
محمد نام جو ہم نام ہے تیرے محمدؐ کا

یہ نعتیہ کلام جیسا کہ اوپر کے اشعار میں ہے امیرمینائی نے ۴۰ سال[۵۱] کی عمر کے بعد لکھنا شروع کیا اور ۴۳ سال کی عمر میں سنہ ۱۲۸۷ھ میں مکمل کیا اس وقت تک وہ حج بھی کر چکے تھے۔[۵۲] لکھتے ہیں :

مومن و زائر و حاجی ہوں، دئے تین شرف
مکّی و ہاشمی و مطلبی نے مجھ کو

امیر کا پہلا قصیدہ شہیدی کے اس مشہور قصیدے کی تقلید میں ہے جو اس طرح شروع ہوا ہے :

---

۵۱ یہ عمر زیادہ تو نہیں تھی لیکن نعتیہ غزل میں کہتے ہیں ۔

نہیں سمجھتے یہ جائے گا پہلے یثرب میں — آمیر پیر کو طعنے جوان دیتے ہیں
چاہیے ایام پیری میں خموشی اے امیر — بات کا کیا لطف جب دندان دہاں سے گر پڑے

لیکن یہ اشعار محض رسمیہ ہوں گے وہ اپنی جوان طبعی کا ذکر ایک قصیدے میں اس طرح کرتے ہیں :

البتہ مقابل ہیں میرے عرفی و فیضی — پر فرق ہے اتنا ہیں جوان طبع ہوں وہ پیر

۵۲ امیر دوبارہ بھی حج و زیارت کو گئے تھے۔

شوق دل نے کی دوبارہ رہبری — آگے بھی ہو آئے تھے اب پھر چلے

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کے مد کا
سر دیوان لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا

شہیدی نے یہ قصیدہ سنہ ۱۲۵۵ھ میں لکھا تھا اور زیارت مدینہ منورہ کے وقت ان کے حسن خاتمہ کی وجہ سے جو مقبولیت انھیں حاصل ہوئی تھی اس کی وجہ سے محسن کاکوروی نے اپنا قصیدہ اس طرح لکھا تھا :-

مٹایا لوح دل سے نقش ناموس اب و جد کا
دبستان محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

محسن کے اس قصیدے پر امیر مینائی نے ایک تضمین بھی لکھی تھی اور قصیدہ بھی لکھا تھا لیکن شہیدی کے حسن خاتمہ پر رشک کرتے ہیں کہ :-

در شہ پر اجل اے کاش میسر ہوتی | میری تربت بھی شہیدی کے برابر ہوتی

امیر مینائی کا قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے :-

تفکر انتیاز جان و جاناں میں گیا حد کا | عروض اب تنگ آیا تھا اس بیت معقد کا
نفخت فیہ من روحی ۔ کہ معنی سے ہوا تا بت | خزانہ ہے محیط اس چشمہ روح مجرد کا
گیا شبہ سمجھ میں آیہ حبل الورید آیا | رگ گردن مقام خاص ہی محبوب سرمد کا

اس قصیدے کی تمہید حمد کے مضامین پر مشتمل ہے ۔ جس میں کعبۂ دل کی تجلی، بارگاہ خداوندی میں آہ و زاری، قلب کی صفائی، غرور اور دولت دنیا سے بیزاری وغیرہ مضامین بھی شامل ہیں ۔ پھر ایک غزل شروع کی ہے کہ :-

خدا جانے کب آنا ہو چمن میں اس سہی قد کا
بجا رکھا ہے کیوں غنچوں نے ڈنکا آمد آمد کا

اس غزل میں لکھنؤ کی مروجہ رسوم شاعری کے مطابق رعائتیں اور مختلف صنعتیں

موجود ہیں۔ مثلاً

خیالِ آبرو رکھتے ہیں ناحق عاشق ابرو،
الف ہر چند ہے اس لفظ میں لیکن ہے بے مد کا
سیاہی سے یقین ہے پنجۂ مژگانِ شبیر ہو
جو شانہ مہر کا پنجہ ہوا اس زلف مجعد کا
پھنکیتی چھوڑ دے اب خوش نویسی کا ہی شوق اسکو
دوات و خامہ لا، طاق پر رکھ دو بھری گد کا

یہ غزل پندرہ اشعار کی ہے۔ اور اس کا انداز یہی ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ کسی مجازی محبوب کے خدوخال کی تعریف سے کیا فائدہ !

مگر توصیف رخسار و خط و گیسو سے کیا حاصل
وظیفہ تھا جو ان بیتوں میں ہونا وصف احمدؐ کا

گویا اس طرح نعت کی طرف گریز کیا ہے اور دوسرے مطلع میں پھر تمہید ہے۔ لکھتے ہیں :-

الف آدم میں ہے ممدود، احمد میں ہے بے مد کا
سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھا یاں سایہ نہ تھا قد کا

اس تمہید میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے شمائل اور برکات وغیرہ کا ذکر ہے اور حسن تعلیل سے کام لیا ہے۔ لیکن ایک آدھ جگہ انداز بیان میں اعتدال نہیں رہا۔ مثلاً

رہے خاطر جو دنیا سے بلایا حق نے پاس اپنے
رواں ہمراہ قاصد کے کیا ہدیہ خوشامد کا

یہاں "خوشامد" کے لفظ کے لغوی معنی میں توجیہہ ہو سکتی ہے لیکن احتیاط

کے خلاف ضرور ہے۔ اس تمہید کے آخر میں شہیدی کی "ایجاد" کا ذکر کیا ہے۔

کمی اس سے نہیں کی ہے نے بھی توصیف حضرت میں
شہیدی کو کہ موجد ہے اس آئین مجدد کا

اس کے بعد اصل نعت میں اشعار شروع ہوتے ہیں :۔

ظہور آخر ہے اول انبیا سے نور احمد کا   بجا ہے گر لقب ہو اول و آخر محمدؐ کا[1]

اس میں معجزات کا ذکر ہے اور یہ کہ مختلف پیغمبروں کی مصیبتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے دور ہوئیں۔ پھر

(۱) ایک ایک مضمون سے کئی کئی مضامین پیدا کئے ہیں۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قد کا سایہ نہ تھا۔ اس مضمون کو ایک ہی قصیدے میں مختلف طریقوں سے باندھا ہے۔

الف آدم میں ہے ممدود احمد میں ہے بے مد کا
سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھا یاں سایہ نہ تھا قد کا

دوئی کیسی کہاں ثانی کہ یہ دونوں ہیں لاثانی
خدا کا دوسرا کوئی نہ سایہ آپ کے قد کا

وہی سایہ وہی قد تھا کہ تھے ظلِّ خدا حضرت
جدا کرنا بہت دشوار تھا حرف مشدّد کا

تھکا جب ڈھونڈھ کر سمجھا غلط فہمی سے وہم اپنا
کہ ہے رخت سیاہ کعبہ سایہ آپ کے قد کا

---

[1] اس زمین میں دو نعتیہ غزلیں بھی ہیں۔

خلف وہ ہی کرے جو نام روشن جد امجد کا   الف احمد کا میم احمد کا دال آدم میں احمد کا
ہیں طفلی سے ہوں عاشق ابروئے خمدار احمد کا   کمان حسن کا ناوک الف ہے میرے ابجد کا

کیا یہ پانی پانی گیسوئے مشکیں کی خجلت نے
سما کر خاک میں پوشیدہ سایہ ہو گیا قد کا
گماں ہوتا ہے جنت سے وہی اترا عبا ہو کر
اٹھا رکھا تھا جو اللہ نے سایہ محمدؐ کا

لفظ "محمدؐ" سے یہ مضامین پیدا کیے ہیں :-

بلاؤں سے بچے جو نام لے دل سے محمدؐ کا
اثر میم مشدد میں ہے ذو القرنین کی سد کا
بلاؤں سے اماں خلقت نے نام پاک سے پائی
ہے اب رہنا نہ رہنا ایک ذوالقرنین کی سد کا
ہوئے ہیں جمع امکان و قدم ذاتِ مقدس میں
محمدؐ میں یہی مطلب تو ہے میم مشدد کا

(۲) اس کے علاوہ حسن تعلیل بکثرت ہے جو امیر مینائی کی بلند تخئیل اور عقیدتمندی کا آئینہ دار ہے۔ مثلاً :-

وہی تو چرخ اخضر ہے جو روز خلقت عالم
گرا تھا تاج نورانی سے آویزا زمرد کا
سکونت کی جگہ درکار تو محلوں کو تھی ان کے
یہی باعث ہوا بنیاد نہ طاق زبرجد کا
قمر کو کس طرح کرتی نہ وہ انگشت دو ٹکڑے
انہی دو نقطۂ زیریں کا طالب لفظ تھا بد کا

(۳) کہیں کہیں رعایت لفظی و معنوی بھی ہے۔ مثلاً :-

عجب اس خسرو دیں کو خدا نے دی ہے بیداری
کہ مخمل خواب سے واقف نہیں ہے اس کی مسند کا
مشکک معجز شق القمر میں کچھ جو شک لائے
کرے دوارہ تشدید سر کاف مشدد کا

شکم پر سنگ اسود اور فاقے سے شکم خالی
ہوا ثابت کہ کعبہ بھی مقلد ہے محمدؐ کا
دکھائی قوت بازو کمان قرب یوں کھینچی
کہ عالم دونوں گوشوں میں ہوا حرف مشدد کا

ان خصوصیات کے علاوہ کوئی اور چیز اس قصیدے میں نظر نہیں آتی اور یہی خصوصیات امیر کے دوسرے قصیدوں میں بھی ہیں۔ ایک شعر میں اپنی دیوانگی ظاہر کر کے بڑی عقیدت ظاہر کی ہے:-

خدایا تو ہے منصف میں احد سمجھا جو احمدؐ کو
کہ دیوانہ جو مجرم ہو نہیں ہے مستحق حد کا

اور عقیدت مندی پر قصیدے کو ختم کیا ہے۔ چند اشعار یہ ہیں:-

کبھی لوں شوق کامل سے درو دیوار کے بوسے
لگاؤں سرمہ آنکھوں میں کبھی اس خاک مرقد کا
عجب کیا اشک کی صورت گریں مولا کے قدموں پر
نکل کر پتلیاں دونوں کہ شوق بوسہ ہے حد کا
نسیم لطف کا جھونکا الٰہی کوئی چل جائے
شگفتہ مثل گل ہو جائے غنچہ دل کے مقصد کا

دوسرا نعتیہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:-

اے خضر بھول گئی تھی مجھے راہ تگ و تاز   وقت پر آ گئے تم عمر تمہاری ہو دراز

اس طرح تمہید میں ایک خضر یا پیر سے گفتگو شروع کی ہے جنھوں نے مدینہ طیبہ جانے کا عزم معلوم کر کے ہمت افزائی کی ہے اور وہاں پہنچنے کے

لئے "تائیدِ خدا" شاملِ حال ہے۔ پھر روضۂ اطہر کی تعریف ہے :-

کعبۃ اللہ کا ہو اس در کی طرف روئے نیاز[۵۱]
جانبِ قبلہ ہو جس طرح رُخِ قبلہ نما

"وصفِ روضۂ اقدس" کے بعد معراج شریف کا ذکر ہے اور عرش کی بزم کی تعریف ہے کہ

کچھ عجب بزم کہ تھی بزم کے اطلاق سے دور
عود بے مجمرۂ و نغمۂ بے پردۂ ساز

ہم بغل شانہ سرِ زلف رسا سے لیکن
نہ کوئی زلف مسلسل نہ کہیں دستِ دراز

وہ سوالات و جوابات کہ جن میں وحدت
ایک ہو جیسے کہ آواز سے مل کر آواز

اس کے بعد پھر اصل مدح کی طرف رجوع ہے اور امیرؔ مینائی کی وہی خصوصیات پھر نظر آتی ہیں یعنی حسن تعلیل کی مثالیں بہت ہیں۔ اور حسب معمول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے پر مضامین ہیں۔ مثلاً۔

جس کا ثانی ہو عدم جیسے خُدا کا انباز
ہو بھلا اس تن پر نور کا سایہ کیونکر

پھر بعض معجزات کا ذکر ہے اور جس طرح پہلے قصیدے میں ہے کہ تمام پیغمبروں کی مشکلات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے کٹ گئیں اسی طرح اس قصیدے میں بھی کہا ہے۔

کس پیمبر کے نہ حامی ہوئے سلطانِ حجاز
کس فرشتے نے نہ تعلیم سے حصہ پایا

---

۵۱ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے کہا ہے :

کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو
حاجیوں آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

نام حضرت کا لیا مشکل یعقوب کٹی ہجر فرزند تھا ہر چند بہت صبر گداز
یاد مولا میں نہ معلوم ہوا صدمہ درد گو کہ تھی مدت بیماری ایوب دراز

اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مشکلات کا ذکر ہے۔ پھر مدینہ طیبہ کی زیارت کا شوق ظاہر کیا ہے، اور یہ کہ:-

کیا عجب ہے یہ قصیدہ جو پہنچ جائے وہاں
شوق میں آکے کرے مثل کبوتر پرواز

امیر کا تیسرا نعتیہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:-

لائی ہے کیا چمن میں ہر اک شاخسار پھول
دکھلا رہے ہیں باغ جناں کی بہار پھول

کتنے ہیں سرخ و زرد تو کتنے سپید و سبز
ہر رنگ میں ہے صنعت پروردگار پھول

ردیف پھول کی رعایت سے امیر نے اچھے اچھے مضامین پیدا کئے ہیں۔

کثرت سے اس قدر کہ سخی باغباں ہوا دیتا ہے مفت اہل تماشا کو ہار پھول
ہر گھر میں ہر مکان میں صحرا میں کوہ میں لے جاتی ہے اڑا کے نسیم بہار پھول

آگے چل کر کہتے ہیں:-

جتنے درخت ہیں وہ جمائے ہوئے ہیں صف
باندھے ہوئے کھڑے ہیں روش پر قطار پھول

پوچھی جو وجہ میں نے تو کہنے لگی نسیم
اس کا ہے انتظار ہیں جس پر نثار پھول

وہ لالہ رو کہ جس سے زمانہ کی ہے بہار
جس کے عرق سے ایسے ہوئے عطر بار پھول

نہایت اچھا گریز ہے اور حقیقت ہے کہ امیر کے قصیدوں کے گریز بہت دلکش اور لطیف ہیں۔ اس قصیدے میں گو کہ ظاہری شمائل بیان کیے گئے ہیں لیکن ایسی لطافت کہ اب بھی ان میں دل فریبی موجود ہے۔ مثلاً :۔

اللہ نے دیا ہے یہ اس کو جمال پاک
سنبل فدا ہے زلف پہ رخ پر نثار پھول

اللہ کیا دھن ہو کہ باتیں ہیں معجزہ
ہوتے ہیں ایک غنچہ سے پیدا ہزار پھول

وہ چہرہ وہ دہن کہ فدا جن پہ کیجئے
ستر ہزار غنچے بہتر ہزار پھول

اس قصیدے کا خاتمہ بھی بہت اچھا ہے کیونکہ اس میں دعائیہ اس برجستگی کے ساتھ شروع ہوتا ہے کہ پتا بھی نہیں چلنے پاتا۔ مثلاً :۔

ادنیٰ یہ معجزہ تھا کہ ایک چوب خشک میں
پتے لگے ہزار پھل آئے ہزار پھول

اللہ رے رعب کچھ نہ ابوجہل کی چلی
کافر کے ہاتھ پاؤں گئے مشک وار پھول

ہے دشمنوں کے حق میں چمن زار خار زار
کھٹکیں نہ کیوں نگاہ میں مانند خار پھول

رنگ بہاران کو جلائے برنگ نار
تاثیر میں ہوں اختر دنبالہ دار پھول

غنچے کی طرح آپ کے دشمن گرفتہ دل
خنداں ہوں دوست جیسے کہ روز بہار پھول

غرض کہ اس قصیدہ کی تمہید گریز اور دعائیہ سب کچھ اچھا ہے اور اس میں امیر مینائی کے کمالات شاعری پوری طرح نمایاں ہیں۔

منقبت والا قصیدہ تعلّی سے شروع ہوتا ہے لیکن براعت الاستہلال سے ممدوح کا پتا چل جاتا ہے۔

کیوں کر نہ کروں ملک معانی کو میں تسخیر
خامہ ہے مرا دست ید اللہ کی شمشیر
آئے جو تعلی پہ مری ہمت عالی
دشوار نہیں قلعہ افلاک کی تسخیر
جو معنی روشن ہے وہ ہے غیرت خورشید
سودا نہیں مجھ کو جو کروں مہر کو تسخیر

اور اس قصیدے میں بھی گریز بہت اچھا ہے۔ لکھتے ہیں :۔

سو طرح کا بخشا ہے مجھے علم خدا نے
قرآن میرا دل ہے تو سینہ مرا تفسیر
روکیں جو علائق نہ رکے میری طبیعت
پڑتی ہے بھلا پائے نگہ میں کوئی زنجیر
میدان سخن جیت لئے ہیں نے ہزاروں
بازو ہے قوی جھولتی ہے عرش پہ شمشیر
یہ عجز و شرف اس کی غلامی سے ہے حاصل
جو صاحب قنبر ہے و لاجس کی ہے اکسیر

لیکن امیر مینائی اپنے ممدوح سے بہت زیادہ محبت اور عقیدت رکھتے ہیں شاید اس لئے کہ تصوف کا سلسلہ ان تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ کچھ اشعار اس طرح کہہ گئے ہیں کہ ہماری رسمیہ شاعری میں تو جائز ہے لیکن احتیاط سے بعید ہے۔ مثلاً :۔

مزدور براہیم ہیں وہ صاحب خانہ حق ہی کہ ہوا کعبہ اس کے لئے تعمیر
جاں بخشی خلائق تھا اگر نطق مسیحا جان بخش مسیحا ہیں وہ حضرت دم تقریر

ایک لمعۂ رخسارۂ پرنور تھا وہ بھی | موسیٰ کو جو آئی تھی نظر طور پہ تنویر
کیوں کر نہ ہوں جبریلِ امیں تابعِ فرمان | استاد کی خدمت پہ ئے شاگرد ہی توقیر

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں ایسے اشعار ہیں جیسے سوداؔ اور ذوقؔ نے دنیاوی ممدوحوں کے متعلق بھی لکھے ہیں۔ مثلاً:۔

ہو لطف جو حضرت کا وہ انسان کا معالج
اخلاط میں تفریق عناصر میں ہو تغیّر
پانی کی طرح آگ پگھل کر ابھی بہہ جائے
گرمی یہ بڑھے آب میں ہو آگ کی تاثیر
بخشے نہ اگر رنگ اثر حکم معلیٰ
باطل ہو نباتات و جمادات کی تاثیر
گل ہوں کبھی تحریک ہوا سے نہ شگفتہ
دے رنگ جواہر کو نہ خورشید کی تنویر

آخر میں دعائیہ صرف ایک شعر میں ہے اور صرف سادہ انداز میں ہے:۔

ہر روز قیامت نظرِ چشمِ عنایت
کوثر کا ملے جام جناں میں مجھے جاگیر

پانچواں قصیدہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے سلسلے میں ہے جو مومن کی زمین میں ہے۔ مومن کا نعتیہ قصیدہ اس طرح شروع ہوا تھا۔

چمن میں نغمہ بلبل ہے یوں طرب مانوس
کہ جیسے صبح شبِ ہجر نالہ ہائے خروس

امیر مینائی لکھتے ہیں:۔

نشاطِ دہر سے ہو کس طرح نہ دل مایوس | کہ چار دن کی یہ مہمان ہے مثل شمع عروس
کسی کے سر پہ جو پھرتا ہے چترِ بیاہ کے روز | میں جانتا ہوں یہ ہے رقص مستی طاؤس
قیام کی کسے امید ہے رہے نہ رہے | یہ عمر راہ ہوا میں ہے شمع بے فانوس
زوال نعمت ایوان کی دہر ہی ہے خبر | عبث عبث نہیں ملتی نگس کفِ افسوس

اس تمہید میں زمانہ کی بے وفائیوں کا ذکر ہے کہ اس کے تمام کام الٹے ہیں اور اس نے تمام اچھے لوگوں کو تباہ کیا ہے۔

ہمیشہ خاص خدا پائمال ظلم رہے | عیاں ہے قصۂ اصحاب کہف و دقیانوس
کھچا سر زکریا پہ ارۂ بیداد | الم سے برگ شجر تک ہوئے کفِ افسوس
وہ بیگناہ چلی تیغ ظلم یحییٰ پر | کہ زیست سی ہوئے الیاس و خضر تک مایوس
خلیل کو کفرہ نے جو آگ میں پھینکا | اسی الم سے ہے کعبہ کا ماتمی ملبوس
علی الخصوص شہیدوں کا بادشاہ حسینؑ | کہ تختِ عرش ہے جس کے لئے مقام جلوس
چراغ کعبۂ دین شہسوار دوش رسولؐ | امام سجدۂ خاصان ایزد قدوس

یہاں بھی بہت اچھا گریز ہے جو امیر مینائی کی امتیازی شان ہے۔ اس کے بعد چند اشعار حضرت امام حسین علیہ السلام کے اوصاف کے متعلق ہیں۔ پھر کربلا کا واقعہ مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ اور آخر میں کہا ہے:۔

غرض کہ خاک اڑائی زمین نے ماتم میں
فلک ہوا ہمہ تن داغ صورت طاؤس

جو اہل دین ہیں کوئی ان کی قدر گھٹتی ہے
ورق الٹنے سے ہوتا نہیں ہے خط معکوس

امیر خالق عالم سے اب یہ مانگ دعا
کہ بہر شاہ نجف شاہ کربلا شہ طوس

رواج دین محمدؐ ہو اہل دین رہیں شاد
رہائی پائیں جو زندان غم میں ہیں محبوس

امیر مینائی نے صرف پانچ مذہبی قصیدے لکھے ہیں۔ جن میں نعتیہ قصیدے صرف تین ہیں۔ ان سب قصیدوں کی تمہید کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ کہیں رواج کے مطابق شکایت زمانہ ہے، کہیں تعلی ہے، کہیں شباب اور بہار کا ذکر ہے اور کہیں صرف مدح ہے۔ لیکن ہر جگہ ممدوح کے اوصاف کی رعایت سے تمہید اختیار کی ہے یعنی اگر امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا بیان ہے تو لازمی طور پر شکایت زمانہ چاہیے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شمائل اور کمالات کا جہاں ذکر ہے تو شاعر نے تعلّی سے قصیدہ شروع کیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ فرمائی کا جہاں تذکرہ ہے وہاں بہاریہ تمہید ہے اور اتنی نفیس ہے کہ اس کی نظیر شاذ ہے۔ اصل مدح میں امیر مینائی نے عموماً ظاہری اوصاف کا ذکر زیادہ کیا ہے۔ ان کی نعتیہ غزلوں میں بھی یہی خصوصیت ہے۔ لیکن عقیدت جب عشق کی منزل تک پہنچ جاتی ہے تو محبوب یا ممدوح کے بلند کردار کے بجائے اس کی ظاہری ادائیں زیادہ دلفریب معلوم ہونے لگتی ہیں اور وہ محض فردوسِ نظر بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے کہنے والا اپنے محبوب کی ہستی کو ہر جگہ کارفرما سمجھنے لگتا ہے اور حقیقت کے علاوہ عقیدت بھی چراغ راہ بن جاتی ہے۔ پھر وہ ممدوح کی وجہ سے ہنگامۂ نیست و بود قائم ہو اور جو سب کا ہو اور سب اس کے ہوں تو پھر شاعر کیا کچھ نہیں کہہ سکتا؟ لیکن امیر مینائی ایک باکمال شاعر بھی تھے۔ وہ غزل کے استاد سہی لیکن

قصیدہ میں بھی وہ اُردو کے بہترین شعراء میں شمار ہوں گے۔ ان کی علمی استعداد پرشکوہ الفاظ، شاندار تمہیدیں، دلفریب گریز اور مناسب دعائیہ سب کا سب استادانہ ہے اور گو کہ نعتیہ قصیدے کم لکھے ہیں لیکن غزلیں زیادہ ہیں اور ان کی نعت بہت شاعروں پر بھاری ہے۔ آمیرؔ نے سچ کہا ہے۔

کم ہیں میرے شعر پر ہیں نعت میں اکثر آمیرؔ
یہ سبب ہے جو مجھے کہتے ہیں سب گویا بہت

امیرؔ مینائی نے قصیدہ کم لکھے ہیں لیکن ان کی نعتیہ غزلیں زیادہ ہیں جن میں کم از کم ۱۷۰۰ اشعار ہیں۔ دیگر اصناف سخن ان کے علاوہ ہیں۔

(۱) غزلوں میں قصیدوں کی طرح حسن تعلیل بہت ہے۔ مثلاً

جوانانِ چمن باہر ہوئے جاتے ہیں جامے سے
اُڑا یا بوئے گل نے رنگ شاید تیری آمد کا

پکارتے ہیں تمہیں کو یہ یا رسول اللہؐ
جو مسجدوں میں موذن اذان دیتے ہیں

دل سے نکلے گی نہ حضرتؐ کی محبت ہرگز
حور باہر نہ کبھی باغ ارم سے ہوگی

فرشتے کرتے ہیں دامان زلف حور سے صاف
جو گرد پڑتی ہے اس روضہ پر نگاہوں کی

ہے ترے پیرہن پاک کی حسرت اس کو
ورنہ کیوں نکہت گل جامے سے باہر ہوتی

(۲) ظاہری شمائل بھی بہ کثرت زیر بحث ہیں۔ مثلاً :-

دکھاتا ہے تماشا لخت دل کیا یاد عارض میں
مژہ سے گرتے گرتے پھول بن جاتا ہے جنت کا

تیری تیغ ادا پر اس ادا سے جان دیتا ہے
قضا منہ دیکھنے لگتی ہے مشتاق شہادت کا

کہتے ہیں گرد عارض باہم یہ دونوں گیسو
ہیں ہوں ادھر سے قربان تو ہو ادھر سے صدقے

سونگھے جو کوئی ان کے لباس بدن کی بو
خوش آئے کیا دماغ کو اس کے چمن کی بو

---

(۳) عقیدت کی فراوانی کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے انتہا شفقت اور ذرہ نوازی کے مضامین بہت ملتے ہیں اور یہ خصوصیت دوسرے شعراء کے مقابلہ میں امیر کے یہاں زیادہ نمایاں ہے۔ مثلاً :—

یثرب سے ملک آئیں گے لینے ہمیں تا ہند
یثرب کو جو ہم ہند کے کشور سے چلیں گے

ہوتی ہے جو ہمراہی یثرب تو ادب سے
چلتے نہیں رستے میں سلیماں مرے آگے

جانتے ہیں کہ بہت تشنہ دیدار ہوں میں
ہے یقین پہلے کریں جام عنایت مجھ کو

لحد میں ہم کو سزائے گناہ کیا ہوگی
وہ ناخدا ہیں تو کشتی تباہ کیا ہوگی

ہوں روانہ ہند سے جس دن میں یثرب کو امیر
جو مجاور شہ کے روضہ کا ہو اس کو خواب سا ہو

---

(۴) اسی لئے بے تابی و بیقراری کے مضامین بھی بہ کثرت پائے جاتے ہیں مثلاً :—

مدینہ جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

راہ خشکی ہو اگر راہ رووں سے مسدود
گریۂ شوق دکھا تو رہ دریا مجھ کو

راہ حضرت کا ہے ایسا اشتیاق
پاؤں تھک جائیں تو اپنا سر چلے

شاید آ جائیں وہاں ختم رسالت کے قدم
جلد اے مرگ دکھا گوشۂ تربت مجھ کو

کارواں رہ یثرب میں ہوں آواز درا
سب میں شامل ہوں مگر سب سے جدا جاتا ہوں

---

(۵) امیر کا جذب اور کیف اشعار میں اکثر ڈرامائی کیفیت پیدا کر دیتا ہے اور الفاظ کی نشست، موزونیت اور صوتی ربط اپنے زیر و بم سے رقص کا سماں باندھ دیتا ہے :-

مال آپ پر تصدق جان آپ پر سے صدقے
آنکھوں سے سر ہے قربان آنکھیں ہیں سر سے صدقے

کہتے ہیں گرد عارض باہم یہ دونوں گیسو
میں ہوں ادھر سے قربان تو ہو ادھر سے صدقے

کہتا ہے مہر و مہ سے رُخ دیکھ کر نبیؐ کا
تو شام سے ہو قربان میں ہوں سحر سے صدقے

ناف زمین ہے شہ کا مانند کعبہ روضہ
شرقی ادھر سے قربان غربی ادھر سے صدقے

امیر مینائی کے اشعار میں اس وقت اثر آفرینی پائی جاتی ہے جبکہ شاعر کی تمنا اپنی آخرت کو سنوارنے کے خیال میں پیچ و تاب کھاتی ہے۔ بشری کوتاہیوں کا احساس روز قیامت کی ہولناکی بن کر اسے پریشان کر دیتا ہے۔ اسے فقط دامن رسولؐ میں سایۂ عاطفت نظر آتا ہے۔

امیر مدح نبیؐ کو سہارا بنا کر تخیل کی دنیا میں اپنے لئے آخرت کا سامان کرتے جاتے ہیں۔ اور اس طرح موت بھی ان کے لئے جنت نشاں بن جاتی ہے۔

درشہ پر اجل اے کاش میسر ہوتی　　میری تربت بھی شہیدی کے برابر ہوتی
جلوہ نور ترا پیش نظر تھا دم نزع　　جسم خاکی سے جدا روح نہ کیونکر ہوتی
شائد آجائیں وہاں ختم رسالت کے قدم　　جلد اے مرگ دکھا گوشہ تربت مجھ کو

(۶) بحر کے لطف کے ساتھ الفاظ کی نشست، سلاست، روانی اور سادگیِ بیان آمیر کے کلام میں جا بجا پائی جاتی ہے۔ ذیل کے نمونے میں شاعر نے حسن کے ساتھ معانی کا دفتر کھول دیا ہے۔ کلام کے اثر سے آمیر کے خلوص اور ذات محمدیؐ سے حسن عقیدت اور دلی وابستگی کے جذبات کا پتہ چلتا ہے۔

صبا بیشک آتی مدینے سے تو ہے　　کہ تجھ میں مدینے کے پھولوں کی بو ہے
سنیں ہم نے طوطی و بلبل کی باتیں　　ترا تذکرہ ہے تری گفتگو ہے
جیوں تیرے در پر مروں تیرے در پر　　یہی مجھ کو حسرت یہی آرزو ہے
جسے جس طرف آنکھ جلوہ ہے اس کا　　جو یکسو ہو دل تو وہی چار سو ہے
تری راہ میں خاک ہو جاؤں مرکر　　یہی میری حرمت یہی آبرو ہے
زلیخا کو یوسف کا نقشہ مبارک　　کہ تصویر احمد میرے روبرو ہے
مئے عشق حضرت سے ہوں مست مجھ کو　　جو تسنیم ساغر تو کوثر سبو ہے
یہاں ہے ظہور اور وہاں نور تیرا　　مکاں میں بھی تو لامکاں میں بھی تو ہے
جو بیداغ لالہ جو بے خار گل ہے　　وہ تو ہے وہ تو ہے وہ تو ہے وہ تو ہے

ذیل میں رحمت خداوندی کی آمد آمد کا نقشہ کھینچا ہے۔ یہاں آمیر نے رسول کریمؐ کے وصف کے بیان میں تغزل کے رنگ سے ہٹ کر آپ کی شان کا صحیح اظہار کیا ہے۔

زہے رحمت کہ ختم انبیا کی آمد آمد ہے
حبیب خاص و محبوب خدا کی آمد آمد ہے

زمانہ تیرہ و تاریک تھا اب روشنی ہوگی
مٹیں گی ظلمتیں شمع ہدا کی آمد آمد ہے

بھٹکتے پھرتے تھے جو قافلے راتوں کو راہوں میں
اب ان کے دن پھریں گے رہنما کی آمد آمد ہے

عدم کی راہ لو کہہ دو فساد و فتنہ و شر سے
یہاں خیر البشر خیر الورا کی آمد آمد ہے

یہ کیوں ہیں حسرتوں کے کارواں میں عید کی خوشیاں
الٰہی آج کس یوسف لقا کی آمد آمد ہے

زمین و آسماں سے متصل ہے نور کی بارش
جہاں روشن ہے نور کبریا کی آمد آمد ہے

ازل سے تا ابد ہو جائیں گے حل جتنے ہیں عقدے
مبارک ہو شہ عقدہ کشا کی آمد آمد ہے

شبیہ مبارک کی مصوری کی بہار بھی دیکھئے :۔

زہے نو بہار شبیہ مبارک
مصور نثار شبیہ مبارک

بہار دو عالم ہو صدقے جو دیکھے
یہ نقش و نگار شبیہ مبارک

مہ و مہر کہتے ہیں جنکو وہ دونوں
ہیں آئینہ دار شبیہ مبارک

لگیں چار چاند اور شمس و قمر کو
اگر ہوں دوچار شبیہ مبارک

بہار زمین ہے بہار فلک تک
نثار بہار شبیہ مبارک

وصف مدینہ میں شاعر کی خوش الحانی بھی سنئے :۔

رہتی ہے زباں پر صفت شان مدینہ
ہوں مرغ نوا سنج گلستان مدینہ

جنت ہے حقیقت میں گلستان مدینہ
طوبائے جناں سرو خیابان مدینہ

اللہ نے بخشی ہے جسے شاہی کونین
سلطان مدینہ ہے وہ سلطان مدینہ

حاصل ہے مجھے زیست میں بھی سایہ طوبیٰ
بستر ہے تہہ نخل بیابان مدینہ

قالب ہیں دو عالم کے مدینہ ہے اگر جان
ذات اس شہ کونین کی ہے جان مدینہ

روضہ شہ کونین کا کعبہ سے نہیں کم
اللہ کا مہمان ہے مہمان مدینہ

امیر کے کلام میں الفاظ، ترکیبوں اور فقروں کی تکرار جا بہ جا پائی

جاتی ہے۔

مفتاح باب خلد جسے کہتے ہیں امیر   الفت رسولؐ کی ہے وہ الفت رسولؐ کی
جو بے داغ لالہ جو بے خار گل ہے   وہ تو ہے وہ تو ہے وہ تو ہے۔ وہ تو ہے
جاں بخش تھے کیوں حضرت عیسیٰؑ تبادل   بیمار محمدؐ تھے وہ بیمار محمدؐ
ہر حرف میں جس کے اثر خُم نظر آئے   گفتار محمدؐ ہے وہ گفتار محمدؐ
کہہ دوں گا جو محشر میں ہوئی پرسش احوال   شیدائے محمدؐ ہوں ہیں شیدائے محمدؐ
پہنچا امیر خیر ورا کی جناب میں   ہے لاکھ لاکھ شکر خدا کی جناب میں
المدد المدد اے شافی روز محشر   بوجھ بھاری ہے گنا ہوں کا دبا جاتا ہوں
اللہ نے بخشی ہے جسے شاہی کونین   سلطان مدینہ ہے وہ سلطان مدینہ

امیر مینائی کی حسب ذیل غزل سے ان کی تمام خصوصیات کا بہ یک وقت اندازہ ہو سکتا ہے۔

قطرہ کے منہ سے نام جو ان کا نکل گیا
بادل سے گر کے روئے ہوا پر سنبھل گیا

لکھا جو وصف گیسوئے پیچان مصطفیٰؐ
کچھ مغفرت میں بل جو رہا تھا نکل گیا

حضرت نے جس کے حق میں کہا جو وہی ہوا
کیا اختیار تھا کہ مقدر بدل گیا

چمکا جمال پاک کا جلوہ جو مثل برق
خرمن گناہ امت عاصی کا جل گیا

کیسی بلا جو نام لیا میں نے آپؐ کا
آیا پہاڑ بھی میرے آگے تو ٹل گیا

بے آب چاہ حکم نبیؐ سے ہوا پر آب
ایما درخت خشک نے پایا تو پھل گیا
قائل ہوں میں تو اپنی طبیعت کا اے امیرؔ
مضمون نعت میں بھی نہ لطف غزل گیا

امیرؔ کی حسب ذیل نعتیہ غزلیں عام طور پر مقبول عام ہیں :۔

(۱) خلق کے سرور شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم
مرسل داور خاص پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) فلک ہی برسر بیداد یا رسول اللہؐ
بچایئے مجھے فریاد یا رسول اللہؐ

(۳) یاد شہ میں جو کوئی رات گزر جائے گی
بہت اچھی میری اوقات گزر جائے گی

(۴) اعجاز مصطفےٰ تھے ہر بار کیسے کیسے
اس پر تھے منکروں کو انکار کیسے کیسے

(۵) وہ بزم خاص جو دربار عام ہو جائے
امید ہے کہ ہمارا سلام ہو جائے

(۶) اب کہاں چین خبر دی میرے جی نے مجھ کو
کہ مدینہ میں بلایا ہے نبیؐ نے مجھ کو

(۷) جب مدینہ کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں

مولوی سید محمد محسن کاکوروی

سید محمد محسن کاکوروی کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ان کے اجداد حجاز کی سکونت کو ترک کرکے قصبہ صحرام میں آبسے تھے۔ یہ قصبہ بغداد و ممالک خراسان کے بیچ میں واقع ہے۔ ہندوستان کا رخ کرنے والے بزرگ قاری محمد صدیق ہیں جن کی اولاد کا سلسلہ پھیل کر محسن تک پہنچا۔ محسن کے اجداد میں قاری امیر سیف الدین نے کاکوروی ضلع لکھنؤ میں سکونت اختیار کی۔ اس وقت سے ان کی اولاد اس قصبہ کو برابر وطن بنائے رہی۔ حضرت محسن بھی یہیں سنہ ۱۲۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی حسن بخش تھے۔ محسن سات سال کی عمر سے اپنے دادا مولوی حسین بخش (شہید) کے زیر تربیت رہے۔ مذہبی رنگ بچپن ہی سے طبیعت پر غالب تھا۔ نو سال کی عمر میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جس کی کیفیت انہی کے الفاظ میں نقل کی جاتی ہے:-

"شبے کہ صبح آں روز جمعہ تاریخ نہم ذی قعدہ سنہ ۱۲۵۱ھ بود بہ عمر نہ سالہ و چند ماہ در کنار جد بزرگوار خود بہ مقام اٹاوہ در خواب دیدم کہ بصحرائے ہمراہ جد بزرگوار خود دست گرفتہ بطرفے می روم۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تعریف می آرند۔ بدستِ مبارک ایشان تسبیحے ست کہ دانہائے کلاں سیاہ دارد۔ پس دست من و جد بزرگوار من گرفتہ بمکان پر نور با صفا بردند و رو بقبلہ نشانیدہ اول جد بزرگوار را مرید کردند۔ بعد ازاں مرا بمریدی گرفتند۔ متوجہ بسوی راستم شدہ دست و پایش شستہ

مسلمان کردند۔ می خواستند کہ او را نیز مرید نمایند۔ فاما اتفاق نیفتاد و بعد ازاں بیدار شدم۔"

یہ خواب تفصیل سے اس لئے بیان کیا گیا کہ محسن کی نعتیہ شاعری اسی خواب سے شروع ہوتی ہے۔ سب سے پہلی فارسی نظم جو انھوں نے لکھی وہ اسی خواب کی خوشی میں تھی۔

اپنے والد کے ساتھ محسن مین پوری میں رہے اور والد اور مولوی عبدالرحیم سے تحصیل علم کی۔ اصلاح سخن کے لئے محسن کو مولوی ہادی علی اشک جیسا متقی پرہیزگار اور باکمال استاد مل گیا۔

محسن مین پوری میں نظارت کے عہدے پر فائز رہے اور آخر قانون کے امتحان میں کامیاب ہو کر آگرہ میں وکالت شروع کر دی۔ ان کی قانونی قابلیت کو دیکھ کر متھرا کی منصفی کا عہدہ پیش کیا گیا جسے محسن کی آزاد طبیعت نے قبول نہ کیا۔ سنہ ۱۸۵۷ کے ہنگامے سے پریشان ہو کر آگرہ چھوڑ دیا اور اپنے وطن کاکوری پہنچ گئے۔ شورش کے فرو ہونے کے بعد مین پوری میں وکالت شروع کر دی اور اس پیشے میں بڑا نام پیدا کیا۔ ساتھ ہی دیانت داری اور معاملات کی صفائی کی بنا پر حکام اور عوام سب ہی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انتقال سے تین سال پہلے وکالت اور زمینداری دونوں سے قطع تعلق کر لیا اور فصوص الحکم کا مطالعہ اکثر کیا کرتے۔

دوشنبہ ۱۸ صفر سنہ ۱۳۲۲ھ مطابق ۲۴ اپریل سنہ ۱۹۰۵ء کو بہ مرض اسہال کبدی رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی سید محمد محسن کاکوروی کے کلیات میں ان کا حسب ذیل کلام شامل ہے :-

(۱) گلدستۂ کلام رحمت (سنہ ۱۲۵۸ھ) جو محسن نے ۱۶ سال کی عمر میں لکھا تھا۔ یہ ۵۱ شعر پر مشتمل ایک نعتیہ قصیدہ ہے۔

(۲) سراپائے رسول اکرمؐ (سنہ ۱۲۶۶ھ) میں ۲۲۲ شعر کہے۔ مسدس کے ۷۴ بند ہیں۔

(۳) ابیات نعت (سنہ ۱۲۷۴ھ) اس کے ۱۰۱ شعر ہیں۔ یہ قصیدہ ہے۔

(۴) چتر شاہنشاہی کے عنوان سے ۱۲ بند کی ایک مثنوی ایک دوست کے لئے لکھی جو تخلص کی تبدیلی سے واجد علی شاہ اودھ کی مدح میں ہے۔ سنہ تصنیف ۱۲۷۵ھ۔

(۵) مثنوی "صبح تجلی" سنہ ۱۲۸۹ھ۔ سالِ ولادت اصبح اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(۶) فغان محسن (سنہ ۱۲۸۹ھ) مثنوی۔

(۷) نگارستان الفت۔ (مثنوی)

(۸) مدیح خیر المرسلین (نعتیہ قصیدہ سنہ ۱۲۹۳ھ)۔

(۹) چراغ کعبہ (مثنوی معراج سنہ ۱۳۰۱ھ)

(۱۰) شفاعت و نجات (۱۳۱۱ھ مثنوی)

(۱۱) شرح حال روز قیامت (مثنوی ہے جو سنہ ۱۳۱۱ھ میں لکھی گئی)

(۱۲) حشر وحشت افزا (مثنوی سنہ ۱۳۱۱ھ)

(۱۳) طلب دعائے خیر نفوس قدسیہ (مثنوی سنہ ۱۳۱۱ھ)

(۱۴) نعت منبع الطاف احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (۱۳۱۱ھ نعتیہ مثنوی)

(۱۵) شفاعت شفیع (مثنوی۔ سنہ ۱۳۱۱ھ)

(۱۶) خزانۂ رحمت (مثنوی۔ سنہ تصنیف ۱۳۱۱ھ)

(۱۷) شفاعت مکرر (مثنوی۔ مصنفہ ۱۳۱۱ھ)

(۱۸) چشمہ اشت دعلوی مقبول (انشاء اللہ) (سنہ ۱۳۱۱ھ مثنوی)

(۱۹) رباعیات۔ (جملہ ۲۸)

(۲۰) نظمیں بطور مناجات

(۲۱) غزلیں (جملہ ۲۰)

(۲۲) نظم دل افراز (قصیدہ - سنہ ۱۳۱۸ھ)

(۲۳) انیس آخرت (قصیدہ - سنہ ۱۳۲۲ھ)

ان کے علاوہ کئی قطعات تاریخ بھی لکھے ہیں۔

محسن کاکوروی کا مقام اردو نعت گو شعراء میں نہایت بلند بتایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے کلام کے متعلق ڈاکٹر ابواللیث کا خیال ہے:

"محسن کی نعت میں تخلیقی شان پائی جاتی ہے۔[۵۱] محسن کا کلام بھی شاعرانہ صناعی کا نادر نمونہ ہے۔[۵۲] محسن کا کلام جذبات کی غیرفانی بنیادوں پر استوار ہے۔ خلوص اور محبت شیفتگی اور عقیدت جو محسن کی زندگی کے عناصر ہیں انہی سے ان کی شاعری نے ترکیب پائی ہے[۵۳]۔"

اس رائے سے بالکل برعکس مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:

" متاخرین کے دَور میں محسن کاکوروی نے نعت گوئی کو ...... اپنا خاص فن بنالیا اور غیرمعمولی شہرت حاصل کی لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے اس مقدس موضوع کے متعلق لکھنؤ کی بر خود غلط شاعری کا استعمال اور

---

۵۱ لکھنؤ کا دبستان شاعری صفحہ ۳۱۳۔

۵۲ " " " ۳۱۶۔

۵۳ " " " ۳۱۷۔

بھی غلط طریقے سے کیا۔"[۱]

"اور ان تمام خصوصیات کے اجتماع نے ان کے کلام کو اس قدر بے اثر کر دیا کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں کسی مذہبی جذبے سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں۔ غرض انھوں نے جو نعتیہ قصائد اور نعتیہ مثنویاں لکھی ہیں ان کا بیشتر حصہ ایک معما اور چیستان ہے۔ نعت نہیں ہے۔"[۲]

اب محسن کاکوروی کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم دیکھیں گے کہ یہ بیانات ان کے کلام پر کہاں تک منطبق ہوتے ہیں۔ محسن کاکوروی کی زندگی کے حالات میں اس خواب کا ذکر کیا گیا ہے جس میں وہ رسولِ کریمؐ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ حقیقت میں وہی خواب محسن کی شاعری کا پیش خیمہ ہے۔ ایک نعتیہ قصیدہ جو محسن نے ۱۶ سال کی عمر میں لکھا یہ ان کے نعتیہ کلام کے ارتقاء کی پہلی کڑی ہے۔ یہاں محسن کے خواب کو صرف اس حیثیت سے پیش نظر رکھنا ہے کہ سن شعور نے پہلے ہی شاعر کی فطرت اور جبلت جمال محمدیؐ پر فریفتہ رہی ہے۔ اور یہی کیفیت اسے ان جذبات کی ترجمانی کے لئے ابھارتی رہی۔ محسن نے اس کا اظہار اس طرح کیا ہے:

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسنؔ ۔۔۔ کلام نعتیہ رکھا میری زبان کے لئے

محسن سخن سنجی کو پروردگار عالم کا ایک بڑا انعام قرار دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں اس انعام کی عطا کا مقصد یہ ہے کہ اس کا سارا کمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں صرف ہو۔

---

[۱] شعر الہند، حصہ دوم صفحہ ۱۹۹۔

[۲] " " " ۲۰۰

زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیان کے لئے　　　　سخن کو رتبہ ملا ہے میری زبان کے لئے

شاعر کا بجا طور پر فخر ہے کہ محاسن کلام کے سارے مراتب جو اس کی زبان کو حاصل ہیں ان کا استعمال اس نے غلط طریقے پر نہیں کیا۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی شاعر کا تخیل نعت کے مضمون کو چھوڑ کر کسی اور طرف چلا بھی جاتا ہے تو اس کا خلوص اسے پھر نعت کی طرف لوٹا دیتا ہے۔

مضمون نعت میں پڑھوں محسن کوئی غزل
کیوں گلزمین شعر کی مٹی خراب کی

شاعر فنا فی اللہ کے بجائے فنا فی الرسول ہونے کی تمنا میں بارگاہ رسولؐ میں دست سوال دراز کئے ہوئے ہے۔

اے بحر فیض بے خبر اپنے حباب کی　　　　محسن کی التجا ہے فنا فی الرسولؐ ہو

یہ خلوص و محبت کی باتیں ہیں۔ منطقی تنقید کی یہاں گنجائش نہیں۔

نعت گو شعراء میں محسن کی یہ خصوصیت نہایت ممتاز ہے کہ ان کی شعر گوئی کی ابتداء نعت سے ہوئی ہے۔ محسن کے ذہنی ارتقاء کو ہم ان کے کلام کی روشنی میں جانچیں تو ہمیں یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ شاعر شاہد مجازی کی محبت کے مضامین سے گزر کر آخر عشق نبیؐ کی طرف لوٹا ہے۔ دیگر شعراء کا مقام بھی نعت گو کی حیثیت سے نہایت بلند ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کی گوناگوں خصوصیات نے انھیں اردو ادب میں ایک خاص رتبہ بخشا ہے۔ لیکن انھیں یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ ان کی زبان کھلی تو ذکر محمدیؐ سے۔ محسن کے حسنِ کلام کا آغاز اور انجام دونوں صرف نعت ہیں اور ان کی ادبی عظمت کا سارا دارومدار ہی نعت گوئی پر ہے۔ شاعر اپنے کلام کی رنگینی کو زاد آخرت سمجھ کر ایمان و ایقان کے ساتھ

بارگاہ قدس میں پہنچتا ہے۔

خدا کے سامنے محسن پڑوں گا وصف نبیؐ　　سجے ہیں جھاڑ یہ باتوں کے لامکاں کے لئے

محسن کے خلوص کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو گی کہ جب اس قادر الکلام شاعر نے بارگاہ سرور کائنات میں مدح سرائی کی خدمت کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار بنا لیا تو پھر کسی دوسرے کی بارگاہ میں پہنچ کر مدح نہ کی۔[1]

یہ ہے خواہش کروں میں عمر بھر تیری ہی مداحی
نہ اٹھے بوجھ مجھ سے اہل دنیا کی خوشامد کا

یہ نہیں کہ شاعر کا یہ جذبہ انعام و اکرام کی تمنا سے مستغنی ہونے کی بنا پر ہے اور اسی لئے وہ اہل ثروت کی مداحی کو عار خیال کرتا ہے۔ حقیقت میں جو انعام و اکرام محسن کی نظر میں ہے وہ اس کے حوصلے کی بلندی کا ثبوت دیتا ہے۔ شہنشاہِ کونین سے شاعر کی امیدواری ان اشعار سے ظاہر ہے:

گزرے مری نعت کے سخن میں　　رکھی ہو یہ مثنوی کفن میں
اس دم کھلے چشم آرزومند　　جب دفتر حشر ہو چکے بند
جلدی کرے شوق قلب مضطر　　کھل جائیں مرے براق کے پر
اس تیزی سے آئے سبک بال　　پیچھے رہیں کاتبان اعمال
پہنچے مرا بادپا ارم تک　　پہنچا دے مجھے ترے قدم تک
رہ جائیں نہ میرے دل کے ارمان　　مشکل ہو نہ مشکلیں ہوں آسان

---

[1] ایک قصیدہ واجد علی شاہ کی شان میں "شاہی چتر" کے عنوان سے اپنے لئے نہیں بلکہ کسی دوست کی خاطر تخلص تبدیل کر کے لکھا تھا۔

پھولے پھلے گلشن تمنا ـ عقبیٰ مری پھل ہو پھول دنیا
ہاں شوق و خلوص و التجا ہو ـ واں میں ہوں آپ ہوں خدا ہوں

وصفِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں محسن کے اشعار کا رنگ بھی یہی ہے۔

نور القمرین والکواکب ـ خورشید مشارق و مغارب
ہاشم کی کلاہ میں گل تر ـ دامن میں قریشیوں کے گوہر
امکان کے گھر کا ابر نیساں ـ دریائے قدم کا شاخ مرجان
صانع کے قلم کا رنگ ایجاد ـ بندوں کے چمن کا سرو آزاد

جس والہانہ جذبہ کا اظہار محسن کے ہر لفظ سے ہو رہا ہے اس سے محسن کے خلوص کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ ذکر نبیؐ کے وقت شاعر کے احساسات تمام تر بیدار ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے دل و دماغ میں حقیقت محمدیؐ جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ اس کا یہی خلوص کلام میں یہ خصوصیت ہر جگہ نمایاں ہے۔ چنانچہ ذیل کی مثالوں سے اس کی بخوبی وضاحت ہو جائے گی۔

ہم رتبۂ صفی باصفا کا ـ مصداق خطاب مصطفیٰؐ کا
وہ روز ازل کا سعد اکبر ـ وہ اول ما خلق کا مظہر
وہ سطر اخیر صفحۂ راز ـ وہ مطلع اولین آغاز
وہ آخیر انبیاء مرسل ـ جس کا ثانی نہیں وہ اوّل
تنزیہہ کا لطف پانے والا ـ شان وحدت دکھانے والا

پھر وہ سبب ظہور ایمان ـ ظلمات جہاں میں آب حیوان
جس کے شہدا کا واپسیں دم ـ صبح انفاس ابن مریم
جیسا کرم آیت شفا ہے ـ بیمار کے درد کی دوا ہے

ہے جس کی اذان صبح گاہی — احیائے شریعت الٰہی
وہ گوہر آب زندگانی — جس کا اول نہیں وہ ثانی
شان احد احمد مکرم — شاہنشاہ کشور دو عالم [۱]

پھر وہ گل نو بہار معنی — وہ گوہر شاہوار معنی
ہے جس کی زبان میں فصاحت — ہے جس کے کلام میں ملاحت
ہے جس کی شگفتہ رنگ تقریر — ما ینطق عن ہوی کی تفسیر
اعجاز اثر بیان شیریں — قرآن کا ورق زبان شیریں
اورنگ نشین عزت و جاہ — زور سر پنجۂ ید اللہ [۲]

محبوب خدا نبی مرسلؐ — صبح دو میں روز اول
شاہنشہ انبیاء محمدؐ — تاج سر اصفیاء محمدؐ
خورشید سپہر دین محمدؐ — نور عین الیقین محمدؐ
سلطان فلک حشم محمدؐ — مہر عرب و عجم محمدؐ
جان و دل مرسلین محمدؐ — روح روح الامین محمدؐ
گنجینۂ اصطفا محمدؐ — آئینہ حق نما محمدؐ [۳]

طوالت کے خوف سے اس قدر نعتیہ اشعار پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ محسن کے کلام میں ہر جگہ یہی رنگ جلوہ گر ہے۔

---

[۱] کلیات محسن (چراغ کعبہ) صفحہ ۲۱۰، ۲۱۱۔ [۲] کلیات محسن صفحہ ۲۱۹۔
[۳] کلیات محسن (صبح تجلی)، صفحہ ۱۴۱، ۱۴۲۔

۲۔ محسنؔ کے کلام کی دوسری خصوصیت الفاظ کے انتخاب کا اعجاز ہے۔

شاعر اپنے گرانبہا موتیوں سے نظم کو سنوار کر شہنشاہِ کونین کی بارگاہ میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہے۔ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب بیان کرنے میں محسنؔ کو خاص مہارت حاصل ہے۔ لکھنؤ کی شاعری کے سارے معائب میں ایک حسین پہلو وہاں کی زبان کا نکھار ہے۔ صنائع بدائع کے برتنے میں شعرائے لکھنؤ کا اعتدال قائم نہ رکھنا ایک ایسا عیب ہے جو حقیقت میں حسن کی بگاڑی ہوئی شکل ہے۔ لکھنوی رنگ میں ہم صنعت گری کے نادر نمونے پاتے ہیں لیکن یا تو وہ نری صنعت گری ہے یا جو مضمون اس کے اندر سمویا گیا ہے وہ نہایت قبیح ہے۔ اس لحاظ سے کہیں نہ کہیں لکھنوی شاعری کے حسین چہرے پر بھی داغ ضرور نظر آتا ہے۔ عشق و محبت کے صحیح جذبات کی لطافت کا فقدان، سوز و گداز سے محرومی، جذب، کیف، تڑپ اور درد و الم کی نامرادی حسین سے حسین تخیل کے حسین چہرے سے رونق چھین لیتی ہے اور فن کار کی ساری صناعی اپنی جگہ رہ جاتی ہے۔ ایک خاص ماحول کے لئے ایسا کلام ممکن ہے جاذبِ توجہ ہو لیکن اسے بقائے دوام حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جس بیان میں زندگی کی ان سرمدی کیفیتوں کو نہ سمویا جائے گا جو ازل سے انسان کے رگ و پے میں جاری ہیں اور ابد تک رہیں گی اس وقت تک اس کو زندہ شاعری میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لکھنؤ کی اس رنگ کی شاعری نے اپنے انتہائی عروج میں بھی اردو ادب کے اس ذخیرے کو زینت بخشی جسے ناقد کے مذاقِ سلیم نے پست قرار دیا۔ اس لحاظ سے محسنؔ ایک مجتہد کی حیثیت رکھتے ہیں کہ انھوں نے ماحول کے اس بگاڑ میں اصلاح

کی بہترین راہیں پیدا کیں۔ نہ صرف لکھنؤ کے محاسن کے کھوٹ کو دور کیا بلکہ ان میں اور چار چاند لگا دئے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کا محل استعمال ہی اس کی قدر کو گھٹاتا یا بڑھاتا ہے۔ وہی زبان جو امراء القیس کے تخیل کی زد میں فنی حیثیت سے نہایت حسین لیکن اخلاقی لحاظ سے نہایت گھناؤنی تصویر کشی کے لیئے مامور تھی قرآن کی زبان بن کر پاکیزگیوں کے موتی رولتی ہی اور احساسات کو ستاروں سے آگے پرواز کے لئے ابھارتی ہے۔ محسنؔ نے زبان کے اعجاز کو ایک ایسے موضوع کے لئے وقف کر دیا جو خود سراپا اعجاز ہے۔ ان کے یہاں زبان کی سلاست، روانی، سادگی اور صوفیت ایک موسیقی کا سماں باندھ دیتی ہے جو سمجھ کر پڑھتا ہے سر دھنتا ہے اور جو سمجھ کر نہیں پڑھتا وہ بھی لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ یہ ضرور ہے کہ مطالب پر احاطہ کرنے کے لیئے اور محاسن کو پوری طرح سمجھنے کے لئے کچھ علمی استعداد کی ضرورت ہے ایسی استعداد جس میں دینی معلومات کو بھی دخل ہو۔ اس لئے محسنؔ کو عوام کا شاعر کہنے میں ناقدین کو تامل ہو سکتا ہے۔

محسنؔ نے معانی کے دریا بہا دئے اور الفاظ کی نشست، محل استعمال مضمون سے ان کی مناسبت کی نئی نئی صورتیں پیدا کر کے تخیل کے لئے بے پایاں وسعت کا سامان کیا۔ اس ہمہ گیری کے باوجود خیال اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں پاتا۔ پھر زبان کے آب و تاب کا یہ عالم ہے کہ

ہر گوہر قلزم تکلم　　　سیارۂ آسمان ہفتم

شاعر کا تخیل ہمیشہ بلند سے بلند مقامات پر کمندیں ڈالتا ہے۔ اگر محسنؔ کو یہ دعویٰ ہے کہ

جاتا ہے کلیم آسمان تک　　　معراج سخن ہے لامکان تک

تو اس میں حسن مبالغہ کے ساتھ محسن کے کلام کی بڑی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ ساتھ ہی ان کا یہ کہنا بھی معنی خیز ہے کہ

مضمون نئے روپ کی دلہن ہے | ایک راستی لاکھ بانکپن ہے

محسن نے جن بدیع اور نادر تشبیہات اور استعاروں سے اپنے کلام کو مزین کیا ہے ان سے شاعر کے حسن مذاق اور شاعرانہ صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ محسن کی باریک بین نگاہ اور احساسات کی شدت تاثر نے تخیل کو جذبات کے پر لگا کر اُڑایا ہے۔ ساتھ ہی طبیعت کی رنگینی کچھ اس طرح جاگزیں ہے کہ کسی مقام پر ساتھ نہیں چھوڑتی۔ شاعر الفاظ کو ہمیشہ پیچ و تاب میں مبتلا رکھتا ہے اس لئے ان کی تشبیہیں نہایت متحرک اور کیف آور ہوتی ہیں۔ مثلاً

سرسبزیٔ طبع نکتہ پرور | کشافِ رموز خلد و کوثر
کاغذ میں سطور کا تسلسل | ہے کھیت میں چاندنی کے سنبل
شبدیزِ قلم کی شان اعلیٰ | جنگل میں براق کے غزالہ
تحریک انامل سخن گو | جبریل امین کا دست بازو
از رفعت طبع من چہ پرسی | ہر حرف کی عرش پر ہے کرسی
ایک رات کی روشنی ہے دل میں | چھٹکی ہوئی چاندنی ہے دل میں

مدح جبریل کوئی معما نہیں ہے بلکہ شاعر کی صناعی کا اعجاز ہے۔

عمانِ کرم کے در منثور | قرآن شریف کے سورۂ نور
مانند دوا زمین پہ نازل | مانند دعا سپہر منزل

وصف براق میں جو لطافت نادر تشبیہوں اور استعاروں سے پیدا کی گئی ہے اسے دیکھ کر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک غیر محسوس لطافت کا بیان

اس سے زیادہ محسوس طور پر کیوں کر ہو سکتا ہے۔ شاعر نے ایک غیر مرئی حقیقت کو حواس پر واضح کرنے کے لئے الفاظ سے سحر کا کام لیا ہے۔

مہ پارہ فلک سے آنے والا — اطلس کو کتان بنانے والا
یوں چرخ سے نکلے وہ سبک رو — فانوس سے جس طرح کہ پرتو
شیشے سے پری چمن سے شبنم — سیپی سے گہر حباب سے دم
گلشن سے بہار جسم سے جان — آنکھوں سے نیند دل سے ارمان

محسنؔ کے کلام میں تلمیحات جا بجا ہیں جن کی مثالیں نمونہ کلام میں کثرت سے ملیں گی۔ یہاں صرف دو شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

محبوب خدا انس و جان کا — مقصود رموز کن فکاں کا
منظور اشارہ فکبّر — قائم بہ مقام قم فانذر

اس میں شک نہیں کہ تلمیحات کو سمجھنے کے لئے قرآن اور حدیث کے مضامین کا نظر میں رہنا ضروری ہے۔ لیکن اس سے کلام کی خوبی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ حقیقت میں نعت کا موضوع ہی "خلق قرآن" ہے اور ظاہر ہے کہ محسنؔ کا نعتیہ کلام تفسیر ہے "خلقہ القرآن" کی۔ اسی لئے محسنؔ کی صناعی اور لفظی رعایت کی ساری صورتیں قرآن اور حدیث کے مضامین کے اطراف گھومتی ہیں۔ اس کے ساتھ یہ ضرور ہے کہ محسنؔ انداز بیان میں شاعرانہ صناعی سے کام لیتے ہیں اور دل و دماغ کے لئے لطف اندوزی کی سینکڑوں راہیں کھول دیتے ہیں۔

حسن تعلیل کا مضمون بھی نہایت حسین ہے۔ شعراء کے کلام میں ایسی مثالیں کم ملیں گی کہ مسلسل ایک صنعت کو مختلف صورتوں میں پیش کیا گیا ہو۔

کیفیت وحی میں ہے بلبل　　ہے وقت نزول مصحف گل
محو تکبیر فاختہ ہے　　قد و قامت سرو دلربا ہے
ایک شاخ رکوع میں رکی ہے　　اور دوسری سجدے میں جھکی ہے
سوسن کی زبان پر مناجات　　جاری لب جو سے التحیات
تسبیح شگوفہ یا مصور　　تحریمہ تاک ربِّ اغفر

کیاری ہر اک اعتکاف میں ہے　　اور آب رواں طواف میں ہے
ہر تخم بہ خلوت آرمیدہ　　ہر ایک ثمر خدا رسیدہ
سجادہ بدوش لالہ یک سو　　یک سو شب زندہ دار شبو
ہے استغراق نیلوفر کو　　پاس انفاس ہے سحر کو
سیفی جو زبان خار پر ہے　　نرگس کی نگاہ میں اثر ہے
کہتا ہے اشارۃً بچالو　　موتوا من قبل ان تموتوا

جگنو کا ہوا ہیں یہ اشارہ　　ظلمت کا چمک رہا ہے تارا
ہر قطرہ وضو کی فکر میں گم　　ہر ذرہ کئے ہوئے تیمم
کہتا ہے جھکا ہوا اندھیرا　　ہو جائے قبول سجدہ میرا

تخیل کی بلندی

اس حاصل زندگی کے ظہور کے وقت وجود کو جو کمال نصیب ہو رہا ہے اس کی تفصیل شاعر مسلسل کرتا جاتا ہے اور زور بیان میں کہیں تکان، چستی میں کہیں جھول، تخیل کی ہمہ گیری میں کہیں تنگی اور شگفتگی میں کہیں کمی نظر نہیں آتی۔ ہر شعر محسن کے کمال پر شاہد ہے۔

پستی کا دماغ آسمان پر ق اوج افلاک مہر گستر
وہ ہے بلغ العلیٰ کی تفسیر یہ ہے کشف الدجیٰ کی تعبیر[۱]
شبنم کو دم فلک مآبی مٹی میں کمال بو ترابی
ہر قطرے میں آب و تاب گوہر ہر موج شعاع مہر انور
ہے فرش پہ عرش کی تجلی کہتی ہوئی لا الہ غیری
ہے قبلہ ہر ایک سمت پر نور ہر بیت ہے مثل بیت معمور
ہر نقص کمال کا سزاوار ہر جزو میں عقل کل کے آثار
کیا رنگ قبول جلوہ گر ہے ہر گل پہ ہزار کی نظر ہے
ہے چاندنی ایک ماہ پیکر سورج مکھی آفتاب انور
اورنگ نشین باغ ہے گل اور ہفت ہزاریوں میں بلبل
ذی حکم خزانہ اشرفی ہے صد برگ کا اسم پانصدی ہے
عباس کو دعویٰ فتوت داؤدی کو شبہۂ نبوت
ہر دانہ ہے عابد سحر خیز ہر ذرہ خاک شمس تبریز
القاب نسیم دامن دشت مخدوم جہانیاں جہاں گشت[۲]

شاعر کے تخیل نے وہ تمام لوازم ایک جگہ جمع کر دئے ہیں جو زیارت بیت اللہ سے متعلق ہیں۔ رات کے اس انداز سے مقدس مقام میں داخل ہونے کے لئے محسن نے بڑا التزام کیا ہے اور اس طرح ماحول کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ جس میں پاکیزگی ہی پاکیزگی بسی ہوئی ہے۔ یوں تو رات کی آمد کا

---

[۱] کلیات محسن: (صبح تجلی) صفحہ ۱۲۵۔
[۲] " " " ۱۳۸، ۱۳۹۔

مضمون دیگر شعراء کے کلام میں بھی ملتا ہے۔ لیکن محسن نے اس منتخب رات کی منظر کشی میں اپنا پورا کمال صرف کر دیا۔ اور نہایت بدیع الفاظ اور ترکیبوں سے اسے مزّین کیا ہے۔

بھیگی ہوئی رات آبرو سے | داخل ہوئی کعبے میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام | شبنم کی ردا بقصد احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال | جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
گیا سعی صفا سے رنگ فق ہے | سر سے پا تک عرق عرق ہے
نامحرموں سے چھپائے چہرہ | پروین کو بنائے منہ کا سہرا
آنا کھلتا ہوا نہ جانا | انداز خرام صوفیانہ
سناٹے کا دم انیس وہمدم | انفاس ہوا رفیق و محرم

محسن کی قصیدہ گوئی

محسن نے (۵۱) ابیات کا پہلا قصیدہ گلدستۂ کلام رحمت (۱۲۵۸ھ) ۱۶ سال کی عمر میں لکھا۔ اس کی تشبیب بہاریہ ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن | غنچہ ہے نام خدا نافۂ آہوئے ختن

گریز کے لئے شاعر نے عشق نبیؐ میں پریشانی کے مضمون کو لیا ہے۔

کس کی کاکل کے تصور میں پریشاں ہوں میں
کون سے آئینۂ رخ پر ہوں میں حیران ہمہ تن

جس کی توصیف میں خود خامۂ نقاش ازل
لکھ چکا مطلع ایجاد بوجہ احسن

جس کی ہے شرع متین ناسخ ادیان و ملل
مثبت حق ویقین کاشف ہر شبہ و ظن

مدح نبیؐ میں زیادہ تر کاکل، ابرو، زلف، دندان وغیرہ کا ذکر ہے۔

محسنؔ کاکوروی کے جس قصیدے نے بڑی شہرت حاصل کی وہ مدیح خیرالمرسلینؐ (۱۲۹۲ھ) ہے اس کے ۱۴۲ اشعار ہیں جن میں تشبیب کے ۷۸ اشعار ہیں۔ اس طرح گریز کے بعد مدح کے مضمون تک پہنچتے پہنچتے ۸۲ ابیات سے گزر جانا پڑتا ہے۔ اس تشبیب کا ایک نقص تو یہ ہے کہ اس کے اشعار کی تعداد مدحیہ اشعار سے بہت بڑھی ہوئی ہے پھر جو منزلیں شاعر کے تخیل کو اس نور کے میدان میں پہنچنے کے لئے طے کرنی پڑیں اس کی وضاحت محسنؔ کے ان اشعار سے بخوبی ہو سکتی ہے۔

کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا
کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استھل

کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر
گھاگرا پر کبھی گذرا کبھی سوئے چمبل

اس تشبیب کا حسن بھی اپنی جگہ مسلم ہے اور عیب بھی۔ جو چیزیں قصیدے کے معائب میں شمار کی گئی ہیں ان کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کہ اس کا جواز سابق کے نمونوں میں ملتا ہے۔[لہ] یہ درست ہے کہ حضرت کعب بن زہیر کا ۵۹ اشعار کا نعتیہ قصیدہ "بانت سعاد" ۳۴ اشعار تک تشبیب ہی میں الجھا ہوا ہے جس کا مضمون نعت رسولؐ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ دوسرا قصیدہ حضرت حسانؓ بن ثابت کا یعنی قصیدہ ہمزیہ جو فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے پڑھا تھا نمونتہً لیا جائے تو وہ بھی تشبیب کے لحاظ سے عام روش

لہ قصیدے کی اس تشبیب کے جواز کے لئے امیر مینائی نے یہی دلیل پیش کی۔

اختیار کئے ہوئے ہے۔ یہاں بھی ذکر محبوبہ و دیار خالیہ، شراب، عورت سب کچھ ہے لیکن اس کے جواز کے لئے یا اسے شاعری کے محاسن میں شمار کرنے کے لئے یہ دلیل قوی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ کسی قوم کا مذہب بدل جانے سے مذاہب ادبیہ ایک دم نہیں بدل جاتے۔ ان کو بدلتے ہوئے وقت لگتا ہے۔ لہٰذا اسلامی ادب کے لئے زمانۂ جاہلیت کے ادب کو نمونہ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ تین سو سال کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ المتنبی (متوفی سنہ ۳۵۷ھ) جو قصیدہ کا بادشاہ ہے قصائد کو ان معائب سے پاک کر دیتا ہے۔

اس نے گریز کی بھونڈی شکلوں سے بھی پرہیز کیا ہے اور وہ تشبیب میں مدح کی مناسبت سے مضمون لاتا ہے۔

شاعر تشبیب اور مدح کے مضامین کو اس طرح مربوط کر دیتا ہے کہ سننے والے کو محسوس نہیں ہوتا کہ وہ زبردستی غیر متعلقہ بات چھیڑ رہا ہے۔ ساتھ ہی تشبیب کے اشعار کی بے جا طوالت سے بھی اس کے قصیدے پاک ہیں۔ تشبیہیں رقصاں اور مدلل ہوتی ہیں۔ وہ گھوڑے کی لگام کو سلسلاتے ہوئے ناگ سے تشبیہ دیتا ہے اور شوق اور جذب کی کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے کہ جسم زین سے نکل کر آگے بڑھنے کو بیتاب ہے اور قلب جسم سے نکل کر شوق کے پر لگا کر اڑنا چاہتا ہے۔ کافور کی مدح میں قصیدہ صرف ۴۷ اشعار کا ہے۔ ان اشعار میں تشبیب اور گریز کے (۲۰) شعر ہیں جن میں عشق و محبت کے ساتھ اخلاقی مضامین اور گھوڑوں کی تعریف سب کچھ سما گئی ہے۔ اس لحاظ سے محسن کاکوری کے قصیدے مدیح خیر المرسلین میں نہ تو تشبیب اس معیار پر اترتی ہے اور نہ گریز میں

کوئی جدت اور خوبی پائی جاتی ہے۔ ساتھ ہی مدیح خیرالمرسلینؐ کے عنوان کو دیکھ کر فطری طور پر پڑھنے والا مدح کے مضمون کے لئے بے چین رہتا ہے۔ یہاں اس شوق کا لحاظ کرتے ہوئے بھی شاعر کا فرض ہے کہ وہ تشبیب کے راستے سے اس طرح گذر جائے کہ یہ بے چینی کسی اور دلچسپی میں کھو جائے یا یہ کہ تشبیب کا مضمون نعت سے مناسبت رکھتا ہو۔ یہ ضرور ہے کہ تشبیب کا مقصد یہ رہا ہے کہ لطیف جذبات اس طرح برافروختہ ہوں کہ مدحیہ اشعار تک پہنچتے پہنچتے سرور کیف میں تبدیل ہو جائے۔ محسنؔ کی تشبیب کے اکثر حصے کیف آور ضرور ہیں اور ان کی اس بیانیہ شاعری میں تخیل کی رنگ آمیزی کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ اس میں ایک جدت یہ بھی شاعر نے پیدا کی ہے کہ ہندوستانی فضا کا دلآویز سماں باندھ دیا ہے اور اس لحاظ سے قصیدے کے اس حسین پہلو کی داد دینی پڑتی ہے۔ "اردو نعت گوئی پر ہندوستانی صنمیات کا اثر" کے عنوان کے تحت محسنؔ کے کلام کی اس خصوصیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اب محسنؔ کے قصیدے کے اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل — برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل — جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول عمل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی — کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی — ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل[1]

---

[1] کلیات محسن صفحہ ۱۵۹- ۱۶۰-

راکھیاں لیکے سلونوں کی برہمن نکلیں — تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے — نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل
تہ و بالا کئے دیتے ہیں ہوا کے جھونکے — بیڑے بھادوں کے نکلتے ہیں بھرے گنگا جل [۵۱]

حسن مبالغہ ملاحظہ ہو:

ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے
برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل [۵۲]

شاعر نے گریز کے لئے یہ صورت اختیار کی ہے:

ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار
ہو تی آئینہ مضمون کی دو چنداں صیقل
روئے معنی ہے بھٹکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف
تاکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل
اک ذرا دیکھئے کیفیت معراج سخن
ہاتھ میں جام زحل شیشۂ مے زیر بغل
گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھا پاؤں
کہ تصور بھی وہاں جا نہ سکے سر کے بل
یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں
خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل
تار باراں مسلسل ہے ملائک کا درود
پئے تسبیح خداوند جہاں عز و جل

۵۱، ۵۲ کلیات محسن صفحہ ۱۶۱۔

کہیں طوبیٰ کہیں کوثر کہیں فردوس بریں
کہیں بہتی ہوئی نہر لبن و نہر عسل

گل بیرنگیٔ مطلق کے مہکتے گلزار | بے نیازی کے ریاحین سے مہکتے جنگل
باغ تنزیہ میں سرسبز نہال تشبیہ | انبیا جسکی ہیں شاخیں عرفا ہیں کوپل
گل خوش رنگ رسول مدنی عربی | زیب دامان ابد طرۂ دستار ازل [۵۱]

. . . .

اس قصیدے کے مدحیہ اشعار یہ ہیں :

نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر | نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوج رفعت کا قمر نخل دوعالم کا ثمر | بحر وحدت کا گہر چشمہ کثرت کا کنول
مہر توحید کی ضو اوج شرف کا مہ نو | شمع ایجاد کی لو بزم رسالت کا کنول
مرجع روح امین زیب دہ عرش بریں | حامی دین متین ناسخ ادیان و ملل
ہفت اقلیم ولایت میں شہ عالی جاہ | چار اطراف ہدایت میں نبی مرسل [۵۲]

اوصاف نبیؐ کے بیان میں شاعر ہمیشہ جذب و کیف کے ساتھ والہانہ انداز رکھتا ہے۔ گویا شمع محمدیؐ پر پروانہ وار نثار ہو رہا ہے۔ اس کی کیفیت کا یہ عالم ہے کہ بہ قول محسنؔ

"وجد میں آ کے قلم ہاتھ سے جائے نہ اچھل"

شاعر کی مناجات درد اور اثر سے لبریز ہے :

---

۵۱ کلیاتِ محسنؔ : صفحہ ۱۷۵ ۔
۵۲ " " ۱۷۵ ۔

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل
دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے
صرف تیرا ہو بھروسہ تری قوت ترا بل
آرزو ہے کہ رہے دھیان ترا تا دمِ مرگ
شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل
نام احمد بزبان سرِّ یلا میم بصدر
لب پہ ہو صل علیٰ دل میں میرے عزّ و جل
روح سے میری کہیں پیار سے یوں عزرائیل
کہ میری جان مدینے کو جو چلتی ہے تو چل

محسنؔ مثنوی نگار کی حیثیت سے

محسنؔ نے چھوٹی چھوٹی مثنویاں کئی لکھی ہیں۔ جن کی فہرست شروع میں دی جا چکی ہے۔ نیز ان کی مثنویوں سے ان کے کلام کا نمونہ بھی پیش ہو چکا ہے۔ مثنوی کے مضامین محدود نہیں ہیں۔ محسنؔ نے اسے نعت نبیؐ کے لئے استعمال کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ محسنؔ کی مثنویاں قصیدے کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ "چراغ کعبہ" محسنؔ کی مشہور مثنوی ہے۔ اس کی تمہید تشبیب کے رنگ میں ہے۔ 'شفاعت شفیع' میں شراب کا ذکر چھیڑ کر گریز کی اچھی راہ نکالی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ محسنؔ اس صنعت کو فنی اعتبار سے کہاں تک نباہ سکے ہیں۔ مثنوی نگاری کے چند اصول ہیں جن میں مقدم اصول

یہ ہے کہ بیتوں اور مصرعوں کی ترتیب سنجیدہ ہو اور ایک بیت دوسری بیت سے اس طرح مربوط ہو کہ پڑھنے والا ان کے درمیان کوئی خلاء محسوس نہ کرے۔ مثنوی میں کسی واقعہ یا داستان کا بیان اس طور پر ہو کہ قصے کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں۔ ساتھ ہی جس پہلو کو زیادہ نمایاں کرنا ہے اس کے مناسب اس کے بیان میں زور اور ابھار پایا جائے۔ واقعہ یا قصے کو پیش کرکے جو اثر پیدا کرنا مقصود ہے اس کے لئے جذبات موقع بہ موقع ابھارے جائیں۔ محسنؔ کاکوروی کے یہاں ان لوازم کی پابندی کماحقہٗ پائی جاتی ہے۔ محسنؔ کا جو کلام اس سے قبل نمونۃً پیش کیا جاچکا ہے اس میں اس کی مثالیں جا بہ جا ملتی ہیں۔

نعت گو شاعر مثنوی نگاری کی اس شرط سے آزاد ہے کہ جو قصہ بیان کیا جائے اس کی بنیاد ممکن اور ناممکن کے امتیاز پر ہو۔ اس لئے وہ اپنے عقیدے کے مطابق آسمانوں کی سیر کو بھی نظم کرسکتا ہے۔ انگلیوں سے پانی کے چشمے بھی بہا سکتا ہے۔ چاند کے دو ٹکڑے بھی کرسکتا ہے۔ استن حنانہ کی آہ و زاری کو بھی بیان کرسکتا ہے۔ سورج کے غروب ہونے کے بعد فوراً اسے مغرب سے طلوع بھی کرسکتا ہے۔ غرض کہ وہ زمان و مکان کی پابندیوں سے آزاد ہوکر اسرار خداوندی کی صادق البیانی میں سب کچھ کہہ سکتا ہے البتہ اتنی پابندی ضرور ہے کہ جو بھی کہے اس کے لئے مذہبی جواز حاصل ہو۔ جہاں تک محسنؔ کی کردار نگاری کا تعلق ہے تو وہ حدیث اور قرآن کی بنیاد پر نہایت مستحکم ہے۔ شاعر کے تخیل کی رنگ آمیزی نے اس میں ناہمواریاں کہیں پیدا نہیں کیں۔ کردار نگاری کی دشواریاں شاعر کے لئے اس وقت پیدا ہوتی ہیں جبکہ وہ طبع زاد کردار کی تشکیل میں صرف تخیل سے کام لیتا ہے۔ یہاں شاعر اس زحمت سے بھی بچا رہا۔

مثنوی نگاری کے اصول وقواعد میں ایک واقعہ نگاری ایسا اہم اصول ہے جس کی گرفت میں نعت گو اور غیر نعت گو شعرا یکساں آسکتے ہیں۔ لہٰذا دیکھنا یہ ہے کہ محسنؔ اس فرض سے کہاں تک عہدہ برآ ہو سکے ہیں۔ اس خصوص میں رسول کریمؐ کے سراپے کا بیان ہماری صحیح رہنمائی کرے گا۔

نقشے کی ہے وہ لطیف صورت ۔۔۔ جس سے کہ ہے اہلِ دل کو حیرت
صورت کا وہ دل پذیر نقشہ ۔۔۔ جس سے کہ ہے آئینہ کو سکتہ
سورج کی نہ دوپہر پلٹ جائے ۔۔۔ اس دم میرے سامنے سے ہٹ جائے
گر بدر کہیں اِدھر اُدھر ہو ۔۔۔ کہہ دو مرے شہر سے بدر ہوئے

تشبیہیں نہایت بدیع ہیں اور لطافت میں ایک خاص کیف رکھتی ہیں لیکن شاعر جو نقشہ پیش کرنا چاہتا ہے وہ نظر کے سامنے نہیں آتا۔

اور دیکھیے:

ابرو پہ جبیں مہ شمائل ۔۔۔ رکھی ہوئی رحل پر حمائل
پیشانی ہے جزو مصحف رو ۔۔۔ اس پارے کے دو رکوع ابرو
وَالَّیل کا ترجمہ ہے گیسو ۔۔۔ تفسیر اذا سجیٰ ہے گیسو
آنکھوں سے لکھو صفت آنکھیں ۔۔۔ مالاعَینٌ رأتْ وہ آنکھیں
بیداری بخت چشم ایجاد ۔۔۔ سیپارۂ رُخ کی سورۂ صاد

شاعر اپنے تخیل ہی میں کھو رہا ہے اور یکے بعد دیگرے تشبیہوں اور استعاروں کے ڈھیر لگا رہا ہے لیکن وہ جمال محمدیؐ کے مشاہدے میں اس قدر بے خود اور مست ہے کہ اسے محسوس نہیں ہوتا کہ یہ اس کے اپنے جذبات کی ترجمانی

لہ کلیات محسن صفحہ ۲۱۴۔

ہے یا سراپائے رسولِ اکرمؐ کا بیان۔

زبان اور بیان کی لطافت سے کوئی مقام چھوٹا ہوا نہیں ہے۔

بینی سے بلند اخترِ حسن — معراج پہ ہے پیمبرِ حسن

اسرار دہن ہیں وحی منزل — اور حامل وحی ریشِ مرسل

احباب ہیں لب مسیح تقریر — اعدا ہیں لئے کلیم شمشیر

کیا ذکر تبسّمِ نبی ہے — گل کی گلشن ہیں جو ہنسی ہے

کانوں کی سنی ہے کیا روایت — جو سر دھنے خطیب کی ولایت

جوہر کا بھرا ہوا خزینہ — آئینۂ بے مثال سینہ

اسرار نہ آسمان نظر میں — ڈوبے ہوئے ہفت بحر بر میں

اس گردن صاف کی بلندی — تکبیر فریضۂ سحر کی

رعنائی قامت مناسب — روزے ہیں اذان وقت مغرب

دیکھے ہیں فلک میں یا زمیں میں — ہاتھ ایسے کسی کی آستیں میں

لیکن سارا بیان شاعر کے اپنے تاثرات کا ہے۔ لفظی صناعی میں شاعر کہاں سے کہاں پہنچ گیا لیکن جمال محمدؐی کی ایک جھلک بھی نہ دکھا سکا! اس میں معنوی صفات کا بیان ضرور آگیا جو دراصل سراپا کا مقصود نہیں ہے۔

محسنؔ کو غزل گوئی سے زیادہ واسطہ نہیں رہا۔ چند غزلیں ضرور کہی ہیں ان کے کلیات میں کل (۲۰) غزلیں درج ہیں۔ چند تو دو دو تین تین اشعار کی ہیں۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے:

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زبان کے لئے

زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیان کے لئے

زمیں بنائی گئی کس کے آستاں کے لئے
کہ لامکاں بھی اٹھا سرو قد مکاں کے لئے

دکھائی خامۂ تنزیہہ حق نے تیری شبیہہ
جو بے نشانوں کو خواہش ہوئی نشاں کے لئے

تھی خوش نصیبی عرش بریں شب معراج
کہ اپنے سر پہ قدم شاہ مرسلاں کے لئے

نزول نسخۂ پاکیزۂ کلام مجید
ترے عروج ترے حمد کے بیاں کے لئے

عجب نہیں جو کہے تیرے فرش کو کوئی عرش
کہ لامکان کا شرف ہے ترے مکان کے لئے

رُباعیوں کی تعداد (۲۸) ہے۔ یہ رباعیاں سنہ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کی پریشانیوں میں لکھی گئیں جب محسنؔ کو خطرات کے پیش نظر آگرہ چھوڑ کر کاکوری جانا پڑا تھا۔ نمونہ درج ذیل ہے:

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے
عزت مری پیش قدسیاں کھلتی ہے
کہہ دو کہ ملک گوش برآواز رہیں
مداح پیمبر کی زباں کھلتی ہے

مواجی طوفان بلا ہر سو ہے — اور قلب کو اضطراب ہر پہلو ہے
کر دے بہ طفیل مصطفےٰ بیڑا پار — اس کشتی کا ناخدا خدایا تو ہے

کلام کا یہ بھی رنگ ہے جس میں اگر کوئی خوبی ہے تو رعایت لفظی اور عیب ہے تو وہ بھی رعایت لفظی۔ اس لکھنوی رنگ کی خوبی نے ان اشعار سے شعریت کو سلب کر لیا ہے۔

تری زلف سیاہ کا شعر ایک ادنیٰ سا لٹکا ہی
کرشمہ ہے غزل تیری غزال چشم اسود کا
لکھا سوجان سے دیباچہ گلستان کا سویدا پر
تصور جس کے دل میں خال خال آیا ترے قد کا
بعینہ افتتاح سورۂ صاد آنکھ کو کہئے
جو ابروئے کشیدہ میں ہے نقشہ صاد کی مد کا
نکالی چیستاں چوٹی کی گیسوئے مسلسل سے
معما نام رکھا ہے تری موئے معقد کا
محل گفتگو میں کیا حساب خامشی سمجھیں
مگر صفر دہان تنگ اشارہ ہے ندارد کا[۵۱]

مشکل از بسکہ تھا مضمون دہن کا نکتہ
اس لئے حاشیہ لکھا ہی خط رنگین کا
رخ جو ایمان ہی تو اک جزو ہی ایمان کا
ہے نیا حاشیہ یہ منہ ہی قرآن کا
نگہ پاک الف صاد ہے چشم زیبا
لام گیسو ہیں سر مو نہیں کچھ فرق اصلا
چہرے پر ہے خط گلزار سے یعنی لکھا
کہ وہ ہے اصل لئے خلقت دین و دنیا[۵۲]

---

[۵۱] کلیات محسن صفحہ ۹۷۔
[۵۲] کلیات نعت صفحہ ۹۲۔

میر اعظم علی خاں شائق (حیدرآبادی)

شائق عمدۃ العلماء نواز الدولہ کے نواسے تھے۔ عدالت دارالقضاء کے ناظم ایک عرصہ تک رہے۔ عربی اور فارسی کی اچھی لیاقت تھی۔ شائق کو شعر و سخن سے جو لگاؤ تھا اس پر ان کا ضخیم کلیات شاہد ہے۔ شعرگوئی میں تلمذ مائل سے رہا۔ سنہ ۱۳۱۵ھ میں انتقال کیا۔ حیدرآباد میں دفن ہیں۔

ان کا کلام جو (۴۰۰) صفحات میں پھیلا ہوا ہے زیادہ تر نعت پر حاوی ہے۔ اس میں دیگر عشقیہ غزلیں بھی شامل ہیں لیکن کم۔ حمد اور نعتیہ غزل کے بعد خلفائے راشدین کی مدح لکھی ہے۔ پھر حضرت غوث اعظم کی شان میں اشعار کہے ہیں۔ حضرت غوث سے جگہ جگہ عقیدت کا اظہار ہے۔ فارسی کلام کے صرف آٹھ صفحات ہیں۔ شائق نے واقعات کربلا کے عنوان سے سلام اور مرثیے بھی لکھے ہیں۔

شائق کے کلیات کی ضخامت سے ان کی قادرالکلامی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک ہی موضوع میں اتنی ہمہ گیری، وسعت اور بلندیٔ تخیل کی داد نہ دینا شاعر کے ساتھ ناانصافی کے مترادف ہے۔ مدح نبیؐ میں شائق نے طرح طرح سے گلکاریاں کی ہیں۔ ایک ہی خیال کو سو سو طرح سے باندھا ہے، اور محبت رسولؐ کی والہانہ کیفیت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ ان کے یہاں شروع سے آخر تک تغزل ہی تغزل ہے۔ کلیات میں سلام مثلث، مخمس، مسدس اور ٹھمریاں بھی شامل ہیں۔ لیکن رنگ سب کا ایک ہے۔ مضمون وہی عاشقانہ۔ شائق کی شاعری میں تمام تر داخلی جذبات کا اظہار

ہے۔ خلق محمدیؐ کو پیش کر کے اسوۂ حسنہ کی تبلیغ شاعر کا مقصود نہیں ہے۔ ایک والہانہ کیفیت ہے اور اسی میں وہ مست ہے۔ اسے رسولِ کریمؐ کی دربانی نصیب ہے اور اسی میں وہ خوش ہے۔ یہ عقیدت مندی کی فراوانی شاعر کو بے خود بنائے ہوئے ہے۔ وہ جمال محمدیؐ کا اس قدر فدائی ہے کہ جلال کی دوسری صورتیں اس کی نگاہوں سے مستور ہیں۔ بس ایک جذب اور کشش بارگاہ رسولؐ کی طرف کشاں کشاں اسے لے جاتی ہے۔ کبھی وہ لقائے حبیبؐ کے لیے تڑپتا ہے اور کبھی عالم خیال میں مدینے کی گلیوں کی سیر کرتا ہے۔ اس کے تخیل کو اسی سے فرصت نہیں کہ رسولِ کریمؐ کی یاد اور محبت کی تڑپ کو شدید سے شدید تر کر دکھائے۔

قطعات تاریخ طبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ شائق کا کلیات پہلی بار سنہ ۱۳۲۸ھ بمطابق ۱۹۱۰ء میں طبع ہوا۔

ضیا بخش دل عاشق نہ کیوں ہو یہ سخن قابل
طلوع آفتاب نعت محبوب دو عالمؐ ہے

زیر نظر نسخہ سنہ ۱۳۳۸ھ کا مطبوعہ ہے جو تیسری بار چھپا۔

شائق اپنے کلام کی اثر آفرینی کو نعت نبیؐ کا صدقہ سمجھتے ہیں: [۵۱]

نعت نبیؐ کا صدقہ ہے اے شائق حزیں ــــ اب ہو چلا ہے تیری زباں میں اثر بہت

کہیں کہیں کلام کی ناہمواری سے قطع نظر دیگر محاسن پر غور کریں تو ہمیں جا بہ جا خلوص اور اثر آفرینی کی اچھی مثالیں ملتی ہیں۔ ایک غزل کے چند اشعار نمونۃً پیش کیے جاتے ہیں۔

---

۵۱ کلیات شائق صفحہ ۱۰۹۔

احمد پاک پہ مائل نہ ہوا تھا سو ہوا
دل مرا عشق میں کامل نہ ہوا تھا سو ہوا

شب معراج عرب سے یہ کھلا راز ہمیں
اب سے ایسا کوئی واصل نہ ہوا تھا سو ہوا

خواب میں رویت احمد ہوئی سبحان اللہ
محفل پاک میں داخل نہ ہوا تھا سو ہوا

ہر تجلی رخ حضرت کی یہاں ہی ظاہر
ہمسر طور مرا دل نہ ہوا تھا سو ہوا

کون سی چاند کے ٹکڑے نے کیا دو ٹکڑے
دل شکستہ مہ کامل نہ ہوا تھا سو ہوا

ہجر میں وصل نبیؐ کا جو مجھے لطف آیا
میں تصور کا جو قائل نہ ہوا تھا سو ہوا

کیوں نہ انسان کو ظلوما وجہولا سمجھیں
کوئی یوں بار کا عامل نہ ہوا تھا سو ہوا

یاد شمشیر نگاہ نبویؐ ہے دل کو
شکر اللہ کا بسمل نہ ہوا تھا سو ہوا

آج محروم پھرا اس کو نہ دروازے سے
ترا شائق کبھی مائل نہ ہوا تھا سو ہوا[۵۱]

ماہ مدینہ کی جلوہ نمائی اور فراق کی بے قراری کا مضمون اس طرح باندھا ہے:

کیوں شام جدائی میں نہ ہو نور سحر آج
ہے جلوہ نما دل میں مدینہ کا قمر آج

لعل لب حضرت کی جدائی کا اثر ہے
آنسو کے عوض آنے لگا خون جگر آج

ہے ایک نہ ایک صدمہ فراق نبویؐ میں
کل دل مرا بے چین تھا مضطر ہے جگر آج

مارا ہے فراق نبویؐ نے مجھے شائق
جی جاؤں میں آجائیں جو سرکار ادھر آج[۵۲]

اس رنگ کی ایک مثال یہ بھی ہے:

---

۵۱ کلیات شائق صفحہ ۵۹ — ۵۲ کلیات شائق ۱۱۵۔

پھر نہ قابو میں ہمارا دل ناشاد آیا روضۂ احمد مرسل جو کبھی یاد آیا
دل بیتاب میں رہ رہ کے جو ہوتی ہے کسک آج شائد میرے سرکار کو میں یاد آیا
مانگتا مانگنے کی طرح تو سب کچھ ملتا ڈھنگ تجھ کو نہ ابھی تک لب فریاد آیا
من رانی فرا الحق کے یہی معنی ہیں جس نے دیکھا تجھے بس اس کو خدا یاد آیا[۵۱]

۲۔ شائق کی ایک مشہور غزل ہے جو عام طور پر پڑھی جاتی ہے۔ اس میں سادگی سلاست اور روانی کے ساتھ انداز تغزل دل کش ہے۔ شاعر کا یہ رنگ ان کے کلام کی اہم خصوصیت ہے۔

نام احمد کے نئے راز نے دل چھین لیا
پردۂ میم کے انداز نے دل چھین لیا[۵۲]

حوریں معراج میں کہتی تھیں بلائیں لے کر
کملی والے ترے انداز نے دل چھین لیا

چاند دو ٹکڑے ہوا ایک اشارے میں ترے
مرے بانکے ترے اعجاز نے دل چھین لیا

میں جو رونے لگا محشر میں تو رحمت نے کہا
اس گنہگار کی آواز نے دل چھین لیا

پردۂ وصل سے یوں عرش پہ آتی ہے صدا
ایک کا ایک کے انداز نے دل چھین لیا

۳۔ مشکل زمینوں میں آسان اور دل کش مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔ زمین آفتاب میں شاعر نے چار چاند لگا دیے ہیں۔

---

۵۱ کلیات شائق صفحہ ۸۶۔ ۵۲ کلیات شائق: صفحہ ۸۸۔

کس طرح روئے محمدؐ سے ہو ہمسر آفتاب
داغ دل سے عاشقوں کے بھی ہے کمتر آفتاب
یوں تو ہر اک شے بلاشک نور رب العالمین
کل رسولوں میں ہے اپنا ہی پیمبر آفتاب
کم شب دیجور سے تاریکیٔ مرقد نہ تھی
بن گیا قسمت سے عشق روئے انور آفتاب
نور سے اللہ کے احمد اور سب ان کے نور سے
کیا زمیں کیا آسماں کیا ماہ و اختر آفتاب
عشق روئے مصطفےٰؐ ہے جستجو احمد کی ہے
آسماں پر پھر رہا ہے اور مضطر آفتاب[1]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی اور آپؐ کی غلامی سے مطلب کو اس طرح ادا کیا ہے:

مجھ کو ہے میرے احمد مختار سے مطلب
جس طرح غلاموں کو ہے سرکار سے مطلب
معراج میں اللہ ہوا جس کا فدائی
مجھ کو ہے اسی یار طرح دار سے مطلب
جب سے ہے نظر میں نگۂ ناز محمدؐ
خنجر سے مجھے کام نہ تلوار سے مطلب

---

[1] کلیات شائق: صفحات ۹۸-۹۹۔

تن سے نکلی ہے جو ہجر شۂ ابرار میں روح
جسم ہے زیر زمین کوچۂ دلدار میں روح[51]

ہر نظر روضۂ اقدس پہ نکل جائے یہ دم
تن سے میرے ہو جدا آپ کے دربار میں روح

یا محمدؐ ہو میرے لب پہ رواں ہر لحظہ
ہو جدا جسم سے اس نام کی تکرار میں روح

یاد ابروئے نبیؐ دل سے نہ جائے گی کبھی
یا الٰہی ہے ہماری اسی تلوار میں روح

وا رہیں گی مری آنکھیں پس مردن شائق،
تن سے جو یوں ہی رہے حسرت دیدار میں روح[52]

۴۔ شائق کے یہاں زیادہ تر داخلی جذبات کا اظہار ہے۔ اس لئے اوصاف کا بیان بہت کم پایا جاتا ہے۔ شاعر کی تخیل اندازی اور جذبات نگاری حقیقی وصف سے ہمیشہ صرف نظر کرتی ہے۔ معراج کا بیان اس خصوصیت کی وضاحت کرتا ہے۔

احمد جو احد کے ہو مقابل شب معراج
جو میم ہے وہ ہے خط باطل شب معراج

طرفین میں تھی شوق لقا حد سے زیادہ
طے دم میں ہوئی دور کی منزل شب معراج

---

۵۱ کلیات شائق صفحہ ۹۲۔
۵۲ " " ۱۲۱۔

آنکھوں بیں ہیں پردے تو ہے پردوں میں بصیرت
اللہ سے ایسے ہوئے واصل شبِ معراج

وہ حسن محمد وہ براق اور وہ صورت
ہر ایک کی طبیعت ہوئی مائل شبِ معراج

مجنوں ہوئے سب دیکھ کے سرکار کی عظمت
رفرف جو بنا آپؐ کا محمل شبِ معراج

ہے صاف تشہد میں علینا کا اشارہ
سب لوگ بشر کے ہوئے قائل شبِ معراج

کس منہ سے کہوں میں کہ خدا خوب ہے واقف
کیا کچھ ملے حضرتؐ کو وسائل شبِ معراج

قوسین ودنیٰ اور فتدلیٰ سے ہے ظاہر
مابین نہ تھا کوئی بھی حائل شبِ معراج

خط نقطہ وحدت پہ کھنچا گم ہوا نقطہ
کیا ذات وصفت ہو گئے اک دل شبِ معراج

قدسی تھے فدا حور و ملائک بھی فدا تھے
سب لوگ بشر کے ہوئے قائل شبِ معراج[1]

شبِ معراج کے نقشے میں معراج کے بیان کی کوئی صورت نظر نہیں آتی یہاں بھی شاعر جگہ جگہ اپنے تخیل کو بروئے کار لایا ہے۔ بیانِ معراج میں واقعات معراج کا کہیں پتا نہیں چلتا سوائے اس کے کہ قرآن کریم کے

---

[1] کلیات شائق: صفحہ ۱۱۸۔

اس بیان کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فتدلّٰی، قاب قوسین اوادنیٰ۔ ہر جگہ شاعر کا اصلی رنگ یعنی رنگ تغزل عود کر آتا ہے۔ شائق کا ترانۂ محمدیؐ بھی اس خصوصیت کا حامل ہے۔ وصف محمدیؐ یہاں بھی مفقود ہے:

آجائے نظر نزع میں گر روئے محمدؐ ‏ ‏ دم تن سے نکلتے ہی رہے سوئے محمدؐ
اختر ہو مہ نو ہو کہ ہویدا فلک پہ ‏ ‏ یہ خال یہ عارض ہے یہ ابروئے محمدؐ
وہ حشر میں بن ٹھن کے چلا دوست خدا کا ‏ ‏ تو انگلیاں اٹھنے لگیں پھر سوئے محمدؐ
ہے مردمک چشم میں معراج کا عقدہ ‏ ‏ قوسین کا اک رمز ہے ابروئے محمدؐ [1]

بحرِ طویل میں شائق نے اپنے کلام کی بہار اس طرح دکھانے کی کوشش کی ہے :-

نور کا وقت سہانا وہ پرندوں کا ترانہ گل و بلبل کا فسانہ در امید ہی باز
وہ موذن کی صدا اشہد کہنے کی ادا نام محمدؐ کے فدا ہی بھی ایمان بہار

پہنچی کانوں میں جو ما کان محمدؐ کی صدا چیخ اٹھا تھام کے دل سنتے ہی سرکار کا نام
یاد آیا ہی مجھے وہ راز کا انداز وہ اغماز کا اعجاز سرفراز ہے نازان بہار
رو کے میں نے یہ کہا ایک جوان عربی ہاشمی و مطلبی شہر مدینہ کا ہے شاہ،
حسن اوس چاند کا ہے سب سے نرالا ہی وہی گیسوؤں والا کہ فدا جس پہ ہے خوبان بہار
نام اس پیارے کا احمد ہے محمدؐ بھی ہی محمود بھی حامد بھی ہی سردار رسل شان الٰہ
کملی والا کوئی کہتا ہی کوئی جان جہاں راحت جان شاہ زمان نور درخشان بہار [2]

ہر مقام پر وہی ایک رنگ جھلکتا ہے۔ جذبات کی فراوانی تغزل کا سررشتہ

---

[1] کلیاتِ شائق صفحات ۱۲۲، ۱۲۳ [2] کلیات شائق صفحات ۱۳۴، ۱۳۵.

ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ شائق نے نعتیہ غزلوں کے علاوہ بھی جو غزلیں کہی ہیں، ان میں شوخی۔ روانی، سلاست اور جذب وکیفیت کا عنصر شامل ہے۔ اس لئے شائق کا کلام ان محاسن کے ساتھ معائب سے بھی پاک نہیں ہے۔ طبیعت کی شوخی الفاظ کے استعمال کی گرفت کو اکثر ڈھیلا کر دیتی ہے۔ اور وہ ہجر، وصال، زلف، سبزۂ خط، دلربا، پیارے، یار، آنکھ لڑانا، نظر لڑانا، متوالی ادا، مست، رونمائی، مرے بانکے وغیرہ جیسے الفاظ اور ترکیبوں کو بلا تکلف وصف نبیؐ کے مضمون میں استعمال کرتے ہیں۔ شائق کے کلام کی ایک عام خصوصیت اس کا لکھنوی رنگ ہے اور نعت میں ہم اسی کا پرتو دیکھتے ہیں۔ اس رنگ کی مثالیں نعتیہ بیان کے ساتھ پیش کرنا بے محل اور نامناسب ہے۔ کلام کا جو نمونہ پیش کیا گیا ہے اس میں اس کی چند مثالیں ملتی ہیں۔ اس قسم کے اشعار شائق کے کلام میں بہت ملتے ہیں۔

نزع میں وصل یار ہونا تھا   اس خزاں میں بہار ہونا تھا
یاد آئی ہے مجھے نگاہ نبیؐ   تیر یہ دل کے پار ہونا تھا [۱]

شائق کے کلام کی نمایاں خصوصیت ان کی نعتیہ ٹھمریاں ہیں جو عوام میں نہایت مقبول ہوئیں۔ نعتیہ ٹھمریاں لکھنے میں شائق کو کمال حاصل ہے۔ اس لحاظ سے جن نعت گو شعرائے نعت نبیؐ کو خالص ہندوستانی رنگ میں بھی پیش کیا ہے ان میں شائق کا مقام بلند ہے۔ عورت کی زبان سے عشق نبیؐ کا بیان اس طرح کیا ہے:-

تھارو چرن کی ہے آس رے ساجن   مجھ بے کس کو

---

[۱] کلیات شائق صفحہ ۳۳۵۔

نینا لڑا کے دکھ میں پڑی ہوں — پیت نہ آئی راس رے ساجن — مجھ بے کس کو
برھا دیوانی کو دور نہ چھانڈو — پاس بلا لو پاس رے ساجن — مجھ بے کس کو
رنگ رچو ہے ہر جا تیرا — پھولن پھولن باس رے ساجن — مجھ بے کس کو
میم کی پتلی بل کے احد سے — چڑھ گئی ساتوں اکاس رے ساجن — مجھ بے کس کو[1]

ایک اور ٹھمری نمونۃً پیش کی جاتی ہے :-

سرکار مدینے والے سرکار مدینے والے

صورت تو دکھا دو پیاری — میں جان کو اپنے واری — ہے آس چرن کی تہاری

سرکار مدینے والے سرکار مدینے والے

طیبہ کی وہ پیاری بستی — رحمت وہاں پہ برستی — دیکھن کو نین ترستی

سرکار مدینے والے سرکار مدینے والے[2]

عشق نبیؐ میں بیقراری کا مضمون عورت کے لطیف جذبات کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ صنف نازک کی طرف سے جب عشق کا اظہار ہوتا ہے تو فراق کی بیچینی پریشانی کو بے بسی اور بیکسی کا رنگ دیکر بیان کو اور بھی دردناک بنا دیتی ہے۔ اس کی مثالیں شائق کے کلام میں بہت ہیں :-

نبیؐ جی میری بگڑی بنا جانا

پاپ کی نیا ڈوب رہی ہے — تہارے کرم سے ترانا
ہند نگر میں تڑپوں میں کیتک — اپنا نگر دکھلا جانا
گھونگٹ چینو جلوہ کیتو — روپ دکھا دُ سہانا
ہائے وہ سبھ دن آئیگا کس دن — تہاری گلی ہو ٹھکانا[3]

---

[1] کلیات شائق صفحہ ۳۳۵ - [2] ایضاً صفحہ ۳۳۷ [3] ایضاً صفحہ ۳۴۵ -

صحو ابوالعلائی

حضرت محمد آغا داؤد صحو ابوالعلائی حیدر آباد کے صوفی شاعر گزرے ہیں۔ ان کے والد کا نام آغا محمد حیدر تھا۔ ولادت کا سنہ ۱۲۵۳ھ بتایا جاتا ہے۔ وطن ڈنگل تھا جو نواب سالار جنگ کی جاگیر میں ایک موضع ہے لیکن سکونت حیدر آباد ہی میں رہی۔ انتقال ۱۵ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۴ھ کو ہوا۔ مزار شہر حیدر آباد میں ہے جہاں ہر سال بڑی دھوم دھام سے عرس منایا جاتا ہے۔

حضرت صحو نے فیضان باطنی حضرت محمد حسین محو ابوالعلائی سے پایا۔ یہاں تک کہ سلوک کے منازل طے کرتے ہوئے خلافت سے نوازے گئے۔ حضرت صحو پابند صوم وصلوٰۃ، ذاکر شاغل، تہجد گزار اور نہایت خوش خلق اور خوشگو بزرگ تھے۔ غربا پروری اور ہمدردی بدرجۂ اتم تھی۔ اپنے اخلاق سے خلق کو گرویدہ کر لیا۔ شعروشاعری سے لگاؤ اس سے ظاہر ہے کہ ان کے یہاں مائل، علم، ہاتف، شمشیر، مہر اکثر موجود رہتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ بالارادہ کبھی شعر نہیں کہا۔ ایک جذب، کیف اور سرمستی کے عالم میں جو نکل جاتا محفوظ کر لیا جاتا۔ حقیقت میں حضرت صحو کا یہی صوفیانہ رنگ جو عشق ومستی کی وارفتگی پیدا کئے ہوئے تھا ان کی شاعری کا سبب بنا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کا کلام کس رنگ کا ہوگا۔ جذب، کیف، مستی، بیتابی، بیقراری، اضطراب غرضکہ وہ ساری کیفیتیں جو ایک وارفتہ عاشق والہ میں پیدا ہو سکتی ہیں سب کچھ ان کے کلام میں موجود ہے۔

حضرت صحو کے کلام میں معرفت کے مضامین زیادہ ملتے ہیں اور عشق کے جذبات کا جو بھی بیان ہے درحقیقت بادۂ عرفان کی سرمستی کا نتیجہ ہے صحو

کے دیوان میں ۲۵۸ غزلیں ہیں۔ گیارہ متفرق اشعار ہیں۔ دو خمسے ہیں۔ ان کے علاوہ ٹھمریاں بھی ہیں۔ غزلیں زیادہ تر عشقیہ ہیں جن میں معرفت کے مضامین بھی بیان کئے ہیں۔ غزلوں میں نعتؐ، منقبت، مدح حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور مدح ابوالعلا کو بھی شامل کیا ہے۔ حضرت خواجہ کی مدح میں کئی غزلیں کہی ہیں۔ اسی طرح اپنے پیر ابوالعلا کو بھی خوب سراہا ہے۔ نعتیہ کلام[52] بھی جا بہ جا پایا جاتا ہے۔ صحوؔ کے کلام کے متعلق فصاحت جنگ حافظ جلیل حسن جلیلؔ نے قطعۂ تاریخ میں جو خیال آرائی کی ہے اس کا اقتباس درج ذیل ہے:

[51] ہر مصرع تر موجۂ دریائے حقیقت — ہر معنی نازک ہے کلید درِ عرفاں
رکھی ہے عجب معنی والفاظ میں خوبی — وہ شاہد عرفان ہے تو یہ زیور عرفاں
چبھتے ہوئے اشعار سے بسمل ہوئے لاکھوں — کچھ غنچۂ عرفاں ہیں تو کچھ نشتر عرفاں
کیا خوب جلیلؔ آپ نے تاریخ نکالی — یہ صحوؔ کا دیوان ہے اک دفتر عرفاں

سنہ ۱۳ ۳ ۲ ہجری

صحوؔ کے نعتیہ کلام کا نمونہ یہ ہے:

مرا دل ہے محو جمالِ محمدؐ — وصال خدا ہے وصالِ محمدؐ
یہی کہہ رہا ہے مرا دل عزیزو — خیال خدا ہے خیالِ محمدؐ
ہوا جس کے باعث دو عالم ہی پیدا — بیاں ہم کریں کیا کمالِ محمدؐ
نہ تھے جن و انساں، زمیں آسماں جب — ہوا ہے ظہور جمالِ محمدؐ
دل مردہ ہوتے ہیں اک دم میں زندہ — ہے معجز بیاں کیا مقالِ محمدؐ

---

[51] اردو دیوان صحوؔ: صفحات ۱۰۸، ۱۰۹۔

[52] دیوان میں نعتیہ کلام صفحات: ۳۲، ۳۳، ۳۶، ۶۲، ۶۴، ۶۶، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۸۸، اور ۱۰۲ پر درج ہے۔

ہوا ہوں میں اے صحوؔ سو جان و دل سو　　فدائے محمدؐ و آلِ محمدؐ [۵۱]

صحوؔ کے نعتیہ کلام میں زیادہ تر داخلی جذبات کا اظہار ہے۔ وصفِ نبیؐ میں چند صفات کا جو بیان ہے بس تقریباً اسی حد تک ہے جو اوپر درج ہے۔ باقی مضمون نیاز مندی، شیفتگی، بے کلی اور بیقراری کا ہے۔ سارا بیان عشق و محبت کی زبان میں ہے۔ شوق کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ الفاظ متحمل نہیں ہو سکتے۔

کس منہ سے ہو بیان بھلا شوق آپؐ کا
پھر کیا کہوں میں دل کو یہ دل مانتا نہیں [۵۲]

محمدؐ یہ کون و مکاں آپ کا ہے　　زمیں آپ کی ہے، زماں آپ کا ہے
سما سے سمک تک ہے آئینہ خانہ　　دو عالم میں جلوہ عیاں آپ کا ہے
نہ موقوف نزدیک اور دور پر ہے　　وصال اب مجھے تو عیاں آپ کا ہے
اسے ہر طرح سے بچانا محمدؐ　　یہ صحوؔ حزیں مدح خواں آپ کا ہے [۵۳]

دوسری مثال

جو قطرہ تھا دریا میں آکر سمایا　　دوئی کا یکایک جو پردہ اُٹھایا
کرو شمع روشن نہ مرقد پہ میرے　　کہ شمع رسالت سے دل پُرضیا ہے
لگی آگ عشق پیمبر کی ایسی　　جو تھا ماسوا سب کا سب جل گیا ہے
جدا تن سے سر ہو تو قدموں پہ دھر لو　　خوشی مجھ کو حاصل ہے پھر عذر کیا ہے
اگر دل ہے بیمار اے صحوؔ جاؤ　　مدینہ تمہارا تو دارالشفا ہے [۵۴]

---

۵۱ دیوان صحوؔ : صفحہ ۳۳　　۵۲ دیوان صحوؔ : صفحہ ۱۰۲۔
۵۳ " " : ۷۴　　۵۴ " " ۷۲۔

محمدؐ یہ ارض و سما آپ کا ہے — قسم ہے خدا کی خدا آپ کا ہے
مقید کہوں گر تو مطلق ہیں حضرت — بتاؤں میں کیا جو پتا آپ کا ہے
مرا دل سراپا ہے آئینہ خانہ — خدا کی قسم رونما آپ کا ہے
نہیں آنکھ کھولے سے کھلتی ہے واللہ — یہ دل میں تصور بسا آپ کا ہے[۵۱]

میم کے پردے کا مضمون اکثر نعت گو شعرائے باندھا ہے۔ صحوؔ کے یہاں بھی یہی مضمون عرفان کی راہ سے آیا ہے: ؎

پردۂ میم میں چھپے ہیں حضورؐ — ہم سے نزدیک ہیں نہیں کچھ دور[۵۲]

مدینے کے بیان میں بھی مختلف شعراء نے مختلف طریقوں سے گلفشانی کی ہے۔ صحوؔ کا رنگ یہ ہے:

بلوائے مدینہ میں جو سلطان مدینہ — کر دوں گا دل و جان کو قربان مدینہ
دن رات تصور میں گزرتا ہی عجب کیا — شاید نظر آجائے بیابان مدینہ
بلبل کی طرح دل ہوا شیدا جو ہمارا — ہے پیشِ نظر میرے گلستانِ مدینہ[۵۳]

شاعر وصف مدینہ میں اپنے عجز کا اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مدینہ کی شان سے کوئی واقف نہیں۔

صحوؔ کے نعتیہ کلام میں جہاں بے پایاں خلوص اور عشقِ رسولؐ پایا جاتا ہے وہاں وہ اظہار خلوص و محبت کی حدود سے بھی خوب واقف ہیں اور ہمیشہ بارگاہِ نبویؐ کے آداب کو ملحوظ رکھ کر مناسب طرز خطاب اختیار کرتے ہیں۔ کلام میں کہیں بے اعتدالی نہیں پائی جاتی۔

---

۵۱ دیوانِ صحو: صفحات ۳، ۷۴۔ ۵۲ دیوانِ صحو: صفحہ ۳۶۔
۵۳ دیوانِ صحو: صفحات ۶۴، ۶۵۔

باب ہشتم

دورِ جدید اور اس عصر کے دیگر شعراء

سنہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد زندگی نے ایک نئی کروٹ بدلی۔ آزادی کی جد وجہد میں یہ ناکامی ایک انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ دراصل یہ انقلاب ایک نئے احساس کی شکل میں نمودار ہوا اور اس کی ہمہ گیری نے علمی اور ادبی دنیا کو بھی گھیر لیا۔ اس دور کو ہم سادگی اور حقیقت پسندی کا دور کہیں تو زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے کہ اب تکلف اور تصنع سے پرہیز کیا جانے لگا۔ اظہار خیال کے لئے آسان راستے تلاش کئے گئے اور مضامین کے لئے وہ موضوعات مرغوب خاطر رہے جو زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ اب ایسی نظموں سے اردو ادب مالا مال ہوگیا جن میں تاریخی، سیاسی، اخلاقی اور نیچرل مضامین پائے جاتے ہیں۔ غزل کا رنگ بھی وقت کے مذاق کے لحاظ سے بدل گیا۔ اب فطری جذبات کا اظہار کمالِ فن قرار پایا۔ اس طرح خیالات میں صحت مند اور صحت بخش تنوع نے اردو ادب میں جگہ پائی۔

اس دَور کے نعتیہ ادب نے بھی ماضی سے الگ ایک نئی لَے پیدا کی اور نعتیہ شاعری میں نئی روح پھونک دی۔ دراصل اس دَور کی برکات کا عصرِ حاضر بھی ممنون ہے کہ جس نے ادب میں ایک نئی نظر پیدا کر کے حقیقت پسندی کا ثبوت دیا۔ اب نعتیہ شاعری صرف جذباتی دنیا میں محصور نظر نہیں آتی۔ جمالِ محمدیؐ پر فریفتگی کی رسمی والہانہ کیفیت نے اسوۂ حسنہ پر فریفتگی کو جگہ دی اور بیان نے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں سیرتِ پاک کو زندگی سے ہم آہنگ دکھایا۔ یہ ایک انقلابی دَور ہے جس میں زندگی کی حقیقی قدروں کے شعور نے زندگی کو بے نقاب کیا۔ اب حسن پرستی کا وہ معیار نہ رہا جو آخر میں صنم پرستی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے بلکہ صداقت پسندی کی بیداری نے باطل جذبات اور رجحانات کا قلع قمع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس سے پہلے زیادہ تر معجزات کے بیان سے رسولِ مقبولؐ کی عظمت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جاتی تھی یا یہ کہ تصوف کی زبان میں ایسے مضامین باندھے جاتے جن سے آپ کی حقیقی عظمت یعنی عبدیت پر حرف آتا۔ اس دَور میں خلقِ محمدیؐ کی برکات کے ذکر کا چرچا کیا گیا۔ مسلمانوں کو ان کی گری ہوئی حالت سے ابھارنے کے لئے اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلو بیان میں آنے لگے اس طرح نعتیہ ادب میں سیاسی اور معاشرتی مضامین بھی داخل ہوئے۔

نعتیہ شاعری کے اس دَور کے معمار مولانا حالؔی اور مولانا شبلؔی ہیں۔ نظم طباطبائی کو بھی ہم اس زمرے میں شامل کریں گے جنھوں نے نعتیہ قصائد کو نئے ڈھنگ سے پیش کیا اور تاریخی واقعات کے بیان سے اسوۂ حسنہ کی تشریح کو اپنا شعار بنایا۔ یہ دَور اس حیثیت سے بھی نہایت اہم ہے کہ اس کے

اثرات دورِ حاضر پر نہایت گہرے اور نمایاں ہیں۔

مولانا الطاف حسین حالی

مولانا الطاف حسین حالی پانی پت میں سنہ ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد خواجہ ملک علی کا انتقال حالی کی کم عمری ہی میں ہوگیا تھا۔ والدہ کی سرپرستی بھی صرف ۹ سال کی عمر تک نصیب ہوئی۔ والدین کے انتقال نے بھائی اور بہنوں کی کفالت میں چھوڑ دیا۔ ان کے بھائی امداد حسین سے انھیں خاص تعلق خاطر رہا۔ ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی۔ قرآن بھی حفظ کیا۔ سید جعفر علی سے فارسی اور طب پڑھی۔ ۱۷ برس کی عمر میں رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئے۔ پھر تقریباً ڈیڑھ برس دلی میں رہ کر مولوی نوازش علی سے صرف و نحو اور منطق کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ یہاں مرزا غالب سے ان کی شناسائی ہوگئی تھی۔ چنانچہ کبھی کبھی انھیں غزلیں سنایا کرتے۔ عزیزوں کے اصرار پر حالی کو پانی پت لوٹنا پڑا۔ لیکن ان کا دل دلی کی علمی صحبتوں میں رہا۔ سنہ ۱۸۵۶ء میں ضلع حصار کی کلکٹری میں معمولی خدمت پر مامور ہوئے جو سنہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں جاتی رہی۔ پھر تقریباً چار سال تک تفسیر، حدیث، منطق فلسفہ کی کتابیں خود ہی پڑھیں۔ آخر فکرِ معاش نے نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ سے آٹھ سال تک وابستہ رکھا۔ یہ زمانہ حالی کے ادبی مذاق کی اصلاح کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا۔ شیفتہ کی وفات کے بعد حالی پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو لاہور میں ملازم ہوگئے۔ یہاں وہ انگریزی سے

اُردو میں ترجمہ کی ہوئی کتابوں کی عبارت درست کرتے۔ یہ دَور بھی ان کے ادبی رجحانات کو متعین کرنے میں بڑا کارگر ثابت ہوا۔ شیفتہ کی صحبت میں انھیں قدیم نظریۂ شعر میں ایک نئی صورت نظر آئی تو لاہور میں ان کی جدید شاعری کی بنیاد رکھی گئی۔

اب حالی کی زندگی کو ایک اور رنگ دیکھنا تھا، یعنی ان کا تبادلہ دلّی ہو گیا اور اینگلو عربک اسکول میں وہ تدریسی خدمت پر مامور ہو گئے۔ یہاں سر سید احمد خاں سے شناسائی پیدا ہوئی۔ مسدس مدوجزر اسلام ؔ اسی صحبت کی برکت کا نتیجہ ہے۔ یہیں انھوں نے اپنی مشہور کتابیں حیات سعدی، حیات جاوید، یادگارِ غالب اور مقدمہ شعر و شاعری لکھیں ان کا انتقال ۳۱ر دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء کو ہوا۔

دیوان حالی میں پہلا قصیدہ نعتیہ ہے یعنی

بنے ہیں مدحت سلطان دوجہاں کے لئے ...... الخ

اس کے حاشیے میں حالی نے لکھا ہے — "یہ قصیدہ سنہ ۱۲۸۱ھ سنہ ۱۸۶۴ء یا سنہ ۱۲۸۲ھ سنہ ۱۸۶۵ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس سے پہلے نعت میں کبھی کچھ نہیں لکھا گیا"۔ لیکن مجموعہ کلام حالی کی ایک تضمین ملتی ہے جو انھوں نے تقریباً ۱۶ سال کی عمر میں (سنہ ۱۲۷۲ھ ۱۸۵۶ء) میر قدسی کی مشہور نعتیہ غزل پر لکھی تھی اور اس وقت حالی کا تخلص خستہ تھا۔ آخری بند یہ تھا:

خستہ خاموش کہ مشکل ہو بہت وصف نبیؐ ہاتھ اٹھا سوئے مدینہ دم حاجت طلبی
پڑھ زباں سے زرہ صدق یہ شعر قدسی سیدی انت حبیبی وطبیب لقبی

آمدہ سوئے تو قدسیؔ پئے درماں طلبی

تضمین کے بعد حالی کا وہ نعتیہ قصیدہ قریب دس سال بعد لکھا گیا اس کا

مطلع یہ ہے :

بنے ہیں مدحت سلطان دوجہاں کے لئے
سخن زبان کے لئے اور زباں دہاں کے لئے

اس میں ۳۳ شعر ہیں اور حالی نے بجائے ظاہری محاسن کے جو عام نعت گو شعراء کا معمول تھا صرف داخلی اوصاف کا ذکر کیا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل، قرآن، جبریل، معراج، خلق عظیم، ذات کریم وغیرہ حقیقی اوصاف و متعلقات کا بیان ہے۔

بعض اشعار یہ ہیں :

وہ لحظہ لحظہ تفقد وہ دمبدم الطاف — رضائے خاطر یاران جانفشاں کے لئے
وہ گونہ گونہ مدارا وہ بات بات میں مہر — کشائش گرہ کین دشمناں کے لئے
کہیں ہلاک میں تاخیر قوم سرکش کے — کہیں نماز میں تعجیل ناتواں کے لئے

اسی قسم کے حقیقی اوصاف بیان کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ دنیوی ممدوحوں کی طرف رجوع ہوئے تو محض حقیقت نگاری کو موضوع بنایا سنہ ۱۸۶۸ء میں غالب کا مرثیہ اور سنہ ۱۸۷۴ء میں نواب کلب علی خاں کا قصیدہ اسی حقیقت نگار قلم نے تیار کیا کہ ایسے اصناف میں جہاں کہ تصنع اور تکلف ایک جزو لاینفک ہے، حالی نے محض حقیقت نگاری کو رائج کیا اور سلاست اور روانی کو اختیار کیا۔ حالی کا دوسرا نعتیہ قصیدہ سنہ ۱۲۸۷ھ سنہ ۱۸۷۰ء کا لکھا ہوا ہے جس کا مطلع یہ ہے :

میں بھی ہوں حسن طبع پر مغرور — مجھ سے اٹھیں گے ان کے ناز ضرور

اس قصیدے کے حاشیے پر حالی لکھتے ہیں کہ "اس قصیدے کی تمہید سنہ ۱۲۸۷ھ یا سنہ ۱۲۸۸ھ کے ہذیانات میں سے ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ

دلّی میں نامور شعرا، کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ مومن، ذوق، آزردہ، غالب اور شیفتہ ایک کے بعد ایک رخصت ہو چکے ہیں اور میدان بالکل خالی ہے۔ انہیں دنوں سیتارام کے بازار (دہلی) میں مشاعرہ قرار پایا۔ مصرع طرح پر تین غزلیں بڑے دعوے سے لکھیں۔ جن لوگوں کی جا و بیجا تحسین و آفریں سے دماغ میں خلل آگیا تھا اور جن کی داد کی توقع پر وہ غزلیں لکھی تھیں وہ کسی وجہ سے باوجود اصرار کے مشاعرے میں نہ آئے۔ بیسوا اپنے خریدار کی بے التفاتی سے شاید ایسی کھسیانی نہیں ہوتی جیسا کہ شاعر ان لوگوں کی بے التفاتی سے جن کو وہ سچ مچ اپنے شعر کا قدر دان سمجھتا ہے۔ اسی خام خیالی کے جوش میں اس قصیدے کی فخریہ تمہید لکھی گئی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ اگر لوگ ہماری قدر نہیں کرتے تو ہم آپ ہی اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں۔ کیوں کہ اس زمانہ کے خیالات کے موافق اس بات کا یقین تھا کہ جس طرح آج کل تجارت کی گرم بازاری اشتہارات کے ذریعے سے ہوتی ہے اسی طرح شاعری بھی منوانے سے مانی جاتی ہے۔ لیکن جب تفاخر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو دفعتاً اپنی غلطی پر متنبہ ہوا۔ لہٰذا قصیدے کا خاتمہ نعتیہ اشعار پر کیا گیا، تاکہ فخر کے لئے ایک وجہ پیدا ہو جائے۔" چنانچہ یہ قصیدہ اپنی تمہید میں محض تعلّی و تفاخر سے متعلق ہے اور اسی تعلّی کے ساتھ گریز کیا ہے۔ چند اشعار یوں آتے ہیں:

چھیڑ دوں گر فسانۂ فرہاد
دل خسرو میں ڈال دوں ناسور

کرنے جاؤں جو حق سی عذر گناہ
لے کے آؤں نوید عفو قصور

لوں ملائک سے داد حسن کلام
گر لکھوں نعت سرور جمہور

وہ شہنشاہ امتی جس کا
یاں سبکسار اور واں ماجور

مژدہ اے امت ضعیف کہ یاں   سعی ہوتی ہے بے کئے مشکور

مدح غائبانہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، فیوض و برکات وغیرہ کا ذکر ہے۔ پھر اس طرح خطاب ہے:

اے ترا پایا فہم سے برتر   اے ترا نام عرش پر مسطور

اور خطاب کرکے اپنی تعلّی کا ردِ عمل یوں کیا ہے:

طبع غالب ہے اور ہیں مغلوب   نفس قاہر ہے اور ہیں مقہور
بحرِ غفلت میں ہوں سراسر غرق   نشۂ کبر میں ہوں بالکل چور
چھوڑتی ہی نہیں خودی دامن   ہوں بہت اپنے ہاتھ سے مجبور

اسی طرح اشعار میں اپنی بے مائیگی، بے بضاعتی اور دیگر خامیوں کا ذکر ہے اور آخر میں لکھتے ہیں کہ:

ہاں مگر کچھ امید بندھتی ہے   تیرے زمرے میں گر ہوا محشور
جب ترے کارواں میں جا پہنچا   پھر رہا باب خلد کتنی دور
دوری آستاں والا سے   ہے بہت تنگ حالیؔ مہجور

لیکن اس قصیدے میں پُرکیف جذبات اور قلبی واردات نہیں ہیں۔ سادگی صفائی اور روانی ضرور ہے اور یہی اس قصیدے کا اصل جوہر ہے۔ اس کے تقریباً نو سال بعد مسدس شائع ہوا جس کے جوش و اثر کی کیفیات کسی نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ دور حالیؔ کی قومی شاعری کا ہے جس میں وہ قوم کی شکستہ حالی پر غلطاں و پیچاں نظر آتے ہیں۔ وہ مصلحانہ انداز میں اس ابتری پر نوحہ کرتے ہیں اور ماضی کی عظمت کو یاد دلا کر مستقبل کی درخشانی کی امید بندھاتے ہیں۔ وہ تمثیلات کے ذریعے طرح طرح سے قوم کو عمل کے لئے ابھارتے ہیں۔

حالی کی نظر زندگی کی شیرازہ بندی کی صورت اتباع رسولؐ میں دیکھتی ہے۔ اس لئے وہ کیف اور انداز میں آقائے نامدار کی یاد کو دلوں میں تازہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسوۂ حسنہ کا ایک ایسا سماں باندھتے ہیں کہ سننے والا بیتاب ہوجاتا ہے اور حقیقت محمدیؐ اس کے قلب و نظر میں روشن ہوجاتی ہے۔ اس کا دل محمدؐ کی محبت سے لبریز ہوجاتا ہے۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوجاتے ہیں اور ایک جذب۔ کیف اور سرمستی زندگی میں حرکت اور قلب میں جلا کا کام کرتی ہے۔ حالی کے نعتیہ کلام کی یہ ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ سیدھے سادے انداز میں غزل کی لطافت سے عاری ہوکر بیان کی ایک ایسی لے اختیار کرتا ہے کہ سننے والے کو بے اختیار کر دیتا ہے۔ شاعر کی طبیعت کا نقشہ مولانا سلیمان ندوی مرحوم نے جس لطیف انداز میں پیش کیا ہے وہ حالی کی شاعری کی اس اثر آفرینی کو نہایت قوت سے واضح کرتا ہے:

"شاعر کی طبیعت نہایت گداز تھی۔ وہ ازل سے دردمند دل لے کر آیا تھا۔ اس کا مزاج سدا کا اداس تھا۔ وہ عالم کی نیرنگی، زمانہ کی ناسازگاری اور پھر اپنی قوم کی پستی کے منظر دیکھ کر خود بھی اکثر روتا تھا اور دوسروں کو بھی رلاتا تھا۔"[1]

"پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت میں ہمارے خوش خیال شاعروں نے کیا کیا کچھ نہیں کہا اور کس کس طرح مدح و توصیف نہیں کی مگر

---

[1] مقدمہ مسدس حالی از مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم (صدی ایڈیشن۔ ناشران حالی پبلشنگ ہاؤس۔ دہلی (سنہ ۱۹۳۵ء) صفحہ ۴۴۔

مسدس میں نعت کے جو چند بند ہیں وہ اپنی واقعیت اور سچائی کی بناء پر
جس اثر سے مالامال ہیں وہ تکلف اور مبالغہ سے بھری ہوئی اکثر نعتوں سے
بڑھ چڑھ کر ہیں۔ شاعروں نے اپنی نعتوں میں شاعری کے جادو سے اثر
پیدا کرنا چاہا ہے اور مولانا حالی نے سچائی اور واقعیت کے اعجاز سے اس
لئے ان کی نعت کے یہ چند شعر دوسروں کے سارے دفتر سے بہتر ہیں
اور بعد میں نئے شاعروں نے اسی طرز کی تقلید کی اور کامیاب رہے ہیں[۱]

یوں مولانا حالی کے دور سے پہلے بھی نعت گو شعراء کے کلام میں اسوۂ
حسنہ کے بہت سے پہلو آگئے ہیں جو ہمارے لئے مشعل راہ بن سکتے ہیں
لیکن حالی نے اس میں ضبط اور نظم قائم کرکے نعت کے اس مقصدی
رنگ کو زیادہ اجاگر کیا ہے اور اسے صرف تعمیر حیات کا ذریعہ بنایا ہے۔
اس میں ان کی بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ نعت میں انھوں نے ایک
نیا رنگ پیدا کیا اور مسلمانوں کی اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی
زبوں حالی کا علاج قرار دیا کہ تعلیمات نبویؐ کو عملی طور پر زندگی میں از سر نو
جاری و ساری کیا جائے۔ شاعر کے ذہن میں نعت رسولؐ کا پس منظر وہی
عالمی گمراہی اور تباہ حالی ہے۔ جس کی اصلاح کے سامان اتباع رسولؐ
نے کئے۔ حقیقت میں مسلمانوں کے ماضی کی ساری عظمت آقائے نامدارؐ
کے نام پر قربان ہونے کے سبب سے تھی۔ یہی شاعر کا ایمان ہے۔
اور اس کا یہی ایقان اسے نغمہ کے لئے ابھارتا ہے۔ اس کی نظر ہمہ گیر ہے

---

[۱] مقدمہ مسدس حالی از مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم (صدی ایڈیشن۔
ناشران حالی پبلشنگ ہاؤس۔ دہلی۔ سنہ ۱۹۳۵ء) صفحہ ۴۶۔

اس لئے اس کے تخیل کی زد میں ساری زندگی آجاتی ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے تاریک دَور کا ذکر کرنے کے بعد شاعر ظہورِ رحمت کا نقشہ اس طرح پیش کرتا ہے:

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت — بڑھا جانب بو قبیس ابرِ رحمت
ادا خاک بطحا نے کی وہ ودیعت — چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

ہوئے محو عالم سے آثارِ ظلمت — کہ طالع ہوا ماہ برجِ سعادت
نہ چھٹکی مگر چاندنی ایک مدت — کہ تھا ابر میں ماہتاب رسالت
یہ چالیسواں سال لطفِ خدا سے
کیا چاند نے کھیت غارِ حرا سے [۱]

رحمتِ عالم کی تعلیمات کی برکات نے نہ صرف عرب کی پراگندہ زندگی کو سنوارا بلکہ وہ سارے عالم کے لئے رحمت ثابت ہوئیں۔ اسلام کی برکات جو دنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچیں اسے بھی حالیؔ نے دنیا کی ابتری کے بیان کے بعد اس طرح پیش کیا ہے:

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اٹھی — پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دور دور اس کی پہنچی — جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی [۲]

---

[۱] مسدس حالیؔ، صدی ایڈیشن، صفحہ ۱۸، ۱۹۔

[۲] " " " " ۳۰۔

شاعر کا تخیل ساری دنیا کا جائزہ لے کر حضورؐ کی مدح میں طرح طرح کے مضامین پیدا کرتا ہے۔ لیکن ہر جگہ جو ایک مرکزی خیال کام کر رہا ہے وہ آپ کا ہادیٔ عالم ہونا ہے۔ اس لئے وہ خلق محمدیؐ کو اسی ایک رنگ میں پیش کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ آپ نے دنیا کو گمراہی سے نکال کر رشد و ہدایت کی راہ پر گامزن فرمایا۔ خلوص کا یہ عالم ہے کہ کلام کی اثر آفرینی ہر جگہ موجود ہے ـــ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال معنوی پر شاعر اس طرح فدا ہے کہ ذکر حبیب جہاں بھی آتا ہے تو صفات محمودی اس کے دل و دماغ میں روشن ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ بارگاہ ایزدی میں حضور کا واسطہ دے کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو دعا کو چھوڑ کر اپنے آقا کی مدح سرائی میں کھو جاتا ہے پھر جب ہوش میں آتا ہے تو دُعا کا مضمون بیان کرتا ہے۔ لیکن عام نعت گو شعراء کے رنگ سے بالکل جدا وہ اپنے لئے دعا نہیں مانگتا بلکہ آقائے نامدار کی امّت کی زبوں حالی سے بیتاب ہو کر اس کے اصلاح حال کی درخواست پیش کرتا ہے:

الٰہی بحق رسُول تہامی ہر اک فرد انسان کا تھا جو کہ حامی
جسے دور و نزدیک تھے سب گرامی برابر تھے مکی و زنگی و شامی
شریروں کو ساتھ اپنے جس نے نباہا
بروں کا ہمیشہ بھلا جس نے چاہا
طفیل اس کا اور اس کی عترت کا یارب پکڑ ہاتھ جلد اس کی امت کا یارب[۵۱]

بیان کی سادگی کے ساتھ اس کی قوت بھی دلوں کو ہلا دینے والی ہے۔

---

۵۱ مسدس حالی: صدی ایڈیشن، صفحہ (۱۲۸، ۱۲۹)۔

بقول نواب صدر یار جنگ، بہادر حبیب الرحمٰن خاں شروانی "اردو میں ایسا دلوں کو گرمانے والا نعتیہ کلام زیادہ نہیں ملے گا"۔[۵۱]

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی — عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی — اک آواز میں سوتی بستی جگا دی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نامِ حق سے[۵۲]

زبان وحی سے وحدت کا گیت اپنی ساری جلالی اور جمالی کیفیتوں کو آشکار کر رہا ہے۔

یہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا — یہ راعی نے للکار کر جب پکارا
کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق — زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق — اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اسی پر ہمیشہ بھروسا کرو تم — اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم — اسی کی طلب میں مرو جب مرو تم

مبرّا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کو بڑائی[۵۳]

---

۵۱ تقریبات مسدس حالی: صدی ایڈیشن (سنہ ۱۹۳۵ء) صفحہ ۲۶۔

۵۲ مسدس حالی: صدی ایڈیشن صفحہ ۲۱۔

۵۳ " " " ۲۲۔

حالی نعتیہ کلام میں خیالی اور جذباتی والہانہ کیفیت سے کبھی لطافت پیدا نہیں کرتے۔ اس میں ہمیشہ وصف رسولؐ کے ان مضامین کا بیان ملتا ہے جو مقصود رسالت ہیں۔ چنانچہ زبان وحی سے توحید کے پرزور بیان کے بعد اب رسالت اور مقام مصطفائی کی حقیقت کو واضح کر رہے ہیں:

تم اوروں کی مانند دھوکا نہ کھانا　　کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا
مری حد سے رتبہ نہ میرا بڑھانا　　بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا
سب انساں ہیں واں جس طرح سر فگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ [۵۱]

اب امت کو آقائے نامدار کی تلقین بھی سن لیجئے:

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم　　نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم　　کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی [۵۲]

نعتیہ کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ جس میں اسلوب بیان کی ندرت اور مضامین کی صداقت اپنے حسن انداز میں ہر جگہ جلوہ گر ہے اردو نعتیہ ادب میں اس حسن و خوبی سے بہت کم ملتی ہے۔ ساتھ ہی مسدس کے نعتیہ بند اپنی سادگی اور پرکاری کی وجہ سے امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں۔ مسدس کی ایک اور خصوصیت زبان کی سلاست، روانی اور بے ساختگی ہے۔

---

۵۱ مسدس حالی: صدی ایڈیشن صفحہ ۲۲۔
۵۲ " " " ۲۳۔

بقول مولانا سلیمان ندوی مرحوم "معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاف شفاف نہر کسی ہموار ترائی میں آہستگی سے بہتی چلی جارہی ہے۔ نہ کہیں رکاوٹ ہے نہ لفظ میں گرانی ہے۔ نہ قافیہ کی تنگی ہے، زبان میں گھلاوٹ، بیان میں حلاوت، لفظوں میں فصاحت اور ترکیبوں میں لطافت ہے۔ ہماری زبان میں سہل ممتنع کی یہ بہترین مثال ہے۔" [۱]

نعت کے چند بند ملاحظہ کیجئے اور کلام کے گوناگوں محاسن کی داد دیجئے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانیوالا | مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنیوالا | وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگزر کرنے والا | بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیروزبر کرنے والا | قبائل کو شیر وشکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مس خام کو جس نے کندن بنایا | کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا | پلٹ دی بس اک آن میں اسکی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے ادھر ہو گیا رخ ہوا کا [۲]

---

[۱] مقدمہ مسدس حالی صدی ایڈیشن صفحہ ۴۴۔ [۲] مسدس حالی صدی ایڈیشن صفحہ ۱۹۔

اسی انداز کے بند کہے ہیں۔ جن میں سیرت طیبہ کو ایسے دلنشین پیرائے میں بیان کیا ہے کہ ہر بار پڑھنے میں نیا لطف آتا ہے۔

چنانچہ ملک کے مختلف حضرات نے ان اشعار کی بڑی قدر کی ہے۔ رسالہ مولوی دہلی نے ایک مرتبہ حالی کے ایسے تمام مصرعوں کی تفسیر میں مولود نمبر بھی (غالباً سنہ ۱۹۳۰ء میں) شائع کیا تھا۔

مسدس حالی کا نعتیہ بیان خلوص، محبت، درد، تڑپ اور جذب و شوق میں ڈوبا ہوا شاعر کی اس ایمانی کیفیت کی آواز ہے جس نے حب نبیؐ میں خود کو بھی فراموش کر دیا ہے۔ اس کی نظر میں محمدؐ، محمدؐ کا دین، محمدؐ کی امت غرض یہ کہ جو چیز بھی اس کے آقا سے نسبت رکھتی ہے محبوب ہے اور اس کا خیال اسے ہر گھڑی بے چین کئے ہوئے ہے۔ حقیقت میں حالی کی قومی شاعری کی اصل یہی جذبہ ہے۔ یہی انھیں نغمہ کے لئے ابھارتا ہے۔ اور اسی کو وہ حاصل زندگی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کی زندگی کی عملی مساعی میں ہر جگہ اس کی کارفرمائی پاتے ہیں۔

حالی نے غالباً سنہ ۱۸۸۸ء میں "شکوہ ہند" لکھا جس میں اسلامی محاسن اوصاف کے ختم ہو جانے کا ذکر ہے۔ آخری بند میں کہتے ہیں:

ہیں یہ باتیں بھول جانے کی مگر کیوں کر کوئی
بھول جائے رات کا سب صبح ہوتے ہی سماں
گر یقین ہے رفتہ رفتہ یاد ایام سلف
دل سے چھوڑے گی مٹا کر گردش دور زماں
ہر زمانے میں رہیں گے تا قیامت یادگار
جو کئے برتاؤ تو نے ہم سے اے ہندوستان

یہ برکتیں یاں چھوڑ کر ہم اپنی جائیں گے بہت
ہم نہ ہوں گے پر نصیحت ہم سے پائینگے بہت

دین کی انہی برکتوں کے چلے جانے پر حالیؔ نے ایک مناجات۔ سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰت کی جناب میں پیش کی ہے جو اپنی شہرت و مقبولیت میں خاص طور پر ممتاز ہے۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسریٰ
خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے
وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں
اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے

آگے چل کر کہتے ہیں:

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے
جس دین نے تھے غیروں کے دل آ کے ملائے
اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

پھر دعا کے لئے درخواست کی ہے کہ اس قوم کا جہاز خطروں میں گھرا ہوا ہے۔

امت میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن
دل دادہ ترا ایک سے ایک ان میں ہوا ہے

کل دیکھئے پیش آئے غلاموں کو تیرے کیا
اب تک تو تیرے نام پہ ایک ایک فدا ہے

اسی کے آخر میں کہتے ہیں:

ہاں حالی گستاخ نہ بڑھ حدِ ادب سے   باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلہ ہے

شکوہ ہند کے علاوہ ایسے اشعار بھی اقبال کو شکوہ لکھنے پر آمادہ کر سکے تھے۔ تاہم حالی اور اقبال وغیرہ کے عشق میں بہت فرق ہے۔ حالی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی سیرت طیبہ کی وجہ سے عشق کیا لیکن اقبال نے محض محبوب سمجھا اور ایسا محبوب جن کے بلند مرتبے کی وجہ سے وہ گرد راہ بننے میں فخر محسوس کرتا ہے۔

مولانا حالی کے اس اصلاحی رنگ کے اثرات بعد کے نعت گو شعراء پر نہایت گہرے خوشگوار اور صحت مند ثابت ہوئے۔ اکثر شعرائ نے اس لَے میں حضورؐ کی مدح سرائی شروع کی اور نعتیہ ادب کو مقصدی صورت بخش کر اخلاقی مضامین سے مالامال کر دیا۔ اب بیان میں فقط جذبۂ کیف ہی کا اظہار نہیں رہا بلکہ اس کے ساتھ اسوۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات بخش نمونہ کو جاندار بنا کر پیش کیا جانے لگا۔ اس کی مثال آنے والے شعراء کے کلام میں جا بجا ملتی ہے۔

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی

مولانا شبلی سنہ ۱۸۵۷ء میں موضع بندول ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہو گئے۔ کچھ عرصہ تک دیوانی عدالت میں امین رہے پھر علیگڈھ میں پروفیسر ہو گئے اور ۱۶ سال تک یہ خدمت انجام دی۔ علی گڑھ کے قیام نے مولانا شبلی کی شہرت میں چار چاند لگا دئے۔ حقیقت یہ ہے کہ علی گڑھ میں مولانا نے جہاں دوسروں کو بہت کچھ دیا وہاں ارباب علم و فضل کی صحبت سے خود بھی بہت حاصل کیا۔ اس زمانے میں بلاد اسلامیہ کا سفر بھی کیا۔ سنہ ۱۸۹۲ء میں تمغہ مجیدی حاصل کیا اور سنہ ۱۸۹۴ء میں حکومت برطانیہ سے آپ کو شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا۔

سنہ ۱۸۹۸ء میں سرسید کا انتقال ہوا اور مولانا نے علی گڑھ کو خیرباد کہا۔ اس کے بعد حیدر آباد دکن میں ناظم محکمہ تعلیم مقرر ہوئے اور اس خدمت پر چار سال مامور رہے۔ حیدر آباد سے واپسی پر ندوۃ العلماء کی خدمت انجام دی۔ آخر سنہ ۱۹۱۳ء میں اس سے بھی علیٰحدہ ہو گئے، اور اعظم گڑھ میں دار المصنفین کی بنیاد ڈالی۔ مولانا کی عمر کا آخری زمانہ سیرۃ النبیؐ کی تصنیف میں گزرا۔

۲۸ ذی الحجۃ سنہ ۱۳۳۲ھ کو رحلت فرمائی۔

مولانا شبلی گوناگوں صفات کے حامل تھے۔ وہ بہ یک وقت فلسفی، ادیب، ناقد، شاعر، مورخ، ماہر تعلیم، واعظ، معلم، فقیہ، محدث وغیرہ سب کچھ تھے۔ اتنی جامع کمالات شخصیت اُردو ادب، کو نہ مولانا سے پہلے

نصیب ہوئی اور نہ ان کے بعد۔

مولانا کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں :

دیوان شبلی اور دستۂ گل ۔ مثنوی صبح امید ۔ مجموعہ نظم اردو۔ سیرۃ النبیؐ دو جلدیں ۔ شعر العجم پانچ حصے ۔ موازنہ انیس و دبیر الفاروق الغزالی ۔ سیرۃ النعمان ۔ المامون ۔ الکلام ۔ علم الکلام ۔ سفر نامہ روم مصر و شام ۔ سوانح مولانا روم ۔ الجزیہ ۔ اورنگ زیب عالم گیر۔ تاریخ اسلام و فلسفہ اسلام ۔ مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم ۔ مقالات شبلی۔ حیات خسرو ۔ تنقید جرجی زیدان ۔ رسائل شبلی ۔ مکاتیب شبلی۔

نعتیہ شاعری کے اس دور میں مولانا حالی کے ساتھ علامہ شبلی کا رنگ بھی بالکل اصلاحی ہے ۔ ان کے یہاں تغزل نام کو نہیں ملتا۔ نعت میں ان کی جو نظمیں ہیں، ان میں مذہبی اور اخلاقی مضامین پائے جاتے ہیں۔ اس کا اندازہ نظموں کے عنوانات سے بخوبی ہو جائے گا۔ مثلاً :

ہجرت نبوی صلعم ۔ تعمیر مسجد نبوی صلعم "۔ ایک خاتون کی آزادانہ گستاخی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم وعفو" اہل بیت رسول صلعم کی زندگی۔ ایثار کی اعلیٰ ترین مثال اور مساوات اسلام ۔ ان میں وقت کے تقاضے کے لحاظ سے سیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند موثر پہلوؤں کو دکھلانے کے علاوہ حبِ رسولؐ کے اعلیٰ نمونے بھی نظم کئے ہیں جو اصحاب رسولؐ کی زندگی میں ملتے ہیں ۔ مورخ کی حیثیت سے علامہ شبلی نے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھ کر نثر اور تاریخ کی ایک بے مثل تصنیف اردو زبان کو عطا کی، وہاں شاعر کی حیثیت سے نعت نبیؐ میں جو کچھ کہا اسی سیرت نگاری کو پیش نظر رکھ کر کہا۔ علامہ نے نعت کو صرف

والہانہ تصدق، جذبہ اور شوق کے اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اسے اخلاقی اور تاریخی رنگ دے کر اس میں انتہائی خوبی اور بلندی پیدا کی۔ یہ تاریخی اور اخلاقی نظمیں اس پایہ کی ہیں کہ بقول علامہ سلیمان ندوی "جن میں ہر ایک اپنی خوبی اور بلندی کے لحاظ سے اردو کے بڑے بڑے ضخیم دیوانوں کے مقابلے میں بھاری ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اردو ادب میں ان کی کوئی مثال نہیں"۔[له]

شبلی کے کلام کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ پڑھنے اور سننے والے کے دل میں عظمت رسولؐ گھر کر جاتی ہے۔ سیرت رسولؐ سے متعلق روایات کو نظم کرنے میں مبالغے کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی اور نتیجتہً شاعر کا تخیل خیالی بلند پروازیوں کے کمال سے محروم رہ جاتا ہے۔ ان پابندیوں کے ساتھ کلام میں خوبی اور اثر پیدا کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی شاعرانہ صلاحیت درکار ہے۔ شبلی نے اپنے زور بیان سے اس کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔

شبلی کے نعتیہ کلام کا تجزیہ کرنے سے پہلے ان میں ان محرکات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ جن کی بنا پر شبلی کی شاعری نے یہ رنگ اختیار کیا۔ جدید مذہبی اور اخلاقی نظمیں علامہ نے سنہ ۱۹۰۸ء اور سنہ ۱۹۱۴ء کے درمیان لکھیں۔ یہی دور ان کی شاعری کا آخری اور امتیازی دور رہا۔ مسلمانوں کی سیاست سے مولانا کو گہرا تعلق رہا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ

له کلیات شبلی طبع سوم۔ معارف پریس اعظم گڈھ سنہ ۱۹۵۴ء۔
"مولانا شبلی اردو شاعر کے لباس میں" از علامہ سلیمان ندوی صفحہ ۱۹۔

اسلامی دنیا انتہائی پریشانی میں مبتلا تھی۔ ایک طرف مسلمانان ہند کی حکومت برطانیہ سے کشمکش جاری تھی، دوسری طرف فرقہ وارانہ تنازعہ اور بنگال کی تنسیخ میں مسلمانان ہند الجھے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی بلقان کی جنگ نے مضطرب کر رکھا تھا۔ مولانا اپنا ایک سیاسی مسلک رکھتے تھے اور جذبہ ایمان بھی۔ اس پُر آشوب زمانے کے حالات نے ان کے احساس کو ایک نئے انداز سے جھنجھوڑا اور شدت، تاثر کی شاعرانہ سحر آفرینیوں نے اردو شاعری کے لئے جدید مذہبی اور اخلاقی نظموں کا سرمایہ فراہم کیا۔ ان نظموں کے بیان کی قوت اور اثر کی سحر آفرینی نے دلوں کو تڑپا دیا اور ایک نئی زندگی کی لہر دوڑا دی۔ اسی دَور کی پیداوار مولانا کا نعتیہ کلام بھی ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں بھی شاعر کے احساسات کا بھی رنگ ہونا چاہیے۔

زندگی کی سختیوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنا مسلمان کا ایمانی شعار ہونا چاہیے۔ افلاس کی یہ بدحالی سے گھبرا جانا ایمان کے منافی ہے۔ ثروت اور دولت میں ڈوبی ہوئی ماں" کی لاڈلی بیٹی اور رسول اللہؐ کی لخت جگر باپ کے حضور میں ایک درخواست لے کر ایک آس اور امید کے ساتھ پہنچتی ہے۔ شاعر نے اس سادہ مگر مہتم بالشان واقعہ کو اسی سادگی اور زور بیان کے ساتھ پیش کیا ہے۔ خلق محمدیؐ کی تصویر کشی کس حسن و خوبی سے کی ہے :-

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا

گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا

سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار
گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا

اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے / جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا
آخر گئیں جناب رسولِ خداؐ کے پاس / یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذن عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض / واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے / کل کس لئے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں / حیدرؓ نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبانِ بے وطن / جن کا کہ صفۂ نبویؐ میں قیام تھا
میں ان کے بندوبست سے فارغ ہنوز / ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں / میں ان کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے ان کا حق / جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا[1]

شبلی کی نظر میں وصف نبیؐ کا مقصود ان مکارم اخلاق کی تعلیم ہے جن سے کردار کی تعمیر ہوتی ہے اور زندگی کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔ والہانہ جذب و شوق کے بعد بھی، اگر اسوۂ نبیؐ کی کوئی جھلک کردار میں نظر نہ آسکی تو اسے ہم بے مقصد اور خیالی اظہار مندی سے تعبیر کریں گے۔

ہجرت نبویؐ کا نقشہ بھی ملاحظہ کیجیے:

جبکہ آمادۂ خون ہو گئے کفار قریش / لاجرم سرورِ عالم نے کیا عزم سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز / گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرورؐ
اک فقط حضرت بوبکرؓ تھے ہمراہ رکاب / ان کی اخلاص شعاری تھی جو منظور نظر
رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے / کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادہ شر

....

---

[1] کلیاتِ شبلی: صفحہ ۳۷۔

تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں
تھا جہاں عقرب و افعی کی حکومت کا اثر
بیم جان، خوف عدو، ترک غذا، سختیِ راہ
ان مصائب میں ہوئی اب شبِ ہجرت سے سحر[1]

مدینہ طیبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کا جوش و خروش اپنی انتہائی سادگی میں بھی محبت، خلوص اور جذب و شوق کا ایسا شاندار مظاہرہ ہے کہ جس پر قیصر و کسریٰ کا جاہ و حشم ہزار بار تصدق ہے۔ شہنشاہ کونین کے استقبال کے لئے اللہ والے دل و جان کا ہدیہ لئے ہوئے مضطربانہ کیفیت کی قیامت خیز ساعتوں میں تصدق کے لئے آنکھیں بچھاتے ہوئے ہیں۔ حقیقت میں سلطانی اسی کی ہے۔ جو جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر حکمرانی کرے۔

حبِّ رسولؐ میں ڈوبی ہوئی استقبال کی شان ملاحظہ کیجئے:

ہاں مدینے میں ہوا غل کہ رسول آتے ہیں
راہ میں آنکھ بچھانے لگے اربابِ نظر
لڑکیاں گانے لگیں ذوق میں آکر اشعار
نغمہ ہائے طَلَعَ البدر سے گونج اٹھے گھر

ماں کی آغوش میں بچے بھی مچل جانے لگے
نازنینانِ حرم بھی نکل آئیں باہر
آلِ نجار چلے شہر سے ہو کر تیار
زرہ و جوشن و چار آئینہ و تیغ و سپر

---

[1] کلیات شبلی: صفحہ ۳۳۔

دفعتاً کوکبۂ شاہ رسل آ پہونچا
غل ہوا صلِّ علیٰ خیر انامِ و بشر
جلوۂ طلعت اقدس جو ہوا عکس فگن
دفعتاً تار شعاعی تھا ہر اک تار بصر

طور پر حضرت موسیٰؑ کی صدا آتی تھی
آج ایک اور جھلک سی مجھے آتی ہے نظر
سب کو تھی فکر کہ دیکھیں یہ شرف کس کو ملے
میہمان ہوتے ہیں کس اوج نشین کے سرور

سینے کہتے تھے کہ خلوت گہِ دل حاضر ہے
آنکھیں کہتی تھیں کہ دو اور بھی تیار ہیں گھر
ہاں مبارک کرے اے خاک حریم نبویؐ
آج سے تو بھی ہوئی خاک حرم کی ہمسر

صل یارب علیٰ خیر نبیؐ و رسول
صل یارب علیٰ افضل جن و بشر[۵۱]

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مزدور کے لباس میں تعمیر مسجد کے کام میں مصروف کار ہیں۔ خلق محمدیؐ کی یہ شان شاعر نے نہایت اختصار اور حُسن وخوبی سے دکھائی ہے۔

انصار پاک اور مہاجر تھے جس قدر
مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا
اک اور نفسِ پاک بھی ان سب کا تھا شریک
جو آب و گِل کے شغل میں بھی شاد کام تھا

---

۵۱ کلیات شبلی : صفحہ ۳۳، ۳۴۔

کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت — سینہ غبارِ خاک سے سب گرد فام تھا
سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریکِ حال — یہ خود وجودِ پاک رسُولِ انامؐ تھا
جو وجہ آفرینشِ افلاک و عرش ہے — جس کا کہ جبرئیل بھی ادنیٰ غلام تھا

صلوا علی النبی و اصحابہ الکرام
اس نظم مختصر کا یہ مسک الختام تھا[۱]

حُبِّ رسُولؐ ایمان کا اصل اصول ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں ساری دنیاوی محبتیں دب جاتی ہیں۔ ماں، باپ، اولاد، زن، برادر، مال، زر، جان وغیرہ کی قربانی جب رسُولؐ کی خاطر گوارا ہو جاتی ہے تو سمجھنا چاہیے کہ ایمان نے دل میں جگہ پائی ہے۔ اس ایثار کی اعلیٰ ترین مثالیں ہم اصحابِ رسُولؐ کی سیرت میں جا بہ جا پاتے ہیں۔ شبلی نے اس کا ایک ہی واقعہ بیان کر کے محبت کی اس کیفیت کو نہایت دلنشین پیرایہ میں پیش کیا ہے جس میں ایمان کی تازگی کے لئے اہتمام پایا جاتا ہے۔ جنگِ احد میں سرورِ کائنات کی شہادت کی خبر مدینہ میں پہنچتی ہے جس سے ہر گلی کوچہ ماتم کدہ بن جاتا ہے۔ عورتیں، مرد، جوان، بوڑھے اور بچے سب ہی پریشان اور مضطرب گھروں سے نکل آتے ہیں۔ اس مضمون کو علامہ شبلی نے اس طرح بیان کیا ہے:

وہ بھی نکلیں کہ جو تھیں پردہ نشینِ عفاف
جن میں تھیں سیدۂ پاک بھی با دیدہ نم
ایک خاتون کہ انصار نکو نام سے تھیں
سخت مضطر تھیں نہ تھے ہوش و حواس انکے بہم

---

[۱] کلیات شبلی: صفحہ ۳۴، ۳۵۔

موقع جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا
کیا کہیں تجھ سے کہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم
تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی
تیرے والد بھی ہوئے کشتۂ شمشیر ستم
سب سے بڑھ کر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید
گھر کا گھر صاف ہوا ٹوٹ پڑا کوہ الم
اس عفیفہ نے یہ سن کے جو کہا تو یہ کہا
یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہ امم
سب نے دی اس کو بشارت کے سلامت ہیں حضورؐ
گرچہ زخمی ہے سر و سینہ و پہلو و شکم
بڑھ کے اس نے رُخ اقدس کو جو دیکھا تو کہا
تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہے سب رنج و الم
میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہ دین ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم [۵۱]

حقیقت میں وصف نبیؐ کی یہی شان ہے جہاں نعت گو شاعر اپنے فن کی سحر آفرینی سے قلب کے لئے رقت کا سامان کرتا ہے اور آنکھیں فرطِ محبت میں آنسو بہانے لگتی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی کا حقیقی سرمایہ حُبِّ نبیؐ کی ایسی بیش بہا دولت ہے کہ ان کی سیرت میں ہم اسی کی جلوہ فرمائیاں پاتے ہیں۔ نعت کے یہی مضامین ایمان کی تازگی کا سامان بھی کر سکتے ہیں اور جب یہ حاصل

---

۵۱ کلیات شبلی: صفحہ ۳۸۔

ہو جاتا ہے تو شاعر کی کاوشیں بے مقصدی کی تہمت سے بچ جاتی ہیں۔ علامہ شبلی روایات کے ترجمے میں بھی شاعری کی ساری خوبیاں سمو دیتے ہیں۔ شعر کی جان اگر اثر ہے تو ہم شبلی کے اشعار کو جاندار کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بیان میں نہ تو لفظی رعایت ہے اور نہ کوئی ایسی صناعی کہ مطلب کے سمجھنے میں دماغ کے لئے الجھاؤ کا سامنا ہو۔ بیان سادہ مگر دلنشین ہے جو اپنے جوش اور قوت میں مکارم اخلاق کا بڑا سامان رکھتا ہے۔

اس نعت گو شاعر یعنی علامہ شبلی کا خاتمہ بالخیر بھی دیدنی ہے جو بقول علامہ سلیمان ندوی مرحوم

"پیغمبر خاتم اور خاتمہ بالخیر کی مناسبت چھپی نہیں مگر اس میں جو بات چھپی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی یہ شاعری کتنی الہامی تھی کہ شاعرانہ پیشنگوئی تاریخ کا واقعہ ہو کر رہی۔"[1]

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستان لکھی
مجھے چندے مقیم آستانِ غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرتِ پیغمبرِ خاتمؐ
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا[2]

---

[1] کلیات شبلی صفحہ ۲۱۔
[2] " " ۱۱۶۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی

مولانا احمد رضا خان بریلوی (المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ سنہ ۱۹۲۱ء) بڑے زبردست عالم اور غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے۔ تقریباً نصف صدی تک جس قدر انھوں نے غیر مقلدین کے خلاف لکھا ہے یا لکھوایا ہے شاید دنیائے اسلام میں کسی ایک خاص دبستانِ خیال کے خلاف کبھی اتنا نہیں لکھا گیا جناب اسمٰعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو اہانت آمیز فقرے کہیں کہیں نظر آتے ہیں ان کی توجیہہ بھی کرلی جائے تب بھی ان کی بُرائی سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے کے مکتب خیال کے خلاف مولانا احمد رضا خاں اور ان کے متوسلین نے بڑی سختی سے لکھا۔ بہر حال جن لوگوں نے مولانا کو دیکھا ہے وہ اگرچہ ان کے عقائد سے مطابقت بھی نہیں رکھتے تھے، تب بھی ان کی قوتِ حافظہ، طریق استدلال اور اجتہاد کے قائل تھے اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ان جیسے دل و دماغ کے علماء کم پیدا ہوئے ہیں۔

نعتیہ کلام میں مولانا کے دیوان حدائق بخشش کے تین حصے ہیں اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے یہ دیوان شروع سے آخر تک ایسی محبت اور عقیدت سے بھرا ہوا ہے کہ ایک دیندار اگر اسے اپنے لئے ذریعۂ نجات سمجھے تو کوئی بعید نہیں ہے۔ اس میں قصیدے، مثنویاں، خمسے، مسدس، قطعات اور رباعیات وغیرہ مختلف اصناف سخن ہیں۔ عربی اور فارسی کلام بھی ہے لیکن کم ہے۔ البتہ قطعات و تاریخ ان زبانوں میں زیادہ ہیں، اور مسلسل کئی کئی شعر تاریخی ہیں جن کا مولانا کو بہت ہی شوق تھا اور انھیں

(فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھیے)

خاص ملکہ بھی حاصل تھا۔ نعت کے علاوہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اوران کے قادری سلسلے کے بعض بزرگوں کی منقبت بھی ہے اور بعض مقامات پر بڑی سنگلاخ زمینیں ہیں۔ مثلاً تنویر پشت آئینہ۔ تنظیر پشت آئینہ۔ ناز روئے آئینہ۔ ساز روئے آئینہ۔ لیکن عام طور پر مولانا کے یہاں آسان زمینوں میں مشکل مضامین پائے جاتے ہیں۔ مثلاً:

مہر ہے مشعلہ افروز شبستان کس کا
ماہ ہے پرتوۂ شمسۂ ایوان کس کا

سنبل آشفتہ ہے کس گل کے غم گیسو میں
دیدۂ نرگس بیمار ہے حیران کس کا

نونیاز سبق اشمسیہ ہے شمس منیر
نور آموز ہے یارب یہ دبستان کس کا

آئینہ دار ہے آئینہ مری حیرت کا
جلوہ گر دل میں ہے عکس رخ تاباں کس کا

ہمہ تن چشم کی صورت ہے بدن سے پیدا
منتظر ہے یہ الٰہی دل حیران کس کا[1]

(صفحہ ۳۸۰ کا فٹ نوٹ یہ ہے) جب ضد بڑھ جاتی ہے تو کیچڑ اچھالنے سے بھی گریز نہیں ہوتا۔ مولانا کے متوسلین جو اس علمی جنگ میں شریک تھے عجیب عجیب تاریخی نام نکالتے تھے۔ مثلاً ایک رسالے کا تاریخی نام تھا۔ ع سگ گنگوہ وخوک۔ اس نام سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس جنگ کی نوعیت کیا رہی ہوگی۔

(۲) مولانا کو انکسار کی وجہ سے اشعار میں "درد" نظر نہیں آتا۔ ایک بزرگ مولانا کافی کے متعلق رباعی میں اشارہ ہے۔

پرواز میں جب مدحت شہ میں آؤں
تا عرش پر فکر رسا سے جاؤں
مضمون کی بندش تو میسر ہے رضا
کافی کا درد دل کہاں سے لاؤں

ایک اور زمین دیکھئے کہ آسان ہونے کے باوجود مشکل مضامین سے پُر ہے لیکن شاعرانہ کمالات اپنی پوری دل کشی اور لطافت کے ساتھ موجود ہیں:

گلے سے باہر آسکتا نہیں شور و فغاں دل کا
الٰہی چاک ہو جائے گریباں اس کے بسمل کا

شب اسرا قمر حیرت زدہ پھرتا رہا شب بھر
بھلایا ڈھنگ ان کی چال نے سیر منازل کا

بڑھا اس درجہ رعب حسن والا لیلۃ الاسریٰ
سمٹ کر بن گیا چرخ ایک پایہ ان کے محمل کا

حجاب نور تک پہنچا کے آنکھیں ہو گئیں خیرہ
فغاں کرتا ہوا لوٹ آیا قاصد نالۂ دل کا

کسی وحشی کی خاک اڑ کر حرم میں آگئی شاید
بگولوں سے ہے اٹھتا شور مستانہ سلاسل کا

نہیں کچھ خاص شہرستانِ امکاں بہرِ پابوسی
کہ سایہ دشتِ بطلان میں ہے تاجِ سر مماثل کا[1]

لیکن مولانا کا تبحر جگہ جگہ نمایاں ہے۔[2] اور محاورات بھی بہ کثرت ہیں۔
باڑا بٹنا۔ نوڑا ہونا۔ توڑ الینا۔ کلمہ پڑھنا۔ صدقہ لینا۔ سونا چڑھنا۔ سہرا ماتھے پر رہنا۔ بخت جاگنا۔ ستارہ چمکنا۔ دن دونا ہونا۔ بول بالا ہونا۔ لہر ابجنا۔ کلیجا ٹھنڈا ہونا۔ مچلکا لکھ دینا۔ لو لگانا۔ ذرا سامنہ نکل آنا۔ چھینٹا پینا۔ آنکھیں مانگنا۔ ماتھے ٹیکا ہونا۔ آئینہ اندھا کرنا۔ گرمی کا جھلکا لانا۔ دل کے

---

[1] حدائق بخشش حصہ سوم۔ مطبوعہ نظامی پریس، بدایوں۔ صفحہ ۳
[2] " " " " " ۴

کنول کھلنا۔ انہی قدموں پھرنا۔ اشاروں پر چلنا۔ بے حکم پر مارنا۔ دوورقہ لکھنا وغیرہ وغیرہ بکثرت محاورات صرف ایک قصیدے میں ملتے ہیں۔ اور مولانا کے تبحر کی وجہ سے ایسے قصیدے کسی قدر تشریح کے بغیر سمجھ میں نہیں آتے۔ وہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا

ان کے قصر قدر سے خلد ایک کمرہ نور کا
سدرہ پائیں باغ میں ننھا سا پودا نور کا

عرش بھی فردوس بھی اس شاہ والا نور کا
یہ مثمن برج وہ مشکوئے اعلےٰ نور کا

جبینی پرنور پر رخشاں ہے بکہ نور کا
ہے لوالحمد پر اڑتا پھریرا نور کا

مصحف عارض پہ ہے خط شفیعہ نور کا
لو سیہ کارو مبارک ہو قبالہ نور کا

شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا

بزم وحدت میں مزا ہوگا دوبالا نور کا
ملنے شمع طور سے جاتا ہے اکہ نور کا

وصف رخ میں گاتی ہیں حوریں ترانہ نور کا
قدرتی بینوں میں کیا بجتا ہے لہرا نور کا

یہ کتاب کُن میں آیا طرفہ آیہ نور کا
غیر قائل کچھ نہ سمجھا کوئی معنی نور کا

دیکھنے والوں نے کچھ دیکھا نہ بھالا نور کا
مَنْ رَای کیسا یہ آئینہ دکھایا نور کا

پڑتی ہے نوری بھرن اُمڈا ہے دریا نور کا
سر جھکا اے کشتِ کفر آتا ہے اہلا نور کا[1]

یہ ۵۹ شعروں کا قصیدہ اسی شان کے ساتھ ہے۔ قصیدہ اگرچہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں بھی آجائے تو یہ دوسرا قصیدہ بغیر شرح کے یقیناً مشکل ہے۔ علم ہیئت و نجوم کی اصطلاحات کے ساتھ اس طرح لکھتے ہیں:

خالق افلاک نے طرفہ کھلائے چمن
(فلک)
اک گل سوسن میں ہیں لاکھوں گل یاسمن
(کواکب)

موتیے بیلے کے پھول زیب گریبانِ شام
(شمال)
جوہی چنبیلی کے گل زینتِ جیب یمن
(کواکب) (جنوب)

دامنِ البرز کی کلیوں میں پھولے ہیں پھول
(بروج)
کوڑے کی چوٹی میں ہیں حاصل چندیں چمن
(منطقۃ البروج)

طرفہ کھلے چار باغ ایک نمونے کے تین
تخت نسرین میں ہیں گیندے کا فرش ایک پھول
(فلک) (عطارد)
تینوں میں ہیں چار اخشیج چاروں کی تازہ پھبن
اک گل نیلوفر چار گل نارون
(زحل) (مریخ۔ قلب الاسد۔ قلب العقرب۔ عین الثور)

---

[1] حدائق بخشش حصہ دوم صفحہ ۳،۳۔

نا رون نا روش ناظم بالاحصار | سرور اقلیم ترک افسر لشکر شکن

(خفچاقیان)

یہ صنم تند خو اگ ہو تو کہوں | پانی کے اک کیڑے سے کر نہ لیا با نگین[1]

(سرطان)

یہ ۵۵ شعروں کی تمہید بڑی دل کش ہے اور استعارات کے پردوں میں علم ہیئت و نجوم کی متعدد اصطلاحات بڑی خوبی کے ساتھ سموئی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کے وہ قصیدے جو اسی قسم کی اصطلاحات سے بھرے پڑے ہیں اپنے اندر کوئی دلکشی نہیں رکھتے۔ مولانا کا یہ پورا قصیدہ ایسے دل کش استعاروں سے پُر ہے کہ اس کی مثال پوری اردو شاعری میں نظر نہیں آتی اور بغیر شرح کے ان کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ انھوں نے ایک جگہ صحیح فرمایا ہے ۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دئے ہیں

مذکورہ بالا قصیدے کی تمہید کے بعد لکھتے ہیں :

مدحت غائب ہوئی شوق کی آتش فروز | گل کی حضوری میں ہو بلبل جاں نغمہ زن

جانِ دو عالم نثار وہ ہے مرا تاجدار | جس کو کہیں جانِ دین جانِ منِ ایمانِ من

مدح حسیناں نہ کر وصف امیراں نہ کر | خلق انھیں کی حسین خلق انھیں کا حسن[2]

اول تو اس قصیدے کی بحر بھی بہت مترنم ہے پھر مولانا کا انداز بیان حسن زبان، استعارات، تلمیحات وغیرہ مختلف محاسن اور علمی اوصاف اس

---

[1] حدائق بخشش حصہ سوم صفحہ ۳۳، ۳۴ [2] ایضاً : صفحہ ۳۶ ۔

کثرت سے موجود ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ خشک علوم و فنون کے سمندر کا غواص اس قدر شگفتگی کس طرح پیدا کر سکتا ہے۔

پائے منور اگر بحر میں دھو لیجیے
نعل مبارک اگر شب پہ ہو پرتو فگن

گوش سمک پھیر دے قرفہ چشم غزال
پشت سمک مول لے گوہر تاج عدن

جلوے ترے ایک چھینٹ شب پہ اگر ڈال دیں
چشمہ کافور تک مشک کا جائے بن

دن کہے اس سے نگار اک نظر مہر ادھر
مہر کہے ہیں نثار نیم جھلک جان من

کشتہ حسرت ہو شمس ادن کو وصیت کرے
دامن شب کا مجھے دیجیو چیتا کفن

تلوے ترے سیپ کو دیں اگر بوند سیت
بڑھ کے لآلی کی آب خلد کا سینچے چمن

عطر کی موجیں اٹھیں نور کے دھارے چلیں
ڈھونڈھتی باغ عدن سو آئے دلہن

پانی ہو سارا گلاب بلبلے بلبل بنیں
گائیں ملہاروں میں نعت نور کی برسے کرن

لطف تو یہی ہے کہ تشبیہات و استعارات اور صنائع لفظی و معنوی کی کثرت کے باوجود اس قصیدے میں ترنم کے علاوہ بڑی گھلاوٹ[1] ہے بعض رعایتوں کو ان اشعار میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

تیرے قلمرو کا چک، دورِ سماک و سمک
حکم رواں کی سڑک وسعت زمین و زمن

بست کی انگشت میں خاتم پنجباہ ہے
گن کے ہیں صاحب نگیں تیرے زبان و دہن

تیرا الف قامت آج چلے اگر بائے قلب
نون کا الٹے حساب قاف کا بدلے چلن

---

[1] مولانا کا ایک طویل قصیدہ "فضائل فاروق" کے تاریخی نام سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے اور انہی اوصاف کا حامل ہے۔

عین کی انگشت ہے سرمہ عین عشا

عین کے چھپتے ہوں صاد نون کو تیرے کرن

خواب گہ شام میں جائے شمالی برأت

جھپکا جبیں کا ابھی اٹھے یمانی دلہن[1]

بعض استعارات اور تلمیحات اور بھی دیکھئے کہ کس لطافت سے ایک جگہ لکھتے ہیں:

نور سے عذرا ہیں جب شمس نے تحویل کی — دلو سے نکلے نجوم چاند کا چھوٹا گہن

(مدینہ) (ہجرت)

شوہر عذرا ہوا ابن عروس عرب — لیلی و سلمی ہوئیں شمع قدم کی لگن

(مدینہ طیبہ) (اسلام) (مکہ معظمہ) (کعبہ) (مدینہ)

عرش پہ تیرا خطاب سید گردوں قباب — فرش میں نام جناب احمد بطحا وطن

خاتم پیغمبراں۔ قاسم نار و جناں — ناظم کون و مکان حاکم برباد من[2]

غرض کہ ۱۵۵ اشعار اسی شان کے ہیں اور آخر میں دعائیہ بھی تلمیحات اور روایات سے پُر ہے۔ مثلاً

کچھ ترے پروانے کو نام کی پروانہ ہو

لاکھ جلیں ساتوں شمع بارہ کنول نو لگن

میرے خطا کف سے ہو پرزے کمند بلا

کاٹی بندے دھار سے پہنچے کو پھیلی ڈگن

---

[1] حدائق بخشش حصہ سوم: صفحہ ۴۹۔

[2] " " " " : ۵۰۔

وحشتک الکافیہ نغمتک الوافیہ
اسئلک العافیہ من توران الفتن [۱]

اور مولانا نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ :-

خشک سہی زرع شرع شعر تو شاداب ہے
سرو سہی شمع دین نہالے بنے ہیں لگن [۲]

ایک قصیدہ بہاریہ تمہید میں ایسا دل کش ہے کہ مولانا کے کمال فن کا معترف ہونا پڑتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ :-

اودی اودی بدلیاں گھرنے لگیں — ننھی ننھی بوندیاں برسا چلیں
ندیاں پھر آنکھیں دکھلانے لگیں — چھوٹی چھوٹی جھیلیں پھر لہرا چلیں
جھومتی آئیں نسیمیں نرم نرم — پتلی پتلی ڈالیاں لچکا چلیں
دل کھنچے کانوں میں رس پڑنے لگے — خوشنوا چڑیاں ترانے گا چلیں
تانوں کی پینگوں میں پھر لہرا بجا — گیسوؤں کی ناگنیں لہرا چلیں
باغ دل میں وجد کے جھولے پڑے — آرزوئیں پھر ملاریں گا چلیں
سرخ سبز اودی سنہری بدلیاں — دن ڈھلے کیا چیزیاں رنگوا چلیں
پھر نظر میں گدگدی ہونے لگی — دھانی دھانی بوٹیاں پھڑکا چلیں [۳]

جذبات نگاری اور عقیدت مندی تو ہر شاعر کی نعت میں کسی نہ کسی حد تک پائی جاتی ہے لیکن مولانا کی نعت میں یہ چیز زیادہ نمایاں ہے اور یہ تو ہب کے ردِ عمل کے طور پر ہے۔ فرماتے ہیں کہ :-

---

۱ حدائق بخشش حصہ سوم صفحہ ۵۱۔ ۲ حدائق بخشش حصہ سوم صفحہ ۵۱
۳ حدائق بخشش: حصہ سوم صفحہ ۴۰، ۴۱۔

مصطفے خیر الوری ہو | سرور ہر دو سرا ہو
اپنے اچھوں کا تصدق | ہم بدوں کو بھی نبا ہو
کس کے پھر ہو کر رہیں ہم | گر تمہیں ہم کو نہ چاہو
بدہنسیں تم ان کی خاطر | رات بھر رو کر اہو
ہم وہی ناشستہ رو ہیں | تم وہی بحر عطا ہو
ہم وہی بے شرم بد ہیں | تم وہی کان حیا ہو
ہم وہی قابل سزا کے | تم وہی رحم خدا ہو
چرخ بدلے دہر بدلے | تم بدلنے سے ورا ہو
یہ بھی مولی عرض کر دوں | بھول اگر جاؤ تو کیا ہو
وہ ہو جو تم پہ گراں ہے | وہ ہو جو ہرگز نہ چاہو
وہ ہو جس کا نام لیتے | دشمنوں کا دل برا ہو[1]

ایک پُرکیف غزل یہ ہے :۔

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دئے ہیں
جب آ گئی ہیں جوش رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دئے ہیں روتے ہنسا دئے ہیں
اک دل ہمارا کیا ہے آزار اس کا کتنا
تم نے تو چلتے پھرتے مُردے جلا دئے ہیں
ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دئے ہیں

---

[1] حدائق بخشش حصہ سوم صفحہ ۳۶۔

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰؐ نے دریا بہا دئے ہیں

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دئیے ہیں دُر بے بہا دئے ہیں
ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دئے ہیں

مولانا کے تبحر علمیت، عقیدت، ذکاوت اور کمال فن کے شواہد جگہ جگہ موجود ہیں۔ ان کے متعلق اوصاف دیکھنے ہوں تو صرف یہ قصیدہ کافی ہے:-

زمین و زماں تمہارے لئے، مکین و مکاں تمہارے لئے
چنین و چناں تمہارے لئے، بنے دو جہاں تمہارے لئے
دہن میں زباں تمہارے لئے، بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے، اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے
نہ روح امین نہ عرش بریں نہ لوح مبیں کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمہارے لئے
جناں میں چمن چمن میں سمن سمن میں پھبن پھبن میں دلہن
سزائے محن پہ ایسے منن یہ امن و اماں تمہارے لئے[1]

یہی وجہ ہے کہ عوام اور خواص میں ہر جگہ مولانا کو مقبولیت حاصل ہے۔ اور بعض نعتیہ قصیدے یا غزلیں ملک کے طول و عرض

---

[1] حدائق بخشش حصہ دوم: صفحہ ۴۰، ۴۱۔
[2] مولانا کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا صاحب کا نعتیہ کلام بھی بہت مشہور و مقبول ہے۔

میں ہر جگہ مشہور ہیں۔ مثلاً

(۱) صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

(۲) حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

(۳) سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبیؐ
سب سے بالا و والا ہمارا نبیؐ

(۴) ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دئے ہیں

(۵) یہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

(۶) جب کہ پیدا شہ انس و جاں ہو گیا
دور کعبے سے لوث بتاں ہو گیا

(۷) مصطفیٰؐ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

سید علی حیدر نظم طباطبائی

سید علی حیدر نام، نظم تخلص۔ طباطبائی نے اکثر غزلوں میں نام کو بھی تخلص قرار دیا ہے۔ ۱۶ صفر سنہ ۱۲۷۰ھ م ۱۸۵۳ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ نظم لکھنؤ کے مشہور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے جد اعلیٰ نواب مختار الدولہ بہادر، نواب آصف الدولہ کے نائب السلطنت تھے۔ ان کے والد مصطفےٰ حسین طباطبائی کو علم سے کوئی شغف نہ تھا۔ نظم کی ابتدائی تعلیم ان کے نانا کے پاس ہوئی۔ جہاں منشی مینڈو لال زار نے ان کی تعلیم میں بڑی دلچسپی لی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے شعری ذوق کو بڑھانے میں زار کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ عربی کی تعلیم ابتداً ملا طاہر نحوی سے حاصل کی۔ لیکن اس کی تکمیل مٹیا برج (کلکتہ) میں ہوئی جب وہ شاہزادوں کی تعلیم کے لئے منتخب ہو کر وہاں گئے۔ واجد علی شاہ کے انتقال کے بعد حیدر آباد چلے گئے۔ نظام کالج میں ابتداءً منصرانہ اور پھر مستقل طور پر پروفیسر مقرر ہوئے اور تقریباً تیس سال تک اس خدمت پر مامور رہے۔ پھر ولی عہد بہادر کی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے بعد دار الترجمہ سے متعلق ہو گئے۔ ان کا انتقال ۳ رمئی سنہ ۱۹۳۳ء کو ہوا۔ ان کی غزلوں کا مجموعہ "صوت تغزل" کے نام سے شائع ہوا۔ نظموں کا مجموعہ اس کے علاوہ ہے۔

نظم اس ماحول کی آخری یادگار تھے۔ جہاں دیگر دلچسپیوں کے ساتھ علم و ادب اور ارباب فضل کی بھی بڑی قدر و منزلت تھی۔ انھوں نے جہاں واجد علی شاہ کی صحبت میں اردو شاعری کے قدیم رنگ کو پرکھا تھا وہاں ان کی طویل عمر نے یہ موقع بھی دیا کہ وہ جدید شعری تحریکات سے کماحقہٗ متاثر ہوں اور متاثر کریں۔ یہی وجہ ہے کہ طباطبائی کی شاعری میں دونوں دور کے محاسن

پائے جاتے ہیں۔ زبان و بیان کی باریکیوں پر ایسا عبور ہے کہ ان کا ہر شعر چیاتلا اصول و ضوابط کے اعتبار سے نہایت مکمل ہوتا ہے۔ ان کی غزل میں بندش کی چستی اور مضامین کی تازگی کے ساتھ اسلوب کی جدت اور ندرت قابلِ تحسین ہے گو اثر کی کمی ضرور محسوس ہوتی ہے۔ نظم کا کمال اور ان کی صحیح عظمت ان کی نظموں میں نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری کا اخلاقی رنگ ہر جگہ موجود ہے۔

لکھنوی شاعری کے ہوسناک اور ہوس خیز ماحول میں جو اشتعال انگیزی کے سامان تھے انھوں نے داخلی جذبات کی لطافتوں کو دبائے رکھا اور روحانی مسرتوں کا سامان ہونے نہ دیا۔ اس عام فضا میں ردعمل کی اچھی صورتیں بھی نظر آتی ہیں جو مجتہدانہ رنگ میں جلوہ گر ہوئیں اور اردو شاعری میں اپنی منفرد و مستقل حیثیت حاصل کر لی۔ دراصل یہ ایک انفرادی صلاحیت کی بے پایاں قوت تھی جس نے اخلاقی بحران کی تاریکیوں میں سب سے الگ اپنی ایک مجلس آراستہ کی اور اسے اس درجہ رونق بخشی کہ اس کے بغیر اردو ادب کی بزم سخن کا تصور ہی محال ہو گیا۔

انیس اور دبیر نے معتقدات سے فائدہ اٹھا کر لکھنوی ماحول پر اپنا گہرا اثر جمایا۔ شہیدانِ کربلا کی مرثیہ گوئی نے اہل بیت سے محبت میں گرمی اور طوفان کا سامان کیا۔ اور اس سلسلے میں مضامین کے دریا بہا دیے۔ ضرورت تھی کہ آلِ رسولؐ کی ثناخوانی میں بھی شعرا اس مجتہدانہ صلاحیت کا ثبوت بہم پہنچاتے۔ چنانچہ بحمداللہ ہم اس فضا میں محسن کاکوروی، امیر مینائی اور نظم طباطبائی کو اسی شان میں جلوہ گر پاتے ہیں۔ محسن اور امیر مینائی بیان اس سے پہلے ہو چکا ہے، اب نظم طباطبائی کی شاعری کو ہم اس نظر سے دیکھتے ہیں۔ طباطبائی کی عظمت کا دارومدار ان کی نظموں پر ہے اور جدید اردو شاعری میں ان کا ممتاز مقام بھی اسی بناء پر ہے۔ انھوں نے مناظر قدرت اور دیگر

موضوعات پر کثرت سے نظمیں لکھی ہیں۔ جن میں ان کی شاعری کا مقصدی پہلو بھی واضح ہوتا ہے۔ نظم کی شاعری نہایت مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ ان کے کلام سے علم و فضل کی گہرائی، دقت نظری اور اعلیٰ حسن مذاق کا ثبوت ملتا ہے۔ زبان اور محاوروں پر قدرت حیرت انگیز ہے۔ قصیدہ گوئی جتنا مشکل فن ہے اتنا ہی انھوں نے اسے آسان سمجھ کر برتا ہے۔ وہ اشعار کا ڈھیر لگاتے جاتے ہیں اور بہتر سے بہتر الفاظ سے مضامین کو سنوارتے جاتے ہیں۔ بایں ہمہ پڑھنے والے کو کہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ان کے الفاظ اور محاورات کے خزانے میں ذرا بھی کمی واقع ہوئی ہے۔ تشبیہات کی ندرت اور شگفتگی جگہ جگہ نمایاں ہے۔ نعت گو شعرا نے قصیدے کم لکھے ہیں اور غزلیں زیادہ۔ اور یہی صورت عام اردو شاعری میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن نظم نے نعتیہ مضمون کو تمام تر قصیدوں میں پیش کیا ہے۔ ان کے "صوت تغزل" میں نعتیہ کلام برائے نام ہی۔ مجموعہ نظم میں نعتیہ قصیدوں کی تعداد سات ہے۔ جو حسب ذیل عنوانات کے تحت لکھے گئے۔

(۱) ذکر بعثت و فتح مکہ (۲) قصیدۂ معراج
(۳) ہجرت و غزوۂ بدر (۴) عہد جاہلیہ کا کفر اور پیغمبر مجاہد
(۵) قصیدہ احزاب (۶) قصیدہ خیبر
(۷) قصیدہ حنین

ان عنوانات کے تحت ذیلی سرخیاں بھی ہر قصیدے میں شامل ہیں۔ مثلاً قصیدۂ حنین میں بہاریہ تغزل، موعظہ، وصف حور، نعت سرور عالم وغیرہ۔

نظم کا شمار ان نعت گو شعرا میں ہے جنھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ لیکن ان میں بھی نظم کو اس لحاظ سے ممتاز حیثیت حاصل ہے کہ انھوں نے اس بیان کے لئے سب سے زیادہ مشکل صنف سخن کو اختیار کیا، جو قصیدہ ہے۔ اس قسم کے مضامین کے لئے مثنوی کو زیادہ موزوں سمجھا گیا ہے۔ طویل بیان کی سہولت جو مثنوی میں ہے کسی اور صنف میں نہیں لیکن اسے نظم کی مشکل پسندی کہئے یا ان کی قادر الکلامی کہ وہ آں حضرت صلعم کی حیات مقدس کے طویل طویل مضامین کو قصیدہ کی ساری پابندیوں کو عائد کر کے بیان کرتے ہیں اور قصیدہ گوئی کے فنی لوازم سے کہیں پہلو تہی کرتے نظر نہیں آتے۔ محسن کے قصائد کو اس معیار پر جانچنے کے لئے تاویل کے بغیر کام نہیں چلتا۔ اس کا تفصیلی بیان اپنے موقع پر ہو چکا ہے۔ طبا طبائی کے قصائد میں نہ تو تشبیب کے حسن میں اور مدح سے اس کی مناسبت میں، کلام ہو سکتا ہے، نہ گریز کی صورت میں کوئی قباحت بتائی جا سکتی ہے اور نہ مدح کے مضمون پر حرف گیری کی جا سکتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ نعتیہ قصائد میں شاعر کا فکر اپنے انتہائی کمال پر نظر آتا ہے۔ کلام میں گہرائی، گیرائی، علمیت اور شعری صلاحیت نظم کی اعلیٰ قابلیت کا پتہ دیتی ہے۔ ان کی تشبیب میں نہ تو زمانۂ جاہلیت کا رنگ ہے اور نہ کاشی اور متھرا کی سیر کا حال۔ تشبیب کا مضمون اخلاقی صوفیانہ اور فلسفیانہ ہوتا ہے جو زندگی کے حقائق سے پردے اٹھا کر مسائل حیات کو بے نقاب کرتا ہے۔ نہ تو وہ اپنی طوالت میں مدح سے سبقت لے جاتا ہے اور نہ مدح کے مضمون سے نامناسبت میں قصیدہ کا بے جوڑ ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ اسلامی ادب میں تشبیب کا رنگ جو متنبی نے زمانۂ جاہلیت کے قیود کو توڑ کر پیش کیا اسے ہم نظم کے قصائد میں بھی جلوہ گر پاتے

ہیں۔ ان کے نعتیہ قصائد بہ اعتبار فنی اعتبار سے "ذکر بعثت و فتح مکہ" اور "قصیدہ احزاب" نہایت اہم ہیں۔ ان میں بوصیری کے مشہور نعتیہ قصیدے یعنی "قصیدہ بردہ" اور علامہ زمخشری کے قصیدوں کا اتباع پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے نظم نے اردو نعتیہ قصائد کو ایک نیا رنگ بخشا ہے۔

۱۔ ذکر بعثت و فتح مکہ کی تشبیب ملاحظہ ہو:

کہاں سے کھینچ کر دار فنا کی مجھ کو کہاں لائی
میں ہوں راز نہفتہ اور جہاں بازار رسوائی
کوئی سمجھا کہ یہ جھنکار کی کیسی صدا آئی
دل نازک تھا شیشہ اور پتھر تھی شکیبائی[۱]

شاعر وجود سے گلہ مند ہے کہ اس نے رنگ و بو کی زندگی بخش کر زندگی کی کلفتوں میں مبتلا کیا۔ انسان کے اس دنیا میں قدم رکھنے کو کس حسن و خوبی سے بیان کیا ہے کہ سننے والا پکار اٹھتا ہے کہ احسنت کل الاحسان۔

بڑے ناز و نعم سے بزم عالم میں قدم رکھا
اجل نے منتیں مانیں قضا نے گود پھیلائی[۲]

پھر فریب زندگی کا بیان ہے:۔

شباب آتے ہی سر پر حسرتوں نے آسمان توڑا
زمیں قدموں کے نیچے سے دل مضطر نے سرکائی
کبھی پہلے حیا آئی نہ اپنے تن کے چلنے پر
بھلا ہو عہد پیری کا کہ گردن اب تو نیہوڑائی[۳]

شاعر نہایت دل نشین پیرایے میں اسرار حیات کھولتا جاتا ہے اور بدیع اخلاقی مضامین پیدا کرتا ہے۔ شعری دلآویزوں کے ساتھ زندگی

---

[۱] مجموعہ نظم۔ نظم طباطبائی: صفحہ ۱۔ [۲] ایضاً: صفحہ ۴۔
[۳] " " " ۵۔

کی تلخ حقیقتوں کو نہایت سُلجھے ہوئے اور متین انداز میں پیش کرتا ہے۔
حُبِ دنیا کو دل سے نکال لینے کے لئے خرابات جہاں کی حقیقت کا بیان
اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے ؎

حقیقت سے خرابات جہاں کی رند واقف ہیں
کہ اُٹھ جائیں گے اس محفل سے لیکر ایک انگڑائی[1]

۲- اب گریز کی صورت بھی ملاحظہ کیجئے جس میں نظم نے حسرت کے مضمون
میں زندگی کی روح پھونک دی ہے -

یہ حسرت تھی نثار مقدم خیر البشر کرتا
حیات جاوداں افسوس ہے مجھ کو نہ ہاتھ آئی[2]

۳- ثنائے آقائے نامدار میں ان کا رنگ یہ ہے :-

ظہور اس کا جو آخر میں ہوا اس سے یہ ظاہر ہے
کہ ذات اس کی ہے ایجاد جہاں کی علت غائی

یہ اس سید کے ختم المرسلین ہونے سے ثابت ہے
کہ یہ قربت رسولان سلف نے بھی نہیں پائی

کسی کا عرش پر نعلین کو پہنے ہوئے جانا
کسی کی جلوہ گاہ طور میں دو برہنہ پائی

سُنی تھی اک صدا موسیٰ نے وادی مقدس میں
یہ گزرے جس طرف سے ان کو آواز درود آئی

---

[1] مجموعہ نظم : نظم طباطبائی ، صفحہ ۵
[2] " " " " " ۶۸

بنا سجدہ گہ گردِ بیاں نقشِ قدم تیرا
زمیں کعبے کے نیچے جب یدِ قدرت نے پھیلائی
اس آئینہ میں تیرے نور کے پرتو سے نور آیا
نہ تھی مہرِ مبیں میں کچھ درخشانی ورخشائی
وہ نسبت ارتفاع قدر سے تیرے ہے گردوں کو
کہ اک پلہ میں ہو کوہ گراں اور ایک میں رائی
یہ کس رستے سے تو اے رہنما ہوتا ہوا آیا
ہزاروں ہی برس عالم کو تو نے راہ دکھلائی
نہ ہوتے معجزے بھی گر تو کیا شک تھا رسالت میں
شریعت تیری ہے فطری نبوت تیری آبائی
ترا اعجاز قرآنِ مبیں ہے سامنے جس کے
فصیحانِ عرب سے آج تک ہے سلبِ گویائی[1]

۴۔ نظم کا بیان منطقی، دلنشین اور خلوص میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ ورنہ صفحہ
کا مضمون قرآن اور حدیث کی ترجمانی کرتا ہے۔ جو شاعر کی معلومات کی وسعت
پر شاہد ہے۔ نظم کے کلام میں اثر آفرینی کے جوہر کی کمی بتائی جاتی ہے اور
اس میں سوائے زبان کے چٹخارے کے، اور کسی لطف کے نہ ہونے کی شکایت
ہے۔ کلام کے نمونے سے ہم ان کے شعری محاسن کا بہ خوبی اندازہ کر سکیں
گے نظم نے جس انداز میں بعثت کی تمہید باندھی ہے وہ بہ یک وقت
ان کی شاعری کے گوناگوں محاسن کی آئینہ داری کرتی ہے۔ کیا بلحاظ

---

[1] مجموعۂ نظم: نظم طباطبائی، صفحہ ۶۔

طرز بیان اور کیا باعتبار ندرت فکر و شگفتگی مضمون طباطبائی نے جگہ جگہ اپنی شاعری کے انتہائی کمال کا ثبوت بہم پہنچایا ہے ؎

حرا پر یہ تجلی کس کے جلوہ کی نظر آئی — ہوئی گل آتش زر تشت شمع طور شرمائی
جو پایا نا شناس اہل جہاں کو شاہ بطحا نے — تو بس آئینہ زانو سے پیدا کی شناسائی
رہے غار حرا میں سر بزانو ایک مدت تک — پسند طبع تھی عزلت شریک حال تنہائی
نہ تھا جز ذکر حق دنیا و ما فیہا سے کچھ مطلب — اسی عالم میں گزرا عالم طفلی و برنائی
قدم چالیسویں منزل میں اس یوسف نے جب رکھا — تو پہنچا کاروان وحی آواز جرس آئی
جرس آہنگ تھی جس نے جگایا بھی سلایا بھی — کہ دل تو جاگ اٹھا آنکھوں میں غفلت نیند کی چھائی
ہوا سینہ میں اس کے موجزن اک لجہ عرفان — کہ تاب اس جذر و مد کی فطرت انساں نہیں لائی
بڑھا جوش اس کا بڑھ کر ساحل افلاک تک پہنچا — اٹھی موج اس کی اٹھ کر عرش کی زنجیر کھڑکائی
جھروکہ عرش کا روح القدس نے کھول کر دیکھا — تو نکلا مدتوں کا ربط برسوں کی شناسائی
ہوئیں جاری زبان پر آیتیں وہ نور کی جن پر — فدا ہو لحن داؤدی و انفاس مسیحائی
کیا بطحا میں نعرہ وا صباحاہ وا صباحا کا — یہ وہ آواز تھی جو صبح محشر کی خبر لائی [لہ]

حضورؐ اور ان کے عزیزوں کا شعب ابی طالب میں قیام تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ ہے جہاں سختیوں کی روح فرسا کیفیت حقیقت میں عزم، ایمان اور محبت کی آزمائش تھی۔ شاعر کے تخیل نے اس وادیٔ رنج و محن کو گلزار بنا کر پیش کیا ہے، جس میں رنگ آمیزی اعجاز احمدی کے بیان سے کی گئی ہے۔ حضورؐ کے معجزے کا یہ بیان نہایت دلچسپ، نہایت شگفتہ، لطیف اور محاکاتی شاعری کا نادر نمونہ ہے جس میں الفاظ کی رقصاں کیفیت جنت نگاہ اور فردوس گوش بن کر

لہ مجموعہ نظم، نظم طباطبائی، صفحہ ۸۱۔

روح کی تازگی کے لئے کیفیت انگیز لطافتوں کا سامان کر رہا ہے۔

شعاع مہر آئی جب گریباں صبح نے کھولا
کھلے تارے شب دیجور نے جب زلف بکھرائی

بخار اپنا نکالا ٹھنڈی سانسیں صبح نے بھر کر
خمار اپنا جو ڈالا کہکشاں نے لے کے انگڑائی

ہوئے صد گوش گل پیدا جہاں نشہ کی صدا پہنچی
کھلے نرگس کے سو تختے جدھر کو آنکھ دوڑائی

جو چشم نرگستاں کو نگہ لطف نے کھولا
تو زلف سنبلستاں پنجۂ مژگاں نے سلجھائی

چمن کی سیر میں تسبیح پڑھ کر خوش گلوؤں نے
عنادل کو سکھادی نغمہ سنجی نکتہ پیرائی

چٹکنے سے شگوفوں کے تھا پیدا لحن داودی
چمن بیمار نرگس بیمار کرتی تھی مسیحائی

عنادل دیکھ کر رنگ شفق پڑھتے تھے یہ مصرع
وہ اٹھا جوش گل وہ چمن سے ٹوٹا چرخ مینائی

یہ مطلب تھا کہ ان پھولوں سے دامن بھر کے لیجائے
در گلزار پر کیا کیا نسیم خلد اٹھلائی

سنا ہے چار دن میں سیکھ لی نیساں نے بھی لاکر
گہر ریزی گہر بیزی گہر خیزی گہر زائی [۵۱]

---

[۵۱] مجموعہ نظم: نظم طبا طبائی، صفحہ ۱۰۹۔

شروع سے آخر تک بیان کی شگفتگی کا یہی عالم ہے۔ اس رنگ کے تین شعر اور پیش کیے جاتے ہیں ؎

ہوئے سر سبز نخلستان شجر جھومے رطب ٹپکے
ہنسے غنچے کھلے گل ابر ترا ٹھا نسیم آئی

ہوا دل کش تھی اور سبزہ تھا ایسا نرم مخمل سا
کہ دوڑی اک گلشن باوجود آبلہ پائی

ہوا تھا من وسلویٰ آلِ طٰہٰ کے لئے نازل
بچھا تھا آلِ احمدؐ کے لئے خوانِ مسیحائی [۵۱]

۵۔ نظم کے بیان کی بڑی خصوصیت اس کا ایجاز ہے اور حقیقت میں یہی شاعر کا اعجاز ہے۔ وہ ایک طویل مضمون کو دو چار اشعار میں سمیٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ کہیں کہیں تو ایک ایک قصے کو ایک ایک لفظ میں نہایت حسن وخوبی سے بیان کر دیا ہے۔ ذیل کے نمونے میں مضمون کی وسعت دیکھیے اور بیان کا ایجاز بھی ملاحظہ فرمائیے :۔

یہ وہ آواز تھی جو دشت و در میں ہو گئی ساری
یہ وہ آواز تھی جو کوہ سے ٹکرا کر نہیں آئی

امین و صادق و ناصح کہا کرتے تھے جو پہلے
وہ سب کہنے لگے اب شاعرِ مجنونِ سودائی

ہوئے جور و جفا پر متفق سب فتنہ گر آخر
چڑھا کر آستینیں لات و عزیٰ کی قسم کھائی

---

۵۱ مجموعہ نظم : نظم طباطبائی، صفحہ ۱۰۔

کمر باندھی شریروں نے اٹھایا قتل پر بیڑا
کیئے پیمان لکھی تحریر اور کعبہ میں لٹکائی
یہ باعث تھا کہ جب غار حرا سے نور حق نکلا
رہی شعب ابی طالب میں بر سول رونق افزائی [۱]

۶۔ تشبیہوں اور استعاروں کا استعمال نظم کے کلام میں نہایت حسن و خوبی سے پایا جاتا ہے۔ اور اس کی مثالیں مسلسل یکے بعد دیگرے کئی کئی اشعار میں برابر اسی آب و تاب سے ملتی ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا بیان ہے جس میں حسن اور اثر پیدا کرنے کے لئے شاعر نادر تشبیہوں اور استعاروں سے کلام کو سنوارتا ہے۔ قصیدہ "ذکر ہجرت و غزوہ بدر" کے مندرجہ ذیل اشعار اس بیان کی تائید کرتے ہیں :—

اس اندھیرے میں ہی سرگرم سفر نور اللہ
ناقہ ہی بجلی تو جادہ ہی رگ ابر بہار

دوڑ اس کی دیکھیے اسکی روانی دیکھیے
ناقہ مثل سیل ہی جادہ ہی رشک جوئبار

رات بھر نور خدا تھا راہ فرسا اسطرح
جس طرح بیباک قمر ہی سالک شب زندہ دار

پردۂ ظلمت سے نکلا روئے سلمائے سحر
ناقہ گردوں کی کھینچی لیلیٰ شب نے مہار

ہے شفق یا وادیٔ فیروزہ گوں میں لالہ زار
ہے سحر یا سبزہ زار آسماں میں آبشار

چاہ سے نکلے ہیں یوسف یا ہی تار صبح کا
یا بنا گوش زلیخا میں ہے درِ شاہوار

آفتاب آیا نظر سر در گریبان افق
ہوگئی غائب شب طلمدا ہوئی صبح آشکار

آتش افروزی جو کی شرق میں پیر صبح نے
ہوگیا مغرب میں پنہاں ساحر زنار دار

---

[۱] مجموعۂ نظم، نظم طباطبائی، صفحہ ۸، ۹۔

آسمان شعبدہ گر نے یہ کی افسوں گری | مہرہ مشرق میں اگل کر چھپا مغرب میں مار
آنکھ بھی محوِ تماشا تھی کہ بجھ کر رہ گئے | یا الٰہی جلوۂ انجم تھا یا رقص شرار
صبح ہوتے خیمۂ زرنگار گوں آیا نظر | تھا طلسم سیمیائی گنبد گوہر نگار
حصن خاور میں ہوئی فوج کواکب جاگزیں | ہو گیا لشکر پہ غالب ایک ترک نیزہ دار[1]

۷۔ نعت میں ہندوستانی رنگ پیدا کرنے کی اکثر شعرائے کوشش کی ہے۔ نظم نے بھی محسن کاکوروی کے بادل والے قصیدے کی زمین میں ایک نعتیہ قصیدہ لکھا ہے جس کا عنوان "ذکر جاہلیہ وجہاد آنحضرتؐ" ہے۔ اس کی تشبیب میں ہندوستانی عنصر کو شامل کیا گیا ہے اور اس میں کنول، ہرپل، کشن، گوکل، اندر، ارجن، کنھیا، گنگا جل وغیرہ کا ذکر ہے۔ لیکن ہندوستانی فضا کے قائم کرنے میں جو حسن محسن کے قصیدے میں پایا جاتا ہے وہ نظم کے یہاں نہیں ملتا گو قصیدے کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ لکھتے وقت شاعر کے پیش نظر محسن کے قصیدے کا مضمون رہا ہے۔ مثلاً نظم کے اشعار ہیں:

ہو گیا مہر جہاں گرد نظر سے اوجھل
ڈھونڈنے برق چلی ہاتھ میں لے کر مشعل

ابر کو لغزش مستانہ ہر اک گام پہ ہے
رعد کہتا ہے اندھیرا ہے ذرا دیکھ کے چل[2]

محسن نے کہا ہے:۔

ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے | برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل[3]

---

[1] مجموعۂ نظم، نظم طباطبائی، صفحہ ۲۱۔ [2] ایضاً صفحہ ۳۰۔ [3] ایضاً ۱۶۳۔

نظم کا ایک شعر ہے :-

نامیہ نے جو دھواں آتش گل پر دیکھا
چشم گردوں کے لئے پار لیا ہی کاجل[۵۱]

محسن کا شعر یہ ہے :-

آتش گل کا دھواں بام فلک تک پہنچا
جم گیا منزل خورشید کی چھت میں کاجل[۵۲]

محسن کے قصیدے کے محاسن اپنے انوکھے انداز اور جدت کے لحاظ سے بے شمار ہیں۔ نعتیہ ادب پر اس کے اثرات بھی قابلِ قدر ہیں۔ بایں ہمہ نظم کے اس قصیدے میں وہ محاسن بھی ہیں جو مدیح خیر المرسلین میں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً

دونوں قصیدوں میں کفر کے مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ محسن نے اس میں نہایت طوالت سے کام لیا ہے۔ نظم نے اختصار کو ملحوظ رکھا ہے۔ محسن کی تشبیب کا مضمون مدح سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اور وہ ایک بے جوڑ ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے گریز میں بھی کوئی حسن نہیں پایا جاتا۔ نظم نے کفر کے مضمون کو نعت کے ساتھ نہایت خوبی سے جوڑ دیا ہے اور دونوں میں ایسا ربط پیدا کیا ہے کہ فنی اعتبار سے اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ ساتھ ہی گریز کی صورت بھی ان کے یہاں نہایت خوب ہے۔

---

۵۱ مجموعہ نظم : نظم طباطبائی، صفحہ ۳۰۔
۵۲ کلیات محسن۔ صفحہ ۱۶۳۔

محسن کا بادل گریز کر کے نور کے میدان میں پہنچ جاتا ہے اور یہاں اسے نعت کا سر رشتہ ہاتھ آتا ہے :-

یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں
خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل[۵۱]

نظم نے کفر کو نزع کی حالت میں بتا کر فوراً ہی زمانہ جاہلیت کا بیان شروع کر دیا ہے :-

کفر ہے نزع کی حالت میں دم آخر ہے
ابر تر علق میں ہٹ کا رہا ہے گنگا جل[۵۲]

اور نعت کے مضمون کی طرف لوٹنے کے لئے بالکل سیدھا سادہ راستہ اختیار کیا ہے ؎

ان مظالم سے زمانہ کو چھڑانے کے لئے
بطن مکہ سے بڑھا نور خدا عز و جل[۵۳]

بہر حال یہاں دونوں قصیدوں کا ذکر کرنے سے مقصد یہ تھا کہ جہاں نظم کے نعتیہ قصائد کی دیگر خصوصیات انھیں نعت گو شعرا میں نہایت ممتاز حیثیت بخشتی ہیں وہاں ان کا کلام اردو نعتیہ شاعری کی اس خصوصیت سے بھی عاری نہیں ہے کہ اس میں ہندوستانی عنصر کو نہایت خوبی سے شامل کیا گیا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا محرک محسن کا کوروی کا بادل والا قصیدہ ہے۔

---

۵۱ کلیات محسن : صفحہ ۱۷۳۔ ۵۲ مجموعہ نظم : نظم طباطبائی : صفحہ ۳۱
۵۳ مجموعہ نظم ۔ نظم طباطبائی : صفحہ ۳۲۔

منشی محمد شمس الدین امیر حمزہ

محمد شمس الدین نام عرف امیر حمزہ۔ ۵ ربیع الاول سنہ ۱۲۷۶ھ کو بمقام قندھار شریف (ضلع ناندیڑ۔ حیدر آباد دکن) پیدا ہوئے) ان کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ والد کا نام محمد سالار تھا۔ ابتدائی تعلیم انھیں سے حاصل کی۔ محمد سالار عالم بھی تھے اور شاعر بھی۔ غیور تخلص کرتے تھے۔ حمزہ بچپن ہی سے شعر کہنے لگے تھے اور اپنے والد سے اصلاح لیتے تھے۔ پھر مظفر الدین معلیٰ کی شاگردی اختیار کی۔

حمزہ نے پہلے اول تعلقداری ضلع نظام آباد میں ملازمت کی پھر حیدر آباد آگئے اور سررشتہ پٹہ میں ملازم ہو گئے۔ لیکن یہاں انھوں نے اپنی علمی و ادبی کاوشیں جاری رکھیں۔ چنانچہ ان کے ادبی مذاق پر ان کی مندرجہ ذیل تصانیف شاہد ہیں۔

تاریخ قندھار دکن۔ تاریخ کولاس۔ روضۃ شہید۔ مکاشفات سروری (اردو ترجمہ) سحر سامری (ڈراما)، غنچہ دلبری (ڈراما) ساحر سبھا (ڈراما) چمنستان حمزہ۔ حمزہ نے اور کئی ڈرامے لکھے تھے لیکن آخر میں جب وہ تارک الدنیا ہو گئے تو انھیں تلف کرا دیا اس لئے کہ وہ اس مشغلہ کو لہو و لعب شمار کرتے تھے۔ ان کا انتقال سنہ ۱۳۳۷ھ میں ہوا۔

حمزہ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ چمنستان حمزہ کے نام سے مشہور ہے۔ زیر نظر نسخہ (مطبوعہ رجب سنہ ۱۳۴۲ھ) مطبع اعظم جاہی شاہ علی بنڈہ حیدر آباد کا چھپا ہوا ہے جو ۲۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں نعتیہ غزلیں، قصیدے مرثیے، ٹھمریاں وغیرہ ہیں۔ مرثیوں میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر

حضرت زینب کا بین نظم کیا گیا ہے۔ ایک نظم سحری پر بھی لکھی ہے۔ ایک نعتیہ مثلث ہے اور تین خمسے ہیں۔ چند مناجاتیں بھی ہیں۔ نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا میں مسدس لکھا ہے۔ اور ایک مناجات بالصلوٰۃ کہی ہے۔ ٹھمریاں اور سلام ان کے علاوہ ہیں۔ حمزہ کے کلام میں نعت کے علاوہ حمد اور منقبت بھی پائی جاتی ہے۔ منقبت خلفائے راشدین یعنی اصحاب رسول کریمؐ، حضرت غوث اعظمؒ، حضرت خواجہ اجمیریؒ وغیرہ کی شان میں کہی ہے۔

حمزہ کی شہرت اور ان کی مقبولیت زیادہ تر ان کی نعتیہ ٹھمریوں کی بناء پر ہے۔ شائق حیدرآبادی کی ٹھمریوں کے بعد دکن میں حمزہ کی ٹھمریاں نہایت مقبول ہوئیں۔

(۱) عام طور پر نعت گو شعراء آقائے نامدار کی مدح کو زاد آخرت سمجھ کر بارگاہ ایزدی سے لطف و کرم کی امیدواری کا اظہار جا بجا کرتے ہیں۔ آقائے نامدار کی مدح سرائی شاعر میں نیازمندانہ شان کے ساتھ ناز کے تیور بھی پیدا کر دیتی ہے۔ حمزہ کو اپنے مرتبہ کی بلندی کا کتنا احساس ہے:

رحمت بلائیں لے گی شفاعت کرے گی پیار
دیکھے گی خلق شان گنہگار مصطفےٰؐ

ہم صفیر بلبل سدرہ نہ کیوں حمزہ بنے
کر دیا ہے اس کو حق نے مدح خوان مصطفےٰؐ

بیخودی نے دکھنا اللہ تک پہنچا دیا
ڈھونڈنے نکلے تھے ہم گھر سے نشان مصطفےٰؐ

خاکساری تھی طبیعت میں تو ہمت تھی بلند
اک زمین مصطفےٰؐ اک آسمان مصطفےٰؐ

رُخ پہ خورشیدِ قیامت کے پسینہ آئے گا
داغِ دل دکھلائیں گے جب عاشقانِ مصطفیٰؐ [۱]

(۲) کلام میں سوز و گداز، جذبِ شوق اور بے قراری جا بہ جا پائی جاتی ہے۔ چند اشعار نمونۃً درج ذیل ہیں:

آنکھ میں شکلِ نبیؐ دل میں مکانِ مصطفیٰؐ / اس میں شانِ مصطفیٰؐ اس میں نشانِ مصطفیٰؐ
خارج از فہمِ بشر ہے عز و شانِ مصطفیٰؐ / جز خدا کوئی نہیں ہے رتبہ دانِ مصطفیٰؐ
سہل ہو جائے میری شوریدہ بختی کا علاج / گر کرم فرمائے سنگِ آستانِ مصطفیٰؐ
عشقِ محبوبِ خدا کی رہنمائی دل نے کی / مل گیا اللہ کے گھر سے نشانِ مصطفیٰؐ
اس قدر محوِ تصور ہوں کہ جب لیتا ہوں سانس / آتی ہے مجھ کو ہوائے بوستانِ مصطفیٰؐ [۲]

(۳) حمزہ نے مشکل زمینوں میں اچھے مضامین پیدا کیے ہیں:-

نامِ احمدؐ کا لکھا ہے مرے دل پر تعویذ / اس سے دنیا میں بتا دے کوئی بہتر تعویذ
اس کے آئینہ میں ہے جلوۂ نورِ احمدؐ / ہے یہ لاریب نصیبے کا سکندر تعویذ
دل میں بسا ہے ذکرِ نبیؐ وردِ زباں نامِ نبیؐ / میرے لب پر بھی ہے اور دل کے بھی اندر تعویذ [۳]

(۴) حمزہ نے قصیدوں میں واعظانہ رنگ اختیار کرنے کے بجائے اپنے اعمال پر اشکِ ندامت بہائے ہیں۔ ساتھ ہی دنیا کی بے ثباتی کو نہایت موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ شائق کی تقلید میں بہاریہ قصیدہ بھی بحرِ طویل میں لکھا ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے:-

---

۱؎ چمنستانِ حمزہ : صفحہ ۳-
۲؎ " " : " ۳-
۳؎ " " : " ۱۹-

للہ الحمد یہ وہ روز ہے فیروز کہ نوروز سے بڑھ کر طرب اندوز دل افروز ہے سالِ بہار
عشرت انگیز بصد گونہ دل آویز ہے نوخیز ہے گل ریز ہے ہر شاخ گلستانِ بہار[۵۱]

(۵) عوام میں حمزہ کی مقبولیت اور ان کی انفرادیت ہمیں ان کی ٹھمریوں میں نظر آتی ہے۔ نعتیہ شاعری کی یہ خصوصیت جو خالص ہندوستانی رنگ اور انداز لئے ہوئے ہے اردو نعتیہ شاعری کی امتیازی شان ہے۔ جو اسلامی ادب کی دیگر زبانوں میں نہیں پائی جاتی۔ عورت کی زبان میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کا اظہار ایک انوکھا طرز بیان ہے جس میں مرد کے قلم سے صحیح جذبات کی ترجمانی ذرا مشکل ہی سے ہو سکتی ہے۔ اگر شعراء اس میں کامیاب ہوتے ہیں تو یہ حقیقت میں ان کے حسنِ مذاق اور حسنِ احساس کی بنا پر ہے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے :-

نبی جی کی کہائیں　جب میں دنیا میں آئی　پر وہ نزدیک مجھ کو بلاتے نہیں
میں نے کیا کی برائی　ان سے دل جو لگائیں　کوئی دنیا میں کیا دل لگاتے ہیں
تلپت تلپت بیتی رتیاں نیند اچٹ گئی ہائے　پلک پلک سے ناہیں ملیں اور نین جلیں پر تشنہ لیے
سکھی تم ہی بتاؤ　کیسا ہوگا نبھاؤ　کس سے بولوں ملاؤں
وہ تو آتے نہیں اور بلاتے نہیں　کوئی دنیا میں کیا دل لگاتے نہیں[۵۲]

(۶) حمزہ کا ایک رنگ یہ بھی ہے کہ وہ الفاظ سے حرکت، رقص اور کیفیت انگیز صوتیت کا سماں باندھتے ہیں۔ نعت کا یہ انداز شاعر کی اس صلاحیت کا پتہ دیتا ہے جس کا ثبوت ان کے ڈراموں میں ملتا ہے۔ نعتیہ شاعری میں

---

۵۱ چمنستانِ حمزہ؛ صفحہ ۳۰　۵۲ چمنستانِ حمزہ: صفحہ ۱۳۶۔

یہ ڈرامائی انداز حمزہ کی بڑی خصوصیت ہے جو میلاد خوانوں کے لئے خاص طور پر نہایت جاذبیت رکھتی ہے۔

جھوم جھوم آئی ہے باد بہاری — وہ جھوم جھوم آئی ہے باد بہاری
بزمِ میلاد ہے میرے نبیؐ کی — سیج پھولوں کی ساری وہ کرنے تیاری
جھوم جھوم آئی [1]

جا کے جھومتے جھامتے باد بہاری — لا دے طیبہ کی گرد اچھال کے
سرمۂ بصیرت اس کو سمجھ کے — رکھوں نینوں میں اپنے سنبھال کے

عشق احمد میں مرے دل نے جو کھائے ہیں داغ
انہیں داغوں سے مرا دل ہی بنا خانہ باغ
کیا بگاڑیں گے بھلا آکے صبا کے جھونکے
گل نہ ہوں گے کبھی تا حشر مرے گھر کے چراغ [2]

حمزہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ڈوب کر جو ہندی انداز میں سُریلا گیت پیدا کیا ہے وہ اپنی سادگی، موسیقیت، سلاست اور روانی میں اس رنگ کی بہت اچھی مثال ہے۔ اس میں درد، تڑپ، خلوص اور جمال محمدیؐ کے ظاہرہ محاسن پر والہانہ فریفتگی کا اظہار بھی ہے۔

نجر میں آٹھوں پہر بسو ہے تمہاری جوت کملیا والے
انوکھا سج دھج نئی ادائیں رسیلی انکھیں کملیا والے [3]

---

[1] چمنستان حمزہ: صفحہ ۱۸۹۔ [2] ایضاً، صفحہ ۱۹۳ [3] ایضاً صفحہ ۲۱۵۔

اس والہانہ جذب و شوق کا اظہار شاعر نے نعت گوئی کو زادِ آخرت قرار دے کر کیا ہے۔ اس لئے آخری عمر میں حمزہ ذکرِ حبیب پاک کے لئے ہر لمحہ کو غنیمت شمار کرتے ہیں۔

نعت احمدؐ میں جو گزرے وہ غنیمت ہی دم
ہاں خبردار کہ اب عمر کا وقفہ ہے کم
احمد پاکؐ کی تعریف کیا کر حمزہ
ہے یہی نعت نبیؐ زادِ راہ ملکِ عدم

نعت گوئی میں شہرت جو پائی ہے
دین و دنیا کی اس میں بھلائی ہے
تم نے عقبیٰ کی دولت کمائی ہے
خرچ اس کو کرو دیکھ بھال کے
لا دے طیبہ کی گرد اچھال کے [۱]

---

[۱] چمنستان حمزہ : صفحہ ۱۹۴۔

محمد مظفر الدین معلّیٰ

محمد مظفر الدین نام، معلّیٰ تخلص، ۹ ذی قعدہ سنہ ۱۲۵۵ھ کو پیدا ہوئے۔ وطن احمد پور ضلع بیدر تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی معین الدین صدیقی سے پائی۔ پھر بلدۂ حیدرآباد پہنچے اور علوم کی تکمیل کی۔ فارغ التحصیل ہوتے ہی سررشتۂ مال میں برسرخدمت ہو گئے اور ترقی کرتے ہوئے مددگار ناظم پٹہ خانجات مقرر ہوئے۔ اسی خدمت سے وظیفہ پر سبکدوش ہوئے حضرت معلّیٰ نہایت نیک نفس، صوم وصلوٰۃ کے پابند، تہجد گزار بزرگ تھے۔ تین حج ادا کیے اور چار دفعہ مدینۂ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اسّی سال کی عمر پا کر ۲۶ شوال سنہ ۱۳۳۵ھ پنجشنبہ کو وفات پائی۔

معلّیٰ کو کم سنی ہی سے شعروسخن سے لگاؤ رہا۔ جب شاعری شروع کی تو اصلاح حیدر حسین خاں حیدر سے لی۔ حیدر حضرت حفیظ کے فرزند تھے۔[۱] معلّیٰ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ ان کا شمار حیدرآباد کے نامور شعرا میں تھا اور شاگردوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ جو لوگ معلّیٰ سے شاعری میں اصلاح لیتے ان میں ایک مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد بھی تھے۔ شاد نے اس کا اظہار اپنے اس شعر میں کیا ہے : ؎

---

[۱] یہ حفیظ وہی ہیں جن کے متعلق مولانا محمد حسین آزاد نے شہیدی کا یہ قول نقل کیا ہے: "میاں شہیدی نے کہا کہ آج ہندوستان میں تین شخص ہیں۔ لکھنؤ میں ناسخ، دلّی میں ذوق دکن میں حفیظ"۔ (آب حیات، مطبوعۂ اسلامیہ اسٹیم پریس، لاہور سنہ ۱۹۱۷ء صفحہ ۴۸)

تم معلیؔ کو نہیں پہچانتے　　　　شاعری میں شادؔ کا استاد ہے

معلیؔ کے مجموعۂ کلام کے تین حصے ہیں: ایک نعتیہ جو ریاض معلیؔ کے حصہ اول میں شامل ہے۔ دوسرے میں عشقیہ اور مدحیہ کے علاوہ قطعات، مناجات وغیرہ ہیں۔ یہ ریاض معلیؔ حصہ دوم میں ہے اور دونوں حصے اردو کلام کے ہیں۔ ریاض معلیؔ کا تیسرا حصہ ان کے فارسی کلام کا مجموعہ ہے۔ یہاں ریاض معلیؔ حصہ اول کے کلام سے بحث ہے جو نعت نبیؐ پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ نعت گو شعراء کا دستور ہے، معلیؔ نے نعت کے ساتھ منقبت بھی شامل کر دی ہے خصوصاً حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کی شان میں جا بجا لکھا ہے۔ ریاض معلیؔ کی اشاعت پہلی مرتبہ سنہ ۱۳۴۰ھ میں ہوئی جسے معلیؔ کے چھوٹے فرزند مولوی محمد ریاض الدین علی ریاضؔ نے مرتب کر کے عماد پریس حیدر آباد میں چھپوایا۔ اس میں چورانوے مدحیہ غزلیں ہیں، ایک تضمین ہے، ایک ساقی نامہ اور حضرت غوث اعظم کی کرامت کے بیان میں ایک مثنوی ہے۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ کی تقریظ اور فصاحت جنگ حافظ جلیل حسن جلیلؔ کا قطعہ تاریخ طبع دیوان ریاض معلیؔ حصہ سوم کے آخر میں شامل ہیں۔ شادؔ لکھتے ہیں:

"حضرت معلیؔ طبعاً شاعر ہونے کے علاوہ عروض میں ایک حد تک تبحر رکھتے تھے۔ آپ نے درد بھرا دل پایا تھا۔ کلام میں عجیب سوز و گداز اور جذبات کے اثرات ہر ایک بات سے پیدا تھے۔"[۵۱]

---

۵۱ ریاض معلیؔ حصہ سوم: صفحہ ۷۹۔

جلیلؔ کے قطعے کے چند اشعار یہ ہیں :-

خوشا فکر معجز نظام معلّیٰ | زہے چشمۂ فیض عام معلّیٰ
زخورشید افزوں فروغ معانی | زگردوں بلند است نام معلّیٰ
زانوار دیوان والا است روشن | کہ ایں است ماہ تمام معلّیٰ[1]

معلّیٰ نے یوں مختلف انواع سخن کو اپنے کلام میں جگہ دی لیکن جو ذوق انھیں نعت سے رہا اس کا اظہار اس طرح کیا ہے :-

نہ پایا معلّیٰ نے جز نعت ذوق | بہت سلک مضموں پرویا گیا[2]

حقیقت یہ ہے کہ ذکر نبیؐ کو حضرت معلّیٰ نے بمنزلہ وظائف و اوراد برتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اے معلّیٰ نہ کبھی نعتیہ اشعار کو چھوڑ | کافی ہے ورد یہی بارہ مہینے تجھ کو[3]

وصف محمدیؐ میں شاعر نے اپنے عجز کا اقرار بھی کیا ہے :-

وصف رسول پاکؐ کریں کس زباں سے ہم | لائیں زبان حضرت باری کہاں سے ہم[4]

اللہ کے حبیبؐ کا کیا وصف کر سکیں | طاقت کہاں ہمارے دل ناتواں میں ہے[5]

کہا جاتا ہے کہ جو نعتیہ کلام ہم تک پہنچا ہے یہ ان دو نعتیہ دواوین کے

---

[1] ریاض معلّیٰ حصہ سوم : صفحہ ۷۹۔
[2] " " اول " ۱۲۔
[3] " " " " ۳۱۔
[4] " " " " ۲۷۔
[5] " " " " ۶۴۔

علاوہ ہے جو طغیانی موسیٰ ندی میں تلف ہو گئے سوائے اس کے تھوڑا سا جو دستیاب ہو سکا وہ موجودہ نعتیہ کلام میں شامل کر دیا گیا۔ اس سے حضرت معلّٰی کے شغل نعت گوئی کی کثرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نعت گوئی کی تحریک میں حضرت محسن کاکوروی کے خواب کا ذکر محسن کے بیان میں کیا گیا۔ مولوی محمد ریاض الدین ریاض مرتب ریاض معلّٰی نے اس دیوان کے دیباچے میں معلّٰی کے اس خواب کا ذکر کیا ہے جو نعت سے متعلق ہے۔ اس کی تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ "دربار رسالت معلی کے سامنے ہے۔ حضورؐ مسند پر جلوہ افروز ہیں، اور شہیدی اپنا قصیدہ سنا رہے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا محسن کا سراپا سناؤ، وہ بہت اچھا ہے۔" شاید معلّٰی نے اپنی اسی باریابی کا ذکر اس شعر میں کیا ہے:

معلّٰی کیا بتاؤں کچھ نہ پوچھو فضل یزداں کا
مجھے بھی طالع بیدار نے واں تک جو پہنچایا[1]

حقیقت میں نعت گوئی کی اصل ہی حبّ رسولؐ ہے۔ جب تک یہ کیفیت دل میں نہ ہوگی نعت رسولؐ میں نعتیہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی۔ معلّٰی کے یہاں محبت کی فراوانی، جذبات کی روانی، خیال کی بلندی اور نعت کے مضامین پر احاطہ کما حقہٗ پایا جاتا ہے۔ ساتھ ہی زندگی کا تقویٰ بارگاہ رسالت میں پہنچنے کے لئے مزاج میں طہارت کا سامان کر رہا ہے۔ یہ ہیں حضرت معلّٰی کے اوصاف حسنہ جو نعت گوئی کے فریضے سے شاعر کو کامیاب گزارتے ہیں۔ نعت گوئی کا تعلق صوفیانہ ادب سے نہایت گہرا ہے۔ اس لئے شعراء کے نعتیہ رنگ کو حال اور

---

1. ریاض معلّٰی: حصہ اول صفحہ ۸۔

قال میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور جو بے احتیاطیاں بعد میں ہوئی ہیں وہ اسی حال میں ہوئی ہیں۔ معلّیٰ نے ایک حد تک حال کے رنگ کو اس بے احتیاطی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے کلام میں حفظِ مراتب کا لحاظ بھی پایا جاتا ہے۔ اور شاعر اپنی نعت گوئی پر ناز بھی کرتا ہے تو نیاز مندانہ انداز میں:

دل نے جو کوہ نعت شہ دین اٹھالیا — کیا حوصلہ بلند ہے اس برگ کاہ کا[1]

عرش بریں پہ طبع معلّیٰ کا ہے دماغ — جب سے وہ مدح خوان شہ دوسرا ہوا[2]

شاعر نے پیمبرؐ کے روضے پر دم نکلنے کی تمنا کو اس طرح ظاہر کیا ہے:

پہنچ کے شہر مدینہ میں دم نکل جائے — ترے حبیبؐ کے روضے پہ ہوں فدا یارب[3]

حقیقت میں شہیدی کی تمنا کا حاصل شاعر کو بے چین کیے ہوئے ہے۔

نمونۂ کلام:-

حیف پھر جانا مدینے کو ہمارا نہ ہوا — لطف دیدار میسر وہ دوبارا نہ ہوا
صدقے ہونا نہ ہوا روضۂ اقدس پہ نصیب — بخت کا آہ بلند اپنے ستارا نہ ہوا
کس طرح سے ہو مرا نخل تمنا سرسبز — حاصل اس گنبد خضرا کا نظارا نہ ہوا
کچھ کمی عاشق مضطر نے تڑپنے میں کی — مائل زخم جگر دل ہی تمہارا نہ ہوا
لاکھوں اچھے کیے بیمار مسیحا تم نے — لیکن اچھا دل بیمار ہمارا نہ ہوا
دل دیوانہ مرا کچھ نہ خیالی بن جائے — خواب میں بھی کبھی دیدار دوبارا نہ ہوا[4]

---

۱ ، ۲ ریاض معلّیٰ: حصہ اوّل، صفحہ ۱۲۔

۳ ″ ″ ″ ″ ۱۵۔ ۴ ایضاً: صفحہ ۵۔

اس نالۂ فراق میں شاعر کے عاشقانہ جذبات، اضطراب، بے چینی، تڑپ اور خلوص کی جو فراوانی ہے اس سے معلیؔ کے داخلی احساسات کا پتا چلتا ہے دل ذکر حبیبؐ میں ڈوبا ہوا لقائے محبوب کی تمنا میں پیچ و تاب کھا رہا ہے یہ مضمون شاعر کے کلام میں کثرت سے ملتا ہے۔

شاعر کا حاصلِ مراد ذاتِ محمدیؐ کے سوا اور کچھ نہیں۔ وہ اپنی جنت وہیں بسائے ہوئے ہے:

جائیں جنت کی طرف زہد جتانے والے
ہم گنہگار مدینے کو ہیں جانے والے[1]

رسولِ عربیؐ کے وصف میں شاعر کا بیان:-

دل بستۂ گیسوئے رسولِ عربیؐ ہے
جاں شیفتۂ موئے رسولِ عربیؐ ہے

پوچھے جو کوئی کعبۂ مقصود ہمارا
طاق خم ابروئے رسولِ عربیؐ ہے

رشکِ سہی و غیرتِ سرو چمن خلد
زیبا قد دلجوئے رسولِ عربیؐ ہے

انوار تجلائے خداوند جہاں سے
روشن رخ نیکوئے رسولِ عربیؐ ہے

جس نور کے پرتو سے ہے سب دہر منور
پر نور عجب روئے رسولِ عربیؐ ہے[2]

وصف رسولؐ میں معلیؔ نے تلمیحات قرآنی سے جگہ جگہ فائدہ اٹھایا ہے۔ مثلاً

(۱) جو آیا ہے فَقُلْنَا کُنْ لَہٗ مضمون قرآن میں
بیان حالِ وصف صنعت چالاک دیتی ہے[3]

(۲) بیان فَاتَّبِعُوْنِیْ سے یہ حجت مسلّم ہے
کہ طاعت احمدِ مرسلؐ کی عین حق پرستی ہے[4]

---

[1] ریاض معلیٰ صفحہ ۳۴ [2] ایضاً صفحہ ۳۰ [3] ایضاً صفحہ ۴۳ [4] ایضاً صفحہ ۱

(۳) مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِلَّا دلیل ہے
ناطق تھی وحیِ حق سے ہی گفتار مصطفےؐ[۵۱]

(۴) مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ میں جو معنی ہیں عیاں
کیا کوئی سمجھے جو ہے سرِ نہانِ مصطفےؐ[۵۲]

(۵) جان کو محوِ رضائے حق کیا اللہ نے
اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ کہہ کر امتحانِ مصطفےؐ[۵۳]

بیان وصف کا یہ رنگ بھی ہے :-

دیکھی ہے جو شانِ رُخِ زیبائے محمدؐ
جبریلؑ امین کیوں نہ ہوں شیدائے محمدؐ

ہے عرش بریں فرش تہ پائے محمدؐ
کیوں فخر سے چومے نہ قدمہائے محمدؐ

ہے آنکھوں میں اور دل میں مرے جائے محمدؐ
سینہ ہے مرا مسکن و ماوائے محمدؐ

پروانۂ شمع رُخِ زیبائے نبیؐ ہوں
کیوں مجھ کو نہ ہو خواہش دیدائے محمدؐ

قرآں میں جو آیا ہے بیانِ قَابَ قَوْسَیْن
ادنیٰ ہے مقامِ شرف افزائے محمدؐ

حاصل ہو انھیں سرمۂ مَازَاغ کہاں سے
آنکھیں ہوں مری کیسے شناسائے محمدؐ

ہے گول دہن حلقۂ ہا لام دو زلفیں
اللہ کا الف ہے قدِ بالائے محمدؐ

ہے کعبۂ مقصود معلّیٰ کا مدینہ
اس کے دلِ پُر شوق میں ہی جائے محمدؐ[۵۴]

ذکرِ نبیؐ میں درود کی فضیلت کا بیان نہایت سادگی، سلاست، روانی اور دلآویزی سے کیا ہے :

جمع فضل کبریا ہے درود
معدن رحمت خُدا ہے درود

نہیں کوئی درود سے بڑھ کر
مظہر فیض مصطفےؐ ہے درود

۵۱؎ ریاض معلّیٰ، صفحہ ۱۰ ۵۲؎ ایضاً صفحہ ۴ ۵۳؎ ایضاً: صفحہ ۲۱، ۲۲-

کُنتُ کنزاً کا راز مخفی ہے — مخزن لطف و اتقا ہے درود
کیوں نہ ہو یاد رات دن اسکی — دل عاشق کا مدعا ہے درود
اے مریضان عشق مصطفوی — ہر مرض کے لیۓ شفا ہے درود
خوف خورشید حشر کا کیا ہو — اپنا محشر میں آسرا ہے درود
نور پھیلا ہے اس کا عالم میں — رونق شمع کی ضیا ہے درود[۵۱]

وصف مدینہ میں معلّٰی نے جو نعت کی دلآویزی پیدا کی ہے وہ قابل ستائش ہے ۔ شاعر کا نغمہ ترنم ریز ہے ۔

اللہ رے تاثیر تولاۓ مدینہ — ہر داغ جگر ہے گل صحراۓ مدینہ
دل جب سے بنا والہ و شیداۓ مدینہ — کہتا ہے مرا ہر بن مو ہاۓ مدینہ
غلماں ہیں غلاماں تو پرستار ہیں حوریں — جنت کا سراپا ہے سراپاۓ مدینہ
چشمان بصیرت سے نگہ کر کے ملائک — رکھ لیتے ہیں آنکھوں پہ قدمہاۓ مدینہ
ہے سرمۂ چشم بشر و جن و ملائک — خاک قدم اقدس مولاۓ مدینہ[۵۲]

عقیدت کی فراوانی میں معلّٰی کے تخیل نے مبالغے میں بے احتیاطی کا رنگ بھی دکھایا ہے لیکن اس کی مثالیں بہت کم ہیں مثلاً

یہ حامل اقدام ہے وہ حامل نعلین — کیوں عرش سے رتبے میں نہ بڑھ جاۓ مدینہ[۵۳]
ہو رشک دل عرش بریں کو بھی معلّٰی — رنگ اپنی حقیقت کا جو دکھلاۓ مدینہ[۵۴]

اس رنگ کی غزل ان کے دیوان کے آخر میں ملتی ہے جس میں شاعر پردۂ میم کو اٹھانے کی غیر ضروری کوشش کرتا ہے ۔ کلام کی دلآویزی

---

۵۱ ریاض معلّٰی ، صفحہ ۳۲ ، ۳۳ — ۵۲ ریاض معلّٰی ، صفحہ
۵۳ " " " — ۵۴ " " " ۳۳ ۔

ہیں کیسے کلام ہو سکتا ہے۔

شاہ رسل کا شہرۂ آمد جہاں میں ہے
ظاہر میں گرچہ احمدِ بے میم ہے لقب
دیتی خبر ہے اور ہی کچھ شان ما رمیت
مضمون جس کی مدحت خلق عظیم کا
شانِ احد کا آئینہ ہے حسن احمدی

بیمثل و بےنظیر جو کون و مکاں میں ہے
کیا جانے کوئی کون وہ سرِ نہاں میں ہے
ہر چند وہ بصورت انساں جہاں میں ہے
آیا کلام پاک خدائے جہاں میں ہے
انساں حجاب میم کے باعث گماں میں ہے[1]

تضمین کا نمونہ یہ ہے:-

فیض بخشی کے بھرے آپ میں سارے ہیں صفات
سب کو ہے آپ کی ہی ذات سے امید نجات
کیجئے رحم غریبوں پہ کچھ اے مظہر ذات
ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات
لطف فرما کہ ز حد می گزرد تشنہ لبی[2]

---

[1] ریاض معلّٰی، صفحہ ۶۴
[2] ریاض معلّٰی: صفحہ ۶۵، ۶۶۔

بابِ نہم

دَورِ حاضر

دَورِ جدید میں حالی، شبلی اور نظم نے نعت کو ایک نئی راہ پر لگایا تھا اس کو آگے بڑھانے میں دَورِ حاضر نے اپنی بے پایاں صلاحیت کا ثبوت دیا۔ اقبال، مولانا ظفر علی خاں، حفیظ جالندھری، ماہر القادری وغیرہ کا کلام دراصل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو دَورِ جدید میں شروع کیا گیا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ دَورِ حاضر کا نعتیہ کلام اپنی چند خصوصیات کی بنا پر نعتیہ شاعری کی ارتقائی صورتوں میں حسین ترین شکل میں جلوہ گر ہے جس میں حکیمانہ بصیرت مصلحانہ تقدس، مجتہدانہ انداز اور شاعرانہ دلآویزیوں نے چار چاند لگا دیئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اب قرآنی تعلیمات کی تفسیر بن گئی اور قرآنی زندگی کی اس آشفتہ حالی میں دنیا کے درد کا درمان شمار ہونے لگا۔ اس طرح نعتیہ بیان نے نئے نئے روپ اختیار کیے۔ مسلمانوں کی اصلاح کی تحریکیں

مذہب کے نام پر اٹھیں اور حضورؐ کے واسطے سے اٹھیں۔ چنانچہ نعتیہ شاعری اب میلاد اور سماع کی محفلوں سے نکل کر سیاسی مجلسوں میں آن پہنچی۔ معاشرتی اور سیاسی اصلاح کے لئے شعراء نے حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھا اور عقیدت مندانہ اور جذباتی انداز کو چھوڑ کر معقولیت سے کام لیا۔

اس دَور میں نعتیہ قصیدے صرف عزیزؔ لکھنوی کے یہاں ملتے ہیں۔ مسلسل نظمیں مثنویاں اور غزلیں شعراء نے خوب لکھی ہیں۔ موجودہ دَور میں نعتیہ غزل نے حقیقت پسندی کو زیادہ ملحوظ رکھا۔ حضورؐ پر والہانہ تصدق کے اظہار کے باوجود بارگاہِ نبوت کے ادب شناس ہونے کا ثبوت دیا اور دین باختگی سے دامن بچائے رکھا۔ دَورِ حاضر کی غزل میں داخلی جذبات کے اظہار میں ہمواری، تاثیر اور ترنم کی کمی نہیں ہے۔ بحریں رواں اور شگفتہ، زبان صاف و سادہ اور ترکیبیں خوش آہنگ اور موسیقیت لئے ہوئے ہوتی ہیں۔ فرسودہ مضامین اور خیالی رنگینیوں کو دخل نہیں۔ حضورؐ کے اوصاف کے بیان میں نہ تو تصوف کی زبان ہے اور نہ آپؐ کی شان کو بالاتر دکھانے کی کوشش میں شانِ عبدیت سے آپؐ کی محرومی کے مضامین۔ جو کچھ ہے حقیقی اوصاف کا بیان ہے اور صحیح جذبات کی ترجمانی۔ اس دَور میں حضورؐ کے ساتھ عشق مترادف ہے آپؐ کے پیام کے ساتھ عشق کے۔ اور یہی نعت گوئی کا مقصد اولین بھی ہے۔

مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی

مرزا محمد ہادی نام اور عزیزؔ تخلص ہے۔ ۵ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۲ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام مرزا محمد علی تھا۔ عزیزؔ کی عمر سات سال کی تھی۔ کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ان کے خاندان میں علم و فضل کئی پشتوں سے چلا آتا تھا۔ عزیزؔ نے بھی تحصیل علم میں بڑی جانفشانی کی۔ ان کے اساتذہ میں شمس العلماء مولوی عبد المجید فرنگی محل، مولانا محمد نعیم، مولوی محمد حسین، مولوی سید ابو الحسن، مولوی شیخ فدا حسین وغیرہ گزرے ہیں۔

عزیزؔ کو علم و ادب سے فطری شغف رہا۔ انھوں نے اساتذہ کے کلام سے کماحقہٗ استفادہ کیا اور اپنی شاعری میں استادانہ محاسن پیدا کئے۔ انھوں نے اردو کے علاوہ فارسی میں بہت شعر کہے ہیں۔ فارسی کے شعراء میں نظیریؔ، عرفیؔ اور حافظؔ انھیں محبوب رہے۔ اور اردو میں میرؔ اور غالبؔ کا تتبع کیا۔ ان کے قصائد میں سوداؔ اور ذوقؔ کے قصائد کی شان پائی جاتی ہے لیکن زبان نہایت صاف و شستہ، سادہ اور رواں ہے۔ علم و فضل ان کے کلام سے ظاہر ہے۔

یوں عزیزؔ نے اُردو میں اکثر اصناف سخن کو شاعری کے لئے استعمال کیا ہے لیکن ان کی عظمت کا دار و مدار زیادہ تر ان کے قصائد پر ہے۔ انھوں نے نظمیں بھی اچھی لکھی ہیں اور غزل گوئی میں ان کا شمار اُردو کے ان نامور شعراء میں ہے جنھوں نے دَورِ جدید میں غزل کی اصلاح میں سعی بلیغ فرمائی۔ ان کی غزلوں کا مجموعہ "گل کدہ" کے نام سے مشہور ہے۔ "صحیفۂ ولا" ان کے قصائد سلام وغیرہ کا مجموعہ ہے۔

عزیز کا انتقال سنہ ۱۹۳۵ء میں ہوا۔

عزیز نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں زیادہ تر قصیدے کہے ہیں۔ "صحیفہ وِلا" میں ان کے نعتیہ قصائد کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) حسن وعشق۔ قصیدہ بہاریہ نوروز در مکالمۂ حسن وعشق وتخلص بہ نعت حضرت سرورِ کائنات بہ پیرایۂ غزل۔

(۲) بہار ربیع درجوش موسم اردی بہشت از حالات ولادت انسان مکمل عین العالم حقیقۃ الحقائق مرآت الصفات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) معراجیہ: در مذاق تغزل و نعت ہادی سبل حضرت ختم الرسل۔

(۴) نوید بعثت۔

(۵) سرجوش حرا: در حالات بعثت حضرت سرورِ کائنات۔

(۶) نور ہدایت: در زینت افزائے نہ کاخ افلاک مخاطب بہ خطاب لولاک خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۷) شمع رسالت: آراستگی عروس مضامین بمدحت رحمۃ للعالمین المخاطب بطٰہٰ ویٰسین۔

(۸) مرآت الصفاء: در نعت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۹) شارع الاسلام۔

قصائد کے علاوہ "صحیفہ وِلا" میں حسب ذیل عنوانات کے تحت نعتیہ نظمیں بھی درج ہیں:-

۱۔ پیغمبر اسلام۔ ۲۔ قطعہ نعتیہ۔ ۳۔ فلسفی اُمّی اور ۴۔ محمد مصطفےٰ۔

علاوہ بریں قطعات اور رباعیات میں بھی نعتیہ مضامین نظم کئے ہیں۔

عزیزؔ لکھنوی کے نعتیہ قصائد پر تبصرہ کرنے سے پہلے ہم ان کی قصیدہ گوئی کے عام رنگ کا نہایت اختصار سے جائزہ لیں گے۔

قصیدے نے اپنا رنگ درباری اثرات کے تحت جمایا تھا اور اسی ماحول میں اسے فروغ بھی حاصل ہوا۔ جب یہ سرپرستی ختم ہوئی تو قصیدہ گوئی بھی متاثر ہوئی۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قصیدے کے انتہائی فروغ کا دور ذوقؔ پر ختم ہو جاتا ہے۔ انگریزی عملداری میں قصیدہ خوانی کے ذریعے دنیوی منفعت کی ساری توقعات اٹھ گئیں۔ بعد کے دور میں داغ، امیر، طباطبائی اور جلیل نے اس وضع کی پابندی کی۔ عزیزؔ بھی اردو ادب میں قصیدہ گو کی حیثیت سے نہایت ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ لیکن ان کا رنگ عام قصیدہ گو شعراء سے جداگانہ ہے۔ انھوں نے مدح کے لئے کسی صاحب ثروت کو منتخب نہیں کیا۔ ان کے ممدوحین کی فہرست میں ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جس سے دنیوی منفعت کی کچھ بھی توقع کی جا سکتی ہے۔ ان کی مدح سرائی میں تمام تر عقیدت مندی اور خلوص کو دخل ہے۔ چنانچہ ان کے مجموعۂ قصائد "صحیفۂ ولا" میں ہم نعت اور منقبت کے سوا اور کچھ نہیں پاتے۔ اس مجموعے کے آخر میں قطعات، رباعیات اور سلام بھی انھیں مضامین پر مشتمل ہیں۔ عزیزؔ کے قصائد میں شکوہ الفاظ اور زور بیان ان کی عقیدت مندی اور خلوص کی دلیل ہے جس کے اظہار کے لئے وہ اپنی اعلیٰ شعری صلاحیت کو بروئے کار لائے ہیں اس لحاظ سے عزیزؔ کا درجہ اردو قصیدہ گوئی میں ممتاز اور مصلحانہ ہے۔ قصیدے کے چند فنی لوازم ہیں جن میں تشبیب قصیدہ کا تمہیدی حصہ قرار پاتی ہے تشبیب کا مضمون محدود اور متعین نہیں ہے۔ جاہلیت کے عربی قصائد میں دیار حبیب کی یاد، محبوب کی مفارقت میں بے قراری کا اظہار، سفر کی صعوبت اور ناقہ کی تعریف تشبیب کے عام

مضامین تھے۔ اکثر بادہ نوشی کے ذکر سے بھی کلام میں گرمی پیدا کی جاتی تھی۔ اسلامی تعلیمات اور اس کے تمدن نے آہستہ آہستہ اس میں تبدیلی پیدا کی اور تشبیب میں مدح کی مناسبت سے اخلاقی مضامین بھی نظم ہونے لگے۔ لیکن اسی کے ساتھ تشبیب کا اصلی رنگ، یعنی شباب کی باتیں غزل کی شکل میں، برقرار رہا۔

تشبیب قصیدے کا نہایت اہم حصہ ہے اور اس میں زور طبع دکھانے کے مواقع بھی ہیں کیونکہ شاعر کے فکر کو یہاں تخیل کی پرواز کے لئے وسیع فضا ہاتھ آتی ہے۔ اردو میں سودا کی تشبیب زوردار ہوتی ہے۔ عزیز کا مرتبہ بھی اس حیثیت سے کم نہیں ہے۔ ان کے قصائد کی تشبیہیں عموماً یا تو بہاریہ ہوتی ہیں یا تغزل کے رنگ میں۔ اس میں عزیز کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ بیان کو مکالمے کا رنگ بھی دیتے ہیں۔ اس طرح تشبیب میں انھوں نے اپنے زور بیان سے اپنی اعلیٰ قابلیت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ قصیدہ "حسن و عشق" کی بہاریہ تشبیب کے چند اشعار نمونتہً درج ذیل ہیں:-

بہار آتی ہے ان کو ہو گیا ناز خود آرائی
لہو کچھ بڑھ گیا جب فصد دیوانوں نے کھلوائی

حمل کے نقطۂ اول پر آیا خسرو خاور
ربیع معتدل لے کر نوید نو بہار آئی

ہوئی باطل دی و بہمن کی وہ تقویم پارینہ
خزاں کے نام سے آتی ہے تو ادبے کو ابکائی

چلی وہ بادہ نوروزی وہ تازہ کونپلیں پھوٹیں
گلوں کو دیکھ کر صحن چمن نے گود پھیلائی

نشیلی انکھڑیاں ساقی کی زاہد سے بھی کہہ اٹھیں
یہ بہار روز فروز دین کا ہے پی جام صہبائی

چھڑا ہے ساز پھر آوازۂ چاک گریباں کا
"مدد اے روح مجنوں" کہہ کے پھر نکلے ہیں سودائی

گھنے بال اس طرف سنبل نے کھولے بہر آرائش
گلابی مد بھری آنکھ اس طرف نرگس نے دکھلائی

نگار سبزہ نے مہد زمیں پر کر دیئیں بدلیں
ادھر آغوش میں گلشن کے لی بیلوں نے انگڑائی

جوانان چمن زندہ ہوئے اعجاز موسم سے
غبار دشت نے اٹھ کر خزاں کی لاش کفنائی[۱۵]

شروع سے آخر تک یہی رنگ ہے۔
قصیدہ بہار ربیع کی تشبیب بھی اسی طرح کی ہے۔ دیگر نعتیہ قصیدوں کی تشبیبوں کا رنگ غزلیہ ہے۔ قصیدہ "سرجوش حرا" میں شروع ہی سے ثنائے نبیؐ کی صورت پیدا کی ہے جو تغزل کے رنگ میں ہے۔ ابتدائی اشعار یہ ہیں:-

حسن اے حسن دلآویز ملاحت والے
ہوش میں آئیں گے ہرگز نہ ترے متوالے

جل کے دکھلائیں ابھی جلوہ گلزار خلیل
دیکھ لیں تجھ کو اگر سوز محبت والے

دیکھ لیں تیری جہانتاب تجلی کو اگر
نقش دیوار بنیں عالم حیرت والے

---

۱۵ صحیفہ ولا: شائع کردہ صدیق بک ڈپو۔ لکھنؤ۔ صفحہ ۲۰۱۔

سبزہ رنگی پہ تری سادہ نگاری پہ تری
زہر کھائے ہوئے بیٹھے ہیں صباحت والے

صندلی رنگ ہو یا ہو کہیں مہتابی حسن
اب نظر میں نہیں جچتے ہیں یہ طلعت والے

ساختہ حسن کجا حسن خداداد کجا
جانچ لیتے ہیں اسے چشم بصیرت والے[۵۱]

قصیدہ نور ہدایت کی تشبیب کا نمونہ یہ ہے:-

نہیں کٹتی شب فرقت لبوں پر گھٹ کے جاں آئی
کہاں تک اے دل رنجور دعوائے شکیبائی

لکھی تھی تلخ کامی کیا ہمارے ہی مقدر میں
ہمیں اس زہر کے قابل تھے کیا اے چرخ مینائی

بلا سے کوئی مرجائے بلا سے کوئی رسوا ہو
اگر ہے امتحاں منظور تو کیا خوف رسوائی

بلا کا جذب ہے کافر ادا اس حسن دلکش میں
تری جانب سے پھرتی ہی نہیں چشم تماشائی[۵۲]

عزیز کی تشبیب میں غزل کی پوری شان پائی جاتی ہے۔ مضامین نہایت شگفتہ اور شباب کی تمناؤں کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ ان کی گہرائی شاعر کی عمیق نظری کا پتہ دیتی ہے۔ بیان کی قوت اور ندرت اپنی دلآویزی سے قلب کی کیفیت میں گرمی پیدا کر دیتی ہے۔

قصیدے کی دوسری منزل گریز ہے۔ تشبیب اور مدح میں ربط قائم کرنے کے لئے شاعر کو یہاں اپنی قابلیت کا ثبوت بہم پہنچانا پڑتا ہے۔ حقیقت میں قصیدہ گو کی صلاحیت کی کسوٹی یہی گریز ہے۔ گریز کی بدیع

---

۵۱ صحیفہ ولا۔ شائع کردہ: صدیق بک ڈپو۔ لکھنؤ۔ صفحہ ۲۴۔
۵۲ صحیفہ ولا۔ " " " " ۲۵۔

صورتوں کے ذریعے تشبیب اور مدح کے مضمون کو جس قدر ہم آہنگ دکھایا جائے گا اسی قدر شاعر کے کمال کا اعتراف کیا جائے گا۔ عزیز کے یہاں گریز کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ قصیدہ "حسن و عشق" کی تشبیب کے اشعار پیش کئے جا چکے ہیں۔ اس قصیدے میں شاعر گریز کے لئے "حسن و عشق" کے طویل مکالمے کی تمہید باندھتا ہے۔ آخر آقائے نامدار کی حضوری اس طرح حاصل کرتا ہے :-

لبوں پر مسکراہٹ آگئی شرما کے فرمایا
نقاب اب میں الٹتا ہوں بتقریب شناسائی
ذرا ہوشیار رہنا ضبط کا ہنگام آیا ہے
مرقع جذبۂ دل کا ہوں دیکھ لے میر سودائی
عزیز اللہ جانے کیا ہوا ہم نے تو یہ دیکھا
اٹھا کو عشق کو خلوت میں لائے کچھ تماشائی
ہوا جب لخلخہ تجویز چند ارباب شوریٰ میں
یمانی اک کسا اس مست رعنائی نے بھجوائی
ہوا جب کچھ افاقہ آہ کھینچی دل سے اک ایسی
در و دیوار پر صورت محمدؐ کی نظر آئی[1]

قصیدہ شمع رسالت میں شاعر نے تشبیب کے لئے تغزل کا رنگ اختیار کیا ہے۔ پھر وہ نعت کی طرف گریز کے لئے جمال شاہد وحدت کا ذکر چھیڑ دیتا ہے اور نہایت بے تکلفی سے حضورؐ کی ثنا کے مضمون کو تشبیب

---

[1] صحیفہ ولا صفحہ ۵۔

سے ملا دیتا ہے۔

بہار آنے پر جب کوئی کلی کھلتی ہے لالے کی
شکستِ قلبِ مجنوں کی صدا آتی ہے صحرا سے

جمالِ شاہدِ وحدت نے باندھی ہے ہوا ایسی
اڑا جاتا ہے دل بن بن کے ہر اک ذرہ صحرا سے

ہے حسن و عشق میں اک اتحادِ معنوی باہم
برآمد دونوں یہ گوہر ہوئے ہیں اک دریا سے

بظاہر عشق ہے سرگشتۂ صحرائے بیتابی
بباطن یہ نہیں لیکن جدا حسنِ خود آرا سے

ادھر ہے شوخیوں سے حسن کو شوقِ حنابندی
ادھر رنگینیاں ہیں عشق کی خونِ تمنا سے

قیامت کی کشش رہتی ہے حسن و عشق میں باہم
اک آفت کا تعلق عشق کو ہے حسنِ زیبا سے[۵۱]

اس کے بعد کا شعر ملاحظہ فرمایئے۔ عزیز نے کس خوبی سے اس مضمون کے ساتھ مدح کو ملا دیا ہے :-

شبِ معراج کس خلوت میں محبوبِ خدا پہنچے
یہ جذبِ عشق تھا جس نے بلایا حسنِ یکتا سے[۵۲]

گریز کے بعد مدح اور حسن طلب کی باری آتی ہے۔ عزیز کو مدح کے صلے میں نہ تو جاہ و ثروت کی طلب ہے اور نہ ممدوح کی خوشنودی حاصل کر کے

---

۵۱ صحیفۂ ولا : صفحہ ۲۹۔ ۵۲ صحیفۂ ولا : صفحہ ۲۹۔

کسی دنیوی ضرر کو دفع کرنا مقصود ہے۔ ان کا مقصد فقط خلوص اور عقیدتمندی کا اظہار ہے۔ اس لئے ان کے یہاں مدح میں نہ تو مبالغہ کا گزر ہے اور نہ تصنع کو دخل ہے۔ بس ایک حقیقت حال کا بیان ہے اور خلوص کی زبان ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا، کے لئے شاعر بہتر سے بہتر الفاظ اور ترکیبوں سے تقدس کی فضا قائم کرتا ہے اور الفاظ کے شکوہ، مضمون کی معنویت اور تخیل کی بلندی سے نعت کو دل کش انداز میں پیش کرتا ہے۔ عزیزؔ کے یہاں طرز ادا کی ندرت اور معنی آفرینی ہر جگہ موجود ہے زبان نہایت صاف سلیس اور لفظی صناعی کی پیچیدگیوں سے پاک ہے۔ صوتیت کے لحاظ سے الفاظ کی ترکیب میں باہم نہایت مناسب جوڑ، ترنم ریزی کا سامان کرتا ہے۔ اب ہم مدح کے بیان میں عزیزؔ کی نعت گوئی پر روشنی ڈالیں گے۔

مدح رسولؐ میں عزیزؔ نے جہاں تغزل کا رنگ اختیار کیا ہے اور حسن و عشق کی زبانی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی ہے وہاں ایک مضمون میں کئی مضامین پیدا کئے ہیں اور اس طرح آپؐ کے اوصاف کے بیان میں ایک انوکھا انداز اختیار کیا ہے۔ قصیدہ "حسن و عشق" میں عزیزؔ کا یہی رنگ ہے۔ اس کے علاوہ قصیدہ 'معراجیہ' اور قصیدہ 'شمع رسالت' میں بھی شاعر نے اسی عشق کے بیان سے نعت کا مضمون پیدا کیا ہے۔

قصیدہ "حسن و عشق" میں حسن و عشق کے طویل مکالمے کے بعد شاعر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کی تجلی سے عشق کو بے خود بناتا ہے۔ اور جمال محمدیؐ کی دید سے اسے اس طرح مشرف کرتا ہے۔

ہوا جب کچھ افاقہ آہ کھینچی دل سے اک ایسی
در و دیوار پہ صورت محمدؐ کی نظر آئی [۵۱]

حسن محمدیؐ کا فدائی حضورؐ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے اور اپنی آشفتہ حالی کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :-

کہا یہ عشق نے بڑھ کر کہ اے سر دفتر عالم
ازل سے منتظر تھا آج صورت تم نے دکھلائی

حجاب قدس میں اتنے دنوں سرگرم خلوت تھے
گوارا کس طرح تم کو ہوئی بندے کی تنہائی

دوئی کا نقش بھی میں نے مٹایا یوں تصور میں
جھلک مہر نبوت کی مرے داغوں نے دکھلائی

یہ میری چشم تر اک آبشار طور سینا ہے
ہر اک موج اس کی دکھلاتی ہے شان مجر یکتائی

کیا جبریل نے آکر وضو اس آب خالص سے
کبھی رونے کی فرصت ہجر میں میں نے اگر پائی

پرستش میرے داغوں کی ہوئی ہے اہل عرفاں میں
یہاں تک عشق میں کامل ہوا اے جان شیدائی

مجھے اتنے دنوں بسمل بنا کر کیا ملا تم کو
کہا یہ حسن نے اے دشمن ادراک دانائی [۵۲]

عزیز نے حضورؐ سے عشق کے اظہار میں ایک نئی لے سے کام لیا ہے جو

---

[۵۱] صحیفہ ولا، صفحہ ۵ [۵۲] صحیفہ ولا : صفحہ ۵، ۶-

جو ان کی مخصوص ہے اس ایک مضمون میں اضطراب، بے قراری اور تڑپ، ان ساری کیفیات کو ایک جا جمع کر کے حسن و عشق کے مکالمے سے مضمون آفرینی کا نادر نمونہ پیش کیا ہے۔

عشق کے شکوہ کے بعد حسن کا جواب بھی سن لیجئے جس میں شاعر حضورؐ کی نعت یعنی حقیقت محمدیؐ آپ ہی کی زبان سے اس طرح بیان کر رہا ہے:

بہت دن نوح و ابراہیم کی یوں پشت بانی کی
کہ ان اصلاب پاکیزہ میں کی ہے جلوہ آرائی
جب آیا صلب عبد المطلب تک رفتہ رفتہ میں
ہوا قدرت کو تازہ پھر خیال بزم آرائی
جگہ دی صلب عبداللہ میں مجھ کو مشیت نے
ادھر صلب ابو طالب میں حیدر نے جگہ پائی
بھرا ہے رنگ جلوؤں نے مرے نقش نبوت میں
مصور نے بنائی تھی فقط شکل ہیولائی
مداوا اے دل بیتاب کیوں کر مجھ سے ممکن تھا
میں تجھ سے کس طرح ملتا، بتا اے عشق سودائی
یہ سن کر عشق کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے
کہا اچھا کریں تا چند اب صبر و شکیبائی[۱]

عزیز عشق کی زبانی حسن پر فریفتگی کے مضمون کو پر اثر انداز میں نہایت طول دیتے ہیں اور بارگاہ ایزدی میں حضورؐ کی محبوبیت کے مضمون کو بھی

۱؎ صحیفۂ ولا: صفحہ ۶۶

دلنشین پیرائے میں حسن کی زبانی اس طرح پیش کرتے ہیں:

وہ صورت گر کہ جس نے داد چاہی نقشِ اول کی
نمائش میں ازل کی میری صورت تجھ کو دکھلائی

وہ صورت گر کہ جس کو عشق تھا یہ اپنی صنعت سے
مری پرچھائیں تک اس نے زمانے کو نہ دکھلائی

بتا انصاف سے محبوب میں اس کا ہوں یا تیرا
محبت وہ کرے گا مجھ سے یا تو ہوگا شیدائی

یہ سن کر جوش پیدا ہوگیا نالہ فروشی کا
جنابِ عشق کے چہرے پہ اک افسردگی چھائی[1]

عشق سرگشتہ حضورؐ کی محبت میں اپنی والہانہ کیفیت کا برابر اظہار کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا یہ نیازمندانہ انداز خدائے قدوس سے رقابت کا رنگ پیدا کرلیتا ہے۔ اس کے جواب میں حسن کی طرف سے سرزنش کا مضمون اس طرح باندھا ہے:

معاذ اللہ خدا سے بھی ہے آمادہ رقابت پہ
یہ کرتا تجھ پہ حد جاری اگر ہوتا نہ سودائی

کہا یہ عشق نے اب اور حد شرع کیا ہوگی
بنا کر مجھ کو دیوانہ بنے ہو خود تماشائی[2]

آخر عشق کو حسن کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشا جاتا ہے اور اس کے اس جذبہ کی قدر افزائی ہوتی ہے۔

---

[1] صحیفہ ولا: صفحہ ۷۔ [2] صحیفہ ولا: صفحہ ۸۔

عزیزؔ نے ۱۲۱ ابیات کے اس قصیدے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کارانہ جذبے کی ترجمانی جس طور پر کی ہے وہ ان کا خاص رنگ ہے۔ ان کے بیان میں ان کے عقیدے کی جھلک بھی جگہ جگہ نظر آتی ہے اور قصیدے کے آخری حصے میں جب وہ یہ کہتے ہیں کہ

کہا یہ عشق نے منزل مری ہے قلب حیدرؑ میں
وہیں کرتا ہوں سیر عالم توحید و یکتائی[۱]

تو ان کا مسلک واضح ہو جاتا ہے۔

"بہار ربیع" میں حضورؐ کی ولادت کا بیان ہے جس میں بہاریہ تشبیب کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اس طرح کہی ہے :-

نوید آدم و حوّا کو دے کوئی جا کر
کہ وجہ خلقت دنیا کا اب ہوا اظہار

ذرا کوئی ارنی گوئی طور سے کہدے
دکھائیں آج یہاں آ کے طاقت دیدار

وہ باب شہر پناہ طلسم فطرت پر
وفور جوش میں باندھا گیا ہے بندہنوار

نگار خانۂ ابداع میں ہے بزم سرور
حریم کن میں بپا مجلس طرب آثار

وہ گل کھلایا ہے فطرت کے مو قلم نے آج
کہ گر گئے ہیں نگاہوں سے سارے نقش و نگار

ہوئی خموش کہ دیر آید درست آید
دگرنہ جوش میں شق ہوئی کعبہ کی دیوار

گھٹا اٹھی ہے وہ بالائے خانۂ کعبہ
ادھر بھی ہاں مرے ساقی کہ ہوں ابھی ہشیار

ٹپک رہی ہے اشاروں سے دارو ئے مستی
ہزار جام و صراحی تری نگہ پہ نثار

خطوط ساغر جم ہوں تو دیکھ لے انساں
یہ کون دیکھ سکے چشم سرمگیں کا خمار[۲]

شاعر نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لئے عبد المطلب کو شوق کے طومار سے دوچار دکھایا ہے اور قصیدہ کو دعائیہ شعر پر اس

۱؎ صحیفۂ ولا: صفحہ ۸۔ ۲؎ صحیفۂ ولا: صفحہ ۱۳، ۱۴۔

طرح ختم کیا ہے:

جہاں میں رونق اسلام تا بہ حشر رہے ❊ بحق سید سادات و آلہ الاطہار[1]

قصیدۂ معراجیہ، میں تغزل کے رنگ میں معراج کا بیان ہے۔ اس میں مکالمے کی صورت پیدا کر کے مضمون کو زیادہ دلنشین اور دلآویز بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ عزیزؔ کے کلام کی یہ خصوصیت ان کے یہاں جگہ جگہ پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار درج ذیل ہیں:

میں نے یہ کہا ہاتھ سر دوش تھا کس کا
فرمایا نہ پوچھ اس کو وہ تھی اور ہی اک بات

کس نے لیا تھا بوسۂ پائے مبارک
یہ تو مجھے تبلایئے اے قبلۂ حاجات

فرمایا وہ تھی عرش الٰہی کی جسارت
مانع ہوئی مجھ کو روش حسن مراعات

میں نے کہا فرمایئے خلوت میں ہوا کیا
فرمایا یہ ہیں راز نہ کر ایسے سوالات[2]

اس کے بعد شاعر حضورؐ کے اوصاف کا بیان اس طرح کرتا ہے:-

سایہ بھی جدا جسم سے ہوتا نہیں دن رات
زور کشش حسن خدا داد کی کیا بات

کیا ذکر مرا دل بھی ہے میرے تو زباں بھی
مشتاق رہے تیرے تکلم کے جمادات

---

[1] صحیفۂ ولا، صفحہ ۱۵۔ [2] صحیفۂ ولا: صفحہ ۱۸۔

سونے میں بھی وا چشم حقیقت نگری ہے
یکساں ہیں ترے واسطے سب دن ہوں کہ ہو رات

ہوں راز جلی یا کہ خفی تجھ پر ہویدا
تو دیکھ رہا ہے عقب و پشت کے حالات

تو شارح آیات کتاب تقدیس
خلوت کدۂ حسن کی ہمراز تری ذات

کس منہ سے کہوں کیفیت لذت تقریر
واللہ کہ ہیں وحی سمجھتا ہوں تری بات

زلفوں سے تری چیں بہ جبیں کا ہی اشارہ
ہو معجزۂ شق قمر آئی ہے اب رات

کہتے ہیں اسی واسطے تجھ کو ابوالارواح
تھا نور ترا مظہر ارضین و سماوات[1]

عزیز کے قصائد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جمالی شان سے زیادہ جلالی شان پائی جاتی ہے۔ عزیز نے حضورؐ کی مدح سرائی میں جہاں رنگ تغزل اختیار کیا ہے وہاں آپ کے حقیقی اوصاف کے بیان میں قرآن اور حدیث کے مضامین کو بھی اپنے خاص انداز میں نظم کیا ہے۔ ان کی نظر حقیقت محمدیؐ کو مختلف زاویوں سے دیکھتی ہے۔ اسی لئے وہ کبھی حسن و عشق کی زبان بن کر حضورؐ کی ثنا کرتے ہیں، کبھی قرآنی تلمیحات سے آپؐ کی شان کو اجاگر کرتے ہیں، کبھی عالم ملکوت میں آپؐ کے اجلال

---

[1] صحیفہ ولا: صفحہ ۱۸، ۱۹۔

کا نقشہ کھینچ کر کائنات پر آپ کی برتری کا پرشکوہ مضمون باندھتے ہیں اور کبھی عالم امکان میں آپ کی پیمبرانہ حیثیت اور اس کی برکات کو نہایت حسن و خوبی سے پیش کرتے ہیں۔ اس آخری خصوصیت کی مثالیں قصیدوں کے علاوہ ہم ان کی نعتیہ نظموں یعنی "پیغمبر اسلام"۔ "فلسفی امی"۔ "محمد مصطفےٰ" وغیرہ میں بھی پاتے ہیں۔ مثلاً۔

بزم توحید سے تبلیغ کا نامہ آیا
کوئی پہنے ہوئے قرآن کا جامہ آیا
جس نے اسلام کے پیچیدہ مطالب کھولے
سر پہ باندھے وہ فضیلت کا عمامہ آیا
چشم مژگاں سے لکھے اس نے ہزاروں دفتر
جس کے مکتب میں دوات آئی نہ خامہ آیا[1]

عرب کے جاہل عرب کے سرکش کہ جن کا جوہر درندگی تھا
یہی ہے وہ "فلسفی امی" کہ جس نے اس قوم کو سنوارا
زمین شور عرب پہ آکر بنائے اخلاق اس نے ڈالی
وہی یتیموں کا آسرا تھا وہی ضعیفوں کا تھا سہارا[2]

عزیز نے مترنم بحروں اور سبک اور رواں الفاظ سے لطافت اور عذوبت کا سامان کیا ہے۔ وہ منتخب الفاظ سے کلام کی معنویت میں وسعت پیدا کرتے ہیں۔ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطالب

---

[1] صحیفہ ولا: صفحہ ۳۲۶۔ [2] صحیفہ ولا: صفحہ ۳۲۸، ۳۲۹۔

کا بیان ان کے کلام کی خاص خوبی ہے۔ حضورؐ کے حقیقی اوصاف کے بیان میں عزیز کی گلفشانی ان کی انہی خصوصیات کی آئینہ دار ہے۔

وہ عقدہ کشائے آفرینش	سلطان خرد رئیس دانش
وہ سرور سروران محمدؐ	سرخیل پیمبران محمدؐ
وہ حاکم کشور کفایت	وہ گوہر معدن رسالت
وہ نور نگاہ آفرینش	وہ پشت و پناہ آفرینش
وہ صاحب منبر و افلاک	زیبا ہے جسے خطاب لولاک
داعی و مقدر و مذکر	امی و مزمل و مدثر
ظاہر میں تو ختم مرسلین ہے	پر نقطۂ خط اولین ہے[۵۱]

کلام کی یہی دلآویزی ہم صحیفہ ولا کے منظوم مقدمہ میں بھی پاتے ہیں۔

مضمون کی شگفتگی سے عزیز نے اپنی شگفتہ خاطری اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے قلب و نظر کی زندگی کا ثبوت دیا ہے۔ کلام کی ابتداء ثنائے آقائے نامدار سے اس طرح ہوتی ہے:-

بہار گلشن الفقر فخری	طراز دامن الفخر فخری
نگین خاتم سلمان منا	خدیو عالم سلمان منا
محمدؐ شہسوار ملک ہستی	محمدؐ رونق گلزار عالم
خدیو کشورکن شاہ لولاک	کہ جس کے فرش پا انداز افلاک
ہر اک ذرہ تھا جس پانی کا ترسا	عرب کی خشک ریتی پر وہ برسا

---

[۵۱] صحیفہ ولا: صفحہ ۳۳۰۔

دکھایا زور تسخیر نظر کا | لگا کر سرمہ مازاغ البصر کا
کہاں اس خاک خار آگیں کا منظر | کہاں داماں وحدت کا گل تر
شرف اس کے در دولت نے پائے | ملائک بھیس میں سائل کے آئے[1]

غرض یہ کہ عزیز کے نعتیہ کلام میں ان کے خلوص کی فراوانی، خیالات کی ندرت، مضامین کی شگفتگی، طرز بیان کی دلآویزی اور شکوہ الفاظ سے ان کی اعلیٰ صلاحیت اور استادانہ قابلیت کا پتا چلتا ہے۔ ان کا علم وفضل ہر جگہ نمایاں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کے خیالات کی وسعت اور گہرائی اپنے اظہار کے لئے الفاظ کو تہی داماں پاتی ہے جس کی بنا پر کہیں کہیں اشعار کا مطلب سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ان کے کلام میں چند مقامات پر بعید از فہم معنویت اور مذہبی تلمیحات کی وجہ سے بھی اس دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ لیکن اس کی مثالیں شاذ ہیں پھر بھی معدوم نہیں۔

---

[1] صحیفہ ولا: مقدمہ (الف)۔

علّامہ ڈاکٹر محمدؐ اقبالؔ

اقبالؔ سنہ ۱۸۷۶ء میں بمقام سیالکوٹ پیدا ہوئے۔ مکتب کی تعلیم کے بعد مدرسہ میں داخل ہوئے۔ انٹرنس کا امتحان پاس کر کے اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ سے ایف۔اے کا امتحان پاس کیا۔ بعدازاں تعلیم کے لئے لاہور جانا پڑا اور ایم۔ اے کی ڈگری وہیں سے حاصل کی۔ اس کے بعد کچھ عرصے کے لئے اورنٹیل کالج لاہور اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر رہے۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں تعلیم کی تکمیل کے لئے انگلستان گئے، اور وہاں بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے علاوہ فلسفہ میں پی ایچ۔ ڈی، کی ڈگری بھی حاصل کی۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں ہندوستان واپس آئے۔

شاعری میں اقبالؔ نے داغؔ کی شاگردی اختیار کی لیکن ان سے فیض صرف زبان کی حد تک حاصل کیا۔ ان کی طبیعت کا فلسفیانہ رنگ غالبؔ کی تقلید کا آئینہ دار ہے۔ اقبالؔ کی قومی شاعری نے اخلاقی، فلسفیانہ اور حکیمانہ نکتہ رسی سے کام لے کر شعری کیفیتوں سے عمل کے لئے دلوں کو گرمایا اور مایوسی اور احساس کمتری کو دور کر کے خودداری اور خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔

اقبالؔ نے فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہے ہیں۔ ان کے اُردو کلام کے مجموعے "بانگِ درا"۔ "بالِ جبریل" اور "ضربِ کلیم" ہیں۔ ایک عرصے تک بیمار رہنے کے بعد اقبالؔ نے ۲۱ر اپریل سنہ ۱۹۳۸ء کو اس جہانِ فانی کو خیرباد کہا اور لاہور میں دفن ہوئے۔

نعت گو شعراء کی تین قسمیں ہیں۔ ایک ایسے طبقے سے تعلق رکھنے

ہیں جو محض رسمیہ طور پر یا برکت کے لئے دیوان میں چند نعتیہ غزلیں یا قصیدے لکھ لیتے ہیں۔ دوسرا وہ گروہ ہے جو سیرت طیبہ کے محاسن و اوصاف کی وجہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت رکھتا ہے لیکن تیسری جماعت ایسی ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو محض انؐ کی وجہ سے چاہتی ہے اور ان کے عشق میں مرنے کو جینا سمجھتی ہے چنانچہ (۱) نعت برائے برکت۔ (۲) نعت برائے سیرت اور (۳) نعت برائے محبت۔ تین قسمیں ہیں اور آخری قسم میں بھی فرق مراتب ہے۔ اقبال موجودہ دور میں جہاں دوسری جماعت سے تعلق رکھتے ہیں وہاں تیسری جماعت کے بھی امام ہیں کہ وہ حضورؐ کا نام مبارک سنتے ہی تڑپ جاتے ہیں۔

اقبال نے اردو میں نعت بہت کم لکھی ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے اس کا جواب بہ مشکل نظر آتا ہے۔ ان کا نعتیہ کلام فارسی میں زیادہ پایا جاتا ہے۔[۱]

"بانگ درا" جو سنہ ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی تھی اس کی بکثرت نظموں

---

[۱] رموز بیخودی کے آخر میں "عرض حال مصنف بہ حضور رحمۃ للعالمین" ہے۔ جس کے چند ابتدائی اشعار دورِ حاضر کی نعت میں بے مثل ہیں۔

اے ظہور تو شباب زندگی ۔۔۔ جلوہ ات تعبیر خواب زندگی

اے زمین از بارگاہت ارجمند ۔۔۔ آسمان از بوسہ بامت بلند

شش جہت روشن ز تاب روئے تو ۔۔۔ ترک و تاجیک و عرب ہندوئے تو

از تو بالا پایۂ این کائنات ۔۔۔ فقر تو سرمایۂ این کائنات

(بقیہ بر صفحہ ۴۴۳ پر)

میں حجازی لَے اور حجازی مئے پائی جاتی ہے۔"حضور رسالت مآب" (بانگِ درا
صفحہ ۲۱۸) میں اقبال نے اس طرح حضوری حاصل کی ہے :-

(بقیہ صفحہ ۴۴۲ ملاحظہ کیجیے)

درجہان شمع حیات افروختی — بندگان را خواجگی آموختی

اسرار خودی میں کہتے ہیں :-

در دل مسلم مقام مصطفیٰؐ است — آبروئے ما ز نام مصطفیٰؐ است

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے متعلق یہ اشعار عجیب و غریب جذبات و کیفیات کا آئینہ ہیں اور اس فطری ذوق کی غمازی کر رہے ہیں جس کی تربیت بچپن ہی سے ہوئی ہے اور ان کے ضمیر میں داخل ہے۔

"پیام مشرق" میں بھی یہی عشق جگہ جگہ کارفرما ہے کیونکہ وہ ایک جگہ صاف کہتے ہیں:

باخدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار — یارسول اللہ او پنہاں و تو پیدائے من

چنانچہ یہ عشق بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچا کہ اقبال اپنے سرکارؐ کے سامنے نقش گم کردہ ہو کر حاضر ہونے لگے اور اللہ پاک سے یہاں تک التجا کرنے لگے کہ :-

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر — روز محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر — از نگاہ مصطفیٰؐ پنہاں بگیر

اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۲۰۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قطعہ محمد رمضان عطائی کو بخش دیا تھا۔ اور بعد میں "ارمغان حجاز" میں اس مضمون کو اس طرح پیش کیا ہے:

بہ پایاں چوں رسد ایں عالم پیر — شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضور خواجہؐ ما — حساب من ز چشم او نہاں گیر

پس چہ باید کرد میں بھی یہی رنگ ہے اور آخر میں "ارمغان حجاز" میں یوں

(باقی صفحہ ۴۴۴ پر)

حضورِ دہر میں آسودگی نہیں ملتی تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

"شکوہ" اور "جوابِ شکوہ" میں بھی اسی مئے کی سرشاری ہے۔
"جنگِ یرموک کا ایک واقعہ"، "مذہب"، "شبِ معراج"، "طلوعِ اسلام" وغیرہ سب نظموں میں اس عشق کا پرتو موجود ہے۔ اور اقبال نے حقیقت میں اسی محبت اور عشق کی وجہ سے اقبال حاصل کیا ہے۔

اقبال کی تعلیمات کا مرکز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ وہ آپؐ کی سیرت پاک میں حیاتِ انسانی کے لئے مکمل نمونہ دیکھتے ہیں۔ ان کی شاعری اگر زندگی کی تفسیر ہے تو حقیقت میں وہ زندگی یہی اسوۂ حسنہ ہے۔ انھوں نے اس ایک مضمون کو فلسفیانہ رنگ دے کر سو سو طرح سے باندھا ہے۔ ان کا مردِ مومن، مردِ قلندر اور مردِ خودی اس بارگاہ کے تربیت یافتہ ہیں، جس کی ادنیٰ سی توجہ مٹی کو اکسیر بنا سکتی ہے۔ اگر اقبال کی شاعری اخلاقی اور روحانی مقاصد رکھتی ہے تو ان کی قدروں کو متعین کرنے کے لئے وہ اس مکمل کتابِ زیست کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ وہ اس کے حسنِ صداقت سے خود بھی مسحور ہو جاتے ہیں اور اس کے بیان سے دوسروں کو بھی مسحور کرتے ہیں۔

ہر شاعر میں شعر گوئی کے لئے حُسن کا شعور اور حسن پرستی کا بے پایاں

(بقیہ صفحہ ۴۴۳ ملاحظہ کیجئے) کہتے ہیں:

درین پیری رہِ یثرب گرفتم نوا خوان از سرودِ عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سرِ شام کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ

اور "مصطفیٰؐ برسان خویش را" کے پُرجوش نغمے آخر عمر تک سنائی دیتے رہے۔

جذبہ فطری امر ہے۔ اس لئے شاعر کا تخیل حسن کی تلاش میں وادی وادی کے چکر لگاتا ہے اور اکثر فریبِ حسن کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔ ظاہر پرست نظر رنگ و بو میں الجھ کر حقیقت حال تک نہیں پہنچتی۔

یہی وجہ ہے کہ شاعر کے فکر کی ساری کاوشیں بے مقصدی کی تہمت سے بچ نہیں سکتیں لیکن جو حسن کہ صداقت کی راہ سے دل و دماغ پر روشن ہوتا ہے وہ وجود کے اندر ایک لازوال کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ اقبالؔ کا دل جمالِ محمدیؐ پر اس لئے فریفتہ ہے کہ وہ اسے صداقت کے پیکر میں جلوہ گر پاتے ہیں۔ انسان کی افضلیت اور اس کے کمال کی آخری منزل اقبال کو حقیقت محمدیؐ میں نظر آتی ہے، اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ان کے کلام میں جگہ جگہ کارفرما ہے۔ وہ زندگی کی کامرانی حضورؐ سے وابستگی میں دیکھتے ہیں۔ چنانچہ بارگاہ ایزدی میں مسلمانوں کی زبوں حالی کی شکایت کرتے ہوئے بھی اس عشق رسولؐ کے سہارے اللہ تعالیٰ سے امت محمدی کی گئی ہوئی عظمت، کی عطا کی امید باندھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے عتاب کا سبب ان الفاظ میں دریافت کرتے ہیں:

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربیؐ کو چھوڑا بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا
عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا رسم سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا[۵]

پھر "جواب شکوہ" میں اللہ تعالیٰ کا جواب بھی اسی مضمون پر مشتمل ہے:

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار ہوگئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار

---

[۵] بانگ درا: صفحہ ۱۸۳۔

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں　　　کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمھیں پاس نہیں[۵۱]

اور بارگاہ ایزدی سے تلقین ہوتی ہے تو حصولِ عظمت کے لئے اس عشق کو پیدا کرنے کے لئے کہا جاتا ہے :

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے　　　دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے[۵۲]

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں[۵۳]

"صدیقؓ" کے عنوان سے جو نظم اقبال نے لکھی ہے اس میں بھی اسی عشق کے مضمون کو باندھا ہے :

اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آگیا　　　جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار

لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت　　　ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار

ملکِ یمین و درہم و دینار و رخت و جنس　　　اسپِ قمر سُم و شتر و قاطر و حمار

بولے حضورؐ چاہیئے فکرِ عیال بھی　　　کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار

اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر　　　اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس　　　صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس[۵۴]

اقبال جہاں بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں وہاں عشقِ رسولؐ کے مضمون کو ضرور باندھتے ہیں اور حقیقت میں یہی ایمان کی اصل بھی ہے ۔ "جنگِ یرموک کا ایک واقعہ" جو علامہ مرحوم نے نظم کیا ہے وہ بھی حضورؐ کے ایک فدائی کی یہی داستان ہے جو فراق سے بے چین ہو کر لقائے حبیبؐ کے لئے رخصت پیکار کی درخواست امیرِ لشکر سے کرتا ہے

---

۵۱ بانگِ درا : صفحہ ۲۲۵ ۔　　　۵۲ بانگِ درا : صفحہ ۲۳۱ ۔

۵۳ " " : " ۲۳۲ ۔　　　۵۴ " " : صفحات ۲۵۰ ، ۲۵۱

ہے۔ اقبال نے واقعہ کو جس سادگی اور صفائی سے مؤثر انداز میں پیش کیا ہے وہ شاعر کی داخلی کیفیت کی آئینہ داری کرتا ہے:۔

صف بستہ تھے عرب کے جوانان تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروس زمین شام
اک نوجوان صورت سیماب مضطرب
آکر ہوا امیر عساکر سے ہم کلام
اے بو عبیدہ رخصت پیکار دے مجھے
لبریز ہو گیا مرے صبر و سکون کا جام
بیتاب ہو رہا ہوں فراق رسولؐ میں
اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
جاتا ہوں میں حضورؐ رسالت پناہ میں
لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام
یہ ذوق و شوق دیکھ کے پُر نم ہوئی وہ آنکھ
جس کی نگاہ تھی صفت تیغ بے نیام
بولا امیر فوج کہ " وہ نوجواں ہے تو
پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام
پوری کرے خدائے محمدؐ تری مراد
کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
پہنچے جو بارگاہ رسول امین میں تو
کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام

ہم پر کرم کیا وہ خدائے غفور نے
پورے ہوئے جو وعدے کیے تھے حضور نے[۵۱]

حضورؐ کے اوصاف کے بیان میں بھی اقبال کے یہاں اسی عشق کا مضمون ملتا ہے۔ یہاں تک کہ نگاہ عشق و مستی میں صرف یہی ایک حقیقت جلوہ فرما ہے :-

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادئ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ[۵۲]

علامہ اقبال کے نعتیہ کلام میں حکمت آفرینی کی مثالیں جگہ جگہ پائی جاتی ہیں۔ وہ ہر مضمون میں اسی فکر و نظر کی ترجمانی کرتے ہیں جو ان کے فلسفۂ حیات سے متعلق ہے۔

یوں مدینہ طیبہ کی تعریف میں اکثر نعت گو شعراء نے نغمہ سرائی کی ہے اور اس خصوص میں عام رنگ غزل سرائی کا ہے۔ اقبال نے بھی دیار حبیبؐ کی تعریف میں شعر کہے ہیں لیکن یہاں بھی ان کا انداز ہر لحاظ سے اچھوتا ہے۔ وہ حضورؐ کے نام لیواؤں کو مقامی حدبندیوں سے نکال کر ایک مرکز سے وابستہ دکھانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرکزیت پر مسلمانوں کے ایمان سے یثرب

---

۵۱ بانگِ درا : صفحہ ۲۷۸، ۲۷۹۔

۵۲ بال جبریل : صفحہ ۱۴ (اشاعت اول سنہ ۱۹۳۵ء)

کی مرکزیت کا دلآویز مضمون پیدا کیا ہے:-

وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہ مصطفیٰؐ
دید ہے کعبے کو تیری حج اکبر سے سوا
خاتم ہستی میں تو تاباں ہے مانند نگیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اس شہنشاہ معظم کو ملی
جس کے دامن میں امان اقوام عالم کو ملی
نام لیوا جس کے شاہنشاہ عالم کے ہوئے
جانشیں قیصر کے وارث مسند جم کے ہوئے
ہے اگر قومیت اسلام پابند مقام
ہند ہی بنیاد ہے اس کی نہ فارس ہے نہ شام
آہ یثرب دیس ہے مسلم کا تو ماویٰ ہے تو
نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو
جب تلک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں[۵۱]

اقبالؔ کی حکیمانہ نظر نے زندگی کی تعمیر کے لئے خودی کی تکمیل میں لازوال برکت دیکھی ہے۔ انھوں نے اس آشکارۂ خودی کے مسئلے کو شعری لطافتوں میں بسا کر فلسفیانہ انداز میں دلائل کی قوت کے ساتھ پیش کیا ہے، اور ایک مضمون کو سو ڈھنگ سے باندھا ہے۔

---

۵۱ بانگ درا: صفحہ ۱۵۷-

لیکن عروج آدم کی اس ساری داستان کی کڑیوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے تو ہمیں مسلسل ایک ہی حقیقت ملتی ہے اور وہ حقیقت اتنی عظیم الشان ہے کہ انسان کے فکر و نظر کی حدیں وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہیں۔

اقبال کے فلسفہ کی ابتدا، کائنات میں انسان کی افضلیت کے مسئلے سے ہوتی ہے۔ وہ اس خاک کے پتلے میں حیرت انگیز ممکنات دیکھتے ہیں اور وہ اس "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" کی تعبیر کرتے جاتے ہیں۔ وہ انسان کے بلند مقام کے سامنے فرشتوں کو بھی حیرت زدہ دکھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ مقام مصطفائیؐ تک پہنچ کر عرش و کرسی تک اس کی کبریائی کی زد میں دیکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے تجزیہ کیا جائے تو اقبال کا سارا کلام اسی زندگی کی تفسیر ہے جس کی سربلندی آسمانوں کو بھی سرنگوں کئے ہوئے ہے۔ فلسفۂ خودی کے بیان میں اقبال نے اس نکتہ کی اس طرح وضاحت کی ہے :-

خودی کی جلوتوں میں مصطفائیؐ — خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش — خودی کی زد میں ہے ساری خدائی[۵]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کا یہ ایک نرالا ڈھنگ ہے جو علامہ اقبال نے اپنے کلام میں اختیار کیا ہے۔ اقبال کے کلام کو اس نظر سے دیکھا جائے تو اس کا سارا فلسفیانہ رنگ حضورؐ ہی کی ثنا خوانی میں ڈوبا ہوا ہے۔ جہاں علامہ کی شاعری کو اپنی دیگر خصوصیات کی بنا پر حیات جاودانی حاصل ہے وہاں ان کے کلام کی یہ نعتیہ خصوصیت بھی انہیں مجتہدانہ حیثیت بخش رہی ہے۔ آقائے نامدارؐ کی نعت کا یہ انداز نہ تو عربی شاعری کو نصیب ہے، اور نہ فارسی شاعری میں یہ صورت پائی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے اقبال کا مقام نعت گو شعرا میں منفرد ہے۔

---

۵ بالِ جبریل: صفحہ ۱۱۸ -

مولانا ظفر علی خاں

مولانا ظفر علی خاں سنہ ۱۸۷۰ء میں کوٹ مہرتھ ضلع سیالکوٹ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مشن اسکول وزیر آباد میں حاصل کی پھر سنہ ۱۸۹۲ء میں علی گڑھ کالج سے ایف۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ کشمیر میں ڈاک، اور تار کے سررشتہ میں ملازم ہو گئے۔ لیکن اعلیٰ افسر سے نبھ نہ سکی لہٰذا ملازمت سے علیحدہ ہو کر پھر علی گڑھ آ گئے اور بی اے کا امتحان درجہ اول میں پاس کیا۔ کچھ مدت تک نواب محسن الملک کے سکریٹری رہے۔ پھر جب حیدر آباد چلے گئے اور فوج میں ملازمت کر لی۔ وہاں سے دارالترجمہ حیدر آباد (دکن) سے وابستہ ہو گئے اور ترقی کرتے کرتے اسسٹنٹ ہوم سکریٹری کے عہدہ تک پہنچے۔ جب سر بلند جنگ ہوم سکریٹری ہوئے تو ان سے بن نہ سکی اور آخر ملازمت سے بیزار ہو کر بمبئی چلے گئے اور وہاں کمرشیل ایجنسی قائم کی لیکن ادیبانہ مزاج کے ساتھ تجارتی کاروبار چل نہ سکا۔ اب مولانا نے دکن ریویو نکالا۔ اس عرصے میں عزیز مرزا ہوم سکریٹری ہو گئے۔ ان کے بلانے پر پھر حیدر آباد گئے اور لیجسلیٹو اسمبلی کے رجسٹرار مقرر ہوئے۔ اب مولانا نے لارڈ کرزن کی تالیف خیابان فارس کے اُردو ترجمہ کی وجہ سے بہت شہرت پائی۔ داغؔ نے جو اس کی تقریظ لکھی وہ حقیقت میں ظفر علی خاں صاحب کی ادبی صلاحیت کا اعتراف ہے۔

مولانا اپنی صاف گوئی، بیباکی، خودداری اور حریت پسندی کی وجہ سے چھوٹے دل و دماغ کے لوگوں کی محکومی کو نباہ نہ سکے۔ چنانچہ بالآخر انھیں ملازمت کی ذلت سے سبکدوش ہونا پڑا۔ لاہور پہنچے۔ والد کا سایہ سر سے

اٹھ گیا۔ "زمیندار" اخبار کو اب خود ہی سنبھالا اور اسے وزیر آباد سے لاہور منتقل کر دیا۔ مولانا کی ادارت میں اخبار کی شہرت میں چار چاند لگ گئے۔ بڑے بڑے معرکے اس اخبار نے سر کئے۔ اور بڑی بڑی دشواریوں سے اسے دوچار ہونا پڑا۔ آج بھی "زمیندار" کا نام کون نہیں جانتا۔ یہ اخبار اب تک چل رہا ہے۔ مولانا نے قومی بیداری اور آزادی کی جد وجہد کے لئے جملہ مصائب کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کیا اور سنہ ۱۹۳۶ء تک برابر وقفے وقفے سے قید کی مشقت برداشت کرتے رہے۔ مولانا کی زندگی کے تقریباً بارہ سال قید فرنگ میں کٹے۔ جنگ بلقان کے سلسلے میں طبی وفد کے ساتھ بلقان بھی گئے تھے۔ شاعری کے علاوہ تقریر اور تحریر میں بھی انھیں زبردست ملکہ حاصل رہا۔ زور اور روانی بہت ہے۔ ترجمہ کرتے وقت نئے نئے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور اس خصوصیت میں بھی وہ نہایت ممتاز تھے۔

"معرکۂ مذہب و سائنس"۔ "غلبہ روم (منظوم ڈرامہ)"۔ "جنگ روس و جاپان"، مولانا شبلی کی الفاروق کا انگریزی ترجمہ وغیرہ ان کی خاص تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ ان کا کلام "بہارستان"، "چمنستان" اور "نگارستان" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ حال ہی میں لاہور میں مولانا ظفر علی خاں صاحب کی ۸۳ ویں سال گرہ منائی گئی۔ کبر سنی اور صحت کی خرابی کی بناء پر مولانا اس وقت معذور رہے۔ مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی نے لاہور کے ایک روز نامے سے سال گرہ کی روداد کو "درس عبرت" کے عنوان کے تحت نقل کر کے جو تبصرہ فرمایا اس سے مولانا ظفر علی خاں کی عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ہفتہ وار صدق جدید لکھنؤ سے مندرجہ ذیل اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"ایک لاہوری روزنامے سے۔

"کل اس عظیم شخصیت کی ۸۳ ویں سال گرہ منائی گئی جس نے اردو صحافت کی روایت میں نئے تجربہ کی بنیاد ڈالی اور صحافت کی نئی نئی راہیں تراشیں۔ لاہور کے جلیل القدر صحافیوں، ادیبوں اور شاعروں نے کرم آباد میں بابائے صحافت مولانا ظفر علی خاں کو شاندار خراج عقیدت پیش کیا......
مہمانوں کی آمد کے تھوڑی دیر بعد مولانا اختر علی خاں اور دو ایک صاحب بابائے صحافت کو سہارا دے کر لائے۔ ظفر الملت شدت بیماری سے بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ چل کر آ سکیں۔ لیکن مشتاقانِ دید کے اضطراب کے پیش نظر وہ جلسہ گاہ میں تشریف لے آئے۔ سب سے پہلے آگے بڑھ کر مولانا سالک نے مصافحہ کیا اور خیریت پوچھی۔ ظفر الملت کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہو گئی۔ لیکن لب صرف پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ قبلہ مولانا کی قوت گویائی بالکل ختم ہو گئی ہے تو حاضرین کے چہرے اداس ہو گئے اور پلکیں نیم گرم آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔"

اللہ اللہ! یہ کون ظفر علی خاں ہیں جو آج نئی نسل کے لئے گمنام اور بے نشان سے ہیں، اور ابھی کل تک جن کا یہ دبدبہ، یہ طنطنہ تھا کہ شہر لاہور اور صوبہ پنجاب کیا معنی، ہندوستان بھر کے کسی حصہ میں کوئی بھی بڑی تحریک شروع ہو اور ممکن نہ تھا کہ اس کے نقیب یا اس کے حریف کی

حیثیت سے ظفر علی خاں صف اول میں نہ ہوں! ــــ یہ قوت گویائی کس کی سلب ہو گئی ہے اور "ہاں"۔ "نہ" کہنے تک سے آج کون معذور ہو گیا ہے! وہ جس کی قوتِ تقریر کا یہ عالم تھا کہ گھنٹوں بے تکان بولتا چلا جاتا تھا ہزار ہا کے مجمع میں کونے کونے تک اپنی آواز پہنچا دیتا تھا اور مخالفت کرنے والوں کے شور و غل کرنے پر بھی اسی کی آواز مجمع پر غالب رہتی تھی! اس منظر کی گواہی دینے والے لوگ بھی ابھی ہزار ہا کی تعداد میں موجود ہیں[۵]

مولانا ظفر علی خاں کی شاعری ان کی زندگی کے حالات میں پروان چڑھی جو ملک کی عام سیاسی بیداری کی بنا پر ایک مسلسل جدوجہد کی صورت میں نمودار ہوئے۔ مولانا جنگ آزادئ ہند کی تحریک کو عملی طور پر آگے بڑھانے میں نمایاں طور پر پیش پیش رہے ہیں۔ ان کا شمار ان سربرآوردہ قائدین میں ہے جن کی تحریر، تقریر اور گوناگوں مساعی کے ساتھ جرأت آموز قربانیوں نے ایک ایسا ماحول پیدا کیا جس میں ہندوستان کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک ایک عام احساس بیدار ہوا۔ ماضی کی عظمت کا احساس، حال کی نکبت سے بیزاری اور مستقبل کے شکوہ کی امید میں تڑپ، اضطراب، بے چینی، پریشانی اور آلام و مصائب اسی دور کی برکتیں ہیں جن سے قوم میں زندگی کے آثار کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں نے اس مقصد کے حصول کے لئے خصوصاً مسلمانوں کو ان کی مذہبی روایات کو یاد دلا کر ابھارا۔ یہ فطری امر بھی تھا اس لئے کہ

---

[۵] صدق جدید لکھنؤ یوم جمعہ ۱۰ رجمادی الثانی سنہ ۱۳۷۴ھ ۴ فروری سنہ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱، ۲۔

مولانا کی زندگی کی صلاحیتیں اپنے اندر مجاہدانہ رنگ کے ساتھ حکیمانہ نظر اور مذہبی جذب و فکر لئے ہوئے تھیں۔ ملت کی زبوں حالی پر ان کا دل ہمیشہ تڑپتا رہا۔

مولانا ظفر علی خاں کی شاعری میں ہم ان کی زندگی کے یہ سارے تاثرات پاتے ہیں، جن میں مذہبی تاثر نہایت نمایاں ہے۔ اس لئے ان کے کلام میں اس والہانہ جذبے کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ اسلام کی عظمت کے مضامین سے ان کا کلام پُر ہے۔ ہر وہ چیز جسے اسلام سے برائے نام بھی لگاؤ ہے انھیں عزیز ہے۔ جس کلمہ گو کے رگ و پے میں اللہ اور اس کے دین سے اس درجہ الفت بسی ہوئی ہو اس کے دل میں حُبِ رسول کا گہرا نقش ہونا ایک لازمی امر ہے۔ چنانچہ مولانا نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جا بجا مدح سرائی کر کے اس عقیدت مندی کا ثبوت دیا ہے۔ ان کا یہ جذبہ "فریاد بحضور"، "سرورِ کونین"، "صلّوا علیہ و آلہ"۔ "رحمۃ اللعالمین"، شبِ معراج، التجا بحضور سرورِ کائنات، نذرِ محقر، عرضداشتِ امت، اسلامیانِ ہند کی فریاد، نذرِ عقیدت، جشنِ میلاد النبیؐ، صاحبِ قابِ قوسین او ادنیٰ، عرش سے فرش تک، مقامِ محمود، تاجدارِ عرب و عجم، فخرِ رسلؐ، عشقِ رسولؐ، نورِ حقیقت، صاحبِ معراج، نویدِ مسیح، چشمۂ آبِ بقا، اللہ والے، انگ انت الاعلیٰ، عالم و عامل، اطاعت و استطاعت[۵۱]، شانِ احمد مجتبیٰ[۵۲]، شانِ مصطفویؐ، من کان اللہ کان اللہ لہ

---

[۵۱] ملاحظہ ہو "بہارستان" از ظفر علی خاں۔ مطبوعہ عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور سنہ ۱۹۳۷ء

[۵۲] ملاحظہ ہو "چمنستان" از ظفر علی خاں۔ ناشر پبلشرز یونائیٹڈ لاہور سنہ ۱۹۴۴ء

وغیرہ میں جلوہ گر ہے۔

مولانا نے حضورؐ کے حقیقی اوصاف بیان کئے ہیں۔ اس لئے کلام میں جا بجا قرآن اور حدیث کی تلمیحات ملتی ہیں، یہاں تک کہ بعض نظموں کے جو عنوانات قائم کئے ہیں وہ قرآنی آیات کے ٹکڑے ہیں۔ مثلاً رحمۃ اللعالمین۔ صلوا علیہ و آلہ۔ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ" انک انت الاعلیٰ۔ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی۔ یا ایھا الذین آمنو صلوا علیہ وسلمو تسلیما۔ ان عالمانہ رنگ کے باوجود مضامین نہایت عام فہم اور دلنشین ہیں۔ عشق رسولؐ اور عظمت رسولؐ کے بیان کے لئے جو واقعات نظم کئے ہیں وہ بھی حقیقت میں احادیث ہی کے مضامین ہیں مثلاً عشق رسولؐ کے تحت حضرت زیدؓ کے جرم عشق نبیؐ میں قتل کا روح فرسا واقعہ نہایت قوت سے بیان کیا ہے۔

مولانا ظفر علی خاں کی نعت گوئی کے متعلق جناب شورش کاشمیری کا خیال ہے کہ" ان کے ممدوحین کی فہرست مختصر لیکن معتوبین کی فہرست طویل ہے۔ جن ہستیوں اور عقیدوں کو انھوں نے خراج ادا کیا ان میں حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو مستقلاً ہیں۔ اس باب میں انھوں نے سنگلاخ سے سنگلاخ زمینیں منتخب کیں اور شگفتہ سے شگفتہ نکالے۔ ان کے نعتیہ کلام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوسرے شعراء کی طرح غلو سے کام نہیں لیتے بلکہ حضورؐ کی سیرت کا نقشہ اور ان کے محاسن کی تصویر اس کمال سے کھینچتے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے سیرت النبیؐ چلتی پھرتی نظر آتی ہے چنانچہ خواجہ حسن نظامی نے ایک دفعہ آپ کے قلمی چہرے میں لکھا تھا کہ قیامت کے روز اپنی نعتوں کے باعث بخشے جائیں گے۔ خود ظفر علی خاں اپنے اس کلام کو توشہ آخرت سمجھتے ہیں[1]

---

[1] نقوش، شخصیات نمبر۔ مرتب محمد طفیل۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۵۵ء ادارہ فروغ اردو لاہور۔

مولانا ظفر علی خاں نے حضورؐ کی ثنا خوانی میں آپؐ کے جو اوصاف بیان کیے ہیں انھیں زندگی کی حقیقتوں سے ہم آہنگ دکھایا ہے۔ قرآن اور احادیث کے ان مضامین کو خاص طور پر واضح کیا جن سے عظمت رسولؐ کے اظہار کے ساتھ ان میں تعمیر حیات کا سامان پایا جاتا ہے۔ مولانا حالی کے یہاں بھی ذکر نبیؐ کا یہی مقصد ہے کہ وہ اسوۂ حسنہ کے طور پر دنیا کے سامنے پیش ہو۔ لیکن حالی کی لے مصلحانہ، واعظانہ اور درد انگیز ہے جس میں آہ و نالے کے ساتھ قوم کو اس کی کھوئی ہوئی عظمت کا احساس دلایا گیا ہے اور یاد رفتہ کو دل و دماغ میں بسا کر اس کے ذریعہ اصلاح قوم کی امید باندھی گئی ہے۔ مولانا ظفر علی خاں نے بھی اسی مقصد کو پیش نظر رکھا ہے لیکن اس کے حصول کے لئے جمالی سے زیادہ جلالی روش اختیار کی۔ انھوں نے یاد حبیبؐ میں نہ تو آہ کی اور نہ نالہ و فریاد سے کام لیا، بلکہ اس کے لئے نعرے بلند کیے اور ایک جوش اور ولولے سے دلوں کو گرمایا کہ کارِ حیات کے لئے حضور صلعم کے نام لیوا سرفروشی کی تمنا لے کر اٹھیں اور آپؐ کا نام لے کر جینے کے بجائے آپ کے نام پر مرنے کی تڑپ اور جذبہ پیدا کریں۔ اس لئے مولانا نے نعت کے لئے وہی مضامین منتخب کیے جو ان کے مقصد کو پورا کر سکتے ہیں۔ بیان کی گرمی، زور اور روانی فطری اور خدا داد ہے۔ مولانا حالی کی طرح ظفر علی خاں نے بھی نعتیہ مضامین کو عام فہم، سادہ اور صاف بنا کر پیش کیا اور نتیجۃً اس کی افادیت عوام اور خواص دونوں کے لئے یکساں ہے۔ جہاں مولانا کا نعتیہ کلام ادبی خوبیوں سے مالامال ہے وہاں اس کی علمی اور عوامی افادیت بھی ظاہر ہے۔ اسی قسم کی شاعری نے ملک کے طول و عرض میں احساس اور بیداری کی ایک عام لہر

دوڑا دی جس نے مجالس میلاد کی آہ، واہ اور جذب و مستی کی کیفیت سے بالکل مختلف رنگ جمایا اور زندگی میں ایک ایسی حرکت پیدا کی جس نے فکر و نظر کے رجحانات میں ایک تعمیری انقلاب برپا کیا۔ اب لوگ حضورؐ کی زندگی کو زندگی سمجھ کر دیکھنے لگے، عالم قدس کی رونق نہیں بلکہ عالم امکان کا حاصل، زندگی کا مدعا اور محفل ہستی کی جانِ جاں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا ظفر علی خاں کی نعت گوئی کا اصلاحی اور مقصدی رنگ فقط حبِ رسولؐ کی سرمستی کا اظہار نہیں ہے۔ یوں کلام میں جذب، کیف اور شوق کی شدت کا یہ عالم ہے کہ گل محمدیؐ کا یہ فدائی اس گلستان کے کانٹوں سے بھی پیمانِ محبت باندھ کر انتہائی جذبۂ سرفروشی سے سرشار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مقصدی نظر رکھنے کی بنا پر شاعر کا یہ جذبہ بے مقصد نہیں ہے۔ وہ جمال محمدیؐ کا فریفتہ بن کر اسوۂ محمدیؐ کی تجلیوں کے لئے بے تاب رہتا ہے۔ وہ صفات محمدیؐ میں زندگی کی تعمیر کے سامان کا متلاشی ہے۔ اس کے نزدیک محمدؐ کا نام ہر عقدہ کشائی کے لئے اسم اعظم کا حکم رکھتا ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمانی رشتہ درحقیقت محبت کا رشتہ ہے۔ جس کے بغیر ایمان کی تکمیل ممکن نہیں۔ نعتیہ شاعری میں اسی ایک جذبہ کی کارفرمائی شاعر کو نغمہ کے لئے ابھارتی ہے۔ جو اس دولت سے سرفراز کیا گیا وہ حقیقت میں دونوں جہانوں کی نعمتوں سے مستغنی ہو گیا۔ مولانا الفت رسولؐ کو لطف خدا کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

مجھ کو رسول اللہؐ کی الفت لطف خدا سے مل ہی گئی
اے دل ناداں اس سے زیادہ تجھ کو ہو کس دولت کا حصول[۵۱]

---

[۵۱] بہارستان از ظفر علی خاں مطبوعہ عالم گیر الکٹرک پریس لاہور سنہ ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۸۔

ان کے یہاں عقیدت کی فراوانی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت کی وجہ سے ذرہ نوازی کے مضامین بہت ملتے ہیں۔

کہنے کو ہوں آج میں نعت رسول کریمؐ — میری زباں کیوں نہ ہو رشک زبان کلیم
مایۂ نازش مجھے ہے مری فکر رسا — وجہ تفاخر مجھے ہے مری طبع سلیم[۱]

مجھے دین و دنیا کی دولت ملی ہے — کہ ہے میرے ہاتھوں میں دامان احمدؐ
مری مدح کرتی ہے ساری خدائی — ہوا ہوں میں جب سے ثنا خوان احمدؐ
ترانے مرے عرش پہ گونجتے ہیں — میں ہوں عندلیب گلستان احمدؐ[۲]

بارگاہ ایزدی میں شاعر کی دعا بھی اسی کیفیت کی آئینہ دار ہے۔

بنا دوں گا کہ خاک ہند یوں اکسیر بنتی ہے
مری پلکوں کو جاروب حریم مصطفےؐ کر دے[۳]

اسی لئے تصدق، جاں نثاری اور نیازمندی کے جذبات کی ترجمانی کثرت سے پائی جاتی ہے۔

میرے ہزار دل ہوں تصدق حضورؐ پر — میری ہزار جان ہو قربان مصطفےؐ
رشتہ مرا خدا کی خدائی سے ٹوٹ جائے — چھوٹے مگر نہ ہاتھ سے دامان مصطفےؐ
لائے نہ کیوں یہ نغمہ ملائک کو وجد میں — گاتا ہی جس کو بلبل بستان مصطفےؐ[۴]

---

[۱] بہارستان از ظفر علی خاں مطبوعہ عالمگیر الکٹرک پریس لاہور سنہ ۱۹۳۷ء صفحہ ۵۱
[۲] چمنستان از مولانا ظفر علی خاں پبلشرز یونائیٹڈ لاہور سنہ ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۳۔
[۳] بہارستان از مولانا ظفر علی خاں مطبوعہ عالمگیر الکٹرک پریس لاہور سنہ ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۹۔ [۴] چمنستان صفحہ ۱۲۸۔

سارے جہاں کی حکمتیں تیرے کلام پر نثار
سارے جہاں کی دولتیں تیرے نظام پر نثار
ہم تیری ذات پر فدا ہم تیرے نام پر نثار
تیری گلی میں ہوں مقیم تیرے مقام پر نثار[۵۱]

شاعر عرض تمنا بھی کرتا ہے تو آقائے نامدار کے حضور میں اپنا درد اور دکھ اسی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اور درماں طلبی کے لئے اسی آستانے پر گڑ گڑاتا ہے۔ چنانچہ نعتیہ عنوانات کو دیکھ کر اس کا اندازہ بہ خوبی ہو جائے گا مثلاً "فریاد بہ حضور سرورِ کونین"۔ "التجا بہ حضور سرورِ کائنات"۔ "عرضداشت امت بہ حضور سرورِ کون و مکاں"۔ "اسلامیان ہند کی فریاد بارگاہِ سرورِ کائنات میں" وغیرہ۔

جاگ او یثرب کے میٹھی نیند کے ماتے کہ آج
لُٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری امت کا راج
ہم ہیں ننگے سر اٹھا اے شان عرب آن عجم
اور پہنا دے ہمیں پھر سطوت کبریٰ کا تاج
اب دوا سے کام کچھ چلتا نہیں بیمار کا
اب تو ہے تیری دعا ہی تیری امت کا علاج[۵۲]

مولانا کی نظر میں زندگی کی صرف دو حقیقتیں ہیں۔ ایک حقیقت احدیت اور دوسری حقیقت محمدیؐ اور یہی حقیقتیں کائنات کے قیام کی ضامن ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے بیان میں شعراء نے نہایت بدیع مضامین پیدا کئے ہیں جن میں تصوف کی آمیزش سے گوناگوں لطافتیں

---

۵۱ بہارستان: صفحہ ۳۷۔ ۵۲ بہارستان: صفحہ ۳۵۔

بھی پیدا کی گئیں۔ لیکن ان میں حدود کو اکثر قائم نہیں رکھا گیا اور بیان نے وہ صورتیں اختیار کیں جن میں تعلیمات اسلامی کو کلام ہوتا ہے اور باوجود تاویلوں کے محل اعتراض باقی رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت گو شعراء اس مقام سے بہت کم کامیاب گزرے ہیں۔ کہیں نہ کہیں کوئی لغزش ضرور پائی گئی۔ مولانا ظفر علی خاں اور ان کے رنگ کے شعراء نے ان نازک مسائل سے ہمیشہ دامن بچایا ہے اور بیان کے لئے کنائے اور متصوفانہ انداز سے پرہیز کیا ہے۔ مولانا کے یہاں عقیدت کی فراوانی کے باوجود عقیدت مندی میں غلو کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔ مقام محمدؐ کے اظہار میں بہت کچھ کہا بھی تو صرف اس قدر کہ :۔

فقط دو حقائق پہ دنیا ہی قائم　　بقائے خدا و دوام محمدؐ[لہ]

حضورؐ کے مقام کو بیان کرنے میں مضمون نہایت صاف، سادہ اور عام فہم نظم کیا ہے۔ مولانا کے یہاں ہر مقام پر حقیقی اوصاف کا بیان پایا جاتا ہے۔

نہ پہنچے وہاں جبرئیل امین بھی　　بلند اس قدر ہے مقامِ محمدؐ
مرا منہ لیا چوم روح الامین نے　　لیا میں نے جس وقت نامِ محمدؐ

ہماری محفل ہستی کی ساری آرائشگی حضورؐ ہی کے دم قدم سے ہے۔ "نذر عقیدت" میں شاعر نے اس مضمون کو نہایت دلآویز اور اثر انگیز بنا کر پیش کیا ہے۔ اس شان کی نعتیں اردو ادب میں بہت کم ملیں گی :۔

اے کہ آرائش ہماری داستان کی تجھ سے ہے
اے کہ افزائش ہماری عزّ و شان کی تجھ سے ہے
ملت بیضا کی رونق تیرے دم سے برقرار
تمکنت اس باتجمل کارواں کی تجھ سے ہے

لہ بہارستان : صفحہ ۹۴۔

تیرے آب و رنگ سے رنگیں ہے ایران کا چمن
جلوہ ریزی گلشن ہندوستان کی تجھ سے ہے
سایہ پرور تیری رحمت کا حرم بھی دیر بھی
سود اور بہبود یہمان و فلاں کی تجھ سے ہے
امت مرحوم کے درد و جگر کے چارہ ساز
ساری تاثیر اس کی فریاد و فغاں کی تجھ سے ہے
ساری دنیا بن گئی ہنگامہ زارِ کشت وخون
کچھ اگر امید ہے امن و امان کی تجھ سے ہے[۱]

یوں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوان کرم سے امت محمدی کا بہرہ ور ہونا سبھی نعت گو شعراء کے کلام میں ملتا ہے۔ حضورؐ کے اس احسان کے جواب میں شکر گزاری کے مضامین مختلف طور پہ شعرا نے باندھے ہیں۔ مولانا کی نظر ان حدود سے گزر کر وسیع تر مضامین پیدا کرتی ہے۔ وہ آپؐ کی رحمۃ اللعالمین کو قومی، ملی اور مقامی حد بندیوں سے نکال کر عالمی رنگ میں پیش کرتے ہیں وصفِ نبیؐ کا یہ پہلو حقیقی اور قرآنی ہے۔ اور علی سیاست کے مرد میدان ہونے کی حیثیت سے مولانا نے حضورؐ کے فیض کو اسی نظر سے دیکھا ہے۔

وہ وقت آنے کو ہے جب ایشیا کی طرح یورپ بھی
رسول اللہؐ کے خوانِ کرم سے ریزہ چیں ہوگا[۲]

عرب کے واسطے رحمت۔ عجم کے واسطے رحمت
وہ آیا لیکن آیا رحمۃ اللعالمین ہوکر[۳]

---

[۱] بہارستان صفحہ ۴۳ [۲] بہارستان، صفحہ ۶۶۴ [۳] بہارستان صفحہ ۴۳۔

اے کہ تری نمود ہے غازۂ روئے کائنات
جلوہ فشاں ہے ہر طرف تیری ہی تجلیات[۵۵]

ہیں عرب و عجم ترے دونوں پہ ہیں کرم ترے
تجھ سے حرم کی آبرو تیرے قدم میں سومنات

شرق ہی تجھ سے مستفیض غرب ہے تجھ سے فیضیاب
دونوں جہان کی رحمتیں ہوگئیں تیری ہمرکاب

جو ترے در کی خاک تھے ہوگئے آسمان جناب
لطف ترا ہے بے شمار فیض ترا ہے بے حساب

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

چین سے تا بہ اندلس بادہ فروش تو ہی تھا
بادہ کشوں کے واسطے چشمۂ نوش تو ہی تھا

شاہد علم و فضل کا حلقہ بگوش تو ہی تھا
سارے جہاں کے لئے دیدۂ ہوش تو ہی تھا

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات[۵۶]

عام نعتیہ رنگ کے برخلاف مولانا کے نعتیہ کلام میں تغزل کو زیادہ دخل نہیں ہے۔ یہاں جو بھی ہے اوصاف کا بیان ہے۔ لیکن جگہ جگہ داخلی کیفیت کی آمیزش نے جذبات کی لطافتوں سے کلام کو تغزل کے محاسن سے بھی محروم نہیں رکھا۔ مولانا کے کلام کی یہ خصوصیت ان کی نظم "صاحب قاب قوسین او ادنیٰ" سے پیش کی جاتی ہے۔

---

۵۵ بہارستان: صفحہ ۱۴۔ ۵۶ بہارستان: صفحہ ۳۶، ۳۷۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تم ہی تو ہو — ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تم ہی تو ہو
پھوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے — اس نورِ اولین کا اجالا تم ہی تو ہو
جلتے ہیں جبرئیل کے پر جس مقام پر — اس کی حقیقتوں کے شناسا تم ہی تو ہو
جو ماسوا کی حد سے بھی آگے گزر گیا — اے رہ نوردِ جادۂ اسریٰ تم ہی تو ہو
پیتے ہی جس کے زندگی جاوداں ملی — اس جانفزا زلال کے مینا تم ہی تو ہو
اُٹھ اُٹھ کے لے رہا ہے جو پہلو میں چٹکیاں — وہ درد، دل میں کر گئے پیدا تم ہی تو ہو[1]

اثر آفرینی ظفر علی خاں کے کلام کی بڑی خصوصیت ہے اور درحقیقت یہ اثر آفرینی کیا ہے حضور خواجہ دو جہاں احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت میں وارفتگی کا کرشمہ ہے۔ جو سارے نعتیہ کلام میں جاری و ساری ہے۔ مولانا اثر میں ڈوبا ہوا شعر کہتے ہیں اور اس کے لئے خود بھی اثر میں ڈوب جاتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اتنا پر گو شاعر جذب و تڑپ کو اس قدر سرعت اور شدت سے رگ و پے میں جاری کر کے کیونکر یہ ساحرانہ کیفیت پیدا کر سکتا ہے۔ ہمیں مولانا کے محاسن شاعری کو دیکھ کر اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ؏

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

اس خصوصیت کی پر کیف مثالیں تمام کلام میں ملیں گی۔ ہم یہاں ایک مثال پر اکتفا کریں گے جو کسی اور جگہ اس مضمون میں درج نہیں ہے۔

وہ اٹھا خاکِ بطحا سے سعادت کا امین ہو کر
علم بردارِ حق بن کر سپہ سالارِ دین ہو کر

لہ بہارستان : صفحہ ۴۶۔

خُدا نے اس کو اپنے حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے
چھنا ہے اس کا پرتو نور صبح اولین ہوکر

خدا پر تھا یقین پہلے ہی لیکن اس کا احساں ہے
کہ آنکھوں میں یقین پھرنے لگا عین الیقین ہوکر[۱]

مولانا کی جو نظمیں یا غزلیں مقبول عام ہوکر محفل حال وقال کی رونق نہیں بلکہ جذب و شوق کی محرک ہوئیں، ان میں سے چند یہ ہیں :

(۱) اے کہ ترا جمال ہے زینت محفل حیات
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے حسن کی زکوٰۃ

(۲) وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

(۳) وہ اٹھا خاک بطحا سے سعادت کا امیں ہوکر
علم بردار حق بن کر سپہ سالار دیں ہوکر

(۴) اے کہ تری نمود ہے غازۂ روئے کائنات
جلوہ فشاں ہیں ہر طرف تیری ہی سب تجلیات

(۵) دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تم ہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تم ہی تو ہو

---

[۱] بہارستان : صفحہ ۲۳ -

مولوی سید احمد حسین صاحب امجد

مولوی سید احمد حسین صاحب امجد کی پیدائش غالباً سنہ ۱۳۰۳ھ میں ہوئی۔ ان کے والد صوفی رحیم علی کا انتقال ان کے بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ تعلیم مدرسہ دار العلوم میں حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان دیا۔ کامیابی کے بعد مولانا سید نادر الدین سے فلسفہ پڑھا۔

حضرت امجد کی زندگی کا المناک سانحہ رود موسیٰ کی طغیانی ہے جس نے ان کی والدہ بیوی اور بچی کو طوفان میں غرق کر دیا۔ یہ حادثہ سنہ ۱۳۲۶ھ کا ہے۔ ساتھ ہی والد کے انتقال کے بعد وہ مالی پریشانی میں مبتلا رہے اور جیسا کہ موصوف نے راقم الحروف سے بیان کیا۔ سولہ سال کی عمر تک مشکل سے دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کھایا ہو گا۔ اگر یہ صحیح ہے کہ اللہ کسی بندے کو جب قریب کرنا چاہتا ہے تو اسے آزمائشوں میں گرفتار کر دیتا ہے تو اس کے نمایاں آثار ہم امجدؔ کی زندگی اور نتیجتہً ان کی شاعری میں پاتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ان کی شاعری کلیتہً ان حالات کا نتیجہ ہے۔ اس کی تردید موصوف نے خود ہی دوران گفتگو میں فرمائی اور کہا کہ اس میں خاندانی تباہی کے اثرات نہیں ہیں بلکہ فطری اثرات ہیں۔

حصول معاش کے لئے حضرت امجد نے مدرسۂ دار العلوم میں مدرسی کی خدمت انجام دی اور پھر دفتر صدر محاسبی میں منتقل ہو گئے جہاں سے پچپن سال کی عمر میں وظیفہ پر علیحدہ ہوئے۔ شعر گوئی کا سلسلہ بچپن ہی سے رہا۔ دس بارہ سال کی عمر میں شعر کہہ لیا کرتے تھے۔ شاعری میں تلمذ کسی سے حاصل نہیں کیا البتہ حبیب کنتوری اور ترکی کو اپنا کچھ کلام سنایا۔ ان کی جو کتابیں اب تک شائع ہو چکی ہیں وہ یہ ہیں:۔

رباعیات امجد حصہ اوّل و دوم۔ ریاض امجد حصہ اوّل دوم۔ نذر امجد۔ خرقہ امجد۔ حج امجد۔ حکایات امجد۔ پیام امجد۔ میاں بیوی کی کہانی۔ گلستان امجد۔ ایوب کی کہانی۔ مکتوبات امجد اور جمال امجد۔

حضرت امجد کو حکیم الشعراء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے کلام کے متعلق رائے ہے کہ ایسے ہی کلام سے یقین ہوتا ہے کہ "شاعری جزویست از پیغمبری"۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ معراج سخن میں شاہد معنی کو ہر صفت دیکھنا ہو تو رباعیات امجد کو دیکھئے[۵۱]

ڈاکٹر اقبال ان کی ہر رباعی سے روحانی مسرت حاصل کرتے تھے[۵۲]

جب حضرت امجد سے کہا گیا کہ راقم الحروف اردو میں نعت گوئی پر مقالہ لکھ رہا ہے تو فرمایا "میں حمد اور نعت کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ بس حمد اور نعت لکھتا ہوں"۔

دراصل امجد کے معرفت میں ڈوبے ہوئے اشعار کا الہامی رنگ اسی بناء پر ہے۔

شعر اور شاعری کے متعلق امجد کا نظریہ

شعر ہو یا راگ، جب تک سامع کو بے خود نہ کر دے، بارد فطرت میں حرارت نہ پیدا کر دے، قدیم کافر کو مسلمان نہ بنا دے، کثیف مادے میں لطیف روح نہ پھونک دے، فنون لطیفہ میں شمار نہیں کئے جا سکتے[۵۳] امجد اثر کو شعر کی جان قرار دیتے ہیں۔

---

۵۱ یہ قول مولانا عبداللہ عمادی مرحوم کا ہے۔ مرقع سخن صفحہ ۳۳۸۔

۵۲ مرقع سخن صفحہ ۳۳۸۔ ۵۳ خرقہ امجد صفحہ ۳،۲۔

شاعری کے متعلق بھی ان کا نظریہ قرآنی ہے یعنی شاعری کو وہ لازماً مقصدی قرار دیتے ہیں اور ان شعراء کی کاوشوں کو تضیع اوقات خیال کرتے ہیں جو "فی کل وادیھیمون" کے مصداق ہیں۔ امجد کے نزدیک، "نظم ہو یا نثر، تقریر ہو یا تحریر، اس کا کچھ نہ کچھ حاصل ہونا چاہیے، دینی یا دنیوی، خود اپنے لئے یا غیر کے لئے ہے۔"[1]

شعر میں اثر کے متعلق امجد کی ایک رباعی اپنے مخصوص اختصار کے ساتھ ایک انوکھے انداز میں حسن اثر کو لئے ہوئے ان کے خیال کی ترجمانی ہے:

نغمہ کا ہے شوق لحن داؤد نہیں ۔۔۔ اس طرز میں حمد کی کہ محمود نہیں
لازم ہے کہ آہ بھی لبوں سے نکلے ۔۔۔ ایک واہ ہی شاعری کا مقصود نہیں[2]

شعر کے مضامین کے متعلق امجد کا خیال ہے :-

ہر فکر میں باب معرفت کھلتا ہے ۔۔۔ کانٹا بھی یہاں نگاہ میں تلتا ہے
شاعر اور اسرار خلق سے ماہر ہے ۔۔۔ جو عارف کامل ہے وہی شاعر ہے
شاعر کی صدا ہی رہنما کی آواز ۔۔۔ اس حلق سے آتی ہے خدا کی آواز[3]

شاعری کے متعلق امجد کا یہی نظریہ ان کے کلام کو الہامی اور عارفانہ رنگ دئے ہوئے ہے۔ وہ قرآنی مضامین کو نہایت خوبی سے شاعری کا جامہ پہناتے ہیں اور لطیف انداز میں ان کے مطالب کو بیان کرتے ہیں، جگہ جگہ حمد و نعت کے مضامین پیدا کئے ہیں جن میں جذب کیف مستی اور سرور کی نیاز مندانہ شان جھلکتی ہے مثلاً الرحمٰن الرحیم کی تشریح میں حمد اور نعت کا بیان ملاحظہ ہو :-

---

[1] خرقہ امجد صفحہ ۴ [2] خرقہ امجد صفحہ ۱۳ [3] خرقہ امجد صفحہ ۱۳، ۱۴۔

اللہ کا ایک وصف رحمٰن بھی ہے — بندوں کی اسی سے جان میں جان بھی ہے
رحمٰن محیط ماہ وطین ہے بالکل — واللہ مبالغہ نہیں ہے بالکل
کونین میں فیض بخش عالم ہے یہی — رحمت کی طلب کا اسم اعظم ہے یہی
مطلق ظاہر ہوا مقید بن کر — رحمت نازل ہوئی محمدؐ بن کر
اسلام کا لطف کل نظر آئے گا — رحمٰن ہی جب رحیم ہو جائے گا
تخصیص میں لطف ہوگا تعمیم کے بعد — کوثر کا مزہ آئے گا تسنیم کے بعد
سب کے لئے لاالٰہ الا اللہ ہے — مسلم کو محمدؐ رسول اللہ ہے [۱]

(بالمومنین رؤف رحیم)

امجد نے اکثر عنوانات بھی کلام مجید کی آیات کے قائم کئے ہیں مثلاً۔
(۱) الحمد للہ رب العالمین۔ (۲) الرحمٰن الرحیم (۳) مالک یوم الدین۔
(۴) ایاک نعبد و ایاک نستعین (۵) اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیہم، غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ اور اس طرح سورۂ فاتحہ کی تشریح ان عنوانات کو قائم کر کے کی گئی ہے۔ اس کی چند مثالیں اور پیش کی جاتی ہیں:۔

(۱) وما ارسلناک الا رحمۃ اللعالمین۔ (القرآن)
(۲) رحمتی وسعت کل شئی (القرآن)
(۳) انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال۔ الخ (القرآن)
(۴) اکرمکم عند اللہ اتقاکم (القرآن)
(۵) الیس اللہ بکاف عبدہ (القرآن) وغیرہ وغیرہ۔

---

[۱] خرقۂ امجد: صفحہ ۱۹۔

امجد فطرتاً حساس طبیعت رکھتے ہیں اور صاحبِ وجد و حال بھی ہیں اسی لئے ان کے جاندار الفاظ اور رقصاں ترکیبوں سے ایک کیف آور سماں بندھ جاتا ہے۔ ان کے کلام کے بلند اخلاقی مضامین سے اسرار و معارف کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ ندرتِ خیال، ندرتِ ادا، بلندئ تخیل جوش و ولولہ، برجستگی اور سادگی اپنی قوتِ اظہار کے ساتھ امجد کی اعلیٰ صلاحیتوں کا پتہ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں غضب کی اثر آفرینی پائی جاتی ہے کہ سننے والا مسحور ہو جاتا ہے۔

حضرت امجد کی نعتیہ شاعری

فلک کی صدا ہے محمدؐ یہی ہے   احد کہہ رہا ہے کہ احمد یہی ہے

حضرت امجد نے نعت کثرت سے لکھی ہے۔ چنانچہ ان کا کوئی مجموعۂ کلام ذکرِ نبیؐ سے خالی نہیں ہے۔ خصوصاً ریاضِ امجد حصہ اول و دوم اور حجِ امجد میں نعت زیادہ ہے۔ نذرِ امجد میں ہجرت کا ذکر ہے۔ امجد اپنی قسمت پر نازاں ہیں کہ اللہ نے انھیں مداحِ رسولؐ ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔

میں وقت کا اپنے حسّان ہوں تقدیر پہ اپنی نازاں ہوں
امجد ہے یہی معراج مری مداحِ شہِ معراج ہوں میں[1]

دوسری جگہ شغلِ نعت گوئی کا ذکر کرتے ہوئے دیوانِ محشر میں عزت افزائی کی التجا کی ہے۔

---

[1] نذرِ امجد: صفحہ ۱۹۔
[2] ریاضِ امجد حصہ دوم صفحہ ۳۹۔

رہی مصروف فطرت رات دن نعت پیمبرؐ میں
اسی سرکار کی الفت کا خلعت ہے میرے بر میں

بھلا اتنی تو عزت ہو مری درگاہ داور میں
فرشتے دیکھ کر مجھ کو کہیں دیوان محشر میں
جگہ خالی کرو مداح آتا ہے محمدؐ کا[1]

یہ محسن کاکوری کے مشہور قصیدے ابیات نعت کی تضمین ہے۔

شاعر کی نظر میں صرف دو حقیقتیں بسی ہوئی ہیں۔ بندہ اللہ کا ہے اور غلام اس کے رسولؐ کا۔ اور بندہ اللہ کا اس لئے کہ غلام اس کے رسولؐ کا ہے۔

انسان کی زندگی کی دو سانسیں ہیں　　ہر جان کی زندگی کی دو سانسیں ہیں
یہ کلمۂ طیبہ کے دو جزو نہیں　　ایمان کی زندگی کی دو سانسیں ہیں[2]

محمدؐ کے ذکر سے دل بے چین ہو جاتا ہے اور باطنی کیفیت ایک جذب کیف شوق و مستی سے دوچار ہوتی ہے۔ حبِ نبیؐ سے سرشار یہی ولولہ دراصل امجد کی نعت گوئی کا محرک ہے۔ رسولؐ کی زبان پر حمد اور اس کے چاہنے والے کی زبان پر نعت کا مضمون ملاحظہ کیجئے:۔

میری زبان پہ نعت ہی تیری زبان پہ حمد ہے
سُبحانہٗ، تیری صدا صلِّ علیٰ میرا بیان[3]

حضورؐ کی غلامی پر شاعر کا ناز اس کے نیازمندانہ جذبۂ خلوص کا آئینہ دار ہے۔

---

[1] ریاض امجد: حصہ دوم صفحہ ۳۹۔ [2] ایضاً صفحہ ۹۔
[3] رباعیات امجد: حصہ اول صفحہ ۱۶۔

شاعر اس اعزاز پر پھولے نہیں سماتا کہ اس سرکار سے اسے نسبت نصیب ہے۔

دونوں عالم میں کیا حق نے سرافراز مجھے
اپنی رحمت سے دیا خلعت اعزاز مجھے
بس ہے اک تیری نگاہ غلط انداز مجھے
امتی ہوں تیرا تقدیر پہ ہے ناز مجھے

بہ غلامی تو ناں ساں کہ بناز دل من
دل من داند و من دانم و داند دل من [۵۱]

کوئے حبیب میں پہنچ کر شاعر اپنے مرتبے کی بلندی کو محسوس کرتا ہے۔

امجد کو آج تک ہم ادنیٰ سمجھ رہے تھے
لیکن مقام اس کا دیکھا تری گلی میں [۵۲]

ایک اور شعر ہے:۔

اے مست مئے وحدت امجد تجھے کیا کم ہے
کوثر ہے مدینہ میں اور کعبہ میں زمزم ہے [۵۳]

بارگاہ رسالت میں شاعر کی سرفرازی نے جو نغمہ پیدا کیا ہے وہ بیک وقت امجد کی نعتیہ شاعری کے گوناگوں محاسن کا حامل ہے۔ مضمون وہی ناز و نیاز کا ہے لیکن تغزل کے رنگ میں ڈوب کر عشق، مستی، جذب، شوق، جوش اور تڑپ کی وجدانی کیفیتوں کو ترنم ریز بنا کر پیش کر رہا ہے۔ لطافت احساس

---

۵۱ ریاض امجد حصہ دوم صفحہ ۱۶۔ ۵۲ حج امجد: صفحہ ۹۸۔
۵۳ ریاض امجد حصہ دوم: صفحہ ۵۱۔

لطافت تخیل، ندرت بیان، صدق اظہار، صفائی اور برجستگی ہر شعر سے ٹپکتی ہے۔ شاعر کا حسن عقیدت اپنے اظہار کے لئے ان سارے محاسن سے کام لیتا ہے۔

مل گیا صوت سرمدی میرے شکستہ ساز سے
نغمہ کی آتی ہے صدا نوحہ دل گداز سے

اب تو میری نظر میں ہے حسن ہی حسن ہر طرف
خلعت عشق مل گیا بارگاہ حجاز سے

حاصل عمر مل گیا قلب فسردہ کھل گیا
پڑ گئی زندگی میں جان ان کی نگاہ ناز سے

برسوں کے بچھڑے مل گئے داغ دلوں کے دھل گئے
لپٹی ہے ان کی خاک پا میرے سر نیاز سے

بیٹھے تھے اک زمانے سے نور قدم کے منتظر
نکلے ہیں سجدے سینکڑوں اب تو سر نیاز سے

صلِّ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ہو گیا قابلِ عمل
رفع یدین کر سکے کون اب اس نماز سے

دل کی شکستگی نے جب جوڑ دیا کسی کے ساتھ
دیکھ لیا رخ حسین اس دو نیم باز سے

حالت وجد و شوق میں دل سے یہ کہہ رہا ہے درد
ہم نے ملا دیا تجھے لے ترے چارہ ساز سے

امجد نیم جان کی جان جان جہاں کو پا گئی
بربط روح بھر گیا نغمۂ دل نواز سے [1]

---

[1] ج امجد: صفحہ ۱۱۲۔

۱۔ حضرت امجد کی نعت گوئی کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حبِ نبیؐ کے مضامین سے پُر ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ عشق محمدیؐ کا بیان دوسروں کے حال و قال کے رنگ میں بھی ہو تو اسے شاعر کی اپنی باطنی کیفیت کی ترجمانی سمجھنا چاہیے۔ رسالت مآب کا مدینہ میں ورود اور رخِ محمدیؐ پر فدائیوں کا جذب و شوق ملاحظہ کیجئے:۔

مدینہ میں آتا ہے اب کعبہ والا ہوا نورِ ایمان سے ہر سو اُجالا
ہے تاروں کا مہتاب کے گرد ہالا بچائے نظر سے اسے حق تعالیٰ
محمدؐ کے رُخ سے نقاب اُٹھ گیا ہے
تجلّی حق سے حجاب اُٹھ گیا ہے

محبت میں آنکھیں بچھاتا ہے کوئی تصور میں صورت جماتا ہے کوئی
سنبھالے ہوئے دل کو آتا ہے کوئی ادھر دل ہی دل میں بلاتا ہے کوئی
محبت کا سودا ہے ہر ایک سر میں
ہر اک چاہتا ہے رہے میرے گھر میں

کسی کی نگاہیں ہیں روئے حسین پر کوئی جان دیتا ہے روشن جبیں پر
کسی کی نظر دیدۂ سرمگیں پر تصدق ہے کوئی قدِ دل نشیں پر
ہے کوئی تو قدموں پہ آنکھیں بچھائے
کفِ پا میں مژگاں کوئی چھو نہ جائے

کوئی کہہ رہا ہے کہ آنکھوں میں آؤ کوئی کہہ رہا ہے کہ دل میں سماؤ
کوئی کہہ رہا ہے کہ صورت دکھاؤ کوئی کہہ رہا ہے اب آگے نہ جاؤ
میرے دل میں آجاؤ ایمان بن کر
اتر آؤ سینے میں قرآن بن کر[۱]

---

[۱] نذرِ امجد صفحہ ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳ -

محبوبیتِ رسولؐ کا مضمون مسلسل ہے اور اسی طرح رواں دواں بے ساختہ اور فطری معلوم ہوتا ہے کہ نثر میں شاعر نے ترنم بھر دیا ہے۔ عبارت ایسی کہ گویا باتیں کر رہے ہیں۔ نہ لفظی صناعی ہے اور نہ تشبیہہ و تمثیل کی عالمانہ رنگ آمیزی۔ جو چاہے سمجھ لے کہ شاعر کیا کہہ رہا ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے امت محمدیؐ کے عشق و محبت کے مضامین اپنی اپنی بساط کے موافق تقریباً سب ہی نعت گو شعراء نے باندھے ہیں، لیکن امجد نے ذرہ ذرہ کو عشق محمدیؐ سے سرشار دکھایا ہے۔ یہ ایک شاعرانہ نکتہ رسی ہی نہیں ہے بلکہ استن حنانہ کی آہ وزاری کی حقیقت اس تخیلی چیز کو حقیقت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ امجد نے اپنے مخصوص انداز میں جو رنگ اس مضمون میں بھرا ہے وہ قابل صد تحسین ہے۔ مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کے وقت فراق نبیؐ کے خیال سے ماحول میں بے چینی اور بے قراری کو اس طرح بیان کیا ہے :۔

شہنشاہ کونین نکلا جو گھر سے | دھواں سوز فرقت کا اُٹھا جگر سے
زمیں سے زماں سے شجر سے حجر سے | اٹھا شور کعبے کی دیوار و در سے

چلا تو کہاں رب کے گھر کے اُجالے
نہ جا چھوڑ کر ہم کو او جانے والے[۱]

کوئی کہہ رہا ہے جگر کو سنبھالے | ادھر دیکھ لینا ادھر جانے والے[۲]

ہے دریائے خوں چشم زمزم سی جاری | سوادِ حرم میں ہے اک سوگواری

۱۔ نذر امجد صفحہ ۹۔ ۲۔ نذر امجد: صفحہ ۱۰۔

ہر اک دل میں ہے برق سی بیقراری | ہر اک کی صدا ہے کہ سن لے ہماری
نہ جا ہم سے منہ موڑ کر جانے والے
یہاں کون ہم بیکسوں کو سنبھالے
صفا مروہ کا دل ہوا پارہ پارہ | وہ بجلی گری پھٹ گیا سنگ خارا
ہوا غم سے کعبہ سیہ پوش سارا | تڑپ کر یہ غار حرا نے پکارا
کہاں تو چلا میرے نازوں کے پالے
پھر آ میری آغوش میں جانے والے[1]

حرا کا حرارت سے دل جل رہا ہے | دل سنگ بھی مثل زر گل رہا ہے[2]

رسولِ کریم صلعم سے حضرت صدیق رضؓ کی محبت کا ذکر ہے، نہایت سادہ، اور صاف۔ شاعر کے عشق رسولؐ نے بیان کے ہر رُخ کو نہایت حسین بنا دیا ہے:۔

یہ کون آج سر رکھ کے یوں سو گیا ہے | کہ زانوئے صدیق رضؓ دل ہو گیا ہے[3]

وطن چھوڑ کر اپنا مطلوب بنایا | محبت نے جنگل کو منگل بنایا
کہاں آج پہنچا صداقت کا بابا | جو رہتا تھا دل میں وہ پہلو میں آیا
ہے صدیق رضؓ پر کتنی رحمت خدا کی | کہ ہجرت میں بھی ہے معیت خدا کی[4]

زانوئے صدیق رضؓ میں دل کی کیفیت، دل میں بسنے والے کا پہلو میں آنا

---

[1] نذر امجد: صفحہ ۱۱، ۱۲ [2] ایضاً صفحہ ۱۴ [3] ایضاً صفحہ ۱۷ [4] ایضاً صفحہ ۱۴

اور ہجرت میں معیت کا مضمون بیان کا کتنا لطیف انداز ہے۔ دوسری جگہ اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے:۔

صداقت کی آغوش میں ہی محبت اٹھائے ہیں صدیق بارِ نبوت
صداقت کے پہلو میں ایمان دیکھو یہ نورِ علیٰ نور کی شان دیکھو[1]

شاعر محبوب باری کے فروغ حسن پر نازاں ہے کہ ساری کائنات اس پر مٹ رہی ہے:۔

اک آفتاب وحدت ہے فیض بخش کثرت
نکلی ہوئی ہیں گلیاں صدہا تری گلی میں

کس طرح پاؤں رکھے یاں صاحبِ بصیرت
آنکھیں بچھی ہوئی ہیں صدہا تری گلی میں

ہوش و حواس گم ہیں عقل فلک رسا کے
مجنوں بنی ہوئی ہے لیلیٰ تری گلی میں

پہلو سے دل نکل کر قدموں پہ لوٹتا ہے
چبھتا ہے پاؤں میں جب کانٹا تری گلی میں

ہر ایک اپنی دھن میں گاتا ہے راگ تیرا
ہوتا ہے خوب ہر شب جلسہ تری گلی میں

رنگ بلال میں اک صاحب جمال بھی ہے
ڈالا ہے تیرگی نے پردہ تری گلی میں

سب تجھ پہ مرمٹیں گے جتنے ہیں آنے والے
تو ہی رہے گا آخر تنہا تری گلی میں[2]

---

[1] نذر امجد: صفحہ ۷، [2] ریاض امجد حصہ دوم صفحہ ۴۵، ۴۶۔

اسی لئے شیفتگی اور بیقراری کے مضامین حضرت امجد کے یہاں کثرت سے ملتے ہیں۔ شاعر بارگاہ نبوی میں پہنچنے کے لئے کیسا اہتمام کرتا ہے:۔

مضطرب یوں روضۂ اقدس پہ جانے کے لئے
دل کے ٹکڑے ڈھونڈ لایا ہوں چڑھانے کے لئے[۱]

تمنائے دید میں آنکھوں کی حسرت اسی بیقراری کی ترجمانی کرتی ہے۔

کرتی ہیں میری تمناؤں کا اظہار آنکھیں
حسرت دید میں ہیں نقش بدیوار آنکھیں

بند ہوتی ہی نہیں آہ طلب گار آنکھیں
بعد مردن بھی کھلی ہیں پئے دیدار آنکھیں[۲]

دربار نبیؐ میں شاعر کی عرضداشت جس والہانہ انداز میں پیش کی گئی ہے، اس سے ان واردات کا پتہ چلتا ہے جو عشق نبیؐ نے اس کے دل میں پیدا کئے ہیں۔ جذبات کے طوفان کو سمیٹتے ہوئے حسن خطاب، سادگی اور سلاست کو ملحوظ رکھتے ہوئے، شاعر نکھرے ستھرے انداز میں عرض تمنا کرتا ہے اور کس کیف و مستی میں کرتا ہے:۔

بھرا ہے دل میں شوق ہمکلامی ‏ ‏ مٹادے اچھے ساقی تشنہ کامی
پہن کر فخر سے تاج غلامی ‏ ‏ عراقی مصری و رومی و شامی

کھڑے ہیں دیر سے در پر سلامی
نعم قم یا حبیبی کم تنامی

---

[۱] ج امجد: صفحہ ۷ [۲] ریاض امجد حصہ دوم صفحہ ۱۶۔

خدارا مرنے والوں کو جلادے
ردائے پاک چہرے سے ہٹادے
تجلّیٔ رخِ انور دکھادے
حواس و ہوش ہیں بجلی گرادے
مٹادے سب ہمارے دل کی خامی
فقم قم یا حبیبی کم تنامی

برائے خاطرِ اصحاب برخیز
بہ تسکینِ دلِ بے تاب برخیز
زخواب اے نرگسِ سیراب برخیز
چو نرگس خواب چند از خواب برخیز
بدہ جان و رتن از نازک خرامی
فقم قم یا حبیبی کم تنامی [۱]

جذب و شوق کا ایک یہ بھی نمونہ ہے :-

شبِ معراج ہنگامہ بپا ہے
صدا ہر ذرہ کی صلّی علیٰ ہے
خدائے پاک مشتاقِ لقا ہے
برآمد ہوں حضور اب دیر کیا ہے

تری جویا ہے میری چشمِ تر آ
ادھر ہی سے ہے تیری رہ گزر آ
ادھر آ۔ میں ترے قربان ادھر آ
مری آنکھوں سے تو دل میں اتر آ [۲]

بارگاہِ رسالت میں عرضِ حال بھی حسبِ دستور سادگی، اثر اور خلوص سے لبریز ہے :-

چشمِ رحمت تیری مازاغ البصر
پھر نہیں ہے کیوں غریبوں پر نظر
تیری مرضی رحم کر یا پھر نہ کر
دیکھ تو لے رحمتِ عالم ادھر
یا رسول اللہ نظر حالنا
یا حبیب اللہ اسمع قالنا

---

[۱] حج امجد صفحہ ۴۹ - [۲] ریاض امجد حصہ دوم صفحہ ۲۲ -

عروۃ الوثقیٰ ہے ہم کو تیرا در | خاک طیبہ سرمۂ اہلِ نظر
آئے ہیں در پر ترے با چشم تر | چاک داماں چاک دل ٹکڑے جگر

یا رسول اللہ انظر حالنا
یا حبیب اللہ اسمع قالنا[1]

جسم کی ساری رگیں ہیں غم کا جال | ہے وبالِ زندگانی بال بال
کیا بتائیں بندہ پرور اپنا حال | ہم فقیروں کی ہی خود صورت سوال

یا رسول اللہ انظر حالنا
یا حبیب اللہ اسمع قالنا[2]

۳۔ نعت گو شعراء نے حسنِ عقیدت میں اکثر ایسے مضامین باندھے ہیں جن میں شریعت محمدیؐ کو کلام ہوتا ہے۔ یعنی رسولؐ کی بارگاہ میں سجدہ ریزی، عرب اور رب میں مماثلت، احمد اور احد کی شان واحد وغیرہ وغیرہ۔ حضرت امجد کا کلام اس مضمون سے خالی نہیں ہے۔ لیکن جس ڈھنگ سے انھوں نے اسے عموماً پیش کیا ہے وہ ان کے تبحر علمی کے ساتھ اس احتیاط کا پتہ دیتا ہے جو بلند پایہ شاعر کے کلام کی خصوصیت ہے۔ مثلاً شاعر نے بارگاہ نبوی میں سجدے کو جائز تسلیم نہ کرتے ہوئے بھی جبین نیاز میں سجدہ ریزی کی تڑپ کو ظاہر کر ہی دیا۔

سب کہتے ہیں کہ آپ کو سجدہ روا نہیں | نورِ خدا رسولِ خدا ہے خدا نہیں
اے واعظو یہ بات میں کیا جانتا نہیں | لیکن غضب تو یہ ہے کہ جی مانتا نہیں[3]

---

[1] ریاض امجد حصہ دوم صفحہ ۲۰ [2] ریاض امجد حصہ دوم صفحہ ۲۰۔
[3] ج امجد صفحہ ۹۲۔

دوسری جگہ شاعر یہ تو نہیں کہتا کہ رسولِ خدا خدا ہیں لیکن جمالِ محمدیؐ میں خدائی شان کو دیکھ کر دوسروں کے تاثرات کی ترجمانی اس طرح کرتا ہے:

ہوا کب کوئی ایسا بندہ خدا کا — کہ ہے جس پہ بندوں کو دھوکا خدا کا[1]

اور خود بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

احد اور احمد کا مضمون یہ ہے:۔

مرے ساقی مئے وحدت پلا دے — دو عالم سے دوئی بالکل مٹا دے
احد کی شکل احمد میں دکھا دے — اٹھا دے میم کا پردہ اٹھا دے[2]

جلوہ فرما شکل احمد میں ہوا نورِ احد — کون لا سکتا ہے تاب جلوۂ حسنِ ابد[3]

جذب و کیف کے عالم میں شاعر کی کش مکش بھی دیدنی ہے۔ اس کا عشق اپنی شدت شوق مستی میں جبین سائی کے لئے مضطرب کئے ہوئے ہے۔ لیکن آدابِ شریعت کا پاس بھی جذبۂ ایمانی کا تقاضہ ہے۔

کبھی ہے دھیان کعبہ کا کبھی ہوں مائل طیبہ
ادھر بھی ہے وہی صورت ادھر بھی ہے یہی نقشہ
تردد میں نظر آتا نہیں رستہ تعین کا
احد کو کیجئے یا احمد بے میم کو سجدہ
عجب مشکل ہے مضمون میرے مفہوم مردد کا[4]

حضرت امجد نے 'لاموجود الاہو' کے مضمون کو شریعت کی گرفت سے

---

[1] نذر امجد، ص ۵ — [2] ریاض امجد: صفحہ ۲۱
[3] ریاض امجد حصہ دوم صفحہ ۱۹۔ — [4] حج امجد: صفحہ ۱۰۴۔

دامن بچاتے ہوئے نہایت خوبی سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق کیا ہے۔ عشق کی نظر میں معشوق کا بسا رہنا ایک فطری امر ہے۔ اور پھر محبت کی انتہائی منزل میں ساری کائنات پر جلوۂ حبیب کا چھا جانا بھی ایک بدیہی حقیقت ہے۔ لیکن شاعر یہاں کچھ اور چاہتا ہے۔ حقیقتِ محمدیؐ کو وہ کائنات کے رگ و پے میں جاری و ساری دیکھ رہا ہے۔ اس کی نظر میں نورِ محمدیؐ میں سارا وجود گرم ہے۔ لیکن وہ صاف کہنا بھی نہیں چاہتا۔ لہٰذا اس نے یہ تماشا عشق کی نظر سے دکھایا ہے۔

ادھر محراب میں دیکھو تو ابروئے محمدؐ ہے
اُدھر قبلے کی جانب جلوۂ روئے محمدؐ ہے
سکوت خاص میں محو تماشا چشمِ امجدؔ ہے
اُدھر دیکھو محمدؐ ہے ادھر دیکھو محمدؐ ہے [۵۱]

شریعت کی مجبوری کو کیا کریں رخ تو کعبے ہی کی جانب رہے گا لیکن دل پر کس کو اختیار ہے۔ تحویلِ قبلہ کا مضمون بھی دیکھئے:۔

رخ کعبہ کی جانب ہو دل سوئے محمدؐ ہے [۵۲]

لیکن جس کیفیت کا اسے عنوان بنایا گیا اس میں کوئی شرعی خرابی نہیں ہے۔ کہیں کہیں شاعر عشقِ محمدی سے سرشار ہو کر بے خودی میں اللہ کو بھول بھی جاتا ہے یا یہ کہ خود محمدؐ کو بھول جاتا ہے۔ اسے دونوں کی حقیقت ایک ہی نظر آتی ہے۔ شاعر حیران ہے کہ اسے اللہ کہوں یا محمدؐ کہوں۔ نہ وہ اللہ کو چھوڑ سکتا ہے اور نہ محمدؐ کو بھول سکتا ہے۔ آخر حسنِ تصور دونوں حقیقتوں

---

[۵۱] صبحِ امجد: صفحہ ۹۹۔ [۵۲] صبحِ امجد: صفحہ ۱۱۲۔

کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے۔ ذات احدیت کی صفات "ہوالظاہر، ہوالباطن" میں شان محمدی کو اس طرح جلوہ گر کیا ہے :-

عرش والا زمین پر آتا ہے — فاتقو اللہ یا اولی الابصار
قابل حمد ہی محمد تھا — کارواں میں تھا کارواں سالار
شکل احمد میں خود احد آیا — ہوا مطلق مقید اظہار
دائرہ منتفی تھا نقطہ میں — ہوگئی ختم گردش پرکار
وہی اژدر وہی عصائے کلیم — وہی قطرہ وہی در شہوار
بیج بھی ہے وہی شجر بھی وہی — وہی قہار ہے وہی غفار
آپ اپنا پیام پہنچایا — آپ خود اپنا کر گیا اقرار
یار آیا تھا نامہ بر بن کر — خط کے دھوکے میں رہ گئے اغیار[۵]

امجد کے یہاں احتیاط کے باوجود مضمون کی بے احتیاطی میں بھی کلام نہیں۔ لیکن ہمیں تو امجد کی شاعری سے بحث ہے۔ تصوف کی باریکیوں میں الجھنے کا محل نہیں ہے۔ نعت گو شعراء کے مذہب عشق میں بارگاہِ نبوی میں سجدہ روا اور جائز قرار پا چکا ہے اور اس مضمون کے پُر کیف اشعار سے نعتیہ شاعری پُر ہے۔ اگر حضرت امجد کے یہاں بھی اسی کا بیان ہوتا تو کوئی ندرت اور جدت نہ ہوتی۔ لیکن سخن آفرینی شاعر کسی مضمون میں نئی بات نہ پیدا کرے تو کیا بات ہوئی۔ امجد اس خصوص میں ایک منزل آگے بڑھ گئے ہیں۔ اور وہ مضمون پیدا کیا ہے کہ پیران شریعۃ کو بھی واہ ہی کہتے بنے گی۔

---

۵ ریاض امجد : صفحات ۱۴، ۱۵۔

ہے بارگاہ عالی کتنی بلند و ارفع   سجدے کو بھی نہیں جا اصلا تری گلی ہیں

۴۔ عشق اور رشک لازم و ملزوم ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات "اَللّٰھم بالافق الاعلیٰ" سن کر جو کیفیت حضرت عائشہؓ کے دل میں پیدا ہوئی وہ شاید اسی حقیقت کی ترجمان ہے۔ لیکن عشقِ رسولؐ میں شعراء نے رشک کا مضمون شاذ و نادر ہی باندھا ہے۔ حضرت امجد کے کلام کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ انھوں نے رشک کے ارتقاء کی آخری منزل کو نہایت خوبی سے پیش کیا ہے:

صورت تری تک رہی ہیں میری آنکھیں
جلوے سے چمک رہی ہیں میری آنکھیں

تیرے چہرے پہ میری آنکھوں کی نظر
آنکھوں میں کھٹک رہی ہیں میری آنکھیں[۵۱]

۵۔ حضرت امجد کی تشبیہیں اور اشارے صاف اور واضح ہوتے ہیں۔ معشوق کو کہیں شاعر بدر قرار دیتا ہے۔ کہیں شمس۔

بلاتا ہے کون آج ہیں تبھی تو دیکھوں   ہے شمس و قمر کے لئے نور موزوں[۵۲]

چھپے آج بدلی میں دو بدرِ کامل   ہوا آج برسوں کا مقصود حاصل[۵۳]

طُور پر نور کی تشبیہ تو عام ہے۔ زلف اور رخسار مبارک کو نور پر طُور قرار دے کر شاعر نے نہایت بدیع تشبیہ پیدا کی ہے:۔

تہہ زلف رخسار پر نور دیکھو   نئی بات ہے نور پر طُور دیکھو[۵۴]

---

۵۱ صبح امجد: صفحہ ۴۸۔   ۵۲ نذر امجد: صفحہ ۱۷۔
۵۳ نذر امجد: صفحہ ۱۶   ۵۴ نذر امجد: صفحہ ۲۴۔

رخ انور کو تجلیٔ حق قرار دے کر نقاب کو حجاب سے تعبیر کیا ہے۔

اب بے نقاب ہونے کا مضمون ملاحظہ کیجیے :۔

تجلیٔ حق سے حجاب اٹھ گیا ہے ۔ محمدؐ کے رخ سے نقاب اٹھ گیا ہے[۵۱]

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو انجم سے تشبیہہ دی ہے شاعر نے اسی کو استعارہ بنا کر مہتاب کو اس کے ساتھ شامل کر دیا اب رسولؐ اور اصحاب رسولؐ کا نقشہ ملاحظہ کیجیے :۔

بچائے نظر سے اسے حق تعالیٰ ۔ ہے تاروں کا مہتاب کے گرد ہالا[۵۲]

ایک اور مثال ہے :۔

اُتر آیا ساحل پہ دریا کرم کا ۔ دو عالم سے دھویا گیا نقش غم کا[۵۳]

۶۔ ابھی تک حضرت امجد کی نعتیہ شاعری کے اس رخ کا بیان تھا جس میں ہم وصف نبیؐ کم اور حُبِّ نبیؐ زیادہ پاتے ہیں۔ امجد نے مختلف عنوانات کے تحت نعتیہ اشعار لکھے ہیں۔ مثلاً یا محمدؐ ۔ طلع البدر علینا۔ ہو الظاہر ہو الباطن ۔ رحمۃ للعالمین ۔ صلی اللہ علیہ ما زاغ البصر و ماطغیٰ وغیرہ ، ان عنوانات میں سے اکثر قرآنی نعت کے ٹکڑے ہیں۔ اب چند عنوانات کو ان کے متعلقہ اشعار کے ساتھ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

(۱) لا الہ اللہ محمدؐ رسول اللہ ۔

معبود کی شان عبد میں پاتا ہوں ۔ تنزیہ سے تشبیہہ کی سمت آتا ہوں

کلمہ میں خدا کے بعد ہے نام نبیؐ ۔ کعبہ سے مدینے کی طرف جاتا ہوں[۵۴]

---

۵۱ نذر امجد : صفحہ ۳۰ ۔ ۵۲ نذر امجد : صفحہ ۳۰ ۔

۵۳ ” ” ” ۳۴ ۔ ۵۴ رباعیات امجد حصہ اول ۔ صفحہ ۱۴ ۔

(۲) اشھد ان محمد الرسول اللہ۔

طیبہ ہی کو اب کعبۂ مقصد کہیئے   وہ منبر نبیؐ کو سنگِ اسود کہیئے
گر حمد خدا کا حق ادا کرنا ہے   دل سے اک بار یا محمدؐ کہیئے [۵۱]

(۳) خاتم النبین۔

رُخ مہر ہے، قد خط شعاعی کی طرح   وہ گلہ امت میں ہے راعی کی طرح
اس خاتم انبیاء کا آخر میں ظہور   ہے مصرعِ آخر رباعی کی طرح [۵۲]

(۴) مازاغ البصر وما طغیٰ

حیرت نہیں بے سایہ اگر ذات ہوئی   ٹکڑے کیا چاند کیا کرامات ہوئی
دن رات تھا جلوۂ خدا پیش نظر   معراج ہوئی تو کیا نئی بات ہوئی [۵۳]

جو مثالیں وصف نبیؐ سے متعلق پیش کی گئی ہیں دراصل ان میں شاعر کا حکیمانہ انداز وصف کو خاص انداز میں پیش کرتا ہے۔ شاعر کی معنی آفرینی اور جدت اس میں ایک نیا لطف ضرور پیدا کر دیتی ہے لیکن وصف کی جو بیانیہ صورت ہونی چاہیے وہ حاصل نہیں ہوتی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت امجد کا نعتیہ کلام صرف والہانہ جذبات کی ترجمانی ہے۔ اور عارفانہ کیف و مستی کا بیان ہے۔ ان کے کلام میں اس قسم کی مثالیں بھی کثرت سے ملتی ہیں۔ جس میں وصف نبیؐ میں بعثت رسول کی غایت کا مضمون نہایت سادگی اور دلآویز پیرائے میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً

ہدایت کی شعاعوں سے ضلالت کا مٹا سایا
رُخِ روشن نے غارت کر دیا ظلمت کا سرمایہ

---

۵۱ رباعیات امجد حصہ دوم صفحہ ۱۸ ۵۲ ایضاً صفحہ ۱۳ - ۵۳ رباعیات امجد حصہ اول ص ۱۵

سوادِ ابروئے خمدار نے کیا رنگ دکھلایا
ہوئی شام آفتاب بت پرستی پر زوال آیا
مہ نو خوب چمکا بدر میں تیغ محمدؐ کا[۵۱]

دو عالم میں ہے اک شہرہ ترے حسن مجدد کا
خدائے دو جہاں کرتا ہے نظارہ ترے قد کا
مبرا آب و گل سے ہے ہیولا ذات ارشد کا
محمد مصطفیٰؐ پتلا ہے تو نور مجرّد کا
ہوا خورشید اقلیم عدم سایہ ترے قد کا[۵۲]

فلک کو چاند تاروں سے زمیں کو گل سے زینت دی
عطا کی لہلہاتے کھیت سے جنگل کو سرسبزی
مٹایا داغ کثرت شمع وحدت کو ضیا بخشی
خدا نے زیب و زینت کی جو بزم آفرینش کی
لگایا اس میں قد آدم آئینہ ترے قد کا

پتہ دیتی ہے جنت کا بہار عارض نیکو
دہان تنگ سے ملک عدم کا راستہ پوچھو
قد موزوں کے مضموں سے نکالے ہم نے پہلو دو
بنایا رہنما جب عالم ایجاد کا تجھ کو
ہوا خضر سر راہ عدم سایہ ترے قد کا[۵۳]

---

۵۱ ریاض امجد حصہ اول صفحہ ۷۔ ۵۲ ایضاً صفحہ ۸۔ ۵۳ ایضاً صفحہ ۹۔

۷۔ حضرت امجد کی نعت میں ہندوستانی عنصر

کلام امجد میں مدینہ کی جوگن نعتیہ شاعری کی ہندوستانی خصوصیت کی آئینہ دار ہے۔ حب رسولؐ کا اظہار ایک عورت کی زبانی ملکی شاعری کی نمایاں خصوصیت ہے جو عربی اور فارسی نعت میں مفقود ہے۔ قیس سے جوگن کے خطاب میں شاعر نے حب رسولؐ کو والہانہ بنا کر پیش کیا ہے۔

او قیس عامری تو کیوں پھر رہا ہے بن بن
ٹکڑے ہے کیوں گریباں صد چاک کیوں ہے دامن
کیوں ہے جنوں سے الفت انسانیت سے اَن بن
دشمن کا دوست ہے تو عقل و خرد کا دشمن
تو خاک چھانتا ہے لیلیٰ کی جستجو میں
نکلی ہوں میں بھی گھر سے یثرب کی آرزو میں

جوگن بنی ہوں میں بھی اپنے پیا کے کارن
چھوڑا ہے دیس میں نے اک دلربا کے کارن
کرتی ہوں آہ و نالے اک خوش ادا کے کارن
ہے چاک جیب و دامن رنگین قبا کے کارن
مثل حنا جہاں میں اب پائمال ہوں میں
تیغ مفارقت سے بس لامثال ہوں میں[۱]

آئی برہ کی ماری تیرے لئے بروگن
درشن سے اپنے کردے دل شاد چشم روشن

---

[۱] ریاض امجد حصہ اول : صفحہ ۱۱۔

ہاں کب سے رو رہی ہوں میں رکھ کے منہ پہ دامن
کب سے کھڑی ہے داتا در پر ترے بھکارن
جوگن کی جھولی بھر دے او رام نام والے
اس بُت کو رام کر دے او رام نام والے[1]

غرض کہ حضرت امجد کے کلام کی بڑی خصوصیت جذب وشوق کی ترجمانی ہے جس کے پیش کرنے کا موثر انداز الہامی صورت اختیار کر کے حکمت و عرفان کے نازک مسائل کو بھی صاف سادہ اور شگفتہ بنا دیا ہے۔ ان کی زبان کی سلاست روانی اور علمی کیفیت نظم کے سارے محاسن کے ساتھ نثر کی برجستگی اور صفائی کا لطف پیدا کرتی ہے۔

امجد کا مقام اردو کے نعت گو شعراء میں نہایت مہتم بالشان ہے جو نعتیہ مضامین سے قطع نظر ادبی لحاظ سے بھی بڑا پایہ رکھتا ہے۔

---

[1] ریاض امجد حصہ اول صفحہ ۱۲۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد

مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد بتاریخ ۲۸ر جنوری سنہ ۱۸۶۴ء (۱۸ر شعبان سنہ ۱۲۸۰ھ) پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام راجہ ہری کشن پرشاد تھا۔ شاد کے نانا مہاراجہ نرندر پرشاد لاولد تھے اس لئے شاد کی تعلیم و تربیت انھوں نے اپنا فرزند سمجھ کر کی۔ چنانچہ شاد نے انگریزی، اُردو، عربی، فارسی، تلنگی اور مرہٹی میں اچھی استعداد حاصل کرلی۔ شاد نے مدرسہ عالیہ حیدرآباد میں تعلیم پائی۔

شاد اپنے دادا کے جانشین ہوئے اور جاگیرات پیش کاری سے سرفراز کیے گئے۔ سنہ ۱۳۱۰ھ میں معین المہام فوج مقرر ہوئے۔ اور سنہ ۱۳۱۹ھ میں مدار المہامی کا عہدہ عطا کیا گیا۔ اس خدمت پر سنہ ۱۳۳۰ھ تک بحال رہے۔ سنہ ۱۳۴۵ھ میں صدارت عظمیٰ کی خدمت سپرد کی گئی۔

سنہ ۱۲۹۱ھ میں شاد کو راجہ بہادر کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اور سنہ ۱۳۰۱ھ میں ہفت ہزاری منصب وغیرہ کے علاوہ راجۂ راجایان مہاراجہ بہادر کا خطاب عطا ہوا۔ پھر سنہ ۱۳۲۰ھ میں یمین السلطنۃ کے خطاب سے نوازے گئے۔ حکومت ہند نے سنہ ۱۹۰۳ء میں سی، آئی۔ ای اور سنہ ۱۹۱۰ء میں جی، سی، آئی۔ ای کے خطابات دیئے۔

شاد کو شاعری کا شوق ابتداء ہی سے رہا۔ ان کے یہاں شعراء اور اہل علم حضرات کی محفلیں ہمیشہ گرم رہتیں۔ امیرؔ، جلیلؔ، ظہیرؔ، سرشارؔ، فانیؔ، ہوشؔ، ثاقبؔ، صفیرؔ وغیرہ ان کے مصاحبین رہے ہیں۔

شاد کا انتقال سنہ ۱۳۵۹ھ سنہ ۱۹۴۰ء میں ہوا۔

شاد کے نعتیہ کلام کا مجموعہ "ہدیۂ شاد" کے نام سے موسوم ہے جو پہلی مرتبہ سنہ ۱۳۲۶ھ میں طبع ہوا۔ حافظ جلیل حسن جلیل نے تاریخ طبع کے کئی قطعات لکھے ہیں جن میں سے ایک مندرجہ ذیل ہے :۔

کس منہ سے اس کلام کی تعریف ہو سکے　　جس میں ہو ذکر پاک شہ کائنات کا
تاریخ طبع میں نے جو پوچھی جلیل سے　　بولا کہ یہ سخن ہے وسیلہ نجات کا
۱۳۲۶ھ

ہدیۂ شاد میں ۱۰۲ غزلیں ہیں۔ ایک قصیدہ ہے۔ سات مخمس ہیں اور پانچ سلام ہیں۔ سلام اہل بیت کی منقبت میں ہیں۔ کلام جملہ ۱۹۱ صفحات پر پھیلا ہوا ہے ہر صفحہ میں زیادہ سے زیادہ ۱۰ اشعر ہیں۔ اور اگر اوسطاً، شعر شمار کیے جائیں تو جملہ شعر ۱۳۳۱ ہیں۔ دیوان کے آخری حصہ میں دیگر قطعات تاریخ کے ساتھ لطیف احمد اختر مینائی کی تقریظ بھی شامل ہے۔ جس میں شاد کی نعت گوئی پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اس کے اقتباسات درج ذیل ہیں :۔

" کلام خود کہتا ہے کہ ایسے سوز و گداز کے اشعار بغیر دل کی لگی کے نہیں نکلتے .... حق تو یہ ہے کہ اس گویائی کا رنگ امیر کے رنگ سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب مصنف نے امیر مینائی" کا کلام بہت دلچسپی اور والہیت کے ساتھ دیکھا اور سنا ہے "۔[۵۱]

جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے " ہدیۂ شاد" بارگاہ رسالت میں شاعر کا عقیدت مندانہ ہدیہ ہے اس میں ایک غیر مسلم کے جذبات کی ترجمانی ہے جو شمع رسالت پر پروانہ وار فدا ہونے کا دعویدار ہے۔ شاد نے اپنے عشق محمدی

---

[۵۱] ہدیۂ شاد، مطبوعہ سنہ ۱۳۲۶ھ صفحہ ۱۹۵ ۔

کا اظہار جگہ جگہ کیا ہے :۔

کافر عشق محمدؐ ہوں میں شاد — سبحہ سے بڑھ کر مرا زنار ہے [۵۱]

اسی لیئے شاعر بارگاہ ایزدی کا شکر گزار ہے کہ اس نے نعت گوئی کی توفیق عطا فرمائی :۔

مشغلہ نعت نبیؐ کا ہے مجھے شکر خدا — بعد مدت کے یہ ہاتھ آیا ہے مقصد مجھ کو [۵۲]

مندرجہ ذیل اشعار سے شاد کے نعتیہ کلام کے رنگ کا اندازہ ہو جائے گا :۔

احمدؐ کے در پہ اس لئے میں جبہ سا رہا — سجدے کے لائق اور کوئی آستاں نہ تھا [۵۳]

کافر عشق محمدؐ خلق کہتی ہے مجھے — سب مسلماں قدر کرتے ہیں مرے زنار کی [۵۴]

کافر ہوں کہ مومن ہوں خدا جانے میں کیا ہوں — پر بندہ ہوں ان کا جو ہیں سلطان مدینہ [۵۵]

عاشق ہوں مجھے جنت فردوس سے کیا کام — ہے سر میں ازل سے مرے سودائے مدینہ [۵۶]

دم مرا سینے میں ٹھہرا وقت نزع — مجھ کو جس دم یاد آئی آپؐ کی [۵۷]

مرے سوز محبت کو جو دیکھا — فلک پر رشک سے بجلی جلی ہے

طواف روضہ عین حج ہے اے شاد — مرا کعبہ مدینے کی گلی ہے [۵۸]

ہم خیال رخ پر نور میں حیراں ہونگے — یاد آئیں گے جو گیسو تو پریشاں ہونگے

لے گیا بخت اگر روضۂ اقدس کی طرف — جان و دل سے کبھی صدقے کبھی قرباں ہونگے

ہم کو تو گلشن طیبہ میں اڑا کر لے جا — ہم ترے باد صبا بندۂ احسان ہونگے [۵۹]

۱۔ شاد کے کلام کی بڑی خصوصیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار ہے اور اس جذب و شوق میں توحید کی طرب انگیزی بھی پائی جاتی ہے۔

---

[۵۱] ہدیۂ شاد مطبوعہ ۱۳۲۶ھ صفحہ ۱۴۸۔ [۵۲] ایضاً: صفحہ ۷۹۔ [۵۳] ایضاً صفحہ ۱۔
[۵۴] ایضاً صفحہ ۱۲۷۔ [۵۵] ایضاً صفحہ ۹۲ [۵۶] ایضاً صفحہ ۹۴ [۵۷] ایضاً صفحہ ۱۰۹۔
[۵۸] ایضاً صفحہ ۱۱۳، ۱۱۴ [۵۹] ایضاً صفحہ ۱۳۷۔

سازگار اپنا زمانہ ہو گیا ہند سے طیبہ کو جانا ہو گیا
دفن یثرب میں مرا لاشہ ہوا اب مسافر کا ٹھکانا ہو گیا
جب سے وحدت کا ہوا دل کو خیال تھا جو بیگانہ یگانہ ہو گیا
پھر پلٹ آئی گلستاں میں بہار اپنا آباد آشیانہ ہو گیا
کفر چھوڑا پی کے مئے توحید کی رنگ شادؔ اب عاشقانہ ہو گیا[1]

اسی لئے ان کے بیشتر کلام کو پڑھ کر یہ تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ کلام ایک کافر ہندی کا ہے یا مومن صادق کا۔ جو خلوص اور وابستگی شادؔ نے بارگاہ رسالت سے ظاہر کی ہے شوق کی راہ سے جگہ جگہ نمایاں ہے۔

۲۔ یوں تو نعت گو شعراء نے بیقراری کے مضامین کثرت سے باندھے ہیں۔ لیکن شادؔ کے کلام کی یہ خصوصیت ایک انوکھے انداز میں ہے۔ ایک تو شاعر کو حب رسولؐ میں بے چینی کا سامنا ہے۔ دوسرے وہ حلقہ بگوشان محمدؐ میں شامل ہونے کے بعد بھی اپنے کفر کی بنا پر نفسیاتی طور پر شہنشاہ لولاک سے دوری کا شدید احساس رکھتا ہے اور اسی لئے تاسف کے آنسو بہاتا ہے۔ جذبات کی شدت ہر جگہ موجود ہے۔

کیوں ہے بے چین الٰہی دل مضطر اپنا کہ کسی طرح سے قابو نہیں اس پر اپنا
جن کو کہتے ہیں محمدؐ وہ ہیں اپنے سلطان جس کو کہتے ہیں مدینہ وہ ہے کشور اپنا
کیوں نہیں روضۂ اقدس کی زیارت ہوتی کیوں بگڑ جاتا ہے بن بن کے مقدر اپنا
پائے بوسی کی تمنا نہیں نکلی اب تک کیا ابھی دیکھیں دکھاتا ہے مقدر اپنا[2]
میں دور ہوں مدینے سے فریاد یا نصیب اب تک حضور میں نہ ہوئی یاد یا نصیب
پایا نہ درد آہ نے کیوں بے اثر نہ ہو فریاد کرتے ہیں لب فریاد یا نصیب[3]

---

[1] ہدیۂ شاد صفحہ ۳، ۴۔ [2] ایضاً: صفحہ ۱۲، ۱۳ [3] ایضاً: صفحہ ۱۷۔

۳ - شاد کے نعتیہ کلام میں زیادہ تر داخلی جذبات کی ترجمانی ہے اور شروع سے آخر تک تغزل کا رنگ غالب ہے۔ البتہ کہیں کہیں رسولِ کریمؐ کے اوصاف کا بیان بھی ملتا ہے جس کی مثال درج ذیل ہے :-

سرورِ الشمس الضحیٰ یا نبی بدرالدجیٰ   عقلِ کل نورالہدیٰ شاہِ دیں خیرالوریٰ
ناسخِ احکام ہے حجتِ اسلام ہے   دافعِ آلام ہے وہ رسولِ مجتبیٰ
سید الکونین ہے مجمع البحرین ہے   رحمتِ دارین ہے شافعِ روزِ جزا
خواجۂ ہر دوسرا مالکِ ارض وسما   گمرہوں کا رہنما سب جہاں کا پیشوا[۵۱]

۴ - اردو کے اکثر نعت گو شعراء نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو اللہ کی شان سے ہم رنگ دکھایا ہے اور اس طرح مخلوق کو خالق کی صفات میں پیش کیا ہے - یہ مضمون غیر اسلامی عقائد کے اثرات کی بناء پر نعتیہ شاعری میں کچھ اس طرح داخل ہو گیا ہے کہ گویا نعت گو شعرائ کے ایک طبقے کا جزوِ ایمان بن گیا ہے۔ شاد کے یہاں اس کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں ۔ مثلاً[۵۲]

ایک ہیں نورِ احد نورِ محمدؐ دونوں   صاف کہہ دینے میں ہم کو کوئی پروا کیا ہے
احد اور احمدؐ ہے کس طرح واحد   وہی جانتا ہے جو سمجھا ہوا ہے[۵۳]

باطن میں ذات ایک ہے ظاہر ہیں عبد و رب
عقدہ کھلا یہ ہم کو شگافِ قلم سے ہے[۵۴]

خود ذات ہی تھی احمد و محمود و محمدؐ   آئینۂ عرفاں میں جو دیکھا شبِ معراج[۵۵]

---

۵۱ ہدیۂ شاد، صفحہ ۱۴   ۵۲ ہدیۂ شاد صفحہ ۱۰۳   ۵۳ ایضاً صفحہ ۱۱۸۔
۵۴ " " " ۱۴۹   ۵۵ " " " ۲۶۔

۵۔ مدینہ طیبہ کا وصف نعت گو شعراء نے اکثر کیا ہے اور اس طرح دیارِ حبیبؐ سے وابستگی کا اظہار نعتیہ کلام میں جا بجا ملتا ہے۔ شادؔ کے یہاں بھی وصفِ مدینہ کا مضمون ہے۔ لیکن نہایت غلو کے ساتھ۔ شاد کے مذہبِ عشق نے اسے روا رکھا ہے کہ اس کی حرمت کو اللہ کے گھر کی حرمت سے بھی بڑھا دے۔

نظر آتی ہے واں شانِ خدائی — در و دیوار کے انوار دیکھو[۱]

طوافِ روضہ عین حج ہے اے شادؔ — مرا کعبہ مدینے کی گلی ہے[۲]

وہ گھر ہے خدا کا تو یہ محبوبِ خدا ہے — کعبے سے بھی اعلیٰ نہ ہو کیوں شانِ مدینہ

ہے قبرِ نبیؐ ہی سے یہ سب عزت و اجلال — قالب ہے مدینہ تو وہ ہے جانِ مدینہ[۳]

۶۔ شادؔ نے اکثر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ساری کائنات کا وجود آپ کے وجود سے ہے اور ہر چیز آپ ہی کے نور سے ہے۔ یہ صورت حقیقۃً اور عقیدۃً دونوں طرح درست ہے لیکن دامنِ رحمت کا سایہ تو اسی کو نصیب ہوگا جو رسالت مآب صلعم سے رشتۂ اطاعت جوڑ چکا ہے اور ایمان کو دل میں جگہ دے چکا ہے۔ شاعر کفر کی حالت میں بزمِ محمدیؐ سے دوری کا شدید احساس رکھتا ہے۔ اب وہ فکر میں ہے کہ کونسا مضمون اس بزم میں پہنچا سکتا ہے۔ اس کے لئے شادؔ نے منطقی استدلال سے کام لیا ہے۔ لولاک لما خلقت الافلاک کی تعبیر کس خوبی سے اپنی تائید میں کی ہے۔

ہیں پھول اسی باغ کے سب کافر و مومن — یہ گلشنِ ایجاد ہے گلزارِ محمدؐ[۴]

ساتھ ہی رسالت سے انکار پر کفر کے فتوے میں دلیل کی قوت پیدا کی ہے۔

---

[۱] ہدیۂ شاد صفحہ ۸۱ [۲] ایضاً صفحہ ۱۱۴ [۳] ایضاً صفحہ ۹۱ [۴] ایضاً صفحہ ۲۹۔

تنزیہ میں کچھ اور ہی تشبیہ میں کچھ اور　　انکار خدا کیوں نہ ہو انکار محمدؐ[۵۱]

وحدت کے مضمون میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو ایک نئے انداز میں پیش کیا ہے۔

وحدت کا جو طرہ ہے انہیں کو ہے وہ زیبا　　ہے تاجِ نبوت کا سزاوار محمدؐ[۵۲]

۷۔ مشکل زمینوں میں اچھے مضامین بھی پیدا کئے ہیں۔ مثلاً

گلشن طیبہ سے میری روح یوں مانوس ہے
جیسے ہو بلبل کو اپنے آشیاں سے ارتباط

درحقیقت محو ہیں دل سے خدا کی ذات میں
ہے بظاہر آپ کو سارے جہاں سے ارتباط

یاد احمد کیوں نہ آئے میرے دل میں بار بار
جو مکیں ہے اس کو لازم ہے مکاں سے ارتباط

رحمۃ للعالمین کے کیوں نہ سب مداح ہوں
رحمت حق کو ہے ان کے مدح خواں سے ارتباط[۵۳]

دل کو ہے روئے پیمبر سے غرض　　آئینہ کو ہے سکندر سے غرض
سجدہ گاہیں اور بھی ہوں گی مگر　　میرے سر کو ہے ترے در سے غرض
دولت عشق نبیؐ درکار ہے　　مال سے کیا کام کیا زر سے غرض
تشنۂ دیدار ہوں میں آپؐ کا　　کب نکل سکتی ہے کوثر سے غرض[۵۴]

---

۵۱ ہدیۂ شاد، صفحہ ۳۰　　۵۲ ہدیۂ شاد، صفحہ ۳۰۔
۵۳ " " ۴۴، ۴۵　　۵۴ " " " ۳۲۔

۸۔ نعتیہ اشعار میں تصوف کے مسائل کا بیان بھی شاد کے یہاں اکثر و بیشتر ملتا ہے جو حقیقت میں ان کے صوفی مشرب ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ شاد ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے ہندوستان میں مذہب کو تصوف کی نظر سے دیکھا اور اسلام کو ان عقائد کے ساتھ ہم آہنگ کرنا چاہا جس کا جواز شریعت میں تو نہیں خود ساختہ طریقت میں ملتا ہے۔

یہ وحدت الوجود کا مشکل ہے مسئلہ — دریا ہے اس کو کوزے میں کس طرح لائیں ہم
آئینہ دار حق ہیں ودیعت خدا کی ہے — پھر کس طرح سے دل پہ یہ تو ہمے لگائیں ہم[1]

کن کہتے ہی نمود ہوئی بے نمود کی — عالم پہ بات کھل گئی نابود و بود کی
اپنی خودی کو کھو کے اسے پایا آپ ہی — یہ سیر کی ہے آ کے عدم سے وجود کی
صل علیٰ نہ کیوں کہیں احمدؐ کے نام پہ — پڑھنے کی ہے جگہ تو یہی ہے درود کی[2]

۹۔ شاد نے جہاں داخلی جذبات کے اظہار میں نہایت لطیف پیرایہ اختیار کیا ہے اور جذب و شوق کی فراوانی سے اپنے خلوص کا ثبوت دیا ہے وہاں اکثر نعت گو شعراء کے رنگ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعشق کا اسی طرح اظہار کیا ہے جس طرح ایک شاہد مجازی سے کیا جاتا ہے۔ آپ کے گیسو، زلف، خد و خال وغیرہ پر فریفتگی کا مضمون یہ ہے:

۱۔ عشق میں زلف محمدؐ کے مری جان چلی
یہ پری اڑ کے مجھے ڈس گئی ناگن بن کر[3]

۲۔ گیسو کی یاد ہے کبھی عارض کی یاد ہے
ہے مست اسی خیال میں لیل و نہار دل[4]

---

[1] ہدیۂ شاد، صفحہ ۴۲ [2] ایضاً صفحہ ۵۷ [3] ایضاً صفحہ ۹۵ [4] ایضاً ص ۴۲

۳۔ مژگاں پاک دیکھ کے کہتے ہیں جان نثار
دل میں خلش ہے جن کی وہ پیکان یہی تو ہیں[۱]

۴۔ جو بات کہ ہے قامت شاہ مدنی میں
آئی ہے نہ آئیگی وہ سرو چمنی میں[۲]

۵۔ بل کھاتے ہو کیا فرط نزاکت سے حسینو
حضرت کے ذرا گیسوئے خم دار کو دیکھو[۳]

۶۔ اعجاز بھری آنکھیں سمائی ہیں نظر میں
اب نرگس شہلا تجھے دیکھا نہ کریں گے[۴]

۷۔ آرزو اب کس کو ہے رویت کی تیری ماہ نو
ہم زیارت کر چکے ہیں ابروِ خم دار کی[۵]

شاد کا نعتیہ قصیدہ ۷۰ ابیات پر مشتمل ہے جس کا مطلع یہ ہے:۔

مئے وحدت سے آج ہوں مخمور
بادۂ عشق کا ہے دل میں سرور[۶]

قصیدے کی تشبیب یا تمہید میں شاعر نے اپنے مقام کی رفعت کے مضمون کو طرح طرح سے باندھا ہے۔ اس میں مئے وحدت کی مستی کا بھی ذکر ہے اور قید مذہب سے آزادی کا دعویٰ بھی ہے۔ شاعر اپنے نغموں کی دلآویزی اور عشق کے بیان کے ساتھ خود کو ہر آن ایک نئی شان میں جلوہ گر دکھاتا ہے آخر یہ کہہ کر نعت کی طرف گریز کرتا ہے کہ :۔

ہوں حقیقت میں کیا نہیں معلوم
پر ہوں اک بندۂ خدائے غفور

جوش مستی میں کہہ دیا جو کچھ
ہوں میں امیدوار عفو قصور

۱۔ ہدیۂ شاد، صفحہ ۶۱ ۲۔ ہدیۂ شاد: صفحہ ۴۷، ۳۔ ہدیۂ شاد صفحہ ۸۷۔
۴۔ " " : " ۱۰۰ ۵۔ " " : " ۱۲۶۔ ۶۔ " " " ۱۶۷

ساقیا ہاں پلا شراب طہور | تا کہ ہو جاؤں نشے میں پھر چور
نعت کرنی ہے مجھ کو انکی رقم | ہے لقب جن کا سرور جمہور[1]

وصف کے اشعار یہ ہیں :-

جس کو کہتے ہیں احمد بے میم | ہے اسی کے لئے جہاں کا ظہور
ذات ہے اس کی مظہر غفار | کیوں نہ امت اسی کی ہو مغفور
بات ہر اک ہی معجزہ ان کی | ہے علوم لدنیہ پہ عبور
ان کا کہنا ہے وحی یوحی | نہ بناوٹ نہ اس میں کچھ ہے قصور[2]

شاعر نے اپنے عام رنگ سے الگ قصیدے میں حضورؐ کے اوصاف کا بیان شرح و بسط سے کیا ہے۔ قصیدہ کا خاتمہ دعا پر کیا ہے جو طویل ہے۔ اس میں شاعر نے اپنا مدعا پیش کیا ہے اور کہیں کہیں داخلی جذبات کا اظہار بھی ہے۔

مخمس کا نمونہ درج ذیل ہے :-

میں فدا تم پہ دل و جاں سے ہوں اے عربی نبیؐ | مجھ کو بلوالو مدینے میں شہ مطلبی
یہی کہتا ہوا آؤں گا جو ہو گی طلبی | مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

چاند سا دیکھ کے کھڑا ہوا حیران عالم | ہے عیاں قدرت حق آپ سے اے شاہ امم
وصف اس حسن خدا داد کا کیونکر ہو رقم | من بیدل بہ جمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدین بو العجبی[3]

---

[1] ہدیۂ شاد : صفحہ ۱۷۱ - [2] ہدیۂ شاد : صفحہ ۱۷۱، ۱۷۲ [3] ہدیۂ شاد : صفحہ ۱۵۲-

سید افضل شاہ خاں چشتی طوفاںؔ

سلطان سخن (الموسوم دیوان طوفان رحمت) ایک نعتیہ دیوان ہے۔
جس کے مصنف سید افضل شاہ خاں چشتی قادری المتخلص طوفاںؔ تھے۔
ان کے صاحب زادے سید احمد شاہ چشتی قادری نے یہ دیوان شائع کیا ہے۔
اس کے مقدمے میں وہ اپنے مقامی انداز بیان میں لکھتے ہیں، کہ وہ "خلیفہ
حضرت سید شاہ فیض الدین صاحب چشتی القادری قدس سرہٗ العزیز کے
تھے۔ چہار پشت ضلع بیڑ و اورنگ آباد میں گزرے اور حضرت کی پیدائش
ضلع بیڑ کی ہے۔ اور بتلاش روز گار ضلع کریم نگر پہنچ کر بعد ملازمت ۴۴ سال
وظیفہ حسن خدمت حاصل کر کے سنہ ۱۳۳۴ ف میں بلدہ حیدر آباد محلہ باغ
مسلم جنگ میں قیام پذیر رہے۔ اور سنہ ۱۳۳۹ ف میں دنیائے فانی سے
رحلت فرمائے۔ حضرت قبلہ کو بزمانہ شباب حضرت آغا داؤد صاحب قبلہ
قدس سرہٗ العزیز خلیفہ حضرت محمد حسن صاحب قبلہ قدس سرہٗ العزیز سے
بیعت تھی، اور آخری عمر میں حضرت سید شاہ فیض الدین صاحب قبلہ
چشتی القادری قدس سرہٗ العزیز خلیفہ حضرت محمد غوث صاحب قبلہ
چشتی القادری قدس سرہٗ العزیز نبیرہ حضرت حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ
جو موضع بیارم ضلع آصف آباد میں قیام پذیر تھے، طالب ہوئے۔ حضرت
سید شاہ فیض الدین صاحب چشتی القادری کے صحبت نے حضرت قبلہ
طوفان صاحب کا ایسا ذوق بڑھایا کہ چودہ ماہ میں دیوان نعتیہ تکمیل پایا۔
یہ دیوان سنہ ۱۳۵۱ھ میں شائع ہوا تھا اور نواب فصاحت جنگ خلیلؔ
نے تاریخ طبع کا مادہ اس طرح پیش کیا:۔

طبع کی تاریخ تم لکھو خلیلؔ بے بہا بے مثل نعت مصطفےٰؐ
۱۳۵۱ھ

دیوان میں کم وبیش چار ہزار اشعار ہیں اور قریب قریب تمام اصناف سخن موجود ہیں۔ شروع میں ایک مناجات ہے جس میں شاعر نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کے لئے دعا کی ہے اور اس عشق میں اشعار پیش کرنے کی آرزو ظاہر کی ہے:۔

آرزو ہے اس شفاعت خواہ کی ۔۔۔ اور تمنا ہے یہ افضل شاہ کی
عشق کے دریا میں ہو طوفاں بپا ۔۔۔ رنگ دکھلائے وہ نعت مصطفےٰ

پھر ردیف وار غزلیات ہیں۔ تضمین، ترجیع، مثلث، مخمس، مسدس، مستزاد وغیرہ سب کچھ ہیں۔ کچھ خمسے اور مرثیے پوربی زبان میں لکھی ہیں۔ سلام بھی ہیں اور شہدائے کربلا کا ذکر بھی مختلف مقامات پر ہے۔ حضرت امیر خسروؒ، جامی، مولوی لطف اللہ خاں لطف بریلوی، خواجہ وزیر، اکبر الہ آبادی، بیدم وارثی اناوی، ہنر حیدر آبادی وغیرہ کے کلام پر اچھی تضمینیں لکھی ہیں۔ مثنویاں اور رباعیاں بھی ہیں اور ہر جگہ نعت ہی نعت غالب ہے۔ اور چونکہ طوفاں کا تعلق قادریہ اور چشتیہ دونوں سلسلوں سے ہے اس لئے ان کے بزرگوں کا ذکر بھی جگہ جگہ آتا ہے۔ مثلاً

مشرق میں گر پکاروں تو مغرب سے لے خبر
ہے غوث پاکؒ نام مرے دستگیر کا[1]

اے ہجر معین الدینؒ مجبور نہ کر مجھ کو
دوری کے شکنجے میں کیوں لا تو نچے کستا ہے[2]

---

[1] سلطان سخن: صفحہ ۲۵ [2] سلطان سخن: صفحہ ۱۲۷۔

ان روحانی پیشواؤں کے علاوہ متعدد مقامات پر مادی آقا یعنی میر عثمان علیخاں والیٔ دکن کی مدح سرائی بھی ہے۔ مثلاً :-

ذکر علم الاولین پر غش ہے سلطان العلوم
جس کے علم و فضل کی ہندوستان میں دھوم ہے[1]

حال شہ عثمان اعلیٰ ہے لاکھوں نیکوں میں نرالا ہی
شاہوں میں اللہ والا ہے سمجھا دیا کملی والے نے[2]

شیدائے رسول مدنی ہے شہ عثماں
شاہوں میں یہ سلطان دکن اور ہی کچھ ہے[3]

سادگی سے شہ عثمان کی ہے شاہی کو فروغ
ہیبت حق سے نہیں تیغ میں جوہر خالی[4]

۱- طوفان کی نعتیہ غزلوں میں تغزل پوری طرح کارفرما ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک نعت گو شاعر اس صنف میں بھی کس قدر کامیاب ہو سکتا ہے۔ تغزل کے اشعار یوں آتے ہیں۔

بے تابیٔ دل اپنی یوں ان کو خبر کرنا
سر مار کے فرقت میں دیوار کو در کرنا

اس تغزل کے ساتھ عقیدت اور محبت بھی عجیب شوق و اشتیاق کے ساتھ ہے :-

دو دل کو ملاتے ہیں روٹھوں کو مناتے ہیں
عادت ہے محمدؐ کی یوں شیر و شکر کرنا

کہہ دو میری جانب سے انوار الٰہی کو
قطرے کو گہر کرنا ذرے کو قمر کرنا

---

[1] سلطان سخن: صفحہ ۱۱۹ [2] ایضاً صفحہ ۱۲۷ [3] ایضاً صفحہ ۱۳۳ -
[4] " " : " ۱۲۵ -

ایک اور غزل کا تغزل ملاحظہ فرمائیے جس کا مطلع یوں ہے :-

میں رہوں ہوش میں خلوت کا یہ دستور نہیں
غیر کے سامنے آنا انھیں منظور نہیں

پوری غزل اسی رنگ کی ہے۔ اور مقطع یوں آتا ہے :-

بے سبب آنکھ سے آنسو نہیں گرتے طوفان
پھر یہ کیا ہے جو جگر میں کوئی ناسور نہیں

ایک اور غزل میں تغزل یوں ہے :-

خیال میں بھی آتا ہی خواب ہو کے رہوں
یہی طریق ہی در پردہ ان کے آنے کا

مزا تو جب ہو کہ بوئے کباب ہو کے رہوں
جلا کے آتش فرقت مجھے تو خاک نہ کر

یہ تغزل طوفان کی عقیدت میں طوفان برپا کر دیتا ہے۔ اور ان کی اکثر غزلوں میں اس لطیف عنصر کی وجہ سے بڑی دل کشی پیدا ہو گئی ہے۔

۲ - حسن تعلیل سے بھی طوفان نے بہت کام لیا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس صنعت کی موجودگی کے باوجود تصنع ظاہر نہیں ہوتا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

غضب ہی گلوں کو ہنسی سوجھتی ہے
فراق محمد میں روتی ہے شبنم

جاتی ہی تو واپس نہیں آتی نظر شوق
کس حسن کی اس گنبد خضرا میں کشش ہے

تارے بنے ہیں دامن چرخ کہن میں پھول
بہر نثار روضۂ والا تمام رات

ہو کیوں نہ زرد زرد چراغ سحر کا رنگ
پیری میں سوز الفت احمد نہ چھپ سکا

کیوں لگاوٹ نہ ہو رحمت کو سیہ روں سے
قدر سونے کی کسوٹی سے ہوا کرتی ہے

۳ - حقیقی جذبات کی ترجمانی بڑے لطیف پیرائے میں کی ہے جس سے عقیدت اور حقیقت دونوں کا اظہار ہوتا ہے۔

گر ہم نہ گئے روح تو جائے گی مدینہ
دل میں کشش صادق حب الوطنی ہے

شب فرقت میں تو لے خواب آنکھوں سے خفا کیوں
تمنا ہے کہ اس بیتابی دل کا اثر دیکھوں

ضعف کہتا ہے کہ کس طرح مدینے جائیں
شوق کہتا ہے کہ مر مر کے چلے جائیے آپ

ایک منزل میں تو رہتے ہیں مل کر دونوں
ہوش جاتا ہے تو پھر بے خبری آتی ہے

آپ کیا آئیں پر آتا ہے خیال اک آپ کا
کیا اسی صورت سے دل کو میرے بہلائیں آپ

۴ ۔ بات میں بات پیدا کرنا بھی بعض شعراء کا شیوہ ہے۔ طوفان کے یہاں ایسی مثالیں بہ کثرت ہیں۔

جو بے خطا رہا وہ خطاوار ہے ضرور
بندہ کا ہے خمیر مرکب خطا کے ساتھ

خنجر کی طرح چاند سی صورت پہ بھویں ہیں
اس بدر میں اس بدر کا رن بول رہا ہے

تلواروں کی دھاروں میں بھی جاؤں گا مدینہ
دل بھی میرا فولاد ہے منزل جو کڑی ہے

شرمندۂ عصیاں پہ رحمت کا پڑا پانی
ہم اپنے پسینے میں خود آپ نہا بیٹھے

جس ہٹ پہ بھتے ہیٹلے آخر وہی قبیلے
بگڑے ہوئے بنے سب انسان تری گلی میں

اترا رہے ہیں دونوں تیری عنایتوں پر
دانا تری گلی میں نادان تری گلی میں

۵۔ سنگلاخ زمینیں بھی جگہ جگہ اختیار کی ہیں۔ جو طوفاںؔ کی قادر الکلامی کی دلیل ہیں۔ اور ایسی زمینوں میں اچھے اچھے مضامین بھی پیدا کئے ہیں۔ یہاں طوالت کے خوف سے ان زمینوں کی صرف نشان دہی کی جاتی ہے :۔

"آب خنجر دھوپ میں۔ برابر دھوپ میں۔ جب روشن چراغ۔ تب روشن چراغ۔ جلوہ گر چاروں طرف۔ مگر چاروں طرف۔ کافور کی آگ۔ ناسور کی آگ"

"تدبیر بھی دھری تھری۔ زنجیر بھی دھری تھری"

بعض نعتیہ غزلیں بہت دل کش ہیں ہم یہاں صرف مطلعے پیش کرتے ہیں :۔

حور و ملک ہیں سارے خیر البشر پہ صدقے
عالم ہے در پہ قربان جبریل گھر پہ صدقے

نازل ہوا ہے قرآں اے جان تری گلی میں
لاکھوں کو مل رہا ہے ایماں تری گلی میں

غافل نے عمر کھوئی میں تو کی گفتگو میں
مرنے سے پہلے مرکر گم ہو گیا نہ ہو میں

بروں کو کچھ ایسی بھلی سوجھتی ہے
مدینے کی ہر دم گلی سوجھتی ہے

ان خوبیوں کے باوجود بعض مقامات پر سقم بھی پایا جاتا ہے۔ اور زبان بھی مقامی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ مثلاً

تھی راہ مدینہ میں جو خاک مری باقی
صد حیف کہ آندھی نے اس کو بھی اڑا ڈالی

(ص ۱۲۹)

مژدہ لا تقنطوا سن کر ہوئے ہم باغ باغ
اور تازہ ہو گیا ہر پھول کمھلاتے ہوئے (ص ۱۲۲)

اس گنہگار کو کیا خاک جلائے گی جحیم
قدرت حق نے جسے چاہ سے پالی ہو گی (ص ۱۴۴)

خاک میری اڑا کے آندھی نے — لو مدینے کی راہ پر ڈالی (ص ۱۳۰)

حضرت ہی نہ آئیں تو کیا خاک شفا ہو گی
بیمار محبت سے سب ہاتھ اٹھا بیٹھے (ص ۱۲۲)

سیر ہو کر نہ کبھی آپ نے کھانا کھایا
شکم پاک سے اک دن بھی نہ پتھر نکلا (ص ۹)

"مدثر" (دال۔ ث مشدد) کو صرف مدثر (صرف ث مشدد) استعمال کیا ہے۔ مثلاً:-

اٹھا جو مدثر کا گھونگھٹ حوروں نے بلائیں لیں چٹ چٹ
بلبل کی ہوئی گل سے کھٹ پٹ شرما دیا کملی والے نے (ص ۱۲۷)

ہر لفظ کے گھونگھٹ میں جلوہ ہے محمدؐ کا
تفسیر مدثر کی دیوان ہے طوفان کا

لیکن یہ کوئی غلطی نہیں ہے۔ کیونکہ فارسی شعراء نے "مزمل" (بغیر زائے مشدد کے) استعمال کیا ہے۔ مثلاً۔ حکیم انوری لکھتا ہے۔

گل در لحاف غنچہ خوش گفتہ بد سحر گہ — باد صبا بر دو خواند یا یہا المزمل

کمال اسمٰعیل نے بھی کہا ہے۔

واں گردش مزمل زرین شگفت را — گوئی بر وشنی چو روان اندر روان

محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی حسرت

مولانا عبدالقدیر صدیقی حسرت سنہ ۱۲۸۸ھ میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ تعلیم اپنے والد محمد عبدالقادر صدیقی کی نگرانی میں پائی۔ فارغ التحصیل دارالعلوم سے ہوئے۔ مولوی، مولوی عالم، منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات میں پنجاب یونیورسٹی سے امتیازی درجہ میں کامیابی حاصل کی۔ پھر حبیب ابوبکر بن شہاب اور مولانا قادر الدین وغیرہ سے درس نظامی کی تعلیم پائی۔ یوں حسرت تفسیر، فقہ، حدیث، منطق، فلسفہ وغیرہ کے ماہرین میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا خاص دلچسپ موضوع تصوف ہے پہلے دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے پھر اسی کالج میں عربی کے پروفیسر رہے۔ آخر جب جامعہ عثمانیہ وجود میں آئی تو وہاں صدر شعبۂ دینیات کی کی خدمت پر فائز رہے۔ سنہ ۱۳۴۳ف میں وظیفہ پر خدمت سے علیحدہ ہوگئے۔

مولانا حسرت کا شمار حیدرآباد کی ان شخصیتوں میں ہوتا ہے جس پر حیدرآباد کو بجا طور پر ناز ہے۔ انھوں نے جہاں مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں ہیں وہاں شعر و سخن میں بھی اپنا مقام پیدا کیا ہے۔ ان کی تصانیف میں "الدین" "حکمت اسلامیہ" "معیار الکلام" اور "معارف" شامل ہیں۔

حسرت نے عربی، فارسی، اردو اور ہندی زبانوں میں شعر کہے ہیں۔ یہاں ہم حسرت کے نعتیہ کلام سے بحث کریں گے۔

حسرت نعت گو شعراء میں اس حیثیت سے قابلِ قدر ہیں کہ انھوں نے اردو کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی روح افزا نعتیں لکھی ہیں۔ گویا

ان کا کلام جہاں عربی اور فارسی محاسن سے مالامال ہے، وہاں ہندوستانی رنگ کو بھی خالص ہندوستانی خصوصیات کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔ ایک طرف وہ اپنی نعتیہ ٹھمریوں میں صنفِ نازک کی زبان سے "معراجی سیاں"، "مکے والے بلما"، "کالی کملی والے کنہیا"، وغیرہ کی ترکیبیں استعمال کر کے حسنِ کلام میں ہندوستانی ادائیں پیدا کرتے ہیں تو دوسری طرف "سیّد المصطفےٰ"، "احمد المجتبیٰ"، "سیّد الابرار"، "مرتضیٰ"، "خیر الورا" وغیرہ کے القاب سے وہ بارگاہ رسالت میں تقدس اور حسن خطاب کی فضا پیدا کرتے ہیں۔ جس طرح حسرت کی ذات جامع صفات ہے، اسی طرح ان کی نعتیہ شاعری بھی جامع خصوصیات ہے۔ یہاں ہمیں مولانا کی عربی اور فارسی نعت سے بحث نہیں ہے۔ صرف ان کی اردو نعت سے متعلق عرض کرنا ہے۔ حسرت کے مجموعۂ کلام "زفرات الاشواق" (مطبوعہ ۱۳۵۳ھ) میں عربی نعت اور ٹھمریاں شامل ہیں۔ "نسیم عرفان" میں۔ کوئی مستقل نعتیہ غزل نہیں ہے۔ نعتیہ ٹھمریاں درج ہیں۔ البتہ "زمزمۂ محبت" میں صرف حمد، نعت اور منقبت پائی جاتی ہے۔ اس میں ٹھمریاں وہی ہیں جو "زفرات الاشواق" اور "نسیم عرفان" میں ہیں۔ "زمزمۂ محبت" کے دیباچہ میں حسرت نے مداحِ نبیؐ ہونے پر ناز کیا ہے اور اس سعادت پر خود کو مبارک باد دی ہے۔ جہاں تک شعر گوئی کے مقصد کا سوال ہے حسرت کے یہاں اس قبیل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی سوائے کہ "اللہ ربی و محمد حبیبی"، "شعر کہنے میں انھیں نہ تو ستائش کی تمنا ہے اور نہ صلے کی پروا"۔ "علماء التفات نہ کریں مناسب، شعراء نہ مانیں منظور، دنیا پسند نہ کرے"۔ ان کی نظر میں کچھ

نہ سہی "۔جگر کی خلش تو دور ہوئی دل کی کاوش تو زائل ہوئی۔"[۱]

۱۔ غرض یہ کہ حسرت نے شعر گوئی کا مقصد جذبات کا اظہار قرار دیا ہے۔ اگر حسرت کی نعتیہ شاعری صرف رسالت مآب سے عقیدت اور خلوص کا اظہار ہے تو یہ جذبہ بھی کچھ کم قابل ستائش نہیں ہے۔ دراصل حسرت کی نعت گوئی کی پہلی خصوصیت اسی جذبہ عقیدت اور محبت کا اظہار ہے۔ ساتھ ہی عظمت رسولؐ ان کے دل وجان میں بسی ہوئی ہے۔ وہ دنیا اور عاقبت کی فلاح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی میں دیکھتے ہیں :—

تم پہ میں جان سے قربان رسولِ عربیؐ — تم مری جان کی ہو جان رسولِ عربیؐ
آپ کی شان میں ہر بے ادبی بے دینی — آپ کا عشق ہے ایمان رسولِ عربیؐ
جن وانس اور ملائک کی سمجھ سے باہر — آپ کا مرتبہ وشان رسولِ عربیؐ
تری تعظیم کریں اور تری توقیر کریں — یہ ہے اللہ کا فرمان رسولِ عربیؐ

مومن نہیں جو اس میں کرے فرق ذرا بھی — اللہ کا فرمان ہے فرمان رسولِ عربیؐ[۲]

۲۔ خلوص ومحبت کی فراوانی کی وجہ سے بیقراری کے مضامین کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ شاعر لقائے حبیب کے لئے تڑپتا ہے اور حسرت دیدار کی بے چینی میں بارگاہ رسالت میں اپنی تمنا لے کر پہنچتا ہے :—

---

[۱] دیباچہ۔ نسیم عرفان۔ دیوان العلامہ۔ محمد عبد القدیر حسرت۔ از مصنف ص ۱ [۲] زمزمۂ محبت : صفحہ ۱۴۔

آجا آجا سرو سامان عزیزاں آجا — اے تسلّی دہ دل ہائے پریشاں آجا
بس بہت عرش معلّیٰ کے تماشے دیکھے — دیکھنے حال دل خاک نشیناں آجا
کس مصیبت سے جدائی کے یہ دن کٹتے ہیں — کردے آباد مرا خانۂ ویراں آجا
دن کو تسکین نہیں رات کو آرام نہیں — ہے ترے واسطے دل میرا پریشاں آجا
نزع کے وقت دکھا دے رخ پرنور اپنا — اتنا احسان تو کر اے شہ خوباں آجا[۵۱]

انھیں جذبات کا اظہار حسرت کے کلام میں جا بہ جا پایا جاتا ہے ذیل کے اشعار بھی اسی خصوصیت کے آئینہ دار ہیں :-

مئے محبّت سے چور کردے — دکھا کے صورت کملیا والے
غم جدائی کو دور کردے — دکھا کے صورت کملیا والے
اٹھا دے منہ سے نقاب اپنا — دکھا دے انّی انا کا جلوہ
بطون کو تو ظہور کردے — دکھا کے صورت کملیا والے
کہاں ہمارا حبیب رب ہے — دُعا یہ حسرت کی روز و شب ہے
یہ انجمن رشک طور کردے — دکھا کے صورت کملیا والے[۵۲]

۳۔ حسرت نے جہاں داخلی جذبات کا اظہار کیا ہے وہاں حقیقی اوصاف محمدؐ ہی سے بھی ان کا کلام خالی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اوصاف کا بیان بھی ان کے یہاں اسی فراوانی اور قوت سے پایا جاتا ہے۔ ساتھ ہی کلام کی سادگی اور روانی مضامین کو دلنشین بنائی جاتی ہے :-

شہنشاہ کون و مکاں ہیں محمدؐ — دو عالم کی روح رواں ہیں محمدؐ

---

۵۱ زمزمۂ محبت : صفحہ ۱۵ — ۵۲ نسیم عرفان ، صفحہ ۶۵، ۶۶ -

محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا　　کلید ظہور جہاں ہیں محمدؐ
محمدؐ سے ہے رونق بزم ہستی　　بہار ریاض جہاں ہیں محمدؐ
روابط کئے عبد و رب کے نمایاں　　شناسائے غیبؐ عیاں ہیں محمدؐ
معلم بنا کر انھیں حق نے بھیجا　　وہ دانائے راز نہاں ہیں محمدؐ[1]

۴۔ حسرت کے کلام میں، ان کی علمیت اور تصوف سے ان کے گہرے لگاؤ کا ثبوت جگہ جگہ ملتا ہے۔ تاہم کلام کی سادگی، صفائی اور عام فہم مضامین کی وجہ سے ہر شخص لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

جہاں میں غل ہوا محبوب رب العالمین آیا
شہنشاہ دو عالم صاحب تاج و نگین آیا

بتوں کی شوکت و عظمت جہاں سے کیوں نہ ہو باطل
اڑاتا پرچم توحید ختم المرسلین آیا

دعا کی تھی خلیل اللہ نے جس کے لئے پہلے
خبر دی جس کی عیسیٰؑ نے وہ شاہنشاہ دین آیا

نہ تھا معلوم کوزہ میں سمندر بھی سماتا ہے
محمدؐ مصطفےٰ کو دیکھ کر سب کو یقین آیا

نہ جس کا مثل نکلا حضرت آدم سے عیسیٰ تک
وہ فخر اولین آیا وہ عزِ آخرین آیا

خلیل اللہ نے دیکھا جو حضرت کو تو فرمایا
مرا لخت جگر عزت نشان مسند نشین آیا

---

[1] زمزمۂ محبت: صفحہ ۲۰۔

دمِ آخر نبیؐ کو دیکھ کر حسرت یہ چلاؤں
مرا ہادی مرا ملجا مرے دل کا مکین آیا[1]

وصفِ نبیؐ کے بیان میں حسرت نے قرآنی تلمیحات سے اکثر کام لیا ہے لیکن ان کی تشریح خود شعر کے مضمون ہی سے ہو جاتی ہے۔

ہاں صبحِ ہدایت آئی نکل تاریکیٔ کفر ہوئی زائل
جب جاء الحق زہق الباطل فرمادیا کملی والے نے

اللہ نے فترضیٰ کا وعدہ جب بہرِ شفاعت فرمایا
پھر باغِ جناں میں امت کو پہنچا دیا کملی والے نے

معراج میں جس دم آئے نبی اللہ نے کہا ادن منی
تو شکر میں جو کچھ تھا اپنا لٹوا دیا کملی والے نے[2]

حدیث کے مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے:-

اے حسرتِ شیدا فکر نہ کر ہیں ساتھ ہمارے پیغمبرؐ
جب انت مع من احببت فرما دیا کملی والے نے[3]

حسرت کا سلام بھی چھوٹی بحر میں ترنم ریز اور دلآویز ہے۔ یہاں داخلی جذبات کے اظہار کے ساتھ اوصافِ محمدیؐ سے بھی کلام کو مزین کیا گیا ہے۔

تم امام انبیا ہو — مقتدائے اتقیا ہو
تم جہاں کے پیشوا ہو — رہبرِ راہِ خدا ہو
یا نبیؐ سلام علیکم[4]

---

[1] زمزمۂ محبت: (مطبوعہ سنہ ۱۳۵۳ھ) صفحہ ۱۷۔
[2]، [3] " صفحہ ۱۶ [4] ایضاً: صفحہ ۷۔

۵ - حسرت کی ٹھمریاں ان کی نعتیہ شاعری کا ایک الگ اور اہم باب ہے - جس میں انوکھے انداز میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کا اظہار کیا گیا ہے - ایک سرمستی، جذب و شوق کلام کے ہر انداز سے ٹپکتا ہے۔ شاعر اپنے سیاں پر فریفتہ، قربان اور تصدق ہونے کے لیے نازکی ان ساری اداؤں سے کام لیتا ہے جو ایک صنف نازک کا فطرۃً ناز و نیاز کا انداز پیدا کر سکتا ہے - جذبات کی فراوانی، ان کی لطافت اور شدت فراق کے شدید احساس کی آئینہ داری کرتی ہے :—

معراجی سیاں تم پر جیا قربان

آنکھوں کے تارے راج دلارے — تم ہو میری جان، معراجی سیاں
نیند نہیں آوے چین نہیں آوے — تم بن اے سلطان، معراجی سیاں
تن من واروں جیارا واروں — تم پر سب قربان، معراجی سیاں[1]

اودھ کے والے بلما تو آجا رے — آجا رے، پھر نہ جا رے
خدیجہ بی بی کے راج دلارے — عائشہ بی بی کے بالم پیارے
آجا پھر نہ جا رے
نینوں میں آجا من میں سما جا — درس دکھا جا من کو لبھا جا
آجا پھر نہ جا رے
جلد بلا لو اپنے دوارے — کب تک حسرت جیری پکارے
آجا پھر نہ جا رے[2]

---

[1] نسیم عرفان : صفحہ ۶۳ [2] نسیم عرفان : صفحہ ۶۴، ۶۵ -

ایک اور نمونہ درج ذیل ہے :-

بھولی بھالی میں ہوں ناری پیت گلے کا ہار

موری نیّا منجدھار

میّا بابل کوئی نہیں ہے بیری ہے سنسار

موری نیّا منجدھار

تیرے دوارے آن پڑی ہوں چھوڑ کے سب گھربار

موری نیّا منجدھار

کالی کملی والے بھیّا آؤ اب سرکار

موری نیّا منجدھار[1]

علامہ حسرت کے نعتیہ کلام کی مقبولیت، سادگی اور سلاست کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ سلسلہ دینیات کی ابتدائی کتابوں میں چھوٹے بچوں کے لئے جب نعتیہ اشعار کا انتخاب کیا گیا تو اس کے لئے حسرت ہی کے کلام پر نظر پڑی۔ چنانچہ ان کی یہ نعتیہ غزلیں بچوں کے وردِ زبان ہیں:-

(۱) حبیبِ خدا ہیں ہمارے محمدؐ (۲) محمدؐ دلوں کی دوا بن کے آئے

(۳) شہنشاہ کون و مکان ہیں محمدؐ۔

حسرت کی یہ غزلیں بھی مقبول خاص و عام ہیں :-

(۱) اسلام کا پرچم عالم پر اڑوا دیا کملی والے نے

(۲) تم پہ میں جان سے قربان رسولِ عربیؐ

---

[1] رمزات الاشواق مع نغمات حسرت (مطبوعہ سنہ ۱۳۵۳ھ) صفحہ ۱۹، ۲۰ -

حافظ جلیل حسن جلیلؔ

جلیلؔ مانکپور کے رہنے والے تھے۔ شاعری میں امیر مینائی کے شاگرد اور جانشین تھے۔ وہ حیدر آباد اپنے استاد ہی کے ساتھ آئے اور وہیں فروغ پایا۔ والئ دکن میر عثمان علی خاں ان سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ خسروانہ عنایات ان کے ساتھ آخر تک رہیں۔ فصاحت جنگ کے خطاب سے نوازے گئے اور نہایت فارغ البال رہے۔ آخر دم تک حیدر آباد ہی کے ہو رہے۔ چنانچہ ان کا انتقال بھی وہیں سنہ ۱۳۶۵ھ میں ہوا۔

جلیلؔ کا کلام زبان کے لحاظ سے نہایت صاف اور شستہ ہے۔ لکھنوی رنگ کا یہ حسن ان کے کلام میں ہر جگہ موجود ہے۔ ساتھ ہی لکھنؤ کی دیگر خصوصیات بھی ان کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ اور حالات کے لحاظ سے درباداری کا رنگ بھی دانستہ یا نادانستہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بایں ہمہ معرفت اور اخلاق کے مضامین کی کمی نہیں ہے۔ اسے ان کے استاد کا فیض کہیے یا ان کی طبیعت کا رجحان۔ بہر حال ان کی شاعری میں جہاں شاہد مجازی سے چہل کے مضامین ملتے ہیں وہاں ان لطیف جذبات کی ترجمانی بھی پائی جاتی ہے جو روح کی کثافت کو لطافت میں تبدیل کر دیتے ہیں اور مزاج کو سنجیدگی اور شریف رجحانات کا سبق دیتے ہیں۔ اردو کے مشہور نعت گو شاعر امیر مینائی کے شاگرد اور جانشین ہونے کی حیثیت سے نواب فصاحت جنگ جلیلؔ نے اپنے استاد کی روایت کو قائم رکھا اور نعت نبیؐ میں بھی سخن سنجی کی۔ امیرؔ کے اس فیض کو اس شعر میں ظاہر کیا ہے۔

نعت گوئی میں مری کیوں نہ ہو تاثیر جلیل
فیض ہے اس میں امیر الشعرا سے مجھ کو

ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ "معراج سخن" (سنہ ۱۳۴۷ھ) ان کے اس رنگ کو اجاگر کرتا ہے۔ اس مجموعہ میں ۳۱ نعتیہ غزلیں، ایک ترجیع بند (شب معراج)، ۸ رباعیات شب معراج اور ۵ نعتیہ رباعیات ہیں۔ باقی کلام منقبت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم منقبت حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما، سلام اور مرثیوں کے علاوہ مدح غوث اعظم قدس سرہٗ اور مدح حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ پر مشتمل ہے۔

۱۔ جلیل کا نعتیہ کلام جو عشقِ محمدؐ میں ڈوبا ہوا ہے ان کے ایمان کی نیاز مندانہ کیفیت کا پتا دیتا ہے۔ شاعر حُبِ رسولؐ کو زندگی کا حاصل اور مقصود گردانتا ہے۔ چنانچہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے مضمون کو جگہ جگہ باندھا ہے اور اس کو اصل ایمان قرار دیا ہے دینوی اور اخروی دونوں کامیابیوں کا سبب اس کو گردانا ہے۔ ان کے نزدیک حبِ رسولؐ ہی پر زندگی کی کامرانی کا دارومدار ہے۔

مدار کار ہے حب رسولؐ پر وانہ ؎ عمل ہزار ہوں اچھے، تو اب کیا ہوگا[۵۱]

داغہائے عشق احمد کو نہ رکھوں دل میں کیوں
یہ شرارے پھول جنت کے نہ بن جائیں گے کیا[۵۲]

شانِ محمدی ہر رنگ میں محبوب ہے۔

---

۵۱ معراج سخن، نظامی پریس لکھنؤ مطبوعہ سنہ ۱۳۴۶ھ: صفحہ ۱۔
۵۲ " " " " " " : ۴

احمد پہ ہیں قربان محمدؐ پہ تصدق — محبوب ہر اک نام ہے محبوب خدا کا[1]

شاعر کی نظر میں عشق احمد میں مصیبت بھی رحمت بن جاتی ہے۔

عشق احمد میں مصیبت کو بھی رحمت سمجھا — بڑھ کے لیں ہم نے، فلک سے جو بلائیں آئیں[2]

"خیال مصطفےٰ" سے "سکون خاطر بیمار" کا مضمون بھی جلیل کے قلب کی اسی کیفیت کی ترجمانی ہے :-

خدا رکھے سلامت اے خیال مصطفےٰ تجھ کو — تجھی سے کچھ سکون خاطر بیمار ہوتا ہے

(معراج سخن ص ۴۷)

اسی لئے بارگاہ رسالت سے امیدواری کے مضامین جابہ جا پائے جاتے ہیں۔ شاعر نیازمندانہ انداز میں کلام کو درد انگیز، دلآویز اور ترنم ریز بنا کر اپنا مدعا پیش کرتا ہے۔ طرز ادا کی ندرت ایسی ہے کہ سننے والا بارگاہ رسالت میں شاعر کی باریابی اور مقبولیت پر ایقان کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔

ہم بھلا تاریکیٔ مرقد سے گھبرائیں گے کیا
خواجۂ عالم جمال اپنا نہ دکھلائیں گے کیا

خنجر عصیاں کے چرکے مجھ کو تڑپائیں گے کیا
چارہ سازی سیّد عالم نہ فرمائیں گے کیا

امتی جلنے لگے کیوں آفتاب حشر میں
دامن رحمت کے سائے میں نہ آجائیں گے کیا

تم شفیع عاصیاں ٹھہرے تو پھر میرے گناہ
سامنے داور کے مجرم مجھ کو ٹھہرائیں گے کیا

---

[1] معراج سخن، نظامی پریس لکھنؤ مطبوعہ سنہ ۱۳۴۶ھ - صفحہ ۱۰ -

[2] " " " " " " " ۱۶ -

ہاتھ خالی حشر میں جانے کا غم کیا اے جلیل
ہم وہاں شاہ دو عالم کو نہ پا جائیں گے کیا[۱]

جمال محمدی پر فریفتگی کا بیان اپنی زبان میں اور دوسروں کی زبان میں جلیل نے نہایت حسن و خوبی سے کیا ہے۔ عشق محمدی میں بیخودی، بیقراری، جذب اور شوق کا جگہ جگہ اظہار ہے۔ ترجیع بند شب معراج کا نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

حوریں کہتی ہیں ہم اس حسن پہ قربان ہوں گے
جامہ زیبی پہ تری چاک گریباں ہوں گے
جتنے جلوے ہیں نہاں آج نمایاں ہوں گے
صدقے ہر جلوے پہ دیدار کے ارمان ہوں گے
خوب نظارۂ رخسارۂ تاباں ہوں گے
دیکھنے والے یہ کہہ کہہ کے ثنا خواں ہوں گے
مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی[۲]

شب معراج میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کا اہتمام اسی شوق کی صورت پیش کر رہا ہے جو عشق نبیؐ نے ذرے ذرے میں جاری ساری کر دیا ہے:-

---

[۱] معراج سخن: نظامی پریس لکھنؤ۔ مطبوعہ سنہ ۱۳۴۶ھ: صفحہ ۵۱۴۔
[۲] " " : " " " : " ۵۰

نظر آتی ہے نئی چرخ کہن کی صورت
خلد آراستہ ہے آج دلہن کی صورت
غنچے غنچے میں چمک دُرِ عدن کی صورت
قابل سیر ہے اب سرو و سمن کی صورت
دل مشتاق شگفتہ ہے چمن کی صورت
کہتے ہیں دیکھ کے سب شاہِ زمن کی صورت

مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی [1]

بے خودی کی ایک یہ بھی صورت ہے :-

بے خودی عشاق کی پوچھیں تو کہنا اے صبا
آپ آئیں گے نہ جب تک آپ ہیں آئیں گے کیا [2]

سب اٹھیں گے حشر کے دن تیرے مستوں کو مگر
صور کے اونچے ترانے ہوش میں لائیں گے کیا [3]

۲ ۔ زبان کی سلاست، روانی، سادگی اور خلوص کی آمیزش سے شاعر ایک عجیب دل کش سماں باندھ دیتا ہے۔ بیان میں تکلمی کیفیت مضامین کے بہاؤ میں کہیں رکاوٹ پیدا ہونے نہیں دیتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے نثر میں ترنم بھر دیا ہے :-

نہ منصب نہ دولت نہ زر چاہیے
مجھے آپؐ کی اک نظر چاہیے
صبا اور کو دے نوید بہار
مجھے مصطفےٰؐ کی خبر چاہیے
نہ ہے نشۂ جام عشق رسولؐ
یہ مستی تو آٹھوں پہر چاہیے
درِ مصطفےٰؐ ہے، ادب اے جبیں
یہاں سجدہ کرنے کو سر چاہیے
نہاں کب ہیں آنکھوں سے شاہِ رسل
مگر دیکھنے کو نظر چاہیے

---

[1] معراج سخن، صفحہ ۴۹۔ [2] ایضاً، صفحہ ۴۔ [3] ایضاً، صفحہ ۵۔

وہ عالم ہے گلزار جس پھول سے — وہی پھول باد سحر چاہیے
دم نزع اک جلوہ بہر خدا — مسافر کو زاد سفر چاہیے
یہ کہتی ہے میری جبین نیاز — مجھے آپ کا سنگ در چاہیے[۱]

۳۔ جلیل کے کلام کی بڑی خصوصیت ان کی زبان کی شگفتگی، طرز ادا کی ندرت و تازگی اور محاورہ بندی کی دلآویزی ہے۔ داغ کی صحبت کا یہ اثر جلیل کے کلام پر نہایت گہرا اور نمایاں ہے۔ اس قادر الکلام شاعر کی غزلوں میں اکثر یہی رنگ مسلسل شروع سے آخر تک نہایت حسن و خوبی کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ پڑھنے والے کو یہ محسوس نہیں ہوتا ہے کہ اس میں تکلف کو ذرا بھی دخل ہے۔ جذب و شوق کی فراوانی کر محاورہ بندی میں بھی ایک نیا لطف پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جلیل کے اس رنگ کی ایک غزل کے اشعار پیش کیے جاتے ہیں:—

ہم ایسا آپ کا پاتے تو آتے اپنی آنکھوں سے
گہر اشکوں کے روضے پر چڑھاتے اپنی آنکھوں سے

زیارت کی تمنا میں خیال رنج و راحت کیا
کڑی جو راہ میں پڑتی اٹھاتے اپنی آنکھوں سے

نظر آتا کوئی تنکا اگر یثرب کی گلیوں میں
اٹھاتے اپنی پلکوں سے لگاتے اپنی آنکھوں سے

خدا کرتا کبھی حضرت سے آنکھیں چار ہو جاتیں
ہم اپنا درد دل سب کچھ سناتے اپنی آنکھوں سے

---

[۱] معراج سخن: صفحہ ۴۲، ۴۳۔

تصور گر اچٹتا بھی تو رو کر پھر جما لیتے
ہم اپنے پیارے روٹھے کو مناتے اپنی آنکھوں سے

وہ آتے خواب میں تو پتلیاں قدموں سے مل لیتے
ہمیں وہ کاش دیوانہ بناتے اپنی آنکھوں سے

نگاہ لطف ہی کافی تھی بیمار محبت کو
نہ سنتے حال لیکن دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے

جلیلؔ اشک ندامت جوش پر آتے تو کیا کہنا
ہم اپنی بگڑی حالت کو بناتے اپنی آنکھوں سے[۱]

۴۔ زبان اور بیان کی دلآویزی کے ساتھ جلیلؔ کی ترنم ریز بحریں موسیقیت کے زیر و بم سے کیف و مستی کا سامان کرتی ہیں۔ سننے والا پھڑک اٹھتا ہے اور حب رسول سے دل لبریز ہو جاتا ہے۔ اضطراب، جذب اور تڑپ رگ و پے میں زندگی کی لہر دوڑا دیتے ہیں۔ ان کے اس رنگ کی ایک اچھی مثال ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

کٹے عمر صلِ علیٰ کہتے کہتے — اٹھوں حشر میں مصطفیٰؐ کہتے کہتے
محمدؐ کو پایا خدا کہتے کہتے — خدا مل گیا مصطفیٰؐ کہتے کہتے
بڑا کام نکلے اگر جان نکلے — زباں سے حبیب خدا کہتے کہتے
پیام تمنا نہ پوچھو ہمارا — کہ تھک تھک گئی ہے صبا کہتے کہتے
وہ لذت بھرا تھا مدینے کا قصہ — مجھے ہائے غش آگیا کہتے کہتے
سراپا زباں شمع ساں بن گیا ہوں — غم ہجر کا ماجرا کہتے کہتے

۱؎ معراج سخن: صفحہ ۲۳، ۲۴، ۲۵۔

ہوئیں مشکلیں سب غریبوں کی آسان ۔۔۔ محمدؐ کو مشکل کشا کہتے کہتے
عجب حال ہوگا جو روضے پہ انکے ۔۔۔ میں پہنچوں گا روحی فدا کہتے کہتے
کچھ ایسا ہوا رعب وقت حضوری ۔۔۔ زباں رک گئی مدعا کہتے کہتے

جلیل آگئے وجد میں سب فرشتے
ترے شعر پر مرحبا کہتے کہتے [1]

۵ ۔ نعت میں جلیل، کے یہاں زیادہ تر داخلی جذبات کی والہانہ کیفیت کا اظہار ہے لیکن اس کے ساتھ ان کے یہاں وصف نبیؐ کے اشعار کی کمی نہیں ہے۔ جن میں آپ کی مختلف صفات کو بیان کیا گیا ہے :۔

الٰہی عشق دے اس کا مدینے کا جو سلطان ہو
محمدؐ نام ہے تاج رسل ہے شاہ خوباں ہو

محمدؐ قبلۂ ہر دو جہاں ہے، کعبۂ جاں ہو
انیس بیکساں ہے چارہ ساز دردمنداں ہو

زہے تقدیر امت کی کہ وہ پیارا نبیؐ پایا
یتیموں کا جو وارث ہے جو ملجائے غریباں ہو

عجب تاثیر ہے صل علیٰ نام محمدؐ میں
غذائے روح انساں ہے دوائے درد عصیاں ہے

سواری دیکھ کر شہ کی یہ کہتے تھے فرشتے بھی
یہی فخر دو عالم ہے یہی محبوب یزداں ہے

---

[1] معراج سخن : صفحہ ۴۱، ۴۲۔

وہ خاصانِ خدا جن کو ملا رتبہ رسالت کا
سب اخوان محمدؐ ہیں محمدؐ فخرِ اخوان ہے[۱]

وصف کے چند اشعار اور پیش کئے جاتے ہیں :-

حقا وہ حبیبِ حق تو ہے کہ تری خاطر
خلاقِ دو عالم نے عالم کی بِنا ڈالی

مازاغ کا سرمہ تھا زیبا نہیں آنکھوں کو
جن آنکھوں میں قدرت نے بنیادِ حیا ڈالی

وصفِ قدِ حضرت سے ہو فکرِ بلند ایسی
مصرع جو ہوا موزوں طوبیٰ کی بِنا ڈالی

قدرت کے مرقع میں کیا کیا تھے حسین لیکن
کھینچی جو تری صورت ہر شکل مٹا ڈالی

۶۔ جلیل کے یہاں نہ تو سجدہ ریزی کا مضمون ہے، نہ عرب اور رب کی معرفت کا بیان اور نہ میم کے گھونگٹ کی نقاب کشائی سے احمد کو احد کی شان میں جلوہ گر کرنے کی کوشش۔ ان کی نظر میں ان کاوشوں کے بغیر بھی شانِ رسالت ہر جگہ "بعد از خدا بزرگ توئی" کے رنگ میں جلوہ گر ہے۔ والہانہ کیف و مستی کی نیازمندی کے طوفان نے شاعر کو بارگاہ نبویؐ میں جبینِ نیاز جھکانے کے لئے مجبور بھی کیا تو وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا کہ

در مصطفےٰؐ ہے ادب اے جبیں   یہاں سجدہ کرنے کو سر چاہیے[۲]

---

[۱] معراجِ سخن، صفحہ ۳۳، ۳۴۔ [۲] ایضاً، صفحہ ۴۳۔

یا زیادہ سے زیادہ حضورؐ کی شان کو دکھانے میں مبالغہ کیا بھی تو اسی حد تک کہ:۔

موسیٰ سے کہو دیکھ لیں رخسارِ محمدؐ
اللہ کا دیدار ہے دیدارِ محمدؐ[۵۱]

لیکن اس شعر میں غلو کی کوئی خرابی نہیں ہے۔ اس سے شاعر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آپؐ کے حسن وجمال سے صانعِ کائنات کے کمال کی شان ظاہر ہوتی ہے، دوسرے اس میں اس مضمون کی ترجمانی ہے کہ "انا من نور اللہ وکل شئ من نوری"۔

جلیلؔ کے اس شعر کے مضمون پر بھی بے احتیاطی کا الزام عاید نہیں کیا جا سکتا۔

نظروں میں جلیلؔ اپنی تھے عرش کے سب جلوے
اس روضۂ انور پر جب آنکھ ذرا ڈالی[۵۲]

غرض یہ کہ حضورؐ کی ثنا گوئی میں جلیلؔ کی بڑی صفت یہ ہے کہ انھوں نے جادۂ اعتدال سے کبھی قدم باہر نہیں رکھا۔ طرزِ خطاب میں بھی وہ بارگاہ رسالت کی عظمت اور جلالت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ جہاں عشق کا اظہار ہے تو وہ بھی نیازمندانہ انداز میں، سلجھے ہوئے اور سنجیدہ بیان میں۔ اس لئے الفاظ اور ترکیبوں کا انتخاب بھی اعلیٰ شاعرانہ مذاق کے علاوہ غلام و آقا کے حدود میں امتیاز کے حسن شعور کا پتہ دیتا ہے۔ اردو کے نعت گو شعراء میں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں کہ دفورِ شوق میں قدم ڈگمگا نہ گئے ہوں۔ اس لحاظ سے بھی جلیلؔ کی شخصیت نعت گو شاعر کی حیثیت سے نہایت ممتاز ہے۔ ساتھ ہی ان کے کلام کا ادبی پایہ بھی بہت بلند ہے۔

---

۵۱ معراجِ سخن: صفحہ ۱۳۔ ۵۲ معراجِ سخن: صفحہ ۴۶۔

خواجہ صوفی محمد اکبر خاں اکبر میرٹھی

خواجہ صوفی محمد اکبر خاں نام اور اکبر تخلص ہے۔ ان کا اصل وطن موضع بجولی تھانہ کھرکھودا۔ تحصیل ہاپڑ۔ ضلع میرٹھ۔

اکبر میرٹھی کے نعتیہ کلام کے کئی مجموعے ہیں۔ پہلے دو مجموعے اپنے تاریخی ناموں کے ساتھ شائع ہوئے ہیں۔ یعنی "باغ کلام اکبر" اور "نہال روضۂ اکبر" ان کے علاوہ ریاض اکبر (تیسرا مجموعہ) گلزار اکبر (چوتھا) اور گلستان اکبر (پانچواں) بھی شائع ہوئے۔

پھر کلیات، احوال، شہادتیں و ملال حسنین، روایت مشاط، ہدیہ اعظم، جنت کی کلی، جنت کا پھول، میلاد شریف اکبر، معراج مجلی، تاریخ اسلام وغیرہ اکبر کی مختلف تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ وہ وارثی ہیں اور قادری اور چشتی سلسلوں سے وابستہ ہیں۔ کراچی میں غالباً سنہ ۱۹۵۲ء میں انتقال کیا۔ اپنے شیخ حاجی حافظ سید وارث علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی مدح میں لکھتے ہیں۔

ہیں گوہر تاج سخا وارث علی شاہ زمن — محبوب محبوب خدا وارث علی شاہ زمن[۱]

ہو جائے ادھر چشم کرم وارث ذی جاہ — مٹ جائیں یہ سب درد و الم وارث ذی جاہ[۲]

پھر چشتیہ سلسلے کے چشم و چراغ حضرت علاء الدین علی احمد صابر کلیری رح کی مدح میں لکھتے ہیں:-

مری آنکھوں میں ہے جلوہ علاء الدین صابر کا — میں دیوانہ ہوں مولانا علاء الدین صابر کا[۳]

۱؎ باغ کلام اکبر: مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی سنہ ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۹۔ ۲؎ ایضاً: ص ۳۵۔
۳؎ ایضاً: صفحہ ۷۔

اور سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہ کی مدح بھی کی ہے۔

نظام الدین سلطان المشائخ شان محبوبی　　مُحبّت مصطفٰے محبوب حق شایانِ محبوبی[۱]

حضرت سُلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں بھی کہا ہے۔

مری بگڑی بنا دینا معین الدین اجمیری　　مرے مخدوم ہو تم یا معین الدین اجمیری[۲]

اور قادریہ سلسلے سے بھی تعلق ہے، اس لئے حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مدح بھی لکھی ہے۔ جو بہت مقبول و معروف ہے۔

شہ کونین کے جانی محی الدین جیلانی　　ضیائے عرش رحمانی محی الدین جیلانی[۳]

انھوں نے اپنے معتقدات کے متعلق لکھا ہے۔

مذہب ہی صلح کل نہیں اکبر کسی سے رنج　　قائل ہوں پنجتن کا مُقر چار یار کا[۴]

اکبر چونکہ عالم با عمل ہیں اور خلوص و عقیدت والے بزرگ ہیں اس لئے ان کے کلام میں بھی بہت درد و اثر ہے۔ اور ان کی لکھی ہوئی میلاد شریف اسی لئے پورے ملک میں سب سے زیادہ شہرت رکھتی ہے۔ وہ اپنی تصنیفات کی مقبولیت کے لئے دعا بھی کرتے ہیں کہ۔

لکھ کے لایا ہے تری درگاہ میں حمد و ثنا،　　ہوں قبول اکبر کی تصنیفات اللہ الصمد[۵]

خلوص اور عقیدت کی وجہ سے قرآنی قوافی بھی ایک غزل میں عجیب کیفیت

---

۱ باغ کلامِ اکبر۔ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی سنہ ۱۹۲۴ء صفحہ ۴۶۔ ۲ ایضاً: ص ۵۰۔
۳ ایضاً: صفحہ ۴۸۔ ۴ ایضاً: ص ۲، ۳۔ ۵ ایضاً: صفحہ ۱۳۔

پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ غزل پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

ہے جسمِ محمدؐ سراجاً منیرا — کہ ہے شان میں جس کی ذکراً کثیرا
جو منظورِ خالق ہوئی رہنمائی — محمدؐ کو بھیجا بشیراً نذیرا
کہا اُس کے دشمن کے حق میں خُدا نے — فدعو ثبوراً ویصلیٰ سعیرا
خُدا دانا بینا ہے ہر نیک و بد کا — کہ ہے ذات اس کی سمیعاً بصیرا
منافق مخالف کے حق میں خُدا نے — کہا ہے جہنم و ساءت مصیرا
خُدا نے محمدؐ کی امت کو بخشی — وہ جنت صفت جس کی ملکاً کبیرا
مکان موتیوں کے حسین حور و غلمان — ہوا ٹھیک شمساً و لا زمہریرا
دعا ہے الٰہی طفیلِ محمدؐ — ہو گلزارِ طیبہ میں میرا حظیرا

محمدؐ کہ محبوبِ سبحان ہے اکبر
فصلوا علیہ کثیراً کثیرا [۱]

اکبر کی کوئی بھی غزل بغیر انتخاب کے بھی اٹھا لی جائے تو وہ انتہائی خلوص و عقیدت کا آئینہ نظر آتی ہے۔ مثلاً یہ غزل ملاحظہ ہو:۔

دل میں میرے آنکھوں میں سما جائے محمدؐ
ہر سمت نظر آئے تجلائے محمدؐ

ارمان نکل جائے مرے حجرۂ دل سے
یہ گھر ہے محمدؐ کا یہاں آئے محمدؐ

(ارمان نکلنے میں کیا خوب رعایت ہے)

آنکھوں میں لگالوں اسے تپلی میں بٹھالوں — ہے خاکِ شفا خاکِ کفِ پائے محمدؐ

---

[۱] باغِ کلامِ اکبر؛ صفحہ ۵۔

مر جاؤں میں سن سن کے ترا ذکر مبارک — افسانے سے تیرے مجھے نیند آئے محمدؐ

وہ دل ہی کہ جس میں محبت ہو نبیؐ کی — وہ سر ہے کہ جس سر میں ہو سودائے محمدؐ

دیکھیں ہیں وہ امت کو خدا دیکھے ہو انکو — یہ حق کا تماشا وہ تماشائے محمدؐ

گر پوچھا نکرین نے امت میں ہو کس کی — اٹھ بیٹھوں گا پڑھتا ہوا اسمائے محمدؐ

انوار خدا کا بھی کہیں ہوتا ہے سایہ — ہے نور علی نور سراپائے محمدؐ

تھوڑی سی زمین طیبہ میں اکبر کو دے اللہ
قدموں میں محمدؐ کے ہو شیدائے محمدؐ [1]

اکبر کے پورے کلام میں انتہائی خلوص اور عجیب عقیدت ہے۔ تڑپ بے قراری اور جاں فشانی کے جذبات ہر جگہ موجود ہیں۔ مثلاً ایک غزل ہے :- (مطلع)

ہے نور مجسم قد زیبائے محمدؐ — آنکھوں میں بٹھالوں جو نظر آئے محمدؐ [2]

(مقطع)

اکبر تو نہیں دفن ہوا اس رہ گزر میں — کس سمت سے آتی ہے صدا ہائے محمدؐ [3]

دوسری غزل کا مطلع اور مقطع اس طرح ہے :-

جان لے کر جائے گا مولا ترا درد فراق
ریشے ریشے میں چمک ہے جا بجا درد فراق

کہتی ہوگی تربت اکبر پہ رو کر بے کسی
اے مرے غمخوار تجھ کو کھا گیا درد فراق [4]

---

[1] باغ کلام اکبر، صفحہ ۱۶،۱۵۔ [2] باغ کلام اکبر: صفحہ ۱۶۔
[3] " " : ۱۷۔ [4] " " : ۲۳۔

اسی طرح دوسری غزلیں بھی ہیں۔ لیکن اکبر نے اپنی استادانہ فنی خوبیوں کو کبھی نظرانداز نہیں کیا اور اس لحاظ سے وہ یقیناً تمام نعت گو شعراء میں ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ ان کے کلام کی لطافتیں ان اشعار میں بھی ملاحظہ ہوں :-

کردیا ہے آبروئے حسن سے تو نے نہال	گدا گدا ڈالی ڈالی پتا پتا پھول پھول [1]
پھر ترا آیا تصور پھر گیا میں آپ سے	پھر میں بیٹھا تھام کر دل پھر اٹھا درد فراق [2]
یہ کالی بلا سر سے اتر جائے گی میرے	پھنس جائے تری زلف کے پھندے میں اگر رات [3]
لٹوں کو دیکھ کر رخسار پر دل لوٹ جاتا ہے	ہے لٹ لٹ ہیں تمہاری زلف کی تسخیر کا ٹکا [4]
یہ تو پہنچے نہیں ہے عشق کا صدمہ پہنچا	پہنچے پر باندھ دیا پہنچے ہوئے کا تعویذ [5]

حسن تعلیل کے محاسن بھی بکثرت پائے جاتے ہیں اور اکبر نے اپنی ذکاوت کی خوب داد دی ہے۔

رہ گئی حیران سوسن لیتے ہی وہ نام پاک
کھل گئیں نرگس کی آنکھیں حسن جاناں دیکھ کر

تیری بے پروائی تیری بے نیازی کھل گئی
گل کو خنداں دیکھ کر بلبل کو نالاں دیکھ کر [6]

خون رو کے سرخ سرخ ہوئے داغ بھی پھول	عشق محمدی میں ہیں سینہ فگار پھول [7]
جوش ہجر شہ میں ہر آنسو بنا ہے آبلہ	بلبلے پانی میں ہیں یا شاخ دریا پھول پھول [8]

---

۱ باغ کلام اکبر: صفحہ ۲۵ ۲ ایضاً: صفحہ ۲۳ ۳ ایضاً: صفحہ ۹ ۴ ایضاً: ص
۵ ایضاً: صفحہ ۱۷ ۶ ایضاً: صفحہ ۱۷ ۷ ایضاً: صفحہ ۲۳ ۸ ایضاً: صفحہ ۲۵

ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ اسی طرح صحیح جذبات کی ترجمانی ایسی خوبی کے ساتھ کی ہے کہ قلبی واردات عین حقیقت معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً :-

تھی خواب میں اس غیرت یوسف کی تجلی
جب آنکھ کھلی چیخ اٹھا "ہائے محمدؐ"[۵۱]

ہجر شہ کوثر میں پروتا تھا گہر رات — باران مسلسل تھے مرے دیدۂ تر رات
دن یاد رخ غیرت خورشید میں گزرا — کی گیسوئے شب رنگ کے سودے میں بسر رات
اس اکبر بے تاب کو فرقت میں نبیؐ کی — دن رات سے بدتر ہے، تو ہے دن سے بتر رات[۵۲]

گو کہ اکبر عربی اور فارسی میں تبحر رکھتے ہیں اور ان زبانوں میں بھی نعت لکھتے ہیں لیکن اردو میں سلاست اور روانی کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ روانی اور بندش کی چستی اور صفائی اس قدر ہے کہ وہ یقیناً اردو کے بہترین اساتذہ کی صف میں شمار ہو سکتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

براق آپ کا اک آن میں بہ شب معراج — کیا دعا کی روش آگیا گماں کی طرح[۵۳]

جنت ملے کہ دوزخ کچھ غم نہیں کہ مولا
راضی تری رضا میں خوش ہوں تمہاری خوشی میں[۵۴]

حقا ہے تری یاد سے آباد زمانہ
گلزار بھی، آبادیاں بھی، بحر بھی، بر بھی

شادی ہی ہر مقام میں نخل ہیں سب قیام میں
ڈالیاں ہیں سلام میں سر ہے جھکا چمن چمن

---

۵۱ باغ کلام اکبر: صفحہ ۱۴ — ۵۲ باغ کلام اکبر: صفحہ ۹۔
۵۳ " " " ۱۱ — ۵۴ " " " ۲۷

ان نرگسی آنکھوں کا بیمار ہی رہنے دو — کیا لوگے دوا دے کر کیا ہوگا شفا ہو کر[1]

ہم یہاں ایک نہایت مشہور اور مرصع غزل پیش کرتے ہیں۔ جس میں اکبر کی شاعری کی تمام خوبیاں بیک وقت موجود ہیں اور وہ پڑھنے ہی سے تعلق رکھتی ہیں:

جب باغ جہاں کے مالی نے کی دیکھا بھالی پھولوں کی
اک پھول کو اس میں سے چھانٹ لیا تھی جتنی ڈالی پھولوں کی

وہ پھول عرب کے گلشن کا سب پھولوں سے خوشبو والا
جس نے کھل کر اس عالم میں اک شان نکالی پھولوں کی

اس گل کا محمدؐ نام ہوا جس سے تازہ اسلام ہوا
شاخ اس نے کاٹی کانٹوں کی بیل اس نے ڈالی پھولوں کی

اس کی ہی مہک سے مہکی ہے اس کی ہی چمک سے چمکی ہے
ہے جتنی نکہت غنچوں کی ہے جتنی ڈالی پھولوں کی

جنت سے اسے نسبت کیا ہے یہ میرے گل کا روضہ ہے
یاں رنگ جدا ہے پتوں کا یاں شان نرالی پھولوں کی

ہے رشک جگر کے زخموں کو حسرت ہے دل کے داغوں کو
روضے پر شاہ کے چڑھتے ہیں کیا شان ہے عالی پھولوں کی

طیبہ کا مالی کہلاؤں، روضے پہ چڑھانے کو آؤں
اک ہاتھ میں گجرا پھولوں کا اک ہاتھ میں ڈالی پھولوں کی

یہ مدح سرائے حضرت ہے اس سے اس کو کیا نسبت ہے
اکبر متوالا مولی کا بلبل متوالی پھولوں کی[2]

---

[1] اصلی میلاد اکبر۔ ناشر جلیل بک ڈپو، حیدر آباد دکن: صفحہ ۳۶ [2] ایضاً: ص ۴۸-۴۷

اس غزل کے علاوہ اکبر کا بہت سا کلام مقبول خاص وعام ہے۔ اس لئے امید ہے کہ مقبول بارگاہ بھی ہوگا۔ اکبر کی حسب ذیل غزلیں اور نظمیں ملک کے طول وعرض میں بچے بچے کی زبان پر ہیں اور اپنی دلکشی کی بنا پر اہل دل اور اہل ادب سب کے نزدیک لائق ستائش ہیں:۔

دونوں عالم میں نور علیٰ نور کیوں؟ کیسی رونق فزا آج کی رات ہے
یہ مسرت ہے کس کی ملاقات کی عید کا دن بنا آج کی رات ہے

جب عرب کے چمن میں وہ نور خدا
ہر طرف اپنا جلوہ دکھانے لگا
کفر غارت ہوا بت گرے ٹوٹ کر
منہ پہاڑوں میں شیطان چھپانے لگا

آمد مصطفےٰ ہے اب پھولا پھلا چمن چمن آئی بہار ہر طرف کھلنے لگا چمن چمن
خاتم الانبیاحق کا پیارا نبیؐ سارے نبیوں سے افضل ہمارا نبیؐ
جب کہ پیدا وہ شاہ زمن ہوگیا اک جہاں غیرت صد چمن ہوگیا
اللہ غنی رتبہ والائے محمدؐ ہیں شمس وقمر نقش کف پائے محمدؐ

بچے اور بوڑھے تو اکبر کا کلام پڑھتے ہی ہیں لیکن انھوں نے تو اپنے متعلق یہاں تک کہہ دیا ہے کہ

پڑھتی ہیں حوریں اکبر کی نعتیں ہوتے ہیں ایسے دیوان والے

فنی اعتبار سے اکبر کے کلام میں کہیں اسقام نظر نہیں آتے۔ اور یہ ان کی بہت بڑی ادبی کامیابی ہے۔

یہ سوز عشق نبیؐ سے ہی طبع اکبر گرم کہ پھول جھڑتے ہیں خامے سے گلفشاں کی طرح

چودھری دِلّو رام کوثری

اردو نعت گو شعراء میں کوثری کا مقام اس حیثیت سے بھی ممتاز ہے کہ ایمان کی دولت سے محرومی کے باوجود شاعر نے رسول کریمؐ سے والہانہ لگاؤ کا ثبوت دیا ہے۔ اس بناء پر پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نے انھیں "حسان الہند" کا خطاب دیا تھا۔ شاعر نے بھی مداح نبیؐ ہونے کی حیثیت سے اپنے اس شرف اور مقام کا اس طرح اظہار کیا ہے :-

ہے حسان پہلا تو میں دوسرا ہوں　　نہیں فرق اول میں ثانی میں رکھا
خدا نے اسے سونپی محفل عرب کی　　مجھے بزم ہندوستانی میں رکھا[۱]

کوثری کے خود نوشت حالات درج ذیل ہیں۔

" نام دِلّو رام" تخلص کوثری۔ باپ کا نام بھورا رام۔ مولد قصبہ نانڈری ضلع حصار۔ قوم بشنوئی۔ پیشہ زراعت۔ تاریخ ولادت پوہ سمت ۱۹۳۹ بکرمی۔ بشنوئیوں کو تعلیم کا شوق مطلق نہیں۔ میں پہلا بشنوئی ہوں جس نے سب سے پہلے اپنی قوم میں تعلیم پائی۔ انٹرنس میں انگریزی پڑھتا تھا کہ شوق شاعری نے دل میں ایسی گدگدی کی کہ اسکول چھوڑ دیا۔ والد صاحب مرحوم نے کوشش کر کے لاہور میں ایک ڈاکٹری کالج میں داخل کرا دیا، مگر وہاں لفظ مسیحا کے سوا کچھ نہ سیکھا اور کالج چھوڑ کر غزل گوئی میں مصروف ہوا اور مشاعروں میں جانے لگا۔

اسلامی روایات پر بیشمار نظمیں لکھیں۔ خصوصاً اہل بیت اطہار کی

---

[۱] اذان بت کدہ : مرتبہ محمد الدین فوق۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۲۴ء، صفحہ ۲۴۔

مدح وثنا میں اب تک مصروف رہا اور ہوں۔ اگرچہ محمدؐ اور آلِ محمدؐ کی مدح وثنا میں دفتر کے دفتر لکھ ڈالے مگر صحابہؓ کی تعریف میں بھی متعدد نظمیں لکھی ہیں بلکہ ہندو، سکھ، مرہٹوں، آریاؤں وغیرہ کے متعلق بھی چند منظوم کتابیں لکھی ہیں اور سرکار انگریز کی مدح سرائی بھی کی ہے۔

حیدرآباد دکن۔ بھوپال۔ رام پور۔ بہاول پور۔ پٹیالہ کے درباروں میں نظمیں پڑھیں۔ پچھلی چار ریاستوں میں مہمان ہوا۔ ان کے والیان ذی شان سے نیاز خاص ہوا۔ انعام وصلہ و خلعت بھی عنایت ہوئے۔ رام پور میں چھ سات مرتبہ مہمان ریاست ہوا اور دربار میں نواب صاحب نے بزبان خود باآواز بلند داد دی۔ بھوپال میں دو مرتبہ مہمانِ ریاست ہوا۔ سرکار عالیہ بیگم صاحبہ نے پسِ پردہ بیٹھ کر نعتیہ کلام سماعت فرمایا۔"

کوثری کا انتقال سنہ ۱۹۳۳ء میں ہوا۔

کوثری کو ایک ہندو ہونے کی وجہ سے بارگاہ نبوت کے ایمانی رشتے سے محرومی کا شدید احساس ہے لیکن وہ اس کی تلافی کے لئے شہنشاہ کونین کی مدح خوانی کو سہارا بنا لیتے ہیں۔ حضورؐ کی ذات سے اس نوع کی یگانگت کی خیال آرائی ہندوستان کی صوفی مشربی میں کثرت سے ملتی ہے۔

کرے ہندو بیاں اس طرز سے توصیف احمدؐ کا
مسلمان مان جائیں لوہا سب تیغ مہنّد کا

جدا کیا لام دلو رام ہے دین محمدؐ سے
تعلق سو طرح کا ہے مشدّد سے مشدّد کا
محمدؐ اور دلورام میں نقطہ نہیں کوئی
کہ ہے مداح اور ممدوح میں یہ ربط کس حد کا

کبھی گنگا میں آ ڈوبا کبھی کوثر پہ جا نکلا
پتہ کچھ بھی نہیں مخصوص درویش مجدّد کا[۵۱]

شاعر کو حضورؐ کی ثنا خوانی سے بڑی امید واری ہے۔ وہ اس کو اخروی نعمتوں کے حصول کا وسیلہ سمجھتا ہے۔ اس نیاز مندانہ عقیدت میں خلوص کی فراوانی پائی جاتی ہے:-

ع ہندو سہی مگر ہوں ثنا خوانِ مصطفیٰ[۵۲]

شاعر کی نظر میں یہ شرف کیا کم ہے کہ وہ ثنا گر رسولؐ کا ہے:-

کیوں کوثری مجھے ہو طلب عز و جاہ کی
کیا کم ہے یہ شرف ہوں ثنا گر رسولؐ کا[۵۳]

اس لئے کوثری کا یہ ایمان ہے کہ اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے:-

ہندو سمجھ کے مجھ کو جہنم نے دی صدا
میں پاس جب گیا تو نہ مجھ کو جلا سکا
بولا کہ تجھ پہ کیوں مری آتش ہوئی حرام
کیا وجہ تجھ پہ شعلہ جو قابو نہ پا سکا
میں نے کہا کہ جائے تعجب نہیں ذرا
واقف نہیں تو میرے دلِ حق شناس کا[۵۴]

مذہبی عقیدے کے لحاظ سے یہ امر یقیناً حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے کہ جس شخص کو پیامِ توحید کو قبول کرنے کی توفیق نہیں ہوئی جو زندگی بھر کفر اور شرک سے وابستہ رہا وہ کیونکر رسولِ کریمؐ کی معیت سے نوازا جا سکتا ہے۔ لیکن شاعر کی نظر اس تخیلی منظر کو دیکھ رہی ہے جبکہ وہ رسولِ عربی کا دامن قیامت میں تھامے ہوئے ہے۔ شاعر کا تخیل یہ نقشہ نہایت دل کش اور حسین طرز

---

۵۱ اذانِ بُت کدہ : صفحہ ۱۹ ۵۲ اذانِ بُت کدہ : صفحہ ۲۱۔
۵۳ " " : " ۵۳ ۵۴ " " : " ۲۱۔

میں پیش کرتا ہے۔ جس میں نعت گو کے خلوص عقیدت اور اس کے سہارے مغفرت پر ایمان اور ایقان کا پتہ چلتا ہے۔ شاعر کا والہانہ انداز ملاحظہ کیجئے:۔

ع غُل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے

اور پھر ظاہر ہے کہ معیت پیمبر کے حصول کے بعد اللہ تعالیٰ کی معیت خود بہ خود حاصل ہو جاتی ہے۔ شاعر اُخروی زندگی کے سنوارنے اور نجات حاصل کرنے کے لئے اسی کو کافی سمجھتا ہے۔

کوثری تنہا نہیں ہے مصطفٰےؐ کے ساتھ ہے
جو نبیؐ کے ساتھ ہے وہ کبریا کے ساتھ ہے

انکشاف مدعا پیش احد میں کیا کروں
میم احمد ہے کہ جو میری دعا کے ساتھ ہے

لے کے دلورام کو حضرتؐ گئے جنت میں جب
غُل ہوا ہندو بھی محبُوب خُدا کے ساتھ ہے[۱]

کوثری نے اس مضمون کو کئی طرح سے باندھا ہے اور مختلف پیرایوں میں اپنی عقیدت مندی اور امیدواری کا اظہار کیا ہے۔

۲۔ کوثری کے نعتیہ کلام میں زیادہ تر داخلی جذبات کا اظہار ہے جس میں تغزل کا رنگ غالب ہے۔ وصف محمدؐ میں اشعار کم کہے ہیں۔ ذاتی عقیدت مندی نے محبت اور عشق کا رنگ اختیار کر لیا ہے اور یہ مضامین جا بہ جا نکلتے ہیں۔ ہجر کی بے قراری ہے، وصال کی تمنا ہے، غریب الدیاری کی شکایت ہے، عشق کے ہاتھوں ستائے جانے کا

---

[۱] اذان بُت کدہ، صفحہ ۲۵۔

گلہ ہے، اپنی مجبوری اور بیکسی کا اظہار ہے، نظر عنایت کی خواستگاری ہے۔ شاعر شروع سے آخر تک بس ایک عشق محمدی کا دم بھرتا ہے:۔

مدینہ میں مجھ کو بُلا یا محمدؐ	ذرا اپنا کوچہ دکھا یا محمدؐ
نہ کھولوں گا برق تجلی سے آنکھیں	تصور ہے تیرا اسدا یا محمدؐ
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہیں ہے	تو یکتا ہے بعد از خدا یا محمدؐ[۱]

داخلی جذبات کے اظہار کے علاوہ شاعر نے اوصاف محمدؐ بھی بیان کئے ہیں۔ وصف کے اشعار یہ ہیں:۔

عظیم الشان ہے شان محمدؐ	خدا ہے مرتبہ دانِ محمدؐ
شریعت اور طریقت اور حقیقت	یہ تینوں ہیں کنیزانِ محمدؐ
نبیؐ کا نطق ہے نطق الٰہی	کلام حق ہے فرمان محمدؐ
خُدا کا نور ہے نور پیمبر	خُدا کی شان ہے شان محمدؐ[۲]

آخری دو شعروں میں "ما ینطق عن الھوی ان ھوا لا وحی یوحی" (قرآن) اور "انا من نور اللّٰہ" (حدیث) کے مضامین ہیں جو وصف کے اچھے نمونے ہیں لیکن ایسے شعر بہت کم پائے جاتے ہیں۔

کوثری کے کلام کے مندرجۂ ذیل نمونے سے ان کی نعت گوئی کی خصوصیات کی یہ خوبی وضاحت ہوتی ہے:۔

اللّٰہ غنی رونق بازار محمدؐ	معبود جہاں بھی ہے خریدار محمدؐ
آیا ہے حدیثوں میں نبیؐ نور خدا ہے	اللّٰہ کا دیدار ہے دیدار محمدؐ

---

[۱] اذان بُت کدہ : صفحہ ۱۷۔
[۲] " " : " ۱۸۔

ہے جنسِ معاصی کا صلہ نقد شفاعت — زاہد سے رہا اچھا گنہگار محمدؐ
سنتا ہوں کہ کہتے ہیں یہی دیکھنے والے — اللہ کا دربار ہے دربار محمدؐ
کچھ عشقِ پیمبر میں نہیں شرطِ مسلمان
ہے کوثری ہندو بھی طلبگار محمدؐ[۵۱]

ہم مرد ہیں اور عشق ہے مردانہ ہمارا — محبوب الٰہی سے ہے یارانہ ہمارا
کیا پوچھتے ہو کوثر و فردوس کا قصہ — یہ باغ ہمارا ہے وہ میخانہ ہمارا
محشر میں بچائیں گے یہی مجھکو یہ کہہ کر — چھوڑو نہ اسے یہ تو ہے دیوانہ ہمارا
آقا ہے نبیؐ اور علیؓ اپنا ہے مولا — ملتا ہوا سلمان سے ہے افسانہ ہمارا[۵۲]

خدا ہے محمدؐ ہے اور آل ہے — سوا ان کے جو کچھ ہے جنجال ہے
سمند قلم کی دم وصف شاہ — نئی ہے روش اور نئی چال ہے
رسائی ہے جس کی درِ شاہ پہ — وہی صاحبِ جاہ و اقبال ہے
ہے پائے محمدؐ سر دلورام — یہ نسبت مرے اوج پر دال ہے
مدینے کے آنے لگے خواب روز
میاں کوثری نیک یہ فال ہے[۵۳]

---

۵۱ اذانِ بت کدہ: صفحہ ۲۰۔   ۵۲ اذانِ بت کدہ: صفحہ ۲۰۔
۵۳ " " : " ۲۲-۲۳-

سید محمد ہادی ہادیؔ

سید محمد ہادی نام، ہادیؔ تخلص، سنہ ۱۸۶۳ء میں حسن پور میں پیدا ہوئے تعلیم کی بنیاد عربی اور فارسی علوم پر رکھی گئی تھی۔ بعد ازاں کلکتہ سے انٹرنس کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ پھر علم زراعت کی تحصیل کے لیے انگلستان گئے۔ جب اس سے فراغت حاصل کر لی تو عملی تجربہ حاصل کرنے کی خاطر سنہ ۱۸۸۹ء میں امریکہ کا سفر اختیار کیا۔ ایک سال فرانس میں تحقیقی کام بھی کیا اور بالآخر اتر پردیش میں ناظم زراعت مقرر ہوئے۔ اس خدمت پر سنہ ۱۹۱۹ء تک کارگزار رہے۔ اس سال وظیفہ پر علیحدہ ہونے کے بعد بھوپال میں سیکرٹری جنرل کے عہدے پر فائز رہے۔ یہ خدمت سنہ ۱۹۳۰ء تک انجام دی، پھر وطن میں سکونت اختیار کر لی۔ وفات سنہ ۱۹۳۹ء میں ہوئی۔ محکمۂ زراعت کا ذکر ادبی دنیا کے ساتھ کرتے ہوئے حیرت ہوتی ہی کہ ان دونوں کے ماحول میں کیا مناسبت ہو سکتی ہی۔ لیکن ساتھ ہی اس حقیقت کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہ ناظم زراعت ایک ہی قسم کا ناظم نہیں ہے بلکہ وہ اپنی خداداد قابلیت سے شعر و سخن کی سنگلاخ زمینوں میں بھی عمدہ مضامین پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہادیؔ نے جملہ اصناف سخن میں اپنے کمال کے جوہر دکھائے ہیں۔ جہاں ان کی ظریفانہ شاعری سے "اودھ پنچ" کے قارئین ناآشنا نہیں ہیں وہاں ان کے قصیدے، غزلیں، رباعیات، قطعے سبھی خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن حضرت ہادیؔ ہمیشہ شہرت سے گریز کرتے رہے چنانچہ ان کے کلام کا مجموعہ ان کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا۔ فیض آباد کی موتی مسجد

میں ماہ رجب میں ہر سال محفل میلاد کا انعقاد ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ ایک عرصے تک موقوف رہنے کے بعد سنہ ۱۹۰۷ء میں حضرت ہادی اور مولانا صفی کی مساعی سے پھر شروع ہوا جس میں ہادی ضرور شریک ہوتے۔ طرح مصرع صفی صاحب مقرر فرماتے۔ اس میں ہادی کی نعت اور منقبت ہی جلسے کی جان ہوتی۔

ہادی نے نعت اور منقبت میں جو طبع آزمائی کی ہے اس کا ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے جو نعت اور منقبت میں قصائد اور خمسوں پر مشتمل ہے۔ اس کا مقدمہ مولانا صفی لکھنوی نے لکھا ہے، جس میں ہادی کے کلام کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کی نعت گوئی کے متعلق صفی صاحب لکھتے ہیں:

"نعت اور منقبت میں جو کارنامے جہاں کہیں بیان کیے ہیں وہ اور لوگوں کے طرز بیان سے بالکل الگ معلوم ہوتے ہیں۔ پرانی سنی سنائی سو مرتبہ کی سنی ہوئی باتیں سید صاحب کے قصیدے میں جب دیکھیں تو طرز بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل نئی بات ہے۔"

حضرت ہادی کے کلام میں یہ خصوصیت جا بجا موجود ہے۔ وہ تاریخی واقعات کے بیان میں سادہ لیکن پر اثر الفاظ اور ترکیبوں سے واقعہ کو جاندار بنا کر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ بعثت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب کی حالت کا نقشہ یوں پیش کیا ہے:

عجب حالت وہاں تھی جاہلیت کے زمانے میں
فقیروں سے تھی بدتر زندگی واں کے تونگر کی
نہ دولت بخش دریا کھیتیاں سیراب کرتے تھے
نہ لا مال کانوں سے نکلتی تھیں سلیں زر کی
تمدن سے تنفر تھا وہاں کے رہنے والوں کو
فقط کچھ بستیاں آباد تھیں دو چار سو گھر کی

بہت سے خانہ بردوشوں کے صحرا ہی میں مسکن تھے

وہ خیمے جن پہ پھبتی کہہ سکیں چمڑوں کے چھپر کی

واقعہ کی بیان کی جاذبیت ہر جگہ موجود ہے۔ ان کے ایک نعتیہ قصیدے کا مطلع ہے:۔

چھٹا ہی اٹھ کے حرم سے جو اک بلند غبار　　خبر لئے نظر آتا ہے کوئی ناقہ سوار

اس قصیدے میں حضرت مقبول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا اس طرح بیان کیا ہے:۔

کھچی ہوئی ہے بدن میں قبائے استبرق　　بندھی ہے فرق پہ سندس کی لیٹی دستار

قبائے نو میں وہ دل دوز حسن بخیہ گری　　کہ پھر نہ سوزن ادریس سے ہوئی تیار

نہ جبرئیل جو باندھیں یہ پیچ پگڑی کے　　بندھے کبھی نہ فرشتوں سے یہ چڑھاؤ اُتار

کمر کے گرد وہ پٹکا دلیل پامردی　　پیمبری کی خداداد ہمتوں کا حصار

وہ رُخ کہ جلوۂ یوسف کا جل سکے نہ چراغ　　وہ لب کہ عیسیٰ گردوں کے معجزے ہوں نثار

کسی نے طوطیٔ لکنت سے کی تھیں کچھ باتیں　　یہاں زبان میں ہے چوٹی کی خوبیٔ گفتار

ذہن میں لب کی طرح بند اک خزینۂ ذکر　　رگ گلو سے قرین ذات ایزدِ غفار

۲۲ نومبر سنہ ۱۹۳۱ء کو جو قصیدہ کہا اس کا طرح مصرع یہ تھا:

ع　فضائے ہستی مہک رہی ہے چمن میں کعبے کے گل کھلا ہے

قصیدے کے جملہ اشعار سینتیس ۳۷ ہیں۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے:

حرم کا در بند لیکن اندر کسی خدا رس کا داخلہ ہے

دراز دیوار کی تو دیکھو یہ آج کیا تازہ گل کھلا ہے

فضا ہے سنسان، گھر اکیلا، زمین اچھوتی، جگہ نرالی

نہ گرم کمرہ، نہ نرم تکیے، نہ ہم نشین ہے نہ قابلہ ہے

وہ وسوسہ ہے نہ غم نہ الجھن نہ ڈر نہ کھٹکا نہ بیقراری
یقیں یہ ہی نفس مطمئن کو کہ قدرت حق تو کاملہ ہے

خضوع بھی ہی خشوع بھی ہی نیاز و عجز و فروتنی بھی
خدا شناسی کی خوبیوں کا مجسّدا لعقل سلسلہ ہے

حیا و صدق و صفا و عصمت امان و ایمان و استقامت
کمال قدرت نے ان محاسن سے قلب روشن کیا جلا ہے

یوں اسلامی ادب میں منقبت کے ساتھ نعت کا مضمون بھی ملتا ہے۔ اردو ادب میں بھی یہ صورت ضرور ہے لیکن اس کی حیثیت بالکل ضمنی ہے۔ البتہ ہادی نے منقبت کے مضامین میں نعت کو لازماً شامل کر دیا ہی اور ضمنی طور پر نہیں، بلکہ مستقلاً نعت نبیؐ میں سخن سنجی کی ہے۔ مثلاً وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مدح بڑے شد و مد سے شروع کرتے ہیں لیکن تخیل فوراً اس مقام پر پہنچتا ہی جہاں سے ممدوح کو اس کمال کی بخشش نصیب ہوئی۔ اب شاعر نعت احمد مختارؐ میں کھو جاتا ہے۔ چنانچہ ان منقبت کے قصائد میں کوئی قصیدہ ایسا نہیں ہی جس میں سرورِ کائناتؐ کی نعت شامل نہ ہو۔ اس کے علاوہ کبھی پنج تن کی محبت میں وہ اہل بیت کی مدح سرائی شروع کر دیتے ہیں۔ کہیں مدح کے مضمون کے ساتھ اہل بیت کا ذکر بھی چھیڑ دیتے ہیں۔ غرض کہ ہادی نے نعت اور منقبت کے مضامین کو کچھ اس طرح سے ملا دیا ہے گویا وہ ان دونوں میں فرق نہیں کرتے۔ اگر ہم عربی ادب کی تقلید میں منقبت کو بھی نعت ہی میں شمار کریں تو ہادی کا کلام اس کا اچھا نمونہ ہے:۔

رسالت نے دعائے فتحمندی بر محل دی تھی
مسیحائی نے اکسیر دہن آنکھوں میں مل دی تھی

فرس تھا یا علی کو حق نے اک بجلی کی کل دی تھی
بہت فتح و ظفر کی راکب مرکب کو جلدی تھی

درِ خیبر پہ دُلدل اُڑ کے پہنچا دو طراروں میں

جنوں سی جس جگہ ٹکرا گیا تھا زورِ انسانی
مقابل تھے یہودی یا نبرد آرا تھے نصرانی
زباں تھی ترجمانِ جوششِ جذباتِ ایمانی
علیؓ نے دی ہے کس کس بزم میں دادِ رجز خوانی
یہ بلبل جا کے چہکا رہا ہے کن کن شاخساروں میں

چھڑایا کفر کی قیدوں سے دکر دین کی آزادی
انہیں منزل پہ جو پہنچا سکے وہ راہ بتلائی
یہاں اور عاقبت میں جنت کی راہ بتلادی
کیا ان پر نبیؐ کو حق نے غالب مدعائے ہادی
نہ چلتا کوئی بھی سیدھا عرب کے بے مہاروں میں

کبھی شاعر کا تخیل قصیدے کے مدحیہ پہلو سے گریز کر کے اہلِ بیت کے مصائب کے بیان کو بھی شامل کر دیتا ہے۔ گویا کہ ہادی کی نعت، منقبت اور مرثیۂ اہلِ بیت تینوں ذکرِ رسولؐ اور آلِ رسولؐ کا رنگ اختیار کر کے ہم آہنگ ہو گئے ہیں۔ شاعر مصائبِ اہلِ بیت میں یوں نوحہ سنج ہے :-

اب کہاں وہ حدہائے بے بہائے اہلِ بیت
اک پھٹی چادر نہیں باقی برائے اہلِ بیت
ہیں قیامت کے ستم صبر آزمائے اہلِ بیت
کربلا میں جل رہے ہیں خیمہ ہائے اہلِ بیت
آسماں تک جا رہا ہے دودِ آہِ مرتضیٰ

محفلِ میلاد کے موقع پر نعت و منقبت میں بہاریہ خمسہ کے قوافی کو دیکھئے اور کلام کی لطافت کا اندازہ کیجئے :

چمن کے دن پھرے صبحِ بہاری کا ہوا تڑکا
خزاں کے ظلمِ گلشن سوز کا دل لے گیا دھڑکا
سواری کس گلِ رعنا کی آتی ہے سنو کڑکا
مبارک اے اسد کی لاڈلی یہ پھول سا لڑکا
دلِ روح الامیں اس گل پہ بلبل کی طرح پھڑکا

طبیعت ہے مئے نابِ تولا سے متوالی
اسی کے نشہ سے آنکھوں کے ڈوروں میں ہے یہ لالی
اِدھر اک بوند آبی ملکِ دارا کا اُدھر ڈالی
مے حبِ علیؓ یاں دل میں ہے واں جامِ جم خالی

تقابل جام جم سے ہو مرے مٹی کے کلھڑ کا

کوئی تازہ قرابہ کوثر و تسنیم والا لا
عرق وہ تند جس کا ہو نہ ممکن استحالا لا

سقاہم ربہم کا معتقد بندہ ہوں لا لا لا
شراب زنجبیلی کا کوئی ساقی پیالا لا

ذرا اس گرمئ جوش ولا کو اور بھی بھڑکا

چھپائے ملتوں نے کفر کے دھبے بہ چالاکی
حقیقی شرک پر تاویل باطل خاک ڈالا کی

کہاں یہ آب و تاب دلربا مولائے مولا کی
چمک اسلام کی توحید خالص نے دوبالا کی

نہیں اک شائبہ بھی اس کھری چاندی میں سوبڑ کا

(چاندی یا سونا جو خالص نہ ہو)

سرور کائنات کی آمد آمد ہے، ان کے جلو میں دنیا کی زیب و زینت کا کوئی سامان نہیں ہے کہ جس سے شاعر اپنے بیان کو سنوار سکے۔ ابھی اسلام کا ہادی بے سرو سامانی کی حالت میں مصائب سے دوچار، اعداء میں گرفتار، افلاس سے پریشان، اللہ کے پیغام کو لے کر کوچہ بہ کوچہ اور دربدر پھر رہا ہے۔ اس بے بسی میں سرور کائنات کی سواری کو پُر عظمت رنگ میں پیش کر کے ہادی نے پیغمبرؐ کے جلال اور دبدبہ کی کیسی صحیح تصویر کھینچی ہے:

زباں پر تیری وہ اعلان دینی ذمہ داری کا
شرف جبریل کو ہمراہی و خدمت گزاری کا

جلو میں اک خزانہ لاتعد نعمات باری کا
تزک اللہ اکبر ہے نبیؐ تیری سواری کا

سروش غیب سا کڑکیت اور تکبیر سا کڑکا

(نقیب)

زاہدہ خاتون

زاہدہ خاتون شروانیہ بھیکم پور کے مشہور شروانی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ مرحومہ نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم کی بیٹی تھیں۔ ولادت دسمبر ۱۸۹۴ء میں ہوئی۔ تعلیم گھر ہی میں حاصل کی۔ اور اپنی محنت اور ذہانت سے شعر کہنے کا ملکہ پیدا کیا۔ شعر و ادب میں جو کچھ حاصل کیا اپنی کوششوں سے حاصل کیا۔ چنانچہ کہتی ہیں :-

بے فیض تلمذ ہوئی استاد سخن میں　　یہ فخر ہے اس احقر خود ساز سے مختص

۴ فروری سنہ ۱۹۲۲ء کو بعالم دوشیزگی اس دنیا کو خیرباد کہا اور اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئیں۔

زاہدہ نہایت عبادت گزار اور نیک سیرت خاتون تھیں۔ اسلام سے شیفتگی ان کی زندگی کے طور طریق سے ٹپکتی ہے۔ پاکیزہ سرشت اور پردہ نشین خاتون تھیں۔ عربی فارسی اور اردو میں اچھی استعداد رکھتی تھیں۔ ان کے کلام کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ "آئینۂ حرم" اور "فردوس تخیل" جو دارالاشاعت پنجاب نے طبع کرائے۔ ایک مجموعہ "آئینۂ حرم" سنہ ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا جب کہ زاہدہ بقید حیات تھیں۔ یہ ۳۹ صفحات کا رسالہ ہے۔ دوسری کتاب "فردوس تخیل" سنہ ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ مجموعۂ کلام ۱۲۱ منظومات پر مشتمل ہے۔ اس میں آئینۂ حرم کی نظمیں شامل کر دی گئی ہیں۔ شاعرہ نے زاہدہ کے علاوہ نزہت اور ز۔ خ بھی تخلص کیا ہے۔

"فردوس تخیل" کے عنوانات یہ ہیں :-

نذر دل، درد دل، درد ثانی، درد ثالث، مجمع احباب، بزم طرب،

بزم نما، حسن تضمین، بکھرے ہوئے موتی، قطعات، رباعیات مفردات۔

زاہدہ کی علمیت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مرحومہ عربی اور فارسی میں بھی شعر کہتی تھیں جو فردوس تخیل میں درج ہیں۔ اردو کے علاوہ فارسی میں بھی نعت کہی ہے۔ مرحومہ کے کلام میں عموماً اخلاقی مضامین پائے جاتے ہیں اور جا بہ جا قرآن اور حدیث کی تلمیحات ملتی ہیں۔ زاہدہ نہایت پرگو شاعرہ تھیں۔ مرحومہ کے کلام میں مختلف عنوانات اور اصناف سخن ملتے ہیں۔ قصیدے، غزلیں، مسدس، قطعہ بند، رباعیاں، سہرے، تضمین اور تاریخیں سب ہی ہیں۔ یہاں صرف نعتیہ کلام کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ شاعرہ نے نعت رسول صلی اللہ وسلم کو جس انوکھے رنگ میں پیش کیا ہے وہ صنف لطیف کی اس حسی کیفیت کا آئینہ دار ہے جو ایک شاعر کے تخیل کی زد سے باہر ہے۔ یہ ایک ایسا مضمون ہے جو ایک عورت ہی کے ذہن میں آسکتا ہے۔ زاہدہ نے بی بی آمنہ کو بستر مرگ پر بتایا ہے۔ ماں کے قلب کی کیفیت کا اندازہ کیجئے جبکہ وہ دنیا کو چھوڑ رہی ہے اور اس کے ساتھ اپنے جگرے کے ٹکڑے اکلوتے کو بھی ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ رہی ہے۔ اس وقت ماں کے جذبات کا فطری بہاؤ اور اس انداز سے اس کی ترجمانی شاعرہ کے حسن مذاق اور حسن احساس کی اچھی مثال ہے۔ اس میں جو زاہدہ نے نعت کا مضمون پیدا کیا ہے وہ بصد اندوہ وغم نہایت حسین ہے۔ ماں کی زبان سے بچے کے عالم طفلی میں مکارم اخلاق کا بیان نعت کا وہ انوکھا انداز ہے جس پر نعت گو شعراء تخیل اندازی سے محروم رہے۔ زاہدہ کی نعتیہ شاعری کی یہ خصوصیت نہایت اہم اور نمایاں ہے:-

مرا پیارا محمدؐ کہاں ہے لاؤ ذرا — جمال مجھ کو میرے لال کا دکھاؤ ذرا
کنارِ شوق میں دل کے قریں بٹھاؤ ذرا — میرے لبوں سے وہ ننھے سے لب لگاؤ ذرا
میں اپنے پیارے کو جی بھر کے پیار تو کر لوں
دمِ وداع ذرا ہم کنار تو کر لوں

مرے ستارے! مرے چاند! مرے مہر جبیں — مزار میں بھی نہ بھولے گی مادرِ غمگیں
تری ادائیں ترا حسن اصبح و نمکین — یہ تیرے عارضِ گلگوں پہ تابناک جبین
یہ چشم مست و سیہ یہ نگاہ دزدیدہ
یہ حلقہ بندئ زلفِ درازِ پیچیدہ

ترا یہ جھوٹ سے چڑنا دغا سے گھبرانا — یہ ہم سنوں کو صداقت کا رمز بتلانا
دمِ غضب یہ ترا شانِ حلم دکھلانا — ہنسی کے وقت فقط مسکرا کے رہ جانا
عجیب تیری ادائیں عجیب شانیں ہیں
عرب میں وردِ زباں تیری داستانیں ہیں

چلی ہوں چھوڑ کے گدڑی میں گنجِ ہفت اقلیم — چلی ہوں چھوڑ کے اک لعل ایک درِ یتیم
نہیں کسی سے کچھ امید ہے نہ بیم ہی بیم — کرم کرم مرے معبود میرے ربِ کریم
ترے کرم سے یہ بچہ اگر جواں ہوگا
یقین ہے قوتِ اجسامِ ناتواں ہوگا

سنی اگرچہ بغور اس نے شرحِ رنج و ملال — مگر ہوا متزلزل نہ پائے استقلال
یہ چھ برس کا سن اور ضبطِ نفس میں کمال — بچائیو نظرِ بد سے ایزدِ متعال
بسانے جاتی ہے ماں اس کی کنجِ تربت کو
تجھی کو سونپ رہی ہے تری امانت کو [1]

---

[1] فردوسِ تخیل : صفحہ ۲۱۱ -

محمد الیاس برنی

مولوی محمد الیاس برنی کا وطن بلند شہر ہے۔ سنہ پیدائش سنہ ۱۸۸۲ء ہے
مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے ایم۔ اے۔ اور ال۔ ال۔ بی کے امتحانات میں
کامیابی حاصل کی۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں دارالترجمہ حیدرآباد میں مترجم کی حیثیت سے
ملازم ہو گئے۔ دو سال بعد جامعہ عثمانیہ میں معاشیات کے مددگار پروفیسر
مقرر ہوئے۔ پھر وہیں پروفیسر ہو گئے۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں دارالترجمہ کے ناظم
بنائے گئے اور اس خدمت پر سنہ ۱۹۴۷ء تک کارگزار رہ کر وظیفہ حسن خدمت
حاصل کیا۔ آج کل حیدرآباد ہی میں مقیم ہیں۔ برنی صاحب مغربی تعلیم یافتہ
حضرات کی اس صف میں شامل ہیں جنھوں نے اپنی فراست سے دینی علوم میں
گہری نظر پیدا کی۔ یوں برنی صاحب معاشیات کے پروفیسر رہے۔ لیکن
موصوف کو علوم دینیہ اور ادب سے جو شغف ہے وہ ان کی تصانیف اور
تالیفات سے ظاہر ہے۔ خصوصاً نعتیہ کلام سے گہری دلچسپی رہی ہے۔ چنانچہ
معارف ملت جلد اول سے ان کے حسن انتخاب اور حسن مذاق کا پتہ چلتا ہے۔
اس کے علاوہ تحفہ محمدیؐ چار جلدوں میں شائع کر کے نعتیہ کلام کا انتخاب
ارباب ذوق کے لیے پیش کیا ہے جن میں شعرائے دور جدید کے نعتیہ کلام کا
اچھا نمونہ ملتا ہے۔ برنی صاحب کی اس ادبی خدمت کا اعتراف عبدالسلام صاحب
نے بھی اپنی کتاب شعرالہند حصہ دوم میں کیا ہے۔ نعتیہ کلام سے اتنے
گہرے لگاؤ کے ساتھ برنی صاحب کی طبیعت کا خود بھی نعت گوئی کی
طرف مائل نہ ہونا تعجب خیز ہوتا۔ عشق محمدیؐ کے پوشیدہ شرارے ان کے
حالیہ شائع شدہ نعتیہ کلام کے مجموعہ "معروضہ" میں ان کی اس حیثیت کو

بھی اجاگر کرتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ برنی صاحب کے کلام کے بیشتر حصے کو پڑھنے سے کسی خاص جاذبیت کا پتا نہیں چلتا۔ اس کا اظہار موصوف نے خود بھی اس طرح کیا ہے۔

شاعری کا شوق ہو گو شاعری آتی نہ ہو
شاعروں کو گرچہ ایسی شاعری بھاتی نہ ہو
برنی باتیں دل کی کہہ دی ہیں زبان شوق میں
شاعری کے فن میں گرچہ وہ سند پاتی نہ ہو[1]

تاہم کلام میں جگہ جگہ وہ محاسن بھی پائے جاتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے خلوص کے آئینہ دار ہیں۔ بیان میں کشش اور جاذبیت کے نمونے جا بہ جا ملتے ہیں۔ سادہ الفاظ اور صاف طرز بیان کے علاوہ سادگی، سلاست، روانی، جذب، کیف اور اثر بھی ان کے کلام میں موجود ہے۔ بطور نمونہ کلام درج ذیل ہے:-

وہ دن وہ ہے کہ سدا جس پہ کوئی ناز کرے
کرے بھی ناز جو اس پر تو بے نیاز کرے
اسے رؤف و رحیم اور کریم کہتے ہیں
وہ ایسا عبد کہ عالم کو سرفراز کرے
صلوٰۃ اس پہ سلام اس پہ انس و جان و ملک
سب ہی ہیں بھیجتے کافر جو احتراز کرے
عبادت اس کی عبادت کہ رب بھی بس کہہ دے
جو سمجھیں راز تو اعجاز کیا نماز کرے

---

[1] معروضہ: صفحہ ۱۲۷۔

خُدا کی یاد سے لپٹی ہے یاد اس کی بھی — ہے بے خبر ابھی بر نی جو اعتراض کرے

۱۔ "ہمارے نبیؐ" کی سادگی اور سلاست نے مضمون کو عام فہم بنا دیا ہے:

سارے نبیوں کے حاصل ہمارے نبیؐ — سارے نبیوں میں فاضل ہمارے نبیؐ
سارے نبیوں کی دعوت ہی قرآن ہیں — سارے نبیوں میں شامل ہمارے نبیؐ
بحرِ عرفاں میں کشتی ہزاروں چلیں — سارے نبیوں کے ساحل ہمارے نبیؐ
کون پہنچا سرِ عرشِ سبحان کے ساتھ — سارے نبیوں میں واصل ہمارے نبیؐ
خاتم الانبیاء کیا عجب شان ہے — سارے نبیوں کے فاضل ہمارے نبیؐ
یوں تو کُل انبیاء ہیں کمالِ ظہور — سارے نبیوں میں کامل ہمارے نبیؐ [۵۱]

آسان زبان لیکن دل کش پیرائے میں وصف محمدیؐ کے ساتھ عرفان کے مسائل کے بیان میں ان کا قدم جادۂ اعتدال سے کہیں ڈگمگاتا نظر نہیں آتا۔ بیان کا اعجاز یہ ہے کہ بچّے سے لے کر بڑے تک اور جاہل سے لیکر عالم تک یکساں اپنی اپنی استعداد کے موافق لطف اندوز ہوتے ہیں

۲۔ صفاتِ محمدیؐ کے بیان میں برنی صاحب قرآنی مضامین سے کبھی صرفِ نظر نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کے کلام میں جا بہ جا قرآنی تلمیحات ملتی ہیں۔ اس پابندی کے باوجود اشعار میں شعریت کا عنصر غالب ہے۔ رحمت کے مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے :-

رحمت جو عالمین میں بنے آشکار ہے — رحمٰن کے فیض وجود کا ان پہ مدار ہے
رحمت بھی ہیں کریم و رؤف و رحیم بھی — گلزارِ کائنات میں کیسی بہار ہے
سجدہ ہے اک خدا کو۔ مگر انکی راہ میں — نقشِ قدم پہ سجدہ، یہ اپنا شعار ہے۔

---

۵۱ معروضہ : صفحہ ۸۰۔

اتمام نعمت ان پہ ہے ملت کے واسطے ملت کا عزم اس پہ دل و جاں نثار ہے

برنی ہے گو غلام غلامان مصطفےٰ

رحمت کی پھر بھی اس پہ نظر بار بار ہے[۵۱]

تصوف اور فلسفہ کے رنگ میں بھی وہی کیفیت سموئی ہوئی ہے:۔

ساقی کوثر کو پایا جو کوئی مے خانہ تھا

فرش سے تا عرش ہر جا ساغر و پیمانہ تھا

سر حق اسرار عالم حکمت کون و مکاں

جس نے سمجھا کچھ محمدؐ کا وہی دیوانہ تھا

عبدیت محبوبیت ختم رسالت کا امیں

دست حق دست محمدؐ تھا تو کچھ بیجا نہ تھا

اللہ اللہ سطوت محبوب رب العالمین

تھے ملائک پاسبان احمد کا وہ کاشانہ تھا

دیکھنے کو رنگ محفل یوں پتنگے تھے ہزار

جان دے دی شمع پر جس نے وہی پروانہ تھا[۵۲]

عشق کی گہرائیوں میں شاعر کی غواصی اور تخیل کی ہمہ گیری بھی دیدنی ہے:۔

عشق احمد بحر حیرت، بحر ناپیدا کنار کیا خبر عالم کو کوئی آشنا تھا یا نہ تھا

شان محمدیؐ کو قرآن کے الفاظ میں نہایت خوبی سے واضح کیا ہے:۔

شان ابرو مد بسم اللہ سے ملتی ہوئی ان کی صورت صاف وجہ اللہ سے ملتی ہوئی

خلق ان کا خلق ہے کونین میں خلق عظیم ان کی سیرت ہے کتاب اللہ سے ملتی ہوئی

---

۵۱ معروضہ: صفحہ ۶،۔ ۵۲ معروضہ: صفحہ ۶۲۔

خلق کے حق میں سراپا رحمۃ للعالمین
شان رحمت ہی رسول اللہ سو ملتی ہوئی

کیسے ہیں محبوب امر حق یہ ہی صلّو علیہ
یاد انکی بھی ہی ذکر اللہ سے ملتی ہوئی

غلغلہ کیسا رفعنا لک ذکرک سی ہوا
شہرت انکی بھی ہی حمد اللہ سے ملتی ہوئی

کیسے ہیں سیّاح سبحان الذی اسری تو دیکھ
سیر ان کی بھی ہی سیر اللہ سے ملتی ہوئی

چشم حق میں کیا ہی مازاغ البصر وما طغیٰ
دید ان کی بھی ہی علم اللہ سے ملتی ہوئی

کیا تقرب کیا اطاعت ارمیت اذ رمیت
ان کی جنبش بھی ہی فضل اللہ سے ملتی ہوئی

جن کی شان قل لعبادی انکا ہی الیاسؔ عبد
اس کی نسبت بھی ہی عبد اللہ سے ملتی ہوئی [۱]

غرض یہ کہ برنی صاحب کے کلام میں تجر علمی خلوص، سادگی سلاست اور روانی کے ساتھ گہرائی پائی جاتی ہے۔ وہ تصوف کے نازک مسائل کو اس خوبی سے بیان کر جاتے ہیں کہ جو لوگ اس پر نظر نہیں رکھتے انھیں محسوس بھی نہیں ہوتا کہ شاعر نے یہ بات بھی پیدا کی ہے۔ کلام کی سنجیدگی سے طبیعت کی متانت کے اس اعلیٰ مرتبہ کا ثبوت ملتا ہے، جو شاعر کے ذاتی اخلاقی محاسن سے متعلق ہے۔

---

[۱] معروضہ: صفحہ ۴۸۔

ابو الاثر حفیظ جالندھری

حضرت حفیظ ۱۴ جنوری سنہ ۱۹۰۰ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد سورج بنسی راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جو تقریباً سوا دو سو سال پہلے اسلام لائے۔

ابتدائی تعلیم جالندھر میں حاصل کی۔ شعر و شاعری کا ذوق بچپن ہی سے رہا چنانچہ کہا جاتا ہے کہ گیارہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔ یہ حفیظ کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں مولانا غلام قادر گرامی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے کا موقع ملا۔ ان کے کلام میں استاد کا فیض نمایاں ہے۔

سنہ ۱۹۲۵ء میں فرمانروائے خیرپور نے تین سو روپیہ مشاہرے پر درباری شاعر مقرر کیا۔ لیکن حفیظ کی طبیعت نے اس زندگی کو ناپسند کیا۔ وہاں سے واپس ہوکر اپنے کلام کا پہلا مجموعہ "نغمۂ زار" شائع کیا۔

اب حفیظ نے "شاہ نامۂ اسلام" کو نظم کرنے پر کمر باندھی۔ یہ کلام جتنا مشکل تھا اسے اتنا ہی آسان کر دکھایا۔ اب تک شاہ نامۂ اسلام کی چار جلدیں شائع ہو گئیں۔ شاہنامہ کے سلسلے میں جو کام انجام پا چکا ہے وہ اردو ادب میں حفیظ کی بقائے دوام کے لئے کافی ہے۔ حفیظ دوسری جنگ میں حکومت ہند کے محکمہ نشر و اشاعت میں اچھی خدمت پر مامور رہے۔

حضرت حفیظ کی شاعری میں ہمیں صرف ان کے نعتیہ کلام سے مطلب ہے اور اس خصوص میں ان کی مثنوی "شاہ نامہ اسلام" ذکرِ نبیؐ میں بے مثل کتاب ہے۔

اس سے پہلے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات نظم کرنے کی اردو شعراء نے کوشش کی ہے چنانچہ معراج نامے، وفات نامے، ولادت نامے،

شمائل نبیؐ اور اس نوع کی کثرت سے تصنیفیں ملتی ہیں لیکن ایک تو ان میں سے اکثر میں صحت روایات کا خیال نہیں رکھا گیا اور اس طرح بہت سی غلط سلط باتیں آں حضرتؐ کی سیرت کے متعلق مشہور ہو گئیں۔ دوسرے یہ کہ بیشتر شعرا نے عام رسم و رواج کے ماتحت صرف حصول ثواب کی خاطر یہ کام انجام دیا۔ بلا لحاظ اس کے کہ اس کی لیاقت کس حد تک ان میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان میں شعری عنصر کم پایا جاتا ہے۔ اس نوع کی کاوشوں میں نوازش علی شیدا کی "اعجاز احمدی" (سنہ ۱۱۸۶ھ) اور محمد باقر آگاہ ویلوری (متوفی سنہ ۱۲۲۰ھ) کی "ہشت بہشت" منظوم سیرت النبی کے اچھے نمونے ہیں جو اپنی ضخامت اور صحت مضامین کے لحاظ سے اردو ادب کی نعتیہ شاعری میں نہایت گراں قدر ہیں۔ لیکن جو بات حضرت حفیظ کے شاہنامۂ اسلام کو حاصل ہے وہ کسی اور جگہ نہیں ملتی۔

قومی شاعری کا دور جو مولانا حالی سے شروع ہوتا ہے وہ حقیقت میں اس احساس کا زمانہ ہے جو مسلمانوں کے لئے عموماً خواب غفلت سے بیداری کا دور کہا جاتا ہے۔ حضرت حفیظ ان مصلحین شعراء کے سلسلے کی ایک کڑی ہیں جنھوں نے ایک ایسا موضوع منتخب کیا جو اکثر شعرا کے لئے ہمت شکن ثابت ہوتا ہے۔

حضرت حفیظ نے اس کے لئے طبیعت بھی مناسب پائی تھی۔ ان کی تربیت جس ماحول میں ہوئی اس نے حب رسولؐ کے نقوش زندگی کے معصوم ایام طفلی ہی میں ایسے گہرے بٹھائے تھے کہ وہ ان کے جان و دل میں پیوست ہو کر رہ گئے۔ فطری طور پر بچے کا پہلا مکتب گھر کا ماحول ہے۔ جو زندگی کے احساسات پر شدت سے اثر انداز ہوتا ہے۔ حفیظ نے اس تربیت کا حال اس طرح

بیان کیا ہے۔

وظیفہ تھا کلام پاک ہی میرے جد واب کا
دیا مجھ کو زبان مادری نے درس مذہب کا

وہ کہتا تھا محمدؐ کی محبت جان ایمان ہے
بنائے وحدت ملت پشتیبانِ ایمان ہے

حفیظ کا بچپن آخر اس ماحول سے نکل کر جدید نظام تعلیم کے حوالے ہوتا ہے۔ شاعر کی فطرت صالحہ اس تعلیم کے مسموم اثرات کا شدید احساس رکھتی ہے۔ وہ اپنے تلخ نتیجے کی روشنی میں نئی نسلوں کو فریبِ تعلیم کا شکار ہوتا ہوا دیکھ کر تڑپ جاتا ہے۔

نئی تعلیم کی تکمیل ہی ناکام ہونا ہے   ہزاروں اور ہیں جن کا یہی انجام ہونا ہے

یہ حقیقت ہے کہ موجودہ نظام تعلیم اور اس کے ماحول نے، مقصود تعلیم و تربیت یعنی زندگی کی پاکیزگی اور طہارت کو جس بری طرح داغدار کیا ہے وہ مقصد کی ناکامی پر شاہد ہے۔ کتنے ہی جوہر اس شر انگیز فضا میں اپنی تابناکی سے محروم رہ گئے اور کتنی ہی صلاحیتیں تباہ و برباد ہو گئیں۔ ماحول کی اس ناسازگاری میں بھی حفیظ کی حمیت اور غیرت قومی انھیں اصلاح کے لئے ابھارتی رہی۔ وہ اس خدمت کے لئے خلوص کو لے کر آگے بڑھتے ہیں۔ یہی ایک جذبہ "شاہ نامہ اسلام" کی تصنیف کا محرک ہوا جس کا اظہار حفیظ نے سبب تصنیف میں کیا ہے۔

تمنا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام کر جاؤں
اگر کچھ ہو سکے تو خدمت اسلام کر جاؤں

'شاہ نامۂ اسلام کے مضامین میں صحت کا جو التزام حضرت حفیظ نے

ملحوظ رکھا ہے، اسے خود بھی بیان کیا ہے۔

"اور نوادر ایسی روایات سے حتی الوسع پرہیز کیا گیا ہے جو کافی سند کے بغیر مولود شریف کی عام کتابوں اور بعض کتب سیر میں درج کر دی گئی ہیں یا عوام کی محفل میں گرمئ محفل کے لئے بیان کی جاتی ہیں۔" [۵۱]

تخیل پر نہیں بنیاد میرے شاہ نامے کی
صداقت کی طرف جاتی ہے راہ راست خامے کی

مجھے ہے عاقبت کی فکر میں اللہ سے ڈرتا ہوں
ادب لازم ہے محبوب خدا کا ذکر کرتا ہوں

یہ قرآنی بیان ہے ایک کالی کملی والے کا
کہ جس کے نور سے ظلمت نے منہ دیکھا اُجالے کا

بیان میں اختصار و سادگی ملحوظ رکھی ہے
بڑی مشکل سے جان واقعہ محفوظ رکھی ہے [۵۲]

حفیظ کو نعت گوئی کے لئے صرف رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اُبھارنا ہے جس کا اظہار حفیظ نے نہایت تفصیل سے کیا ہے۔

ہوئی اس راہ وحدت میں تلاشِ رہنما مجھ کو
نظر آیا نہ کوئی کملی والے کے سوا مجھ کو

---

۵۱ دیباچہ شاہ نامہ اسلام جلد چہارم، صفحہ ۱۰۔

۵۲ شاہ نامۂ اسلام از ابوالاثر حفیظ جالندھری مطبوعہ لاہور (سنہ ۱۹۳۲ء) جلد دوم: صفحہ ۲۱۴۔

وہ سادی کملی والا جو شہنشاہوں کا آقا تھا
جسے مرغوب سادہ زندگی تھی فقر فاقہ تھا
اسی کی زندگی نے زندگی کو زندگی بخشی
گلوں کو رنگ ماہ و مہر کو تابندگی بخشی
محمدؐ جس نے جوش زندگی بخشا ضعیفوں کو
شریروں پر مسلط کر دیا آخر شریفوں کو
محمدؐ جس نے گمراہوں کو سیدھی راہ دکھلائی
خدائے واحد و رحمٰن کی درگاہ دکھلائی[1]

شاعر کو اپنی کاوش کے صلہ میں جو امیدواری ہے اس کا خلوص اور سادگی ایک مہتم بالشان آرزو اور اس کی تڑپ کا پتہ دیتی ہے۔ جس کی حلاوت ایک صاحب ایمان ہی محسوس کر سکتا ہے۔

کسی کی مغفرت کا یہ اگر سامان ہو جائے ۔۔۔ تو شاید حشر میں مشکل میری آسان ہو جائے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گدائی میں حفیظ افتخار محسوس کرتے ہیں اور حقیقت میں یہی ایمانی جذبۂ محبت و خلوص شاعر کے کلام میں گرمی پیدا کرتا ہے۔ آستانۂ رسولؐ پر حفیظ کی تمنا ان کے ان احساسات کی ترجمانی کرتی ہے:۔

حفیظ بے نوا بھی ہے گدائے دامن دولت ۔۔۔ عقیدت کی جبیں تیری مروت سے ہے نورانی
ترا در ہو مرا سر ہو مرا دل ہو ترا گھر ہو ۔۔۔ تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی[2]

---

[1] شاہنامہ اسلام: از ابو الاثر حفیظ جالندھری، مطبوعہ لاہور (سنہ ۱۹۳۲ء) جلد دوم ص ۲۱۵
[2] " " " " " (سنہ ۱۹۳۵ء) جلد اول، صفحات ۱۴۲، ۱۴۳۔

حفیظ کا شمار اُردو کے ان رفیع الدرجات اور جلیل القدر نعت گو شعرا میں ہے جنھوں نے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنا ہدیۂ عقیدت پیش کر کے ادب میں بقائے دوام حاصل کر لی۔ حفیظ ان میں اپنی نعتیہ مثنوی شاہ نامۂ اسلام کے انفرادی رنگ کی وجہ سے نمایاں اور منفرد ہیں۔ ان کی شاعری کے محاسن گوناگوں ہیں لیکن ہم اپنے بیان کو سیرت پاک کے ان حصوں تک محدود کر دیں گے جن میں وصف نبیؐ کا رنگ پایا جاتا ہے۔

ناقدین نے حفیظ کے کلام کی خامیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہمیں نعتیہ کلام کی ناہمواریوں کو ٹٹولنے سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ جو کچھ شاعر نے کہا ہے کیا اس سے بہتر بھی ہو سکتا ہے یا ہو چکا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ حفیظ نے سراپا، معراج اور اس نوع کے دیگر نفیس بیانات کو کلام میں جگہ نہیں دی جو عام طور پر نعت گوئی کے موضوع بنے ہوئے ہیں لیکن شاعر کے پیش نظر جو مقصد شاہ نامہ اسلام' کے لکھنے میں رہا اس کی روشنی میں ہمارا یہ اعتراض وقیع نہیں رہتا۔

حفیظ نے سیرت پاک کے ان مرقعوں کو پیش کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر دیا ہے جو رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جیتا جاگتا اسوۂ حسنہ بن کر ہماری رگوں میں زندگی کا خون دوڑا سکتا ہے، جھنجھوڑ سکتا ہے، جگا سکتا اور انسانی صلاحیتوں کو سنوا کر اس کے فروغ سے بزم ہستی کو آراستہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس منظوم سیرت پاک میں زندگی ابلتی ہے، اچھلتی ہے، رقص کیف اور مستی سے سرشار ہو کر ستاروں سے آگے پرواز کو حرکت دیتی ہے۔ اس لحاظ سے وہ کمی جسے ہم خامی سے تعبیر کر سکتے ہیں خوبی بن گئی ہے۔

شاعر نے افلاک کی وہ سیر دکھلانے سے پرہیز کیا ہے جس سے عملی زندگی کو

واسطہ نہیں ہے۔ گو وہ اپنے مقام پر عروج انسانی کی ایک مہتم بالشان حقیقت ضرور ہے۔ یوں آج تک اُردو شاعری میں بے شمار ولادت نامے، معراج نامے، شمائل نبیؐ، وفات نامے لکھے گئے۔ لیکن ان سب میں ان کے ہزاروں محاسن کے باوجود ایک حسن کی کمی ہے اور وہ یہ کہ سرفروشانِ محمدؐ کو اپنے اس جذبہ کو تیز کرنے کا کہیں سامان نہیں ملتا۔ بیان کا اثر گرمی، جذب، کیف اور طوفان سے محروم رہتا ہے۔ گو یوں ٹھنڈی ٹھنڈی یثرب کی ہوائیں بھی محسوس ہوتی ہیں، دل و جگر میں میٹھا میٹھا درد اور خنک کوثر و تسنیم کی لذت بھی پیدا ہوتی ہے، انوار کی بارش جمالیاتی کیفیات کو وجود میں پھیلا بھی دیتی ہے اور کلام کی لطیف ترنم ریزی میٹھی نیند کے غلبے سے قلب مطمئن کو خواب سے بھی ہم آغوش کرتی ہے۔ اکثر نعت گو شعراء کے کلام میں یہ سب کچھ ہے مگر ان کے کلام سے وہ طوفان برپا ہونے نہیں پاتا جو سمندروں کے سینوں میں بھی زیر و بم پیدا کردے اور اپنی آتش فشانی کیفیت سے وجود کے ناپاک عنصر کو سوخت کرنے کی تڑپ لے کر اٹھے۔ حفیظ کے کلام کی یہی خصوصیت ہے جس نے "شاہ نامۂ اسلام" کو لافانی بنا دیا ہے اور زندگی کا وہ سامان پیش کیا ہے جس میں حق و صداقت بسی ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ حق کو کبھی فنا نہیں۔

اب یہ سوال کہ اس سے بہتر بھی ہو سکتا تھا، تو اس کا جواب مستقبل کی صلاحیتیں ہی دے سکتی ہیں۔

حفیظ کی نعت گوئی پر تبصرہ کرنے سے پہلے ان فنی لوازم کو بھی نظر میں رکھ لینا ضروری ہے جن سے نعت گو شاعر کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس راستے میں شاعر کے لئے جگہ جگہ پابندیاں ہیں۔ ایک تو بیان کی واقعیت

اور صداقت میں سر مو فرق نہ آئے۔ شاعر کا دل و دماغ ان معلومات کا منبع ہو جس کا سر رشتہ خود ممدوح کی ذات گرامی ہے۔ تخیل کی بے اعتدالیوں کو وہ ہمیشہ دباتا رہے۔ جذب و شوق کو حدود کے اندر رکھے۔ محبت کے طوفان کو آداب اور تہذیب سکھلائے۔ الفاظ نپے تُلے استعمال کرے۔ ترکیبیں حسب موقع ممدوح کے شایانِ شان ہوں۔ خطاب کے لئے بارگاہ کی عظمت کا ہر لمحہ دھیان رہے۔ جس مقام پر آواز کو بلند کرنا بھی گناہ عظیم قرار پائے نعت گو شاعر کی لب کشائی کے لئے وہ کتنی دشوار گزار منزل ہے۔ ان تمام پابندیوں کے ساتھ مضمون میں شعریت کو برقرار رکھنا ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے اور اگر کوئی شاعر ان تمام مشکلات سے کامیاب گزر گیا تو سبحان اللہ کیا کہنا۔ لیکن نعت گو شعراء کی بھی قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جنھوں نے عشق رسولؐ میں فقط محبت کے گیت گائے ہیں اور والہانہ جذبے سے سرشار ہو کر شمع رسالتؐ پر پروانہ وار تصدق اور نثار ہونے کے مضامین باندھے ہیں۔ یہاں داخلی جذبات کی ترجمانی اور تغزل کا رنگ پایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب وصف محمدیؐ میں یہ رنگ شامل ہو جائے تو جذبات کا غلبہ اوصاف کے بیان کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے اور کلام کا والہانہ انداز فقط کیف و مستی کا سامان کرتا ہے۔ اس قسم کی نعت میں سیرت رسولؐ کا کہیں پتہ نہیں چلتا اور نتیجتہً نعت کا وہ رنگ نہیں رہتا جو اس کا مقصود ہے۔ یہاں شاعر کے فکر کو آزادی ضرور حاصل ہوتی ہے جو ایک سیرت نگار یا وصف نگار شاعر کو نصیب نہیں۔ نعت کی پابندیوں کے ساتھ وصف نگاری میں یہ خدشہ بھی ضرور لگا رہتا ہے کہ کہیں اشعار سے شعری عنصر ختم یا کم نہ ہو جائے۔ چنانچہ یہاں شاعر کو اپنی

شعری صلاحیت کے استعمال میں بڑی کاوشوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ ہم حفیظ کی شاعری کو اس نظر سے دیکھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ ان تمام دشوار گزار منزلوں سے اس قدر کامیاب گزر گئے کہ پڑھنے والے کو محسوس تک نہیں ہوتا کہ بیان وصف میں شاعر کا فکر ان مشکلات سے کبھی دوچار بھی ہوا ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ حفیظ کی شاعرانہ صلاحیتوں کے ساتھ حقیقت محمدیؐ ان کی نظروں میں پیام حیات کی طرح بسی ہوئی ہے اور جان و دل کے ساتھ پیوست ہے۔ محبت کا ابال ہے، خلوص کی فراوانی ہے، اسوۂ حسنہ کے محاسن اپنی رعنائیوں کے ساتھ شاعر کے تخیل کو مسحور کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیان واقعہ میں بھی شعریت دبنے نہیں پاتی اور شاعر کا جوش وجذبہ کہیں تھکتا نہیں۔ وہ سیرت رسولؐ کے اندر مسیحائی محسوس کرتا ہے اور زندگی کے چشمے ابلتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اس لئے حفیظ کے بیان نے ایک الہامی صورت اختیار کر لی ہے کلام کیا ہے سیرت رسولؐ کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اس کے ساتھ شاعر اپنے مقام کی نزاکت کا احساس بھی رکھتا ہے اور اس لئے وہ ایک جذب و کیف میں خیالات کو سمیٹتا ہوا، الفاظ کو تولتا ہوا، آداب کو ملحوظ رکھ کر جناب سرکار کے خطاب سے بارگاہ نبوی میں عقیدت کا ہدیہ پیش کرتا ہے۔ بیان میں وہ جاذبیت اور اثر ہے کہ رقت طاری ہو جاتی ہے، دل امنڈ آتا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ حقیقت میں یہی شاعر کا کمال بھی ہے۔

۱۔ اثر آفرینی حفیظ کے کلام کی پہلی بڑی اور اہم خصوصیت ہے۔ مثال کے طور پر (۱) آں حضرتؐ کے داماد ابوالعاص اسیران جنگ بدر میں تھے۔ حضورؐ کی صاحب زادی حضرت زینبؓ نے شوہر کے فدیہ کی رقم وہی ہار بھیجا جو حضرت خدیجہؓ نے بیٹی کے جہیز میں دیا تھا۔ حفیظ نے اس

بیان میں جو اثر بھر دیا ہے اس کا احساس پڑھنے کے بعد ہی بخوبی ہو سکتا ہے۔

ملا تھا قیمتی اک ہار ان کو تحفۂ شادی
اسی کو بھیج کر چاہی گئی شوہر کی آزادی
نظر آیا جو نہی یہ ہار دل حضرتؐ کا بھر آیا
سمٹ کر ابر گوہر بار پلکوں پر اتر آیا
خدیجہ طاہرہ کا ہار مرحومہ رفیقہ کا
رسالت کی انیسہ اور امت کی شفیقہ کا
خدیجہ طاہرہ اس قلب میں آباد تھی اب تک
محبت اور نیکی اور خدمت یاد تھی اب تک
کہا بیٹی نے ماں کی یادگار ارسال کردی ہے
یہ دولت بہر شوہر آج استعمال کر دی ہے[1]

بیان کی روانی، سلاست اور دل آویزی سیدھے سادھے الفاظ میں رعایت لفظی اور صناعی سے عاری ہو کر کس قدر حسین ہے۔ حقیقت میں یہی سادگی حفیظ کے کلام کو نکھار دیتی ہے۔

(۲) مدینے کی ایک پاکدامن لڑکی یہودی کے ادباشانہ مذاق سے یوں فریادی ہوئی:۔

نہ حفظ آبرو کی جب کوئی صورت نظر آئی
تو اس مظلوم لڑکی نے محمدؐ کی دہائی دی
پکاری کیا نہیں غیرت کسی انساں کے سینے میں
کہ یوں بے آبرو ہوں میں محمدؐ کے مدینے میں[2]

---

[1] شاہ نامہ جلد دوم، صفحہ ۱۹۰۔ [2] شاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۱۹۷

حفیظ نے صرف ان دو اشعار میں سارا قصہ کہہ ڈالا جس میں لڑکی کی پاکدامنی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ اللعالمینی اور اس معصوم کے درد و کرب کی کیفیت سب کچھ سما گیا۔

(۳) اب حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی شادی کی کیفیت میں سادگی اور بے پایاں تاثیر بھی ملاحظہ کیجئے:۔

وہ زہرا ہاں وہی زہرا رسول اللہ کی بیٹی
وہی زہرا شہنشاہوں کے شاہنشاہ کی بیٹی
وہ کملی اوڑھنے والے مجسم نور کی دختر
وہ عبداللہ کی پوتی آمنہ کے پور کی دختر
وہ خواہرام کلثوم و رقیہ اور زینب کی
وہ سب بہنوں سے چھوٹی اسلئے نور نظر سب کی
وہ قاسم کی بہن وہ طیب و طاہر کی ماں جائی
جو ماں کی گود میں اتمام نعمت کی طرح آئی
وہی آئینہ عفت کا سب سے خوشنما جوہر
خدیجہ طاہرہ کے بطن کا ایک بے بہا گوہر
وہ صبح نور چشم رحمۃ للعالمین زہرا
نگین خاتم تسکین ختم المرسلینؐ زہرا
وہ زہرا جو شبیہہ اسوۂ سرکارِ عالی تھی
علیؓ سے آج اس زہرا کی شادی ہونے والی تھی
وہ زہرا جس کے گھر تسنیم و کوثر کی تھی ارزانی
ملی تھی مشک ان کو تاکہ خود لایا کریں پانی

ملا تھا فقر و فاقہ ہی مگر اصلی جہیز ان کو
کہ بخشی تھی خدا نے ایک جبیں سجدہ ریز ان کو
چلی تھی باپ کے گھر سے نبیؐ کی لاڈلی پہنے
حیا کی چادریں عفت کا جامہ صبر کے گہنے
ردائے فقر بھی حاصل تھی توفیق سخاوت بھی
کہ ہونا تھا اسے سرتاج خاتونان جنت بھی
اسی کی تربیت میں اسوہ تھا یمنِ سعادت کا
اسی کی گود سے دریا اُبلنا تھا شہادت کا
وہی غیرت جو مہر خاتم حق کا نگینہ تھی
امین کی لاڈلی ہی اس امانت کی امینہ تھی
پدر کے گھر سے رخصت ہو کے زہرا اپنے گھر آئی
توکل کے خزانے دولت مہر و وفا لائی

شاعر نے اس بیان میں محاسن کا دریا بہا دیا ہے۔ وصف نگاری میں یہاں حفیظ کا فن اپنی انتہائی بلندی پر نظر آ رہا ہے تسنیم و کوثر سے ڈھلی ہوئی زبان، تاثیر میں ڈوبا ہوا بیان، تشبیہ و استعارے کی ندرت، الفاظ کی لطافت، شگفتہ طرز، تخیل کی پاکیزگی اور سب سے بڑھ کر محبت رسولؐ و اہل بیت کا طوفان شاعر کے ہر لفظ کو قبولیت کا درجہ بخش کر ہر صاحب ایمان کے دل میں نشتر کا کام کر رہا ہے۔

حفیظ کے کلام کی یہی خوبیاں ان کی عظمت کا اعتراف کرتی ہیں۔

(۴) حفیظ کو صناعی میں بھی اثر اور سادگی ملحوظ ہے۔ بیان میں کہیں الجھاؤ نہیں ہے۔ دور از کار تشبیہوں کا کہیں استعمال نہیں۔ رسول اللہؐ اور

غازیانِ اسلام کی مراجعت کا نقشہ پیش ہے :-

نوید سر خوشی دیدی زمینوں آسمانوں میں
فرشتے لے اڑے اللہ اکبر کی اذانوں میں

ہوا جلوہ فگن طیبہ میں جب اسلام کا ہادی
منور ہو گئی شمس الضحیٰ کے نور سے وادی

صحابہ ہم عناں تھے صف بصف محبوبِ داورؐ کے
شعاعیں گرد تھیں چاروں طرف خورشید خاورؐ کے

زمیں سے جب صدائے نعرہ ہائے مرحبا گونجی
فلک سے بھی خدائے نغمۂ صل علی گونجی

مبارک باد کی آنے لگیں پرجوش آوازیں
مئے حب رسول اللہ سے مدہوش آوازیں

پیمبر اس طرح داخل ہوا اپنے مدینے میں
دم رفتہ پلٹ کر جس طرح آتا ہے سینے میں

محبت کی ہوائیں جد میں آئیں شجر جھومے
جھکی محراب مسجد فرش نے بچھ کر قدم چومے

فروکش ہو گئے مسجد میں آکر حضرت والا
صحابہ نے بنایا چاند کے چاروں طرف ہالا

بشر کی شان وحدت کے جو یہ جلوے نظر آئے
ستارے بھی مبارک باد دینے کو اتر آئے

مہاجر اور انصار آکے بیٹھے سب حضوری میں
رہا کوئی نہ بعد و قرب خاکی اور نوری میں[1]

---

[1] شاہنامہ اسلام حصہ دوم: صفحہ ۱۵۷۔

تشبیہیں نہایت بدیع اور رقصاں ہیں اور حسن تعلیل کی صورتیں بھی نہایت حسین ہیں۔ حفیظ کا یہ کہنا کہ

محبت کی ہوائیں وجد میں آئیں شجر جھومے
جھکی محراب مسجد فرش نے جھک کر قدم چومے

جذب و کیف کا طوفان برپا کرنے کے لئے کافی ہے۔ جس شاعر کے تخیل نے یہ مضمون پیدا کیا ہو اس کے شوق کی شدت کا صحیح اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ ذکر حبیبؐ میں حفیظ ہمیشہ اپنی انتہائی بلندیوں پر نظر آتے ہیں۔

حسن تعلیل کی پُرکیف مثالیں جا بہ جا پائی جاتی ہیں۔

کیا کرتی تھی غسل آفتابی اس لئے وادی
کہ گزرے گا یہاں سے ایک دن اسلام کا ہادی

میدان بدر میں نور سحر کا نمودار ہونا شاعر کی نظروں میں کچھ اور ہی نقشہ پیش کر رہا ہے۔

زرہ پہنے ہوئے جب لشکر نور سحر نکلا — شہ خاور اٹھا بہر مدد سینہ سپر نکلا
شعاعیں برچھیاں بن کر اندھیرو کی طرف لپکیں — بلائیں بھاگ اٹھیں اپنے ڈیرو کی طرف لپکیں[۵۱]
ہوا عرش معلّی سے نزول رحمت باری — تو استقبال کو اٹھی حرم کی چار دیواری[۵۲]

۲۔ حفیظ کے بیان کی ڈرامائی کیفیت:

حرم کی حد میں یوں جب چیرہ دستی کا سماں دیکھا
زمیں نے خوف سے تھرا کے سوئے آسماں دیکھا[۵۳]

---

۵۱ شاہ نامہ اسلام جلد اول صفحہ ۲۷۶ ۵۲ شاہ نامہ اسلام: جلد اول صفحہ ۱۴۰۔۶
۵۳ " " " ۱۳۲۔

گروہ اشقیا کو سرنگوں ہوتا ہوا پایا
علی کو سایۂ شمشیر میں سوتا ہوا پایا[۵۱]

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبا میں درود اور پرستاران حضورؐ کا جوش و ولولہ جو شاعر نے پیش کیا ہے ایک تصویر بن کر آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور نعروں کی آوازیں کانوں میں گونج اٹھتی ہیں۔

علی اٹھا لیجئے ذروں کے گھر میں آفتاب آیا
زمین و آسماں کا نور جس کے ہمرکاب آیا
اکٹھے ہو گئے ہر سمت سے طالب زیارت کے
شعاعوں کی طرح سے گرد خورشید رسالت کے
نظر آئی جونہی پہلی جھلک روئے منور کی
سلامی گونج اٹھی نعرۂ اللہ اکبر کی[۵۲]

اب مدینۃ النبیؐ میں آپ کے داخلے کی شان بھی دیکھئے :۔

ہوا چاروں طرف اقصائے عالم میں پکار آئی
بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی
جوان و پیر و مرد و زن سراپا چشم بیٹھے تھے
بہار آنے کو تھی گلشن سراپا چشم بیٹھے تھے
جنوبی سمت اٹھا ایک نورانی غبار آخر
سواد شہر میں داخل ہوا ناقہ سوار آخر
فضا میں بس گئیں توحید کی آزاد تکبیریں
یہ تکبیریں تھیں باطل کے گلو پر تیز شمشیریں
مہاجر پیچھے پیچھے چل رہے تھے سر بکف ہو کر
کھڑے تھے راہ میں انصار ہر سو صف بصف ہو کر
در و دیوار استادہ ہوئے تعظیم کی خاطر
زمیں کیا آسمان بھی جھک گئے تسلیم کی خاطر[۵۳]

---

۵۱ شاہنامہ اسلام جلد اول صفحہ ۲۳۰۔ ۵۲ ایضاً صفحہ ۲۴۰ ۵۳ ایضاً ص ۲۴۳۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درپئے آزار کفار کا میدانِ بدر میں جمع ہونا اور بغض وعداوت رسولؐ کے طوفانوں کو اپنے جلو میں رکھنا ہر سیرت نگار اور مورخ کے بیان میں ملتا ہے لیکن حفیظ نے جس قوت سے اس میں حسن بھرا ہے وہ شاعر کے ڈرامائی انداز کی آئینہ داری کرتا ہے۔

تکبر، ظلم۔ گستاخی، دل آزاری، من مانی
تشدد، کینہ توزی، ناز، خود بینی، خود آرائی
ستانے کے طریقے قتل کر دینے کی ایجادیں
یہ بچے مادرِ شب کے اندھیرے کی یہ اولادیں
ہوئی آ آ کے سب شامل گروہِ اہلِ باطل میں
یہ فتنے آبسے کفار کے تہ خانۂ دل میں [۱]

الفاظ کا زیر و بم محل اور موقع کے مطابق نہایت مناسب صوتیت پیدا کرتا ہے اور سننے والے کا دل مسحور ہو کر اپنی کیفیت میں اسی کے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔

ابن عبدود عرب میں ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا اس کے نام سے عرب میں سب ہی کانپتے تھے۔ جنگ احزاب میں مدینے پر سارا عرب دھاوا کرتا ہے اور یہ نامی پہلوان خندق کے پار گھوڑا گرا کر للکارتا ہے۔ اس واقعہ کی ڈرامائی کیفیت کی ترجمانی کا حفیظ نے پورا پورا حق ادا کیا ہے۔

پکارا جان جاؤ عمرو ابن عبدود میں ہوں
ذرا پہچان جاؤ اور کوئی ہے کہ خود میں ہوں [۲]

۱؎ شاہنامہ اسلام جلد اول صفحہ ۲۷٦۔ ۲؎ شاہنامہ اسلام جلد چہارم صفحہ ۱۹۲۔

اس کے جواب میں صدائے شیر خدا :-

یہ سنتے ہی علی المرتضیٰ رضؓ نے دی صدا میں ہوں
فدا کار محمد مصطفیٰ ﷺ نام خدا میں ہوں [1]

ابن عبدود پھر للکارتا ہے :-

وہ کافر پھر پکارا ہے کوئی جو سامنے آئے
بزد آرا ہو مجھ سے آکے جرأت اپنی دکھلائے [2]

حضرت علی رضؓ کا جواب :-

نہ بولا اور کوئی شاہ مردان نے کہا میں ہوں
یکے از سر فروشان محمد مصطفیٰ ﷺ میں ہوں [3]

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد :-

رسول اللہ ﷺ نے شفقت سے رکھا ہاتھ شانے پر
کہا یہ ابن عبدود ہے اے فرزند اے حیدر

محب رسول ﷺ کا جواب :-

کہا بے شک یہ ابن عبدود ہے جانتا ہوں میں
مرے سرکار اس ابلیس کو پہچانتا ہوں میں [4]

کافر کی لاف زنی اور حضرت علی کا جواب بھی سننے سے تعلق رکھتا ہے :-

میں وہ ہوں جس سے زہرہ آب ہی جنگل کے شیروں کا
شجاعوں کا کشندہ اور قاتل ہوں دلیروں کا

---

[1] شاہنامہ اسلام جلد چہارم صفحہ ۱۹۲ - [2] شاہ نامہ اسلام جلد چہارم، صفحہ ۱۹۲ -
[3] " " " ۱۹۲ - [4] " " : " ۱۹۲ -

تیرا کیا نام ہے تو کون ہے او پیکر خاکی
کہ حد و انتہا سے بڑھ گئی ہے تیری بے باکی
کہا مجھ کو علی کہتے ہیں اک بندہ خدا کا ہوں
میرا اتنا ہی دعویٰ ہے کہ خادم مصطفےٰؐ کا ہوں

حضرت حفیظ کے بیان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا یہ پہلو ہمیشہ نمایاں رہے کہ وہ حبِ رسولؐ میں دیوانے ہیں۔

۳۔ کسی واقعہ کی جان واقعہ کے ساتھ بیان کرنے میں حضرت حفیظ کو کمال حاصل ہے۔ بات صرف اس قدر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے ناقہ بہ قیمت خریدا تھا اور رسول کریمؐ حضرت صدیق، حضرت عامر اور ایک رہبر اس پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ اب شاعر کا بیان بھی سنئے:۔

بہ قیمت لے کے ناقہ شانِ رحمت نے سواری کی
بڑھیں یثرب کی جانب نکہتیں، یاد بہاری کی
رسول اللہؐ اور صدیق تھے اک پشت ناقہ پر
تھا عامر دوسری پر اور اس کے ساتھ ایک رہبر
بہ ظاہر چند اہل کارواں معلوم ہوتے تھے
مگر ان کے جلو میں دو جہاں معلوم ہوتے تھے[۱]

کہیں کہیں حفیظ کا تخیل پابندیوں کو توڑ کر آزاد بھی ہو جاتا ہے تو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ شاعر حدود سے تجاوز کر گیا ہے بلکہ بیان کی واقفیت کو ثابت کرنے کے لئے ظاہری شواہد کی عدم موجودگی میں بھی ضمیر کی آواز یہی کہتی ہے کہ

۱؎ شاہ نامہ اسلام جلد اول: صفحہ ۲۳۳۔

واقعہ کو یوں ہی ہونا چاہئے۔ مثلاً صحرا کی دعا جو حفیظ نے نظم کی ہے اس کی سند میں نہ قرآنی آیت ہے نہ حدیث ہے لیکن زبان حال سے صحرا کا دُعا کرنا بعید از قیاس نہیں ہے۔ جب استن حنانہ کی آہ وزاری پر حدیثیں شاہد ہیں تو شاعر کے تخیل کا صحرا کو دعا کرتے ہوئے سن لینا ایک ایسا امر ہے جسے ہم زیادہ سے زیادہ حسن تعلیل کی بدعت حسنہ پر محمول کر سکتے ہیں۔

خبر کیا تھی الٰہی ایک دن ایسا بھی آئے گا
کہ تیرا ساقیٔ کوثر یہاں تشریف لائے گا
اگر یہ بات پہلے سے مجھے معلوم ہو جاتی
مرے دل کی کدورت خود بہ خود معدوم ہو جاتی
خبر کیا تھی یہاں تیرے نمازی آ کے ٹھہریں گے
شہید آرام فرمائیں گے غازی آ کے ٹھہریں گے
خبر ہوتی تو میں شبنم کے قطرے جمع کر رکھتا
چھپا کر ایک گوشے میں مصفا حوض بھر رکھتا
وہ پانی ان مقدس مہمانوں کو پلا دیتا
میں اپنی تشنگی دیدار حضرت سے بجھا لیتا
حضور ساقیٔ کوثر میں میری لاج رہ جاتی
میری عزت، میری شرم عقیدت آج رہ جاتی
تیرے محبوب کے پیارے قدم اس خاک پر آئے
الٰہی حکم دے سورج کو اب آتش نہ برسائے
اگر اب میرے دامن سے ہوائے گرم آئے گی
تو مجھ کو رحمۃ للعالمین سے شرم آئے گی [1]

---

[1] شاہنامہ اسلام جلد دوم صفحہ ۴۷۔۴۸۔

جنگ کے موقع پر بارش کا نزول ایک تاریخی واقعہ ہے۔ لیکن اس کی علت کے بیان میں جو حسن ہے اس کی سادگی شاعر کے کرامات کو ظاہر کر رہی ہے۔

انہیں کی منتظر تھی غالباً شانِ الٰہی بھی
کہ پیاسے تھے محمدؐ بھی محمدؐ کے سپاہی بھی

کرم کی شان وابستہ اسی شانِ کرم سے تھی
یہ رحمت رحمۃ للعالمین کے دم قدم سے تھی

مدینے کی بلندی سے جو رحمت کی گھٹا آئی
تو استقبال کو فردوس کی ٹھنڈی ہوا آئی[۱]

۴۔ حبِ رسولؐ۔

نعت گوئی کی ابتدا ہی حبِ رسولؐ کا نتیجہ ہے اور ہر نعت گو شاعر اسی جذبہ کی کارفرمائی میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہے۔ چنانچہ شعرائے تصوف کی لطیف آمیزش سے تغزل کے رنگ میں طرح طرح سے گلفشانیاں کی ہیں۔ لیکن اس میں حفیظ کی خصوصیت یہ ہے کہ تغزل سے ہٹ کر اسوۂ حسنہ کے بیان کو محبت آمیز بنا کر پیش کرتے ہیں۔ شاعر کے گرد و پیش حقیقتِ محمدیؐ جلوہ گر ہو کر اسے ایک جذب انتڑپ اور اضطرابی کیفیت سے دوچار کرتی ہے۔ ذکرِ حبیب میں وہ کھو جاتا ہے اور اس کے اندر زندگی شمعِ محمدیؐ پر پروانہ وار نثار ہونے کے لئے بے چین ہوتی ہے۔ حفیظ کے کلام میں الفاظ کا زیر و بم اسی داخلی کیفیت کی ترجمانی کرتا ہے۔

سما سکتی ہی کیونکر حبِ دنیا کی ہوا دل میں ۔۔۔ بسا ہو جبکہ حبِ نقشِ محبوبِ خداؐ دل میں

---

[۱] شاہ نامہ اسلام: جلد اول، صفحہ ۴۹۔

محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے | اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمدؐ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی | خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی
محمدؐ کی محبت آن ملت شان ملت ہے | محمدؐ کی محبت روحِ ملت جانِ ملت ہے
محمدؐ ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا | پدر، مادر، برادر، مال، جان اولاد سے پیارا[1]

صحابہ کرام رضؓ کی محبت آقائے نامدار سے :-

کوئی سامان نہیں تھا ایک ہی سامان تھا ان کا
خدا واحد نبیؐ صادق ہے یہ ایمان تھا ان کا[2]

غلاموں کو جو آقا کا رخِ انور نظر آیا | قلوبِ مطمئن نے انتہائی حوصلہ پایا[3]

ہمارا فخر یہ ہے ہم غلامانِ محمدؐ ہیں | ہمیں باطل کا ڈر کیا زیرِ دامانِ محمدؐ ہیں[4]

صحابہ سو رہے تھے صحنِ مسجد میں تھکے ہارے
ردائے ماہ میں لپٹے ہوئے ہوں جس طرح تارے
نبیؐ نے کروٹیں بدلیں جو یوں بے تاب ہو ہو کر
صحابہ جاگ اٹھے خواب سے بے خواب ہو ہو کر
گزارش کی سبب کیا ہے حضور اس بیقراری کا
مزاج اچھا تو ہے نامِ خدا محبوبؐ باری کا[5]

ؔ۱ شاہنامہ اسلام جلد دوم صفحہ ۱۱۲۔ ؔ۲ شاہنامہ اسلام جلد اول، صفحہ ۲۷۹۔
ؔ۳ " " " ص ۱۲۸ ؔ۴ شاہنامہ اول صفحہ ۲۷۲ ؔ۵ شاہنامہ دوم ۱۶۰۔

رسولِ کریمؐ کا قبا میں والہانہ استقبال آپ سے اس محبت آپؐ کی عظمت اور اس شوق کی ترجمانی کر رہا ہے جو اصحاب رسولؐ کے دلوں میں گھر کیے ہوئے تھا۔ شاعر نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

غل اٹھا لیجیے ذروں کے گھر میں آفتاب آیا
زمین و آسمان کا نور جس کے ہم رکاب آیا
اکٹھے ہو گئے ہر سمت سے طالب زیارت کے
شعاعوں کی طرح سے گرد خورشید رسالت کے[۵۱]

محبت رسولؐ میں حضرت علیؓ کے جوشِ جہاد کا فروغ ملاحظہ کیجیے:۔

نگاہ مصطفےٰؐ سے مرتضیٰؓ نے حوصلہ پایا　　محبت نذرگردانی محبت ہی صلہ پایا[۵۲]

شمع نبوت کے پروانے ایک ہی مقصد کے لئے جی رہے تھے اور وہ عشق رسولؐ تھا۔ لیکن وہاں عشق کا مفہوم خیالی اور اس قسم کا جذباتی نہیں تھا جو موسیقی کے زیر و بم سے اکثر نام نہاد فریب خوردہ عاشقان رسولؐ کی مجلس عشرت افزا کو گرمائے ہوئے ہے۔ یہاں سرفروشی کی تمنا اس کے جلو میں تھیں! وہ حوصلوں کی بلندیاں عشق رسولؐ میں پہاڑوں کو تلوار وں اٹھانے کے ولولے رکھتی تھیں۔ احد کے میدانِ کارزار میں جب رسولِ کریمؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہو چکی تھی اور ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی تھی تو فقط حیاتِ رسولؐ کی حیات پرور نوید نے صحابہؓ میں زندگی دوڑا دی۔ اس مضمون کو حفیظ نے جس اثر انگیز طریقے سے بیان کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ تشبیہوں کی سادگی حسن کلام کو چار چاند لگا رہی ہے:۔

سمائی تازگی اس طرح اندام فسردہ میں　　پلٹ آتی ہیں روحیں جس طرح اجسام مردہ میں

---

۵۱ شاہنامۂ اسلام جلد اول: صفحہ ۲۴۰۔　۵۲ شاہنامۂ اسلام جلد سوم: صفحہ ۱۰۸۔

رخ امید دیکھا روشنی آئی نگاہوں میں
یقین آیا ہم ابتک ہیں محمدؐ کی پناہوں میں
کھنچے عاشق اڑے جس طرح سوتے کہربا نکلے
نبیؐ کو دیکھ کر پر لگ گئے ہر مرد مومن کے
قلم کرتے سروں کو بازوؤں کو چھانٹتے آئے
متاع ضرب کاری دشمنوں میں بانٹتے آئے [۵۱]

حضورؐ پر تیروں کی بارش اور صحابہؓ کی جاں نثاری کا منظر بھی دیدنی ہے۔

ادھر جسموں کی دیواریں اٹھادیں باوقاروں نے
بساط عشق پر جانیں بچھادیں جاں نثاروں نے [۵۲]

شہادت رسولؐ کی افواہ پر مدینے کی بے چینی اور گھروں سے ضعیفوں، بیواؤں اور بچوں کا نکل آنا حفیظ کی واقعہ نگاری کا دردانگیز کرشمہ ہے۔

وہ کم سن نوجوان پلٹادیا تھا راہ سے جن کو
محبت تھی مگر سرکار عالی جاہ سے جن کو
وہ مائیں پالتی تھیں جو گھروں میں بال بچوں کو
لئے بیٹھی تھیں گودوں میں بلند اقبال بچوں کو
وہ بیوائیں نبیؐ کے فیض پر جن کا گزارہ تھا
ضعیف افراد جن کا بازوئے حق ہی سہارا تھا
مساکین و یتیمی جن کے سر پر تھا وہی سایہ
وہی تھا آسرا جن کا وہی تھا جن کا سرمایہ

سماعت میں جو یہ دلریش اخبار وفات آئیں
مدینے سے نکل کر مومنات قانتات آئیں

---

۵۱ شاہ نامۂ اسلام جلد سوم صفحہ ۱۸۸۔ ۵۲ شاہ نامۂ اسلام جلد سوم صفحہ ۱۹۰۔

نبیؐ کو ڈھونڈتی تھیں اس ہلاکت خیز میدان میں
لئے پھرتی تھیں اک تصویر حسرت چشم حیران میں
نہ رشتے اور نہ کوئی مامتا مطلوب تھی ان کو
وجود پاک ہادی کی بقا مطلوب تھی ان کو

غلامان محمدؐ کی یہ استقامت اور ثابت قدمی کے بے مثال نمونے حُبِ محمدؐ کی قیامت خیز کیفیت اپنی شدت میں ہزاروں قیامتوں کا سامان رکھتی ہے۔ اسی حُبِ رسول میں حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کی دردناک شہادت کا واقعہ مکہ کے کفار کی سفاکی کی بدترین مثال ہے۔ ایک شخص سعید بن عامر جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے مکہ کی اس قربان گاہ کے تماشائیوں میں تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب یہ ہولناک واقعہ انھیں یاد آتا تو ان پر غشی طاری ہو جاتی۔ قتل گاہ میں عاشق رسولؐ کے شوق کا مضمون شاعر کے طرز بیان کی ساری خوبیوں کو لئے ہوئے ہے۔ واقعہ کی پوری کیفیت کے ساتھ اس کی صحیح ترجمانی میں حفیظ کس قدر کامیاب ہیں۔ حضرت خبیبؓ اور حضرت زید ایک مدت کی قید سخت کے بعد جس طرح ملتے ہیں اس کے فطری اور حسین بیان سے شاعر نے ایک دردناک لیکن ولولہ انگیز نقشہ کھینچ دیا ہے :۔

نگاہوں میں ثبات و صبر کی پر زور تاکیدیں
جبینیں اس طرح پر نور تھیں قربان تھیں عیدیں[۱]

دار کے نیچے ان کا نعرۂ حق بھی سنئے :۔

محمدؐ سے نہ پلٹیں گے ملے ہم کو خدائی بھی بغیر اسلام کے ہم کو جہنم سے رہائی بھی[۲]

---

۱ و ۲ شاہنامہ اسلام : جلد چہارم صفحہ ۱۱۴۔

قتل سے پہلے عاشق رسول کی آخری نماز میں عجلت اشتیاق شہادت اور جرأت خداداد کا ایک قیامت خیز نقشہ ہے۔ قربانی کا یہ ہولناک جذبۂ شوق فقط حب رسول کا صدقہ ہے۔ حضور کے فدائی کا دار کی طرف یہ کہہ کر بڑھنا کہ

چلو خیر اب میں فارغ ہوں چڑھاؤ مجھ کو سولی پر

اصحاب رسول کی سیرت کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اس کی ترجمانی میں شاعر کا بیان بھی دیدنی ہے حسن ہی حسن، کیف ہی کیف، سبحان اللہ ساری منزلیں دو مصرعوں میں طے کر دیں۔

یہ کہہ کر یادِ حق میں گم ہوا اللہ کا دیوانہ
سر شمع شہادت آگیا خود آپ پروانہ[۱]

خدا جانے محبت کے یہ کیا اسرار ہوتے ہیں
جو سر سجدہ میں جھکتے ہیں وہ زیب دار ہوتے ہیں[۲]

تماشائیوں نے جب برچھے اور نیزے لے کر چاروں طرف سے حضرت خبیب رض کے جسم مبارک کو چھلنی کرنا شروع کیا اور ابو سفیان نے محمد کی رفاقت سے انکار کو اس قیامت سے نجات کا ذریعہ بتایا تو حضرت کا جواب جان ایمان کو تڑپا دیتا ہے اور اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہونے کے جذبے سے دل سرشار ہو جاتا ہے:-

نہ چھوڑوں گا کبھی میں احمد مختار کا دامن
کہ دو جگ کا سہارا ہے خیال یار کا دامن[۲]

---

[۱] شاہ نامۂ اسلام، جلد چہارم، صفحہ ۱۱۴۔
[۲] " " " " ۱۱۴۔

حضرت خبیبؓ کی دعا بھی سنیے :-

یہ کہہ کر عرش کی جانب نظر کی اور دعا مانگی
خدا سے جذبۂ حُبِ نبیؐ کی انتہا مانگی[1]

سبحان اللہ! کیسا دردانگیز بیان ہے۔ شاعر کے کلام کی اثر آفرینی قابلِ صد تحسین ہے۔

۵۔ حفیظ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بیان میں حقیقت میں قرآن اور حدیث کے مضمون کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس میں شاعرانہ رنگ آمیزی ضرور پائی جاتی ہے، جو فقط تفسیر اور تشریح کی حد تک ہے جسے شاعر کے تخیل نے بہم پہنچایا ہے مثلاً رسولِ کریمؐ کی ولادت باسعادت کے تمہید کے بیان میں حضرت حفیظ کا انداز شاعرانہ ضرور ہے لیکن اس میں ایک ابدی صداقت کی آئینہ داری ہے جس کی حقانیت روزِ روشن کی طرح ہر صاحبِ ایمان پر عیاں ہے۔ شاعر کا بیان نکھرا ستھرا رازِ ہستی کے پردے اٹھاتا ہوا حاصلِ زندگی کی تفسیر میں یوں نغمہ ریز ہے۔

طلسمِ کن سے قائم بزمِ ہست و بود ہو جانا
اشارے ہی سے موجودات کا موجود ہو جانا

عناصر سے شعورِ زندگی کا بہرہ ور ہونا
لپٹ کر آب و خاک و باد و آتش کا بشر ہونا

یہ کیا تھا کس لئے کس کے لئے تھا مدعا کیا تھا
یوں ہی سا تھا یا کوئی مقصد تھا آخر ماجرا کیا تھا

یہ کس کی جستجو میں مہرِ عالم تاب پھرتا تھا
ازل کے روز سے بیتاب تھا بیخواب پھرتا تھا

---

[1] شاہنامۂ اسلام جلد چہارم : صفحہ ۱۱۴۔

کروڑوں رنگتیں کس کے لئے ایام نے بدلیں
پیاپے کروٹیں کس دھن میں صبح و شام نے بدلیں
یہ کس کے واسطے مٹی نے سیکھا گل فشاں ہونا
گوارا کر لیا پھولوں نے پامال خزاں ہونا
مشیت تھی کہ یہ سب کچھ تہِ افلاک ہونا ہے
یہ سب کچھ ایک دن نذرِ شہِ لولاک ہونا ہے

ولادت کے مضمون ہی کو لے لیں تو نعتیہ شاعری کے کئی محاسن بیان میں آجائیں۔ یہاں اختصار کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے صرف چند اشعار کے نمونے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یوں تو مولانا حالیؔ نے بھی ولادت رسولؐ کا یہی مضمون نہایت شگفتہ طور پر بیان کیا ہے لیکن حفیظؔ کی تفصیلات شگفتہ تر ہیں۔

خلیل اللہ نے جس کے لئے حق سے دعائیں کیں
ذبیح اللہ نے وقتِ ذبح جس کی التجائیں کیں
جو بن کر روشنی پھر دیدۂ یعقوب میں آیا
جسے یوسف نے اپنے حسن کے نیرنگ میں پایا
کلیم اللہ کا دل روشن ہوا جس ضَو فشانی سے
وہ جس کی آرزو بھڑکی جواب لن ترانی سے
وہ جس کے نام سے داؤد نے نغمہ سرائی کی
وہ جس کی یاد میں شاہ سلیمان نے گدائی کی
دلِ یحییٰ میں ارمان رہ گئے جس کی زیارت کے
لبِ عیسیٰ پہ آئے وعظ جس کی شان رحمت کے
مرادیں بھر کے دامن میں مناجات زبور آئی
امیدوں کی سحر بڑھتی ہوئی آیات نور آئی

تبسم ہی تبسم تھے نظارے لالہ زاروں کے
ترنم ہی ترنم تھے کنارے جوئے باروں کے[1]

استقبال کی شان بھی دیدنی ہے :-

ہوا عرشِ معلیٰ سے نزولِ رحمتِ باری تو استقبال کو اٹھی حرم کی چار دیواری[2]

سرورِ کائنات کی تشریف آوری کا مضمون حسن بیان کی نہایت حسین صورت ہے :-

بصد انداز یکتائی بغایت شان زیبائی امین بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی[3]

اب یہ بھی دیکھئے کہ حاصلِ زندگی کی جلوہ نمائی نے کائنات میں خوشی کی لہر کس طرح دوڑا دی :-

ندا ہاتف کی گونج اٹھی زمینوں آسمانوں میں
خموشی دب گئی اللہ اکبر کی اذانوں میں
حریم قدس سے میٹھے ترانوں کی صدا گونجی
مبارک باد بن کر شادیانوں کی صدا گونجی
پھر سے نغمۂ صلِ علیٰ گونجا فضاؤں میں
خوشی نے زندگی کی روح دوڑا دی ہواؤں میں[4]

حضرت حفیظ کے نعتیہ کلام میں زیادہ تر ان اوصاف کا بیان پایا جاتا ہے جو بعثت کی غرض وغایت کی ترجمانی کرتا ہے۔ ساتھ ہی شاعر اپنے تخیل کی آمیزش سے مضمون کو بے جا نہیں ہونے دیتا اور الفاظ و ترکیبوں کے

---

[1] شاہنامۂ اسلام جلد اول صفحہ ۱۴۰۔ [2] شاہنامۂ اسلام جلد اول صفحہ ۱۴۱۔
[3] " " " ۱۴۱ [4] " " " " ۱۴۱۔

حسن انتخاب سے موسیقی کا سماں باندھ دیتا ہے۔ ایسی موسیقی جو سوتوں کو جگا دے نہ کہ جاگتوں کو سلا دے۔ ان کے کلام میں جذب، کیف، اثر سب کچھ ہے جو سننے والے کو بے چین کئے بغیر نہیں رہتا۔

محمد مصطفےٰ، محبوب داور، سرورِ عالم
وہ جس کے دم سے مسجودِ ملائک بن گیا آدم
کیا ساجد کو شیدا جس نے مسجودِ حقیقی پر
جھکایا عبد کو درگاہ معبودِ حقیقی پر
دلائے حق پرستوں کو حقوقِ زندگی جس نے
کیا باطل کو غرقِ موجۂ شرمندگی جس نے
محمد مصطفےٰ مہرِ سپہر اوجِ عرفانی
ملی جس کے سبب تاریک ذروں کو درخشانی
وہ جس کا ذکر ہوتا ہے زمینوں آسمانوں میں
فرشتوں کی دعاؤں میں مؤذن کی اذانوں میں[۵۱]

حفیظ کا سلام بھی انہیں مضامین پر مشتمل ہے:۔

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوعِ انسانی
سلام اے ظلِّ رحمانی سلام اے نورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی
سلام اے سرِ وحدت اے سراجِ بزمِ ایمانی
زہے یہ عزت افزائی زہے تشریف ارزانی

---

۵۱ شاہ نامہ اسلام، جلد اول، صفحہ ۳۶، ۳۷۔

سلام اے صاحب خلق عظیم انساں کو سکھلا دے
یہی اعمال پاکیزہ یہی اشغال روحانی
تری صورت تری سیرت ترا نقشا ترا جلوہ
تبسم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ کی آمد آمد میں حفیظ نے یوں مدح سرائی کی ہے:-

کہ عدل و بذل کا مختار امن و صلح کا حامی
مجسم رحمت عالم محمد مصطفےٰؐ نامی
وہ ابر لطف جس سے ہر گل گلزار خنداں ہے
انیس بے کساں ہے دردمند دردمنداں ہے
جہاں کو از سر نو نور سے معمور کرنے کو
دلوں سے کفر کا زنگ کدورت دور کرنے کو
وہ جس کا اک اشارہ روح مردہ کو جلاتا ہے
وہی تشریف لاتا ہے وہی تشریف لاتا ہے[2]

شاعر کے بیان نے جو ترنم پیدا کیا ہے وہ اپنی لطافت سے مدح کے مضمون کو چار چاند لگا دیتا ہے۔

اب خلق عظیم کے مختلف پہلوؤں پر نظر کریں۔ رحمۃ للعالمین کی رحمت کی رو کرامت ہر موقعہ پر ایک نرالی شان رکھتی ہے۔ کفار کی ایذاؤں کے جواب میں نبی کریمؐ کی دعا اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے آپ کا اضطراب فطرت

---

[1] شاہنامہ اسلام جلد اول صفحہ ۱۴۲، ۱۴۳ [2] شاہنامہ اسلام جلد اول، صفحہ ۲۳۹۔

کے سارے عداوت اور نفرت کے رجحانات کو باطل ٹھہرا رہا ہے اور بنی نوع انسان کی محبت کا بے مثال نمونہ پیش کر کے حلم، صبر، ضبط اور درگذر کا درس دے رہا ہے۔ اسوۂ حسنہ کا یہ رخ حفیظ نے جس سادگی سے پیش کیا ہے اس میں اتنی ہی قوت اور اثر ہے :۔

قریشی عورتیں کانٹے بیابانوں سے لاتی تھیں
گذرگاہ گل گلزار وحدت میں بچھاتی تھیں

مگر وہ منبع حلم و صفا خاموش رہتا تھا
دعائے خیر کرتا تھا جفا و ظلم سہتا تھا [1]

پتھروں کی بارش بھی دیکھیے اور دعائے خیر بھی سنیئے :۔

بڑھے انبوہ در انبوہ پتھر لے کے دیوانے
لگے باران سنگ اس رحمت عالم پہ برسانے
وہ ابر لطف جس کے سائے کو گلشن ترستے تھے
یہاں طائف میں اس کے جسم پر پتھر برستے تھے
وہ بازو جو غریبوں کو سہارا دیتے رہتے تھے
پیاپے آنے والے پتھروں کی چوٹ سہتے تھے
فرشتے جن پر آ آ کر جبین شوق رکھتے تھے
وہ پائے نازنین زخموں کی لذت آج چکھتے تھے
غلام باوفا زید ابن حارث ڈھونڈتا
متاع نور کو طائف سے کندھوں پر اٹھا لایا
کہا سرکار! ان لوگوں کے حق میں بد دعا کیجے
شکایت اس جفا و جور کی پیش خدا کیجے

---

[1] شاہنامہ اسلام جلد اول، صفحہ ۱۸۵۔

جناب رحمۃ للعالمین نے سُن کے فرمایا
کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا
یہ فرما کر نبیؐ نے ہاتھ اٹھا کر اک دعا مانگی
خدا کا فضل مانگا خوئے تسلیم و رضا مانگی
دُعا مانگی الٰہی قوم کو چشمِ بصیرت دے
الٰہی رحم کر ان پر انھیں نورِ ہدایت دے
فراخی ہمتوں کو، روشنی دے ان کے سینوں کو
کنارے پر لگا دے ڈوبنے والے سفینوں کو
الٰہی فضل کر کہسار طائف کے مکینوں پر
الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر[۱]

وصف رحمت محمدیؐ میں ابو طالب کے نعتیہ اشعار کا ترجمہ حفیظ نے نہایت خوبی سے کیا ہے:-

وہ دامن جو یتیموں کو پناہیں دینے والا ہے
جو اندھوں کو بصیرت کی نگاہیں دینے والا ہے
وہ جس نے اجڑی بچھڑی آدمیت کو سنوارا ہے
جو بے یاروں کو یارا بے سہاروں کا سہارا ہے
محمدؐ ابر رحمت بن کے بے جانوں کو جان بخشے
چمن کو رنگ بخشے اور بلبل کو زبان بخشے
محمدؐ نوع انساں کو غلامی سے رہائی دے
محمدؐ پنجۂ مرگِ دوامی سے رہائی دے[۲]

---

۱ شاہ نامۂ اسلام جلد اول ۲۱۴۔ ۲ شاہنامۂ اسلام جلد اول صفحہ ۲۰۷۔

خلق خدا کے غم میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آہ وزاری اور امت کی فلاح کے لئے بیتابی کا مضمون ہے۔ جنگ بدر میں شب بیداری کی عکاسی میں شان رحمت کی جلوہ گری شاعر کے حسن کلام کی شہادت دے رہی ہے۔ حفیظ نے واقعہ کا بیان کس قدر سادہ اور پر اثر انداز میں کیا ہے:-

سلا کر پہلوؤں میں سب کو سوئی بدر کی وادی
نہ تھا بیدار کوئی ہاں مگر اسلام کا ہادی
یہی سر تھا کہ سجدہ ریز تھا درگاہ باری میں
یہی روشن جبیں مصروف تھی طاعت گزاری میں
یہ پر انوار آنکھیں اشک کی لڑیاں پروتی تھیں
خدا کے سامنے خلق خدا کے غم میں روتی تھیں
اسی پر منحصر تھی گلشن ہستی کی شادابی
یہ قلب مطمئن تھا اور دنیا بھر کی بیتابی
پڑے تھے اک طرف افراد امت خواب راحت میں
محمد کی زبان وقف دعا تھی فکر امت میں[۵۱]

میدان جنگ میں رحمت عالم کے فیض کرم سے دشمن بھی اس طرح سیراب ہو رہا ہے جس طرح ان کے نام لیوا اور فدائی۔ ساقیٔ کوثر کا یہ فیض عام جنگ کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ شاعر نے اس بیان کو حسب معمول سادگی لیکن اس آب و تاب سے پیش کیا ہے کہ اسے سن کر دوست تو دوست دشمن کے دل بھی احترام کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔

---

۵۱ شاہ نامۂ اسلام جلد دوم : صفحہ ۵۵۔

مزاج کائنات اس وقت محو شعلہ باری تھا
مگر ہاں رحمتہ للعالمین کا فیض جاری تھا
وہی اک حوض تھا اس وقت ان لوگوں کی قسمت سے
مسلمانوں نے جس کو بھر لیا تھا آب رحمت سے
مروت پوچھتی تھی نام مومن کا نہ کافر کا
کہ پینے دو یہ اذن عام تھا ساقیؐ کوثر کا [۱]

جلال محمدیؐ۔ حفیظ نے جہاں جمالی شان دکھائی ہے وہاں جلال کے نقشے بھی پیش کئے ہیں جو ہمہ ماہتاب ہمہ آفتاب حسن محمدؐ کی حسین عکاسی ہے۔ شاعر کی رعنائی خیال خلق عظیم کے ہر حسین پہلو کو اس کے صحیح رنگ میں پیش کرتی ہے۔ جمال محمدیؐ میں جلالی شان حفیظ کے محاکاتی کمال کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے کہ حضورؐ کا اس رنگ میں رونق افروز ہونا آنکھوں دیکھی بات محسوس ہوتی ہے۔ بیان صاف سادہ اور پُر اثر ہے :۔

رسُولِ پاکؐ نے کفار کی جانب نظر ڈالی
جلالت آفریں چہرے سے کملی اور سرکالی
شعاع طور کے انوار چمکے روز روشن میں
لگا دی بجلیوں نے آگ سی باطل کے خرمن میں
رسالت پر رسالت کا جلالی رنگ تھا طاری
اٹھائی ایک مٹھی خاک اور کفار پر ماری

رحمتہ للعالمین لباس جہاد میں ہیں۔ جمالی شان کا جلالی رنگ غیر معمولی صورت حال کی روداد ہے۔ اسوۂ حسنہ کے اس پہلو کو پیش کرنے میں شاعر کے تخیل کے لئے جو الجھنیں ہیں وہ بھی ظاہر ہیں۔ اس لئے کہ لباس جہاد میں بھی رحمت کی صفت کو جلوہ گر دکھانا بیان کی ندرت اور تخیل کی قوت چاہتا ہے۔

---

[۱] شاہ نامۂ اسلام جلد دوم : صفحہ ۱۰۸۔

اس پُر شکوہ مضمون کو بیان کرنے کے لئے شاعر اپنے تخیل کے سارے محاسن کو بروئے کار لاتا ہے۔ پہلے وہ اس منظر کی صحیح کیفیت کو اپنے دل ودماغ پر طاری کر لیتا ہے اور پھر بیان کی حسب معمول سادگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔

نبوت کا جلالی رنگ چہرے سے ہویدا تھا
کہ جس کی ضو سے ذرے ذرے میں خورشید پیدا تھا
لباس جنگ پہنا آج سردار دوعالم نے
خدا کی فوج اول کے سپہ سالار اعظم نے
شرف بخشا زرہ کو چشم ہستی کے اجالے نے
سرِ اقدس پہ رکھا خود کالی کملی والے نے[1]

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصحاب کرام کے درمیان جلوہ فرما ہونا ایک ایسا منظر ہے جو جلالت رسول اور فدائیوں کی نیازمندانہ شان کا پُرشکوہ نقشہ پیش کرتا ہے۔ اسے ہم روائع حفیظ میں شامل کریں گے۔

ادھر مسجد میں مردان مجاہد سر بکف ہو کر
کھڑے تھے انتظار مصطفےٰؐ میں صف بصف ہو کر
ہوئے حضرتؐ برآمد حجرۂ خلوت سے جلوت میں
ضیائے نور پھیلی نور کی جلوت سے جلوت میں
نبیؐ کو آج امت نے لباس جنگ میں دیکھا
جمال مصطفےٰؐ کو اس نرالے رنگ میں دیکھا

---

[1] شاہ نامۂ اسلام جلد دوم : صفحہ ۲۴۷ -

زرہ، مغفر۔ کمان و تیر و شمشیر و تبر بھالا
مجسم نور جس کے گرد گرد ایک نور کا ہالا
ہویدا تھا جمالِ سرمدی سرکارِ عالی سے
دلِ مردانِ عالم کانپ اٹھے شانِ جلالی سے[1]

لشکرِ اسلام اور خیر الانامؐ کے عنوان کے تحت حفیظ نے وصفِ جلال کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں ہادیٔ دو عالمؐ کی جو نیازمندانہ شان بنائی ہے اس سے آپؐ کی ہر ادا میں للّٰہیت اور شانِ کبریائی جلوہ گر ہے، جس میں راز و نیاز کے کرشمے بھی پائے جاتے ہیں۔

نہ تھا بیدار کوئی ہاں مگر اک کملی والا تھا
اسی کا روئے انور چشمِ ہستی کا اجالا تھا
وہی اک پیکرِ یمن و سعادت تھا مصلے پر
دو زانو قبلہ رو محوِ عبادت تھا مصلے پر
دمیدہ اور پوشیدہ مجسم نور کملی میں
کہ جیسے چاند ہو بدلی میں وہ مستور کملی میں
پئے نوعِ بشر رحمت طلب درگاہِ باری میں
زبان الحمد میں مشغول سر سجدہ گزاری میں[2]

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں زندگی کی سیاست کا پورا سامان پایا جاتا ہے اِسی لئے یہاں نہ تو ہمہ جمال ہے نہ ہمہ جلال۔ حسب موقع اور ضرورت دونوں کی نمود ہے اور شانِ رحمت ہر جگہ موجود ہے۔

---

[1] شاہنامۂ اسلام جلد دوم۔ صفحہ ۲۴۸۔ [2] شاہنامۂ اسلام جلد دوم۔ صفحہ ۲۷۵۔

خدا حافظ بھی تھا اور مالک و مختار بھی ان کا
محمدؐ رہنما بھی تھا سپہ سالار بھی ان کا[51]

میدان جنگ میں اقتدائے رسولؐ میں مجاہدین کی صف آرائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ایک ایسا جلی واقعہ ہے جس سے للٰہیت کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور وصف رسول صلعم کے رزمیہ پہلو میں بھی کریمی کے جلوے نظر آتے ہیں۔ حفیظ نے اس مضمون کو جس خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے یہ انھیں کا حصہ ہے۔ بیان کی خوبی یہ ہے کہ شان محمدیؐ کی اس کیفیت کو دیکھ کر روح پھڑک اٹھتی ہے اور حب رسولؐ میں دل بیتاب ہو جاتا ہے۔

طلسم خواب توڑا نعرۂ اللہ اکبر نے
صفیں آراستہ کیں امت محبوب داور نے
میسر تھی امام الانبیاء کی اقتدا ان کو
رسولوں کی تمناؤں کا حاصل مل گیا انکو
سعادت لائی تھی خود شان رحمت قرب کے انکو
محمدؐ کی امامت میں نمازیں تھیں نصیب انکو
بسایا روح کو آیات قرآن کی سماعت نے
ادا کر لی نماز صبح اسلامی جماعت نے[52]

حفیظ کا تخیل سیرت پاکؐ سے متعلق ہر بیان کے ساتھ شان محمدیؐ کے جلوے دکھانے کی فکر میں رہتا ہے۔ اور وصف میں وصف رسولؐ ہی کے گن گاتا ہے اور اس میں ایسے مضامین پیدا کرتا ہے جو تعلیمات رسولؐ کی برکات کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر مدینے کے ذکر کو بعنوان "محمدؐ کا مدینہ" ثنائے رسولؐ کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔ وصف مدینہ میں شعراء نے مختلف مضامین باندھے ہیں جن میں زیادہ تر زیارت دیار حبیب کے جذبات کو

---

[51] شاہنامۂ اسلام جلد دوم، صفحہ ۲۷۶ [52] شاہنامۂ اسلام جلد دوم، صفحہ ۲۷۷۔

سمویا گیا ہے۔ یہاں بھی حفیظ نے اپنے نرالے انداز میں مدینے کی بہار کیا دکھائی ہے گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحیمی ہی کی ترجمانی کی ہے۔

مچا تھا جن دنوں اندھیر دنیا کے سفینے میں
وجود اہلِ حق موجود تھا بس اک مدینے میں
محمدؐ کا مدینہ ہی جہاں میں ایک بستی تھی
جہاں راحت کا سایا تھا جہاں رحمت برستی تھی
محمدؐ کا مدینہ ہی تھا فردوسِ بہار آرا
وگرنہ باغ آدم زاد تھا وقفِ خزاں سارا
محمدؐ بھی یہاں موجود اصحابِ محمدؐ بھی
پناہ رحمۃ للعالمینؐ بھی فضلِ ایزد بھی
مساوات و اخوت کی یہاں تعلیم ہوتی تھی
بشر کو دولتِ انسانیت تقسیم ہوتی تھی
طمانیت کے جلوے تھے نگاہ دردمنداں میں
مسرت مسکراتی تھی جبینِ صبح خنداں میں
قبولیت کے دامن تھام رکھے تھے دعاؤں نے
مراد زندگی کے ساز چھیڑے تھے ہواؤں نے
حیات نو میسر تھی چمن کو اپنے مالی سے
امیدیں پھوٹتی تھیں پتے پتے ڈالی ڈالی سے[۱]

حضرت حفیظ نے شانِ محمدیؐ کے جو مختلف جلوے دکھائے ہیں ان میں

---

[۱] شاہنامۂ اسلام، جلد چہارم، صفحات ۱۵۶، ۱۵۷۔

سیرت کے ہر پہلو کو نعتیہ رنگ دے کر پیش کیا ہے۔ شاعر نے محبوب خدا کو مزدور کے لباس میں جس حسن و خوبی سے دیکھا ہے وہ اس کی نعتیہ شاعری کی نادر مثال ہے۔ وصف رسول صلعم کے اس رنگ کو نعت گو شعرائے کما حقہٗ اہمیت نہیں دی۔ حالانکہ شان نبویؐ کا یہ پہلو نہایت ہی مہتم بالشان ہے جو اپنی انتہائی سادگی میں دنیا کو انسانی کبریائی کے کرشمے دکھا رہا ہے۔ حقیقت کے حسن شناس تخیل نے جمال کی اس صورت کو خوب محسوس کیا ہے:۔

زمین پر دیدنی تھی آسمانی نور کی صورت
نبیؐ شامل تھا مزدوروں میں اک مزدور کی صورت
یہ محنت فی سبیل اللہ تھی حق سرمایہ تھا انکا
یہ تھے اللہ کے مزدور عالی پایہ تھا ان کا
نگاہ عرش سوئے فرش تھی حیرت کی آئینہ
جمی تھی بازوں پر گرد، اٹا تھا خاک سے سینہ[۵]

اللہ اللہ! سلطان دو عالم کی مزدوری پر شہنشاہیت قربان۔ یہی اللہ کا مزدور بندگان خدا کی فکر میں آرام و راحت کو زندگی پر حرام کر کے جہاں سلطانی کا سامان اپنے جلو میں رکھتا ہے وہاں فلاح انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ کا یہ پہلو پیش کر کے زندگی کو حیات پرور سامان سے نواز رہا ہے۔ اس مزدور اور شہنشاہیت کی جنگ میں ہتوڑی کی ہر ضرب سے شرارے نکل کر قیصر و کسریٰ کے محلات شاہی پر بجلی گرا رہے ہیں لیکن اس ہمہ گیر زندگی کے حسن کے مشاہدے کے لئے ابھی دنیا کو پاکیزہ

---

۵ شاہ نامۂ اسلام جلد چہارم، صفحہ ۱۶۷۔

سرشت کے ساتھ بلند نظری پیدا کرنے کی محتاجی ہے۔ یہ فاقہ مست مزدور صرف روٹی کی خاطر قصرات کو نہیں ڈھا رہا ہے بلکہ یہ جدوجہد زندگی کو استبداد کے خونین پنجے سے چھڑانے کی خاطر ہے جو انسان کے داخل اور خارج میں صلاحیتوں کے فطری نشوونما کے لئے تباہ کن رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ زندگی اکثر افراط و تفریط کا شکار ہو کر خیر کی راہ میں بھی شر کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ فطرت شناس صلاحیتیں اس شر کو خیر کی راہ پر لگا کر زندگی کی اصلاح کا سامان کرتی ہیں۔ حقیقت میں رسولِ کریمؐ کا اسوۂ حسنہ زندگی کی ہر رنگ میں تفسیر ہے، تعبیر ہے اور اپنی ہر حرکت میں عظیم الشان، عظیم المرتبت اور جلیل القدر ہے۔ سلطانی سیاست کی مدبرانہ کارفرمائیوں سے لے کر معاشی اور معاشرتی پہلو کی بظاہر حقیر سے حقیر فعلی اور فکری کیفیت اپنے درجوں کے فرق سے زندگی کی اصلاح کے لئے یکساں اہمیت رکھتی ہے جو روح اور جسم کی دوامی بقا کی ضامن ہے۔ محبوب خدا کو مزدور کے لباس میں شاعر نے دکھایا ہے۔ اب اس مشقت میں فاقہ کشی اور پیٹ پر پتھر بھی ملاحظہ کیجئے:۔

کیا نظارہ حسن صابری کا چشم شاہد نے
کہ پتھر باندھ رکھا تھا شکم پر ہر مجاہد نے
تبسم لب پہ آیا اور شکم سے پیرہن سرکا
ہوا آئینہ سب پہ حوصلہ صبر پیمبر کا
عجب عالم نظر آئے یہاں فاقہ گزاری کے
کہ دو پتھر بندھے تھے پیٹ پر محبوب باری کے
کئی دن سے میسر تھا نہ کچھ جز آب حضرت کو
کسی نے بھی نہ پایا تھا مگر بیتاب حضرت کو[۱]

---

[۱] شاہنامہ اسلام جلد چہارم صفحہ ۱۶۹۔

دستِ مبارک کدال اور ضربِ محمدؐ میں قیصر و کسریٰ کے جبروت کی سرنگونی اور قصرہائے احمر بن شام و قصرِ مدائن کی تباہی کا نقشہ اس طرح پیش کیا ہے۔

اڑا دی چادرِ حیرت فلک پر اس نظارے نے
لیا دستِ مبارک میں کدال اللہ کے پیارے نے
زبانِ پاک سے اللہ اکبر کی صدا نکلی
لگائی ایک ضرب ایسی کہ پتھر سے ضیا نکلی
ضیا ایسی کہ چمکے جس سے دامن کوہساروں کے
کھلے اہلِ نظر پر باب کچھ رنگین نظاروں کے
مرقع قصرہائے احمریں میں شام کا پایا
اشارہ اہلِ دیں نے غلبۂ اسلام کا پایا
لگائی دوسری اک ضرب جب اللہ والے نے
دکھایا اک نیا منظر مقدر کے اُجالے نے
اُجالے میں جھلک تھی فارس کے قصرِ مدائن کی
یہ ضربِ دستِ حق کنجی تھی کسرائی خزائن کی[1]

غرض یہ کہ حضرت حفیظؔ کے نعتیہ کلام کی لطیف تشبیہوں، استعاروں اور دیگر محاسن کے ساتھ ان کی جذبات نگاری اور واقعہ نگاری کے جو نمونے ہم ان کے "شاہنامۂ اسلام" میں پاتے ہیں وہ اس قدر ہیں کہ ان کے تفصیلی بیان کے لئے ایک مستقل تصنیف درکار ہے۔ اس مقالے میں جو کلام مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے اس سے حفیظؔ کی ان خصوصیات کا ایک

---

[1] شاہنامہ اسلام جلد چہارم۔ صفحات ۱۶۹، ۱۷۰۔

خاکہ نظر میں آجاتا ہے۔ ایک تو واقعہ کو تاریخ کی بندشوں سے جکڑ دینا، پھر اس میں شاعری کا رنگ بھرنے کے باوجود واقعہ کی نوعیت کو جوں کا توں رکھنا اور پھر اس کے لطیف اور جذباتی پہلوؤں کو اس کی روح کے ساتھ منظر عام پر لانا یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جن سے شاعر کی فطرت شناسی اور نکتہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔

حفیظؔ نے ان تفصیلات کو جس خوش اسلوبی سے نباہا ہے وہ فنی اعتبار سے ان کے کمال پر شاہد ہے۔ پھر شاعر کی خوش گفتاری صوتیت کے لحاظ سے بھی الفاظ کی موزونیت، تناسب اور باہم ربط سے خوش آہنگ بن کر حواس پر گہرا اثر کرتی ہے۔ صدق و صفا کا بیان نہایت سلجھا ہوا، سادہ، رواں دواں، مترنم، نغمہ ریز اپنے اندر درد اور تڑپ اور جذب و مستی لئے ہوئے کیفیت انگیز ہوتا ہے۔ حقیقت میں حضرت حفیظؔ کی نعت گوئی کی ان خصوصیات نے اسلامی ادب میں نعت رسول صلعم کو ایک نئے ڈھنگ سے انفرادی رنگ میں پیش کیا ہے۔

سردار احمد خاں بہزاد لکھنوی

حضرت بہزاد کے خود نوشت حالات یہ ہیں :-

"سنہ پیدائش ۱۹۰۴ء وطن لکھنؤ ہے۔ مکان لکھنؤ کے وسطی محلہ امین آباد میں تھا۔ غالباً تیسرے درجے سے شعر کہنے شروع کئے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد جب کھانے کمانے کی فکر ہوئی تو ریلوے میں عرصہ تک ٹی ٹی آئی رہا۔ اختلاج قلب کی شکایت کی بنا پر ملازمت چھوڑ دی۔ سات برس تک عالم جذب میں رہا۔ لیکن ہوش تھا۔ قدرے سکون کے بعد آل انڈیا ریڈیو دہلی میں مصنف کی حیثیت سے رہا۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں پنچولی فلم کمپنی لاہور میں بطور مکالمہ نویس سنہ ۱۹۴۳ء تک رہا۔ سنہ ۱۹۴۳ء میں آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ میں بہ طور مصنف سنہ ۱۹۴۵ء تک رہا۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں گیت نگار کی حیثیت سے راج کمل کلا مندر بمبئی میں ملازم ہو گیا۔ اور سنہ ۱۹۵۱ء تک فلمی حیثیت سے زندگی بسر کرتا رہا۔ متعدد مجموعہ کلام نکلے۔ نغمۂ نور، کیف و سرور، موج طہور، اور چراغ طور وغیرہ کافی مقبول ہوئے۔ چالیس پینتالیس فلموں کے گانے لکھے۔ آدمی مذہبی ہوں۔ میرا تعلق خانقاہ نیازیہ بریلی شریف سے ہے۔ گوشہ نشین آدمی ہوں۔ نعت کہنے کا ذوق ہے۔ جیسا کہتا ہوں وہ آپ کے سامنے ہے اور کیا عرض کر دوں "[1]

حضرت بہزاد اب پاکستان ریڈیو کراچی میں ملازم ہیں۔ اور اب سوائے نعت کے اور کچھ نہیں لکھتے۔ حال ہی میں ادارہ فروغ اردو لکھنؤ

---

۱ نورستان (تذکرہ شعرائے پاکستان) مرتبہ لقمان تاثیر و مظہر صدیقی۔ صفحہ ۷۲۔

سے ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ "ثنائے حبیبؐ" کے نام سے شائع ہوا ہے جو ۱۱۵ نعتیہ کلام کے مضامین اور سلام پر مشتمل ہے۔ اس مجموعہ کا کلام پاکستان ریڈیو، کراچی سے اکثر نشر ہوتا رہا ہے۔ صبح کے پروگرام میں قرآن حکیم کی تفسیر کے بعد حضرت بہزاد کی آواز پاکستان ریڈیو سے اکثر سنائی دیتی ہے اور سننے والے مشتاق رہتے ہیں کہ وہ کب سناتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ عمر کے ساتھ عشق و محبت کے ولولے بھی سرد پڑ جاتے ہیں اور جذب و شوق کی وہ کیفیت باقی نہیں رہتی جو زندگی کا گرم خون پیدا کرتا ہے لیکن شاید یہ اس کیفیت کا آئینہ دار ہے جس کا تعلق زیادہ تر رگ و پے میں دوڑنے والے خون سے ہے۔ جو دل حقیقت ابدی سے رشتۂ محبت جوڑ لیتا ہے اور اسی جمال عالم افروز کا فدائی رہتا ہے۔ اس کی کیفیتوں میں انحطاط کبھی پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ حقیقت ابدی کو فنا نہیں اور نتیجۃً اس سے وابستہ نظام آفرینش کے اجزأ کو بھی زوال نہیں۔ حضرت بہزاد کا کلام جس قدر دل کش ہے اسی قدر ان کے پڑھنے کا انداز بھی دل کش ہے۔ ان کی آواز حب رسولؐ کو متعدی بنا کر سننے والوں کو حضورؐ کی محبت میں تڑپا دیتی ہے۔ جب وہ زیارت کا اشتیاق ظاہر کرتے ہیں تو دل بے اختیار ہو کر مدینہ پہنچنے کے لئے بیتاب ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر پر وجد کی کیفیت طاری ہے۔

وجد آتا ہے مجھے بہزاد جب پڑھتا ہوں نعت
خود بخود وہ لب پہ آتا ہے جو میرے دل میں ہے[1]

---

[1] کفر و ایمان۔ بہزاد لکھنوی۔ مطبوعہ اردو اکیڈمی لاہور سنہ ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۴۔

حضرت بہزاد کے کلام میں شروع سے آخر تک تغزل کارفرما ہے ان کے کلام کا والہانہ انداز ان کی دلی کیفیت کی وارفتگی کا آئینہ دار ہے۔ شاعر حبِ رسولؐ میں دنیا اور مافیہا سے بیزار نظر آتا ہے اور فقط لقائے حبیبؐ کی تمنا میں تڑپتا ہے۔ حضورؐ کی بارگاہ سے شاعر کو بڑی امیدواری ہے اس کی نظر میں زندگی کے لیے یہی بس ہے کہ وہ غلام حضورؐ کہلائے۔ ذیل کی غزل ان کے ان واردات قلبی کی ترجمانی کرتی ہے۔

خدایا نئی زندگی چاہتا ہوں ۔۔۔ فقط دل میں یادِ نبیؐ چاہتا ہوں
ہے طیبہ کی خاطر تڑپنے کی خاطر ۔۔۔ الم کے لیے یہ خوشی چاہتا ہوں
پلا ساقیا جامِ عشقِ محمدؐ ۔۔۔ کہ ہر وقت اک بیخودی چاہتا ہوں
ہے یہ دردِ یادِ نبیؐ کا سہارا ۔۔۔ میں کب دردِ دل میں کمی چاہتا ہوں
جو بہزاد جاتی ہے سوئے مدینہ ۔۔۔ اسی راہ کی رہبری چاہتا ہوں[1]

اسی رنگ کی ایک غزل اور پیش کی جاتی ہے:-

الٰہی مری بیقراری نہ جائے ۔۔۔ ہمیشہ رہوں تشنہ کامِ محمدؐ
عبادت کی جان ہے عبادت دل کا ۔۔۔ درودِ محمدؐ سلامِ محمدؐ
ہمیں انتہا کا بھلا خوف کیوں ہو ۔۔۔ کہ ہر ابتدا ہے یہ نامِ محمدؐ
مدینے پہنچ کر نظر سے بھی دیکھوں ۔۔۔ تصور میں ہے صبح و شامِ محمدؐ
فقط میں تو اب اس لیے جی رہا ہوں ۔۔۔ کوئی لے کے آئے پیامِ محمدؐ
میں بہزاد سمجھوں کہ معراج پائی ۔۔۔ جو دنیا پکارے غلامِ محمدؐ[2]

یہی عشقِ نبیؐ ہی کا طفیل ہے کہ ان کے یہاں بیقراری کے مضامین

---

[1] کفر و ایمان۔ صفحہ ۱۲۔ [2] کفر و ایمان: صفحہ ۱۶۔

کثرت سے ملتے ہیں۔ شاعر ہمیشہ جذب و شوق کے پیچ و تاب میں مبتلا معلوم ہوتا ہے۔
اس رنگ کے چند اور اشعار ملاحظہ ہوں :۔

دل ہی بیتاب حسرت طیبہ — اک غم لا دوا ہے اور میں ہوں
بیقراری میں مل رہا ہی سکون — درد مثل دوا ہی اور میں ہوں[1]

دل کی حالت کیا کہوں یاد مدینہ دل میں ہی
میں یہاں پر ہوں مگر یہ دل اسی محفل میں ہی
سرور کون و مکاں میری مدد فرمایئے
حسرت طیبہ کے صدقے زندگی مشکل میں ہی
دل کے ہر گوشے میں ہے یادشہ دین جلوہ گر
میں اسے بھی دل سمجھتا ہوں کہ میرے دل میں ہی[2]

بہزاد کی اکثر غزلوں میں اس لطیف عنصر کی وجہ سے بڑی دلکشی پائی جاتی ہے۔
بہزاد کے کلام میں صرف جذبات کی ترجمانی ہی نہیں پائی جاتی۔ ان کی والہانہ عقیدت مندی جہاں انھیں ان کیفیات کے اظہار کے لئے ابھارتی ہے وہاں حقیقت کا سررشتہ بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا۔ عقیدت اور حقیقت دونوں کی آمیزش نے حضورؐ کے حقیقی اوصاف کو ہمیشہ مضامین کی زینت بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں وہ بے اعتدالیاں نظر نہیں آتیں جنھیں عشق و محبت کے مذہب میں اکثر نعت گو شعرائے نے روا اور جائز قرار دیا ہی۔

اے شاہ ہدا سبحان اللہ جب نام تمہارا آتا ہے
اک روح کو تسکین ملتی ہی اک کیف سا دل پر چھا جاتا ہے

---

[1] کفر و ایمان صفحہ ۱۳، ۱۴ [2] کفر و ایمان، صفحہ ۱۶۔

یاد آتی ہے اپنی مجبوری اس ارض مقدس سے دوری
دل خون کے آنسو روتا ہے جب کوئی مدینے جاتا ہے
امید مدینہ کے صدقے کچھ حال نرالے ہیں دل کے
یہ پھول کبھی کھل جاتا ہے یہ پھول کبھی مرجھاتا ہے
اک آگ لگی ہے سینے میں اک لطف ہے حاصل جینے میں
میں اسکی صورت دیکھتا ہوں جو کوئی مجھے سمجھاتا ہے[1]

حضرت بہزاد کے سو گیتوں کا مجموعہ جو "موج نور" کے نام سے شائع ہوا ہے اس میں ان کا نعتیہ رنگ یہ ہے :-

چلو آؤ چلیں یثرب نگری
یہاں ہند میں ہے بڑی دردسری

وہاں رونے والے روتے ہیں
اور داغ گنہ کے دھوتے ہیں
وہاں ذرے سے سورج ہوتے ہیں

کب تک یہ رہے گی بے خبری
چلو آؤ چلیں یثرب نگری

ارے جانے والے جا بھی چکے
بگڑی کو اپنی بنا بھی چکے
اس در پہ سر کو جھکا بھی چکے

اب شاخ تمنا کر کے ہری
چلو آؤ چلیں یثرب نگری

---

[1] کفر و ایمان صفحہ ۱۵۔

اب گیت میں بھی شاعر نے ایک مخصوص رنگ میں اپنے عام وارداتِ قلبی کو بیان کیا ہے۔ حضرت بہزاد کے جذبات کی یہ کیفیت دراصل ان کے عشقِ نبیؐ کے خلوص کی آئینہ داری کرتی ہے۔

اب تک جو کلام کا نمونہ پیش کیا گیا ہے اس میں تغزل ہی کارفرما ہے۔ شاعر نے اپنے درد کی کہانی موثر انداز میں پیش کی ہے۔ حضورؐ کے اوصاف کا بیان کہیں نہیں ملتا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت بہزاد کا کلام وصفِ نبیؐ سے بالکل خالی ہے۔ ان کے یہاں غزلوں میں مسلسل ایسے مضامین ملتے ہیں جن میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف کو دل نشین پیرائے میں بیان کیا گیا ہے مثلاً:

دہر کے ہادی شاہِ ہدا مالکِ کوثر صلِّ علیٰ
وجہ بنائے الا اللہ ختمِ پیمبر صلِّ علیٰ

آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں آپ سے بہتر کوئی نہیں
سب سے افضل اور برتر سب سے بہتر صلِّ علیٰ

مظہرِ ذاتِ ربِ علا مرکزِ چشم فکر و رسا
پشت و پناہ ہر دوسرا شافعِ محشر صلِّ علیٰ

آپ کی ہے ہر سو تنویر کیا قمر کیا مہرِ منیر
آپ کی ہے تابانی سے دہر منور صلِّ علیٰ

کون نہیں ممنونِ کرم کس کی نہیں ہے گردن خم
صاحبِ جود و لطف و سخا ساقیٔ کوثر صلِّ علیٰ

آپ ہیں نبیوں کے سرتاج آپ نے پائی ہے معراج
نوح کے ہم دم کیا کہنا خضر کے رہبر صلِّ علیٰ[۱]

---

[۱] چراغِ طور۔ بہزاد لکھنوی۔ ناشر ساقی بکڈپو دہلی۔ طبع سوم صفحہ ۷۰، ۸۔

لیکن حضورؐ کے اوصاف کے بیان میں بھی اکثر شاعر کا اصلی رنگ یعنی رنگ تغزل عود کر آتا ہے۔

مولائے کل ہو ختم پیمبر تمہیں تو ہو — حقا کہ دو جہان کے سرور تمہیں تو ہو
جس نے بتایا حق کو تمہاری ہی ذات ہے — جس نے بتائی راہ وہ رہبر تمہیں تو ہو
تم سے کہوں نہ عرض تو کس سے ہو التجا — میرا نصیب میرا مقدر تمہیں تو ہو
تم کو ہی تک رہی ہے ہر اک چشم آرزو — محبوب خاص حضرت داور تمہیں تو ہو
تم سے ہیں آسمان و زمین کی یہ زینتیں — ماہ تمام و مہر منور تمہیں تو ہو
تم ہی بتاؤ چشم خطا کار کیا کرے — بیکس نواز و شافع محشر تمہیں تو ہو[1]

غرض یہ کہ کیا باعتبار مضامین اور کیا باعتبار زبان حضرت بہزاد کا نعتیہ کلام محاسن سے خالی نہیں ہے۔ زبان نہایت صاف و شستہ اور بحریں اکثر چھوٹی اور مترنم ہوتی ہیں۔ الفاظ کا حسن انتخاب موسیقیت پیدا کرتا ہے بیان سادہ، رواں دواں اور مضامین عام فہم ہوتے ہیں۔ نہ تو ان میں عالمانہ دقت پسندی اور لفظی صناعی سے کام لیا گیا ہے اور نہ عقیدت مندانہ بے احتیاطی کو دخل ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال عبدیت کو دکھانے میں شاعر نے سارا زور صرف کر دیا ہے۔ وہ اکثر نعت گو شعراء کی طرح آپؐ کو عبدیت سے فارغ کر کے معبود کے رنگ میں جلوہ گر کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرتے۔ اس لئے غلو کی وہ صورتیں بالکل مفقود ہیں جن سے حضورؐ کے حقیقی اوصاف پر حرف آتا ہے۔ ان خصوصیات کی بناء پر حضرت بہزاد کا مقام جدید دور کے نعتیہ غزل گو شعراء میں ممتاز ہے۔

---

[1] چراغ طور۔ صفحہ ۹۔

منظور حسین ماہر القادری

شاعر کے خود نوشت حالات درج ذیل ہیں:۔

"میرا نام منظور حسین جس کے تاریخی عدد سنہ ۱۳۲۴ھ ہوتے ہیں۔ اور یہی میرا سن پیدائش ہے۔ والد کا نام محمد معشوق علی ظریف تخلص کرتے تھے۔ مگر انھوں نے ایک شعر بھی ظریفانہ انداز میں نہیں کہا۔ شروع میں عاشقانہ غزلیں کہیں اور آخری عمر میں صرف حمد و نعت کہتے تھے۔

میرا وطن کسیر کلاں ضلع بلند شہر ہے۔ یہ میرا آبائی وطن ہی نہیں مولد و منشا بھی ہے۔ اس زمانے میں جب پی ایچ۔ ڈی ہونا بھی کوئی خاص فخر و امتیاز کی بات نہیں ہے کسی کا یہ کہنا کہ میں نے میٹرک میں کامیابی حاصل کی ہے، ایک مضحکہ خیز سی بات ہے۔ میری فکر و نظر کی تربیت، نشو و نما بلکہ یوں سمجھئے کہ اس کی تشکیل کا دار و مدار مطالعے پر ہے۔ ساری عمر اسی دشت کی سیاحی میں گزری ہے۔ ہر فن کی کتابیں پڑھی ہیں۔ اور ہزاروں راتیں چراغ کے سہارے گزاری ہیں۔ "مولانا" میں کسی صورت سے بھی نہیں ہوں لیکن یار لوگوں نے مجھے مولانا بنا دیا ہے۔ یا تو لوگوں نے یہ میرے ساتھ مذاق کیا ہے یا وہ بیچارے میری شخصیت اور ذات کے بارے میں شدید غلط فہمی کا شکار رہیں۔ حیدر آباد دکن میں میرا تقریباً پندرہ سولہ سال قیام رہا۔ میری زندگی کا بہترین زمانہ دکن میں گزرا ہے۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنت صدر اعظم دولت آصفیہ کی ذات وہاں میرے لئے قیام کا سبب تھی۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد بڑے علم دوست اور شاعر نواز تھے۔ چھوٹے پیمانے پر وہ برمکی وزرا کی یادگار تھے۔ دکن میں سرکاری ملازمت

سے بھی میرا تعلق رہا ہے۔ میں نے سنہ ۱۹۳۳ء میں عراق کا سفر کیا اور وہاں کے عمائد علماء اور مشاہیر کے علاوہ ہز مجسٹی غازی الاول شاہ سے بھی ملاقات کی۔ حیدرآباد دکن تقریباً سنہ ۱۹۴۳ء میں چھوڑ دیا اور دہلی کو اقامت گاہ بنایا۔ اسی دوران میں مشاعروں کے سلسلے میں بمبئی آتا جاتا رہا اور وہاں چند دن فلمی دنیا سے بھی تعلق پیدا ہو گیا۔ فلمی دنیا میں میرے لئے شہرت اور جلب منفعت کے بعد زریں مواقع حاصل تھے مگر اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ میں اس دلدل سے بہت جلد نکل گیا۔ اس چند روزہ فلمی تعلق پر آج تک متاسف ہوں۔ تقسیم ہند کے بعد دہلی ہی میں مقیم تھا۔ مگر جب دہلی میں ہنگامہ ہوا تو ان دنوں اپنے وطن کیسر کلاں میں تھا۔ لیکن اس قیامت کا سامنا کرنا مقدر میں لکھا تھا۔ ۱۳ر ستمبر سنہ ۱۹۴۷ء کو چالیس ہزار مسلح ہندوؤں نے خود ہمارے گاؤں پر حملہ کر دیا۔ میں عین محاذ پر تھا۔ اللہ کے فضل و کرم سے میں آخر وقت تک مورچے پر جما رہا اور ہر قسم کی گزند سے محفوظ رہا۔ یوں سمجھئے کہ موت کا قافلہ میرے قریب سے بلکہ یوں کہئے کہ مجھے چھوتے ہوئے گزر گیا۔ کراچی یکم نومبر سنہ ۱۹۴۷ء کو پہنچا۔ میرٹھ سے اسپیشل ٹرین کے ذریعے آنا ہوا اور راستے میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ چند ماہ ملتان میں بھی رہنا ہو گیا مگر مستقر کراچی ہی رہا۔ تین سال سے رسالہ "فاران" نکال رہا ہوں۔ فاران کے ذریعے جو کچھ تھوڑی بہت علم و ادب اور اخلاق و اسلام کی خدمت انجام دے رہا ہوں وہ اہل نظر کے سامنے ہے۔ اپنی زبان سے کیا کہوں۔ میری نظم و نثر کی تقریباً بیس کتابیں اب تک چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔ افسانوں کا ایک مجموعہ (میخانے) جو چھپ چکا تھا اور جلد بندی ہو رہی تھی، دہلی کے آشوب کی نذر ہو گیا۔ اس کا مسودہ

بھی میرے پاس نہیں ہے۔

مشاعرے اتنے پڑھے ہیں کہ کم شاعروں نے پڑھے ہوں گے۔ بعض اوقات ایک ایک ماہ کا سلسلۂ سفر رہا ہے۔ شام مدراس میں ہوئی تو چوتھی صبح سوادِ بنگال میں طلوع ہوئی۔ تمام مشاہیر شعرا کے ساتھ ملاقاتیں اور صحبتیں رہی ہیں۔ تجربے نے بتایا ہے کہ شاعری کی جو اسلام نے حوصلہ افزائی نہیں کی اس کا ایک سبب شاید یہ بھی ہے کہ شاعر کی جوانی رنگینیوں سے بچ نہیں سکتی۔ اس سمندر میں کوئی ڈوبے گا تو تر دامن ضرور ہو جائے گا۔ شعر و ادب کی شہرت اپنی جگہ خود ایک فتنۂ عظیم ہے۔

نغمۂ شعر و جوانی کا وہ عالم توبہ　　　میری آنکھوں میں قصیدہ ترے ہونٹوں پہ غزل

اس انداز کے شعر اس دور کی یادگار ہیں۔

شاعری میں کسی سے مجھے تلمذ نہیں ہے۔ مجھ سے بیسیوں نے مشورۂ شعر و سخن کیا ہے مگر میں اپنا کسی کو شاگرد نہیں سمجھتا اور شعر و سخن میں شاگردی اور استادی کا بھی زیادہ قائل نہیں ہوں۔ شاعر کی طبیعت اور فطرت خود اس کی راہنمائی کرتی ہے۔ شاعروں کی کثرت کو میں قوم، ملک، بلکہ معاشرے کے لئے زوال و نقصان کا سبب سمجھتا ہوں۔ ہر کنکر ہیرا بن جائے تو ہیروں کو کون پوچھے۔ نام نہاد "ترقی پسندی" کا میں شروع سے ہی مخالف رہا ہوں۔ برسوں سے اس کے خلاف زبان و قلم سے سچ مچ جہاد کر رہا ہوں۔ میں "ترقی پسندی" کی طرف ذرا بھی مائل ہو جاتا تو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا مگر میں نے حق کی خاطر اپنی شہرت کا نقصان گوارا کر لیا۔ ترقی پسند تنقید نگار مجھ سے بہت ناخوش ہیں اور ان کو میرا ذکر کرنا کسی صورت سے بھی گوارا نہیں۔ اسلام کے سوا کسی اور ازم (ISM) پر عقیدہ نہیں رکھتا۔ میرے نزدیک اسلام اور صرف اسلام ہی مکمل ترین دستورِ حیات ہے اور جہاں جہاں اسلام سے دوری اور بیگانگی پائی جاتی ہے وہاں بگاڑ پایا

جاتا ہے۔ تمنا یہ ہے کہ ایک بار ان آنکھوں سے اللہ کے دین کو پورے کا پورا برپا اور قائم دیکھ لوں۔ اسی جد و جہد کو عملی طور پر مقصد حیات بنا رہا ہوں"[1]
سنہ ۱۹۵۴ء میں ماشاء اللہ حج بھی کر لیا ہے۔

ماہر القادری کا شمار دورِ جدید کے ان ممتاز شعراء میں ہے جنھوں نے شاعری کو زندگی کی تفسیر کے لئے اختیار کیا۔ اس لحاظ سے زندگی سے متعلق جتنے بھی تاثرات ان کے تجربے نے پیش کئے ہیں انھیں ماہر نے شعر کا جامہ پہنایا ہے۔ اس لئے ان کے کلام میں جہاں تغزل اپنی پوری شان میں جلوہ گر ہے وہاں ان نظموں کی بھی کمی نہیں ہے جو مسائل حیات کی توضیح اور تشریح کرتی ہیں۔ ان کی طبیعت زندگی کے مختلف مظاہر سے اثر پذیر ہوتی ہے اور وہ ان نقوش تاثر کو اپنے فکر و نظر کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں۔

ماہر کو ہم ترقی پسندوں کے زمرے میں اس لئے شمار نہیں کرتے کہ ان کی نظر اخلاقی ہے اور وہ زندگی کی عمارت کو پاکیزہ کردار پہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقتاً معنوی حیثیت سے اس سے بڑھ کر ترقی پسندی اور کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن آج کل ترقی پسندی بھی ایک خاص طبقے کا اجارہ بن کر رہ گئی ہے اور اس نام نہاد اشتراکی سرمایہ دارانہ ذہنیت نے خود پسندانہ مزاج کے ساتھ چند ٹکے بندھے تصورات رکھنے والوں کے سوا ساری دنیا کو اس زمرے سے خارج گردانا ہے۔

اگر ادب کا مقصد زندگی کی تفسیر ہے تو ماہر کی شاعری اسی مقصد کو

---

[1] ماخوذ از شعرستان (تذکرہ شعرائے پاکستان) مرتبہ نعمانی تائب و مظہر صدیقی صفحہ ۳۱۶ تا ۳۱۸۔

پورا کرتی ہے۔ انھوں نے زندگی سے متعلق گوناگوں مسائل کو حکیمانہ انداز میں شعر و سخن کے ذریعے پیش کیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ان کے فکر و نظر پر مذہب کا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہے لیکن ان کی نظر میں مذہب خود ایک حکیمانہ نظام حیات سے عبارت ہے جس نے زندگی کا مکمل دستور العمل پیش کیا ہے! اس لئے اگر ماہر کا نظریۂ حیات نظریۂ اسلام بن گیا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ان کا نعتیہ کلام بھی اسی فکر و نظر کی تحریک کا نتیجہ ہے اور اسلام پر ان کا فداکارانہ جذبہ بھی دراصل ہادیٔ اسلام کے اسوۂ حسنہ کا پیدا کردہ ہے جس نے شاعر کو جمال محمدیؐ کا فریفتہ بنایا ہے۔ اس کی توضیح انھوں نے اس طرح کی ہے:۔

"قادر مطلق اور حکیم و خبیر نے حضرت محمد رسول اللہؐ کی ذات اقدس کو انسانیت کا مکمل ترین نمونہ بنا کر بھیجا۔ انسانی حیات کا ہر مفید اور روشن پہلو آپ کی سیرت میں موجود ہے اور حضورؐ ہی کا اسوۂ حسنہ زندگی کی ہر منزل اور دنیا کے ہر انقلاب میں دلیل راہ اور مشعل ہدایت بن سکتا ہے۔ محمدؐ عربی کی زندگی میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی انسانیت کو ضرورت ہے اور ہمیشہ رہے گی۔"[1]

جمال محمدیؐ پر ماہر کی فریفتگی رسمی۔ روایتی اور وراثتی نہیں ہے جو صرف ایک خاص ماحول میں پیدا ہونے کی بناء پر نصیب ہوتی ہے اس میں ان کے عقیدت مندانہ جذبے کی کارفرمائی نہیں پائی جاتی بلکہ ان کی فطرت صالحہ کی حق پسندی کو دخل رہا ہے۔ چنانچہ اس کا اظہار انھوں نے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

---

[1] ذکر جمیل، مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن، طبع اول صفحہ ۱۱۔

"اگر میں خدانخواستہ مسلمان گھرانے میں پیدا نہ ہوا ہوتا اور میرے ماں باپ مجھے کافر بنا دیتے تو جس طرح عبداللہ بن سلام رسول اللہؐ کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے تھے: قسم ہے خدا کی یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔" تو میری فطرت بھی نبیؐ آخر کی صورت پاک سے متاثر ہو کر چیخ اٹھتی کہ زمین و آسمان کے مالک کی قسم یہ زندگی سچے اور نیک ہی کی ہو سکتی ہے۔"[۱]

پھر اس جذبے کی جلا کے لئے اور اس کو سنوارنے کے لئے شاعر کی فطرت سلیم کی یہ خوش بختی رہی ہے کہ آنکھ کھولی تو اس ماحول میں جہاں ذکر رسولؐ کے چرچے تھے اور جو نقش اول زندگی کی ابتدائی تربیت میں بٹھایا گیا تھا وہ عشق رسول تھا۔ دراصل ماہر کو نعت گوئی ورثہ میں ملی تھی۔ والد مرحوم "آخر میں نعت اور صرف نعت کہتے تھے۔"[۲] سارے گھر کو حمد و نعت سے خاص شغف تھا"[۳]۔ اپنی نعت گوئی کی ابتدا کے متعلق لکھتے ہیں:-

"یوں کہیئے کہ نعت رسولؐ میری گھٹی میں پڑی تھی۔ ہوش سنبھالا تو شعر گوئی کے لئے طبیعت کو موزوں بلکہ آمادہ پایا۔ میں یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہوں کہ میری شاعری کی ابتدا، حمد و نعت سے ہوئی اور انشاء اللہ خاتمہ بھی اس پر ہو گا۔ مجھے اپنی فاسقانہ شاعری کا بہر حال کفارہ دینا ہے۔"[۴]

---

[۱] ذکر جمیل مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن طبع اول، صفحہ ۱۱۔
[۲] و [۳] ذکر جمیل، صفحہ ۱۲۔ [۴] ذکر جمیل، صفحہ ۱۳۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے والہانہ جذبے اور وفور شوق میں اکثر نعت گو شعراء حضورؐ کی شان میں ایسی باتیں کہہ گزرتے ہیں جن کا آپؐ کے حقیقی اوصاف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مذہب عشق میں غلو کی ان صورتوں کو اس حد تک راہ گردانا گیا ہے کہ عوام تک پہنچ کر بھی باتیں عقائد کا جزو بن گئیں۔ اللہ اور بندے کے حدود کو توڑ دینا ہمیشہ سے عقیدت مندوں کے پرخلوص کارنامے رہے ہیں۔ نعتیہ شاعری کا یہ رنگ اردو ادب میں بہت نمایاں ہے۔ سابقہ صفحات میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے برعکس اردو شاعری میں ہوشمند اور باشعور والہانہ جذبہ رکھنے والے نعت گو شعراء کی بھی کمی نہیں ہے۔ دورِ حاضر کے شعراء میں حضرت ماہر القادری کو نعتیہ شاعری کی ان بدعنوانیوں کا شدید احساس ہے جس کا اظہار انھوں نے اس طرح کیا ہے:

"یہ دیکھتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ شاعری کا تاریک پہلو نعت و منقبت میں بھی نمایاں ہو کر رہا۔ بہت سی غلط موضوع اور بے سروپا باتیں شاعری کی بدولت مسلمانوں میں پھیل گئیں۔ عقیدت اور محبت کے غیر محتاط جوش میں اس قسم کے تمام چٹخاروں کو لوگ گوارا کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ان چٹخاروں نے مستقل عنوانات کی صورت اختیار کر لی۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ محبت، عقیدت اور پرستش میں بہت ہی نازک فرق ہے۔ غیر محتاط عقیدت پرستش بن جاتی ہے۔"[۵۵]

دوسری جگہ نعتیہ ادب کی ان بے احتیاطیوں کی وضاحت کرتے ہوئے

---

[۵۵] ذکرِ جمیل، صفحہ ۱۷۔

لکھتے ہیں:۔

"قرآن پاک میں اکثر و بیشتر مقامات پر جہاں رسول اللہؐ کا ذکر آیا ہے وہاں "عبد" کا لفظ ضرور استعمال فرمایا گیا ہے کہ عقیدت مند کہیں بندے کو خدا نہ سمجھ لیں۔ مسلمان کی شان "انا الحق" میں نہیں "انا العبد" کہنے میں ہے کہ صاحب معراج اور واقف اسرار لی مع اللہ" نے بار بار اپنے کو بندہ کہا۔

مگر عجمی ذوق کا برا ہو کہ مسلمانوں میں بہت سی ایسی مشرکانہ بدعات رواج پا گئیں جن کا کتاب و سنت میں کہیں پتہ نہیں ہے[1]

اردو نعت گوئی کی ان بدعات کو حضرت ماہر نے اپنے کلام میں داخل نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"میں نے بڑی احتیاط کوشش کی ہے کہ نعت رسول کو اس قسم کی رنگ آمیزی سے دور رکھا جائے۔ میں نے رسول اللہؐ کو "احمد بے میم" نہیں کہا کہ یہ شاعرانہ نزاکت خیال توحید کے بنیادی تصور سے ٹکراتی ہے۔ دین حنیف کا کمال رنگینیوں اور نزاکت آفرینیوں میں نہیں۔ سادگی اور خلوص میں ہے[2]"۔

نعتیہ شاعری کے متعلق ماہر کے خیالات انہی کے قلم سے پیش کرنے کے بعد اب ہم ان کے نعتیہ کلام پر تبصرہ کریں گے۔

ماہر کے نعتیہ کلام کا مجموعہ "ذکر جمیل" ہے۔ یوں تو ان کے دیگر مجموعوں میں بھی نعتیہ کلام پایا جاتا ہے لیکن "ذکر جمیل" خالص نعتیہ مضامین پر مشتمل ہے۔ زیر نظر نسخہ مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن کے جملہ صفحات ۱۲۷ ہیں۔

۱؎ ذکر جمیل: صفحہ ۱۸۔ ۲؎ ذکر جمیل: صفحہ ۱۹۔

اس میں مختلف عنوانات کے تحت حضورؐ کی ثنا کی گئی ہے۔ مثلاً صلی اللہ علیہ وسلم اسیران بدر، ذکر جمیل، ظہور قدسی حریت کا مبلغ اعظم، پیغمبر انسانیت، نذر عقیدت فریاد وغیرہ۔

"ذکر جمیل" کی چند نظمیں ان کے دیگر مجموعوں میں بھی درج ہیں۔ مثلاً۔ "نغمات ماہرؔ" میں "دربار اقدس میں" "حریت کاملہ کا مبلغ اعظم" وغیرہ شامل ہیں۔

۱۔ ماہر نعت گو شعراء کے اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جن کے نعتیہ کلام کو ہر نعت برائے سیرت اور نعت برائے محبت کے رنگ میں دیکھتے ہیں۔ جہاں ماہر نے حضورؐ کے حقیقی اوصاف کے بیان سے آپ کے اسوۂ حسنہ کو دلنشین پیرائے میں نظم کیا ہے وہاں اپنے خلوص اور محبت کو جان ایمان بنا کر پیش کیا ہے۔ ان کے کلام سے ان کی اسی باطنی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ حقیقت میں حضورؐ کی محبت سے سرشار زندگی ہی نے شاعر کو نغمۂ حیات کے لئے ابھارا ہے۔

میں ایسے شوق سے بے شوق و آرزو اچھا　　ترے حضور میں جو شوق بار یاب نہیں[1]

ان کی نظر میں مومن کی ساری کائنات حضورؐ کی ذات اقدس سے وابستگی ہے۔

مرد مومن را محمدؐ ابتدا است　　مرد مومن را محمدؐ انتہا است[2]

اسی لئے ماہر نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو عین ایمان قرار دیا ہے۔

انہی کی محبت ہے ایمان ماہر　　جو کونین کا مدعا بن کے آئے[3]

اور عقدہ کشائی کے لئے کسی سے امید وابستہ ہے تو وہ بھی حضور ہی ہیں۔

---

[1] ذکر جمیل؛ صفحہ ۹۲　[2] ذکر جمیل؛ صفحہ ۵۲۔　[3] ذکر جمیل؛ صفحہ ۷۰۔

زندگی میں جو کوئی سخت مقام آتا ہے   اس گھڑی لب پہ محمدؐ ہی کا نام آتا ہے[۵۱]

اس زندگی کی حاجت روائی کے ساتھ اخروی زندگی میں بخشش کا سہارا بھی عشق مصطفےؐ میں دیکھتے ہیں۔

درحقیقت میری بخشش کی کوئی صورت نہ تھی
سچ یہ ہے ماہر کہ عشق مصطفےؐ کام آگیا[۵۲]

اسی لئے نیاز مندی اور ذرہ نوازی کے مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔

درود اس پہ کہ جو ماہر کی امیدوں کا ملجا ہے
درود اس پہ کہ جس کا دونوں عالم میں سہارا ہے[۵۳]

ساقیٔ کوثر تری دریا دلی کا ہو بھلا   نظم ماہر بن گئی آب روان سلسبیل[۵۴]

شکر ہے ماہر کہ کوشش ہو رہی ہے کامیاب
میری نظموں کا مدینہ سے جواب آنے کو ہے[۵۵]

مداح حضورؐ ہونے پر شاعر کا ناز بھی اسی نیازمندانہ شان میں جلوہ گر ہے۔

بنا دیا مجھے مداح مصطفےؐ ماہر   یہ کیوں کہوں کہ دعا میری مستجاب نہیں[۵۶]

اسی طرح حضورؐ کی غلامی پر ناز بھی اسی کیفیت کا آئینہ دار ہے۔

میں سرحشر کچھ اس شان سے پہنچا ماہر   شور اٹھا کہ محمدؐ کا غلام آتا ہے[۵۷]

---

۵۱ ذکر جمیل : صفحہ ۶۳ ۔   ۵۲ ذکر جمیل : صفحہ ۸۰ ۔
۵۳ " : " ۵۱ ۔   ۵۴ " ۳۵ ۔
۵۵ " : " ۶۰ ۔   ۵۶ " " ۹۲ ۔
۵۷ " " ۶۳ ۔

اس کے علاوہ ان کے کلام میں بیقراری اور جذب و شوق کا اظہار بھی اسی عشق کا نتیجہ ہے۔ ذیل کی غزل ماہر کے نعتیہ کلام کی اس خصوصیت کو خوب اجاگر کرتی ہے۔

کوئے نبیؐ میں اس طرح جانا نہ چاہیئے
اک اک قدم پر سجدہ شکرانہ چاہیئے

اک لمحہ ان کی یاد سے غفلت ہے معصیت
آٹھوں پہر تصور جانانہ چاہیئے

مخمور جس شراب سے تھے بوذر و بلال
مجھ کو اسی شراب کا پیمانہ چاہیئے

جالی سے چھن رہا ہے وہ نور مزار پاک
ایسے میں صرف جرأت رندانہ چاہیئے

پی تو لیا ہے بادۂ حب نبیؐ کا جام
اب اس کے بعد ہوش میں آنا نہ چاہیئے

ممکن نہیں جو ان کی طرف سے ہو کشش
انداز گفتگو کا کلیمانہ چاہیئے

ماہر غم و الم سے ہو کتنا ہی دل نڈھال
شکوہ مگر زبان پہ لانا نہ چاہیئے[1]

ماہر کے نعتیہ کلام میں رنگ تغزل اسی نکھرے ستھرے انداز میں ان کی باطنی کیفیات کی ترجمانی کرتا ہے جس میں والہانہ سرمستی کا اظہار مترنم اور پراثر الفاظ میں کیا گیا ہے۔ شاعر منتخب الفاظ اور ترکیبوں کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی عقیدت مندی اور محبت کو پیش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک اور غزل درج ہے :-

یہ بزم آب و گل جتنی بھی برہم ہوتی جاتی ہے
محمدؐ کی شریعت اور محکم ہوتی جاتی ہے

مدینے کی زمین میں جاذبیت کس غضب کی ہے
جبین شوق اک اک گام پر خم ہوتی جاتی ہے

---

[1] ذکر جمیل : صفحات ۶۱، ۶۲

مرے غم پر زمانہ کی ہزاروں عشرتیں قربان
تصور میں نبیؐ کے آنکھ پرنم ہوتی جاتی ہے

مدینہ جانے والے! میری جانب سے یہ کہہ دینا
تمہاری یاد بھی اب مستقل غم ہوتی جاتی ہے

مری فردِ عمل پر ہے قیامت میں نظر ان کی
طلوعِ صبح ہے خود جذبِ شبنم ہوتی جاتی ہے

ہوئی ہے یاد میری آج شاید بزمِ اقدس میں
خلش ماہر دلِ بے تاب کی کم ہوتی جاتی ہے[۵۱]

ماہر نے سنہ ۱۹۵۴ء میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی حاضری کا شرف بھی حاصل کر لیا۔ جوارِ نبیؐ میں عاشقِ رسولؐ کی باریابی کی خوش بختی کے پر کیف سرور کی لذت سے تو شاعر کا دل ہی آشنا ہے۔ دیارِ حبیبؐ سے واپسی کے وقت جو دل کی کیفیت "الوداع" کے عنوان سے بیان کی ہے ہم اس میں اس باطنی کیف و سرور کا پرتو پاتے ہیں جس سے شاعر کے خلوص کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نظم کے چند منتخب اشعار درج کیے جاتے ہیں :-

الوداع اے عرب کی پاک زمیں	تیرے ذرے ہیں رفعتوں کے امیں
الوداع اے جہانِ ذکر و صلوٰۃ	الوداع اے مقامِ عفو و نجات
الوداع اے فضائے کیف و سرور	الوداع اے ہوائے دامنِ نور
رخصت اے روضۂ نبیؐ کریم	رخصت اے حجلۂ رؤف و رحیم

---

۵۱ ذکرِ جمیل : صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱۔

رخصت اے جلوہ گاہ قدس جناب
رخصت اے بارگاہ وحی وکتاب
رخصت اے جالیوں کے نقل ارے
رخصت اے رحمتوں کے گہوارے
رخصت اے منبر رسولِ خُدا
رخصت اے مرکز پیام ھدیٰ
اللہ اللہ مسجد نبویؐ
رخصت اے سجدہ گاہ مصطفویؐ
الوداع اے حدود ملک حجاز
رخصت اے سجدہ گاہ اہل نیاز
شانِ حق کا ظہور کیا کہنا
تیری راتوں کا نور کیا کہنا
اے عناں گیر گردشِ ایام
تیری شام وسحر کو میرا سلام
اب بھی باقی ہے میرے دل میں خلش
اے کہ تو ہے جہاں جذب وکشش
پھر مرے سامنے یہ منظر ہو
پھر مجھے حاضری میسر ہو[۵]

۲۔ ماہر کے کلام کی دوسری خصوصیت حضورؐ کے حقیقی اوصاف کا بیان ہے۔ وہ کبھی داخلی جذبات سے مغلوب ہوکر ثنائے نبیؐ کے مقصد کو فراموش نہیں کرتے۔ حضورؐ کے چاہنے والے کی یہ ہوش مندی جذبۂ شوق کی سرمستی میں بھی اس شعور کو بیدار رکھتی ہے۔ وہ جب بزم خیال میں بارگاہ نبویؐ میں نغمہ سرائی کے لئے پہنچتا ہے تو بنے تلے اور شایان شان الفاظ میں ہدیۂ خلوص پیش کرتا ہے۔ عشق ومحبت کی کیفیتوں کے والہانہ جذب وشوق کے باوجود آقا اور غلام کے حدود کو پہچانتا ہے اور اسی مناسبت سے نغمہ سرائی کی جرأت بھی کرتا ہے۔ اسی لئے ہم جذبات کی فراوانی کے باوجود ماہر کے نغمۂ کلام میں متانت، سنجیدگی اور معنی آفرینی کی اچھی مثالیں پاتے ہیں۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر شاعر ایک طوفان کر

---

[۵] ماہنامہ "فاران" کراچی۔ جنوری سنہ ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۳۔

دوچار ہے۔ لیکن جب ان جذبات کی ترجمانی میں لب کشائی کرتا ہے تو ہمیشہ جادۂ اعتدال پر قائم رہ کر۔

کیف و سرمستی کا اک پیغام رنگیں تیرا نام
انبساط روح کی دعوت ترا ذکرِ جمیل

لحن داؤدی کی ہر لَے تیرے نغمہ کی شہید
ہر ادائے حسن یوسفؑ تیرے ابرو کی قتیل

تیرے گیسو حالِ ناموسِ اسحاق و ذبیحؑ
تیرے عارض باعثِ رنگینیٔ باغِ خلیل

سب کی تیرے چشمۂ رحمت ہی سے بجھتی ہے پیاس
اس میں قلزم ہو کہ دجلہ، رود گنگا ہو کہ نیل

تیرے سطوت کے اثر سے ریزہ ریزہ پاش پاش
خواہ خندق کی چٹانیں ہوں کہ خیبر کی فصیل

خاک میں تو نے ملا دی سطوتِ لات و ہبل
تیرا احساں نوازش کعبۂ ربِ جلیل[۵۱]

۳۔ جدید اردو شاعری میں نعت نبیؐ کو اصلاحی رنگ میں پیش کرنے کا سہرا مولانا حالی کے سر ہے۔ ان کا یہ مقصدی رنگ زمانے کے رجحانات، زندگی کے تقاضے اور شاعر کے اپنے نظریۂ حیات کا ترجمان ہے۔ ان کے بعد اس نے نے وقت کے لحاظ سے نئے نئے نغموں کے روپ میں اپنا پیام پہنچایا۔ دورِ حاضر میں ماہر کی نعتیہ شاعری بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ انھوں

---

[۵۱] ذکرِ جمیل، صفحات ۳۴، ۳۵۔

نے اپنی نعتیہ نظموں کے لئے جو مضامین منتخب کئے ہیں ان سے ان کا مقصدی رنگ واضح ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر "یا ایھا الذین آمنو صلوا علیہ وسلموا تسلیما" کو عنوان بنا کر جو سلام لکھا ہے اس میں مولانا حالی کے مسدس کے مشہور بندوں کا انداز جھلکتا ہے :-

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سنکر دعائیں دیں
سلام اس پر جو سچائی کی خاطر دکھ اٹھاتا تھا
سلام اس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا
سلام اس پر کہ جس کی سادگی درس بصیرت تھی
سلام اس پر کہ جس کی ذات فخر آدمیت تھی
سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی [۱]

سلام میں شاعر یکے بعد دیگرے حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے اور سیرت پاک کا ایک ایسا مرقع پیش کرتا ہے جس میں دنیا کے لئے بصیرت اور ہدایت کا سامان ہے۔

---

[۱] ذکر جمیل، صفحات ۴۵، ۴۶، ۴۷۔

۴۔ ان خصوصیات کے علاوہ بیان کو شگفتہ اور روح افزا بنا کر پیش کرنے میں ماہر کو اچھی دستگاہ حاصل ہے۔ اس کے نمونے ان کے کلام میں کثرت سے ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا مضمون مختلف عنوانات کے تحت اکثر نعت گو شعراء نے نظم کیا ہے اور اس میں نہایت شگفتہ مضامین پیدا کئے ہیں۔ اس خصوص میں مولانا حالی، محسن کاکوروی اور حفیظ جالندھری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا حالی کے اختصار کا اعجاز محسن کاکوروی کی صبح تجلی کی لطافت اور فروغ تخیل، حفیظ کی روح افزا تمہید اردو کے نعتیہ ادب میں نہایت بلند پایہ ہیں۔ ہم اس زمرے میں حضرت ماہر کی نظم "ظہور قدسی" کو شامل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ شاعر نے بہاریہ تمہید سے مضمون کو نہایت شگفتہ انداز میں پیش کیا ہے۔ حقیقت میں شاعر کو ذیلی عنوان یعنی

مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْن کی بہار دکھانا مقصود ہے۔ اس کے لئے تخیل کی رنگ آمیزی سے اس حقیقت ابدی کو نہایت حسن و خوبی کر اجاگر کیا گیا ہے۔ بیان کی لطافت حسین منظر کشی کے ساتھ دلکش سماں باندھتی ہے اور ماہر کی شاعرانہ صلاحیت کی داد اور تحسین کا مطالبہ کرتی ہے۔ "ظہور قدسی" کی ابتداء اس طرح کی ہے :-

سحر کا وقت ہے معصوم کلیاں مسکراتی ہیں
ہوائیں خیر مقدم کے ترانے گنگناتی ہیں
مئے عشرت چھلکتی ہے ستاروں کے کٹوروں سے
ابلتی ہے شراب خلد مٹی کے سکوروں سے
پسینہ شادمانی سے ہے پھولوں کی جبینوں پر
بطوں کا دیدنی ہے رقص تالابوں کے سینوں پر

چمن میں ہر طرف شبنم کے موتی جھلملاتے ہیں
نسیم صبح کے جھونکے دلوں کو گدگداتے ہیں
کھُبی جاتی ہے آنکھوں میں گل ولالہ کی رعنائی
کہ جیسے درحقیقت خاک پر جنت اتر آئی [۵۱]

اس انداز کے اشعار کئی ہیں۔ جن میں شادمانی اور مسرت کی بہار نہایت حسن و خوبی سے دکھائی ہے کہ ہر بار پڑھنے میں نیا لطف آتا ہے۔ پھر ولادت باسعادت کا بیان ہے جس کے اشعار یہ ہیں :۔

ازل کی صبح آئی جلوۂ شام ابد بن کر
کیا ہستی کے محور پر جہاں نے آخری چکر
زمانہ کی فضا میں انقلاب آخری آیا
نچھاور کر دیا قدرت نے سب فطرت کا سرمایا
ابھی جبریل اترے بھی نہ تھے کعبہ کے منبر سے
کہ اتنے میں صدا آئی یہ عبداللہ کے گھر سے
مبارک ہو شہ ہر دوسرا تشریف لے آئے
مبارک ہو محمد مصطفےٰؐ تشریف لے آئے [۵۲]

حضورؐ کی تشریف آوری کا مژدہ سنا کر شاعر حسب معمول آپؐ کے اوصاف کا بیان مسلسل کرتا ہے اور یکے بعد دیگرے ظہور قدسی کی برکات کو گنتا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کی ذات رحمۃ للعالمین بن کر نظام عالم کے پراگندہ گیسوؤں کو سنوارنے کا باعث ہوئی۔ لہٰذا اسی مناسبت سے آپؐ کی

---

۵۱ ذکر جمیل ؛ صفحات ۳۶، ۳۷ ۵۲ ذکر جمیل ؛ صفحہ ۳۹۔

مدح میں مضامین بھی نظم کیئے ہیں۔

وہ آئے جن کی ٹھوکر پہ نچھاور سطوت دارا
وہ آئے جن کے آگے سرد ہو باطل کا انگارا
وہ آئے جن کی آمد ظلم کو پیغام بربادی
وہ آئے جن کا آنا دہر کو اعلان آزادی
وہ آئے جن کا آنا باعث الطاف یزداں تھا
وہ آئے جن کی پیشانی کا ہر خط شرح قرآں تھا
وہ آئے جن کے آنے کو گلستاں کی سحر کہیئے
وہ آئے جن کو ختم الانبیاء، خیر البشر کہیئے[۱]

۵۔ ماہر نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے صرف اخلاقی مضامین کے بیان ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے نعتیہ کلام میں سیاسی رنگ بھی نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔ اصل میں ماہر کے اسلامی تصورات کا خلاصہ یہ ہے کہ

"مسلمان کو دنیا کی فرمانروائی سے کم کسی چیز پر قانع نہیں ہونا چاہیئے"۔[۲]

اسی لیئے ان کے نعتیہ کلام میں جناب رسالت مآبؐ کی سیرت پاک کے وہ پہلو بھی نہایت واضح طور پر پیش کیئے گئے جو شاعر کے سیاسی نظریہ سے متعلق ہیں۔ چنانچہ ان کی نظم "حریت کاملہ کا مبلغ اعظم" ان کے کلام کی اس خصوصیت کی آئینہ دار ہے۔ حضورؐ کی بعثت سے پہلے دنیا کے استبدادی نظام کا نقشہ پیش کرنے کے بعد آپؐ کی تعلیمات کی برکات کے سیاسی نتائج کی

---

[۱] ذکر جمیل، صفحہ ۴۴۔ [۲] راقم الحروف کے نام حضرت ماہر کا خط موصولہ ۲۶ فروری سنہ ۱۹۵۵ء۔

تصویر کشی اس طرح کی ہے :-

فضا غلامی کی کانپ اٹھی اک انقلاب آگیا جہاں میں
امارتوں کی بلندیوں نے جھکا ہی دیں خاک پر جبینیں
جھکی اخوت کے آستان پر مداین و نینوا کی سطوت
اتر گیا چشم خودسری سے خمار صہبائے قیصریت
گزر گیا حریت کا طوفان غرور و نخوت کی چوٹیوں سے
ابھر کے پہنچیں بلندیوں پر غلام اقوام پستیوں سے
حبیب حق کے نثار جاؤں بدل دیا یوں نظام دنیا
کھڑے کئے ایک صف میں لاکر امیر و مفلس غلام و آقا
بدل گئیں نغمہ طرب سے ستم رسیدوں کی آہ و شیون
کئے گئے عرصہ جہاں میں اصول جمہوریت[1] مدون
سلام اے حریت کے داعی سلام اے رحمت مجسم
سلام اے مرکز اخوت سلام اے رحمت دو عالم[2]

در اصل ماہر کی نعتیہ شاعری کا یہ رنگ اس دور میں مسلمانان ہند کے عام سیاسی رجحانات کا آئینہ دار ہے ۔ اس کی مثالیں ہم مولانا ظفر علیخاں کے کلام میں زیادہ پاتے ہیں۔ ساتھ ہی اسلامی فکر و نظر پیدا کرنے میں دور حاضر کے جو شعراء علامہ اقبال کی شاعری سے نہایت متاثر ہوتے ہیں ان میں ماہر امتیازی درجہ رکھتے ہیں ۔

مختصر یہ کہ داخلی جذبات کی لطافت، حکیمانہ مضامین کا عام فہم بیان،

---

[1] قرآنی حکومت (ذکر جمیل فٹ نوٹ صفحہ ۶۷) [2] ذکر جمیل صفحہ ۶۷ ۔

تشبیہ و استعارات کی سادگی، زبان کی صفائی، سلاست، روانی اور شگفتگی بحروں کی ترنم ریزی اور جاندار الفاظ اور ترکیبوں کی جاذبیت سے ماہر نے اپنے کلام کو دلآویز اور پراثر بنا کر پیش کیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری وابستگی اور محبت ان کا جزو ایمان ہی نہیں بلکہ اصل ایمان بن گئی ہے۔ ساتھ ہی شاعر کی ہوش مندی عبد و معبود اور غلام و آقا کے حدود کو بھی پہچانتی ہے۔ اسی لئے والہانہ انداز بیان کے باوجود ان کے کلام میں بے اعتدالی کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی، معاشی اور اخلاقی بحران کے شدید احساس نے ماہر کو حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے ابھارا ہے جو ان کی دانست میں مسلمانوں کے لئے بالخصوص اور سارے عالم کے لئے بالعموم اصلاح حال کا باعث ہو سکتے ہیں۔ ان کے دل و دماغ پر یہ خیال کچھ اس طرح چھایا ہوا ہے کہ نعت کی کوئی لَے اس مضمون سے خالی نہیں ہے۔ اس لحاظ سے ماہر کا شمار ان نعت گو شعراء میں ہے جنھوں نے نعت کو بحسن و خوبی اصلاح حال کے لئے استعمال کیا اور اس طرح نعتیہ ادب میں اپنے لئے ایک ممتاز مقام پیدا کر لیا۔

نور جہاں بیگم نورؔ

محترمہ نور جہاں بیگم نورؔ عارف پور نوادہ نامی بستی میں سنہ ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد چودھری اساس الدین وہاں کے رئیسوں میں سے تھے۔ بچپن ہی میں والد کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت نور صاحبہ چار سال کی تھیں ان کی بہن محترمہ رسول جہاں بیگم بیدلؔ کی عمر دو سال کی تھی اور بھائی چار ماہ کا تھا۔ والد کے انتقال کے تین سال بعد بھائی کا بھی انتقال ہو گیا۔ شادی ڈاکٹر امیر حسن صدیقی سے ہوئی تھی۔ جو مسلم یونیورسٹی میں تاریخ اسلام کے پروفیسر تھے۔ اور اب کراچی میں ہیں۔ محترمہ نورؔ کی شاعری کے متعلق ڈاکٹر عندلیب شادانی کی رائے ہے۔

"بہت اچھی شاعرہ ہیں .... نظم کہتی ہیں اور خوب کہتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کی طرح مضبوط کہنے والی خواتین دورِ حاضرہ میں کم ہیں"۔[1]

شاعرہ کے کلام میں درد سوز اور اثر ہے۔ جذبات کی فراوانی ہے۔ یہ لازمی نتیجہ ہے محترمہ کی زندگی کے المناک حالات کا۔ لیکن مذہبی جذبہ تسلیم و رضا کی بے پایاں قوت عطا، کئے ہوئے ہے۔ محترمہ کے کلام سے ان کی اسلامیت ہر جگہ جھلکتی ہے۔ قومی اور مذہبی جذبات کی ترجمانی میں مختلف عنوانات سے مضامین قلم بند کئے ہیں۔ ان میں نعت کے مضامین بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مضمون کو ایک نئے انداز میں پیش کیا ہے۔ نظم کا عنوان ہے۔ "قدرت کا پیغام خورشید رسالت کے نام"۔

---

[1] تذکرہ شاعرات اردو: صفحہ ۱۵۷۔

جب ختم نبوت کے ستاروں کا ہوا کام
خورشید رسالت کو دیا حق نے یہ پیغام

آدم کے سفینے پہ ہے ابلیس کا قبضہ
گرداب کہ بیڑے کو ڈبو دے نہ بد انجام

پوشیدہ تن کعبہ میں اب روح بتاں ہے
یزداں کی جگہ جلوہ کناں پیکرِ اصنام

بالکل ہی مجھے بھول گئی فطرت انساں
اب اور ہی کچھ ہو گئے ان کے سحر و شام

اے دوست نکل پردے سے اور بزم جہاں دیکھ
خلوت کا نہیں وقت یہ جلوت کا ہے ہنگام

تنویرِ نظر بن کے ہر اک دل میں سما جا
چمکا مری دنیا کے سب ایوان و در و بام

آفاق سے ظلمات کے لشکر کو بدل کر
عشاق جہاں کی شب ہجراں کو سحر کر

ہر شخص کا سر پھر مرے سجدے کو جھکا دے
پھر خالق و مخلوق کے رشتہ کو ملا دے

دروازے سے مندر کے برہمن کو اٹھا کر
لا کعبہ میں اور زینت محراب بنا دے

قشقہ کی جگہ سجدۂ خالق کا نشاں ہو
پیشانیِ آدم کو پھر اگلی سی ضیا دے

کر غرق تو سرمایہ پرستی کا سفینہ
تابندہ ہو مزدور کی قسمت کا نگینہ

انجم نے سرِ چرخ سے مژدہ یہ سنایا
خورشید رسالت افقِ دہر پہ آیا

خالق نے اسے رخصتِ تنویر عطا کی
وہ مہر مبین برج شرف سے نکل آیا

آئینہ ایام میں چمکا مہِ قدرت
توحید نے رنگ رخ تثلیث اڑایا

تاباں ہوا وہ نورِ الٰہی جو زمیں پر
کہنے لگی ہے چرخ سے افضل مرا پایا

آمد جو ہوئی مرکبِ محبوبِ خدا کی
اک دھوم مچی صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ کی[1]

شاعرہ کے کلام میں علامہ اقبال کی شاعری کا اثر نمایاں ہے اس لئے جذب، کیف اور اثر پایا جاتا ہے۔ لفظوں اور ترکیبوں کا استعمال بھی کلام میں جان پیدا کر دیتا ہے۔ ان کی دیگر نظمیں شب عاشورہ، اسلام، مسلم سے خطاب وغیرہ بھی انھیں خصوصیات کی حامل ہیں۔

---

[1] تذکرہ شاعرات اردو: صفحات ۲۵، ۲۶، ۲۷۔

محترمہ انیسہ ہارون شروانیہ

محترمہ انیسہ ہارون، حاجی مولوی محمد یونس خاں صاحب شروانی رئیس دتاولی ضلع علی گڑھ کی بیٹی ہیں اور نواب سر مزمل اللہ خاں صاحب رئیس بھیکم پور کی حقیقی بھانجی ہیں۔ اس طرح موصوفہ ایک اور نعت گو شاعرہ زاہدہ مرحومہ کی پھوپی کی بیٹی ہوئیں (زاہدہ کے نعتیہ کلام پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔) آپ کے دادا حاجی فیض احمد خاں صاحب شروانی مہاجر مکی علوم دینیہ کے نہایت فاضل بزرگ گزرے ہیں۔

محترمہ انیسہ بیگم کی تعلیم کسی مدرسے میں نہیں ہوئی۔ مولوی محمد یعقوب صاحب سے گھر ہی پر تعلیم حاصل کی۔ حدیث، فقہ اور تفسیر اپنے والد سے پڑھی۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں آپ کی شادی آپ کے چچا زاد بھائی پروفیسر ہارون خاں شروانی سے ہوئی۔ شادی کے بعد حیدر آباد آگئیں۔ سنہ ۱۹۲۸ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ سنہ ۱۹۳۸ء میں آپ نے مغربی ممالک کا سفر بھی کیا۔ شاعری میں کسی سے تلمذ حاصل نہیں ہے۔ حقیقت میں محترمہ کی شاعری ان کے سفرِ حج کا تحفہ ہے۔ کلام کیا ہے دیارِ حبیبؐ کے ذکر میں جذبات کی ترجمانی ہے۔ محترمہ انیسہ کے کلام کا مجموعہ انیسیات کے نام سے شائع ہوا ہے جو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ دورِ اول، دورِ ثانی اور دورِ حاضر۔ اس مجموعہ کلام کے شروع صفحات میں تقریب کے طور پر حضرت کیفی چڑیا کوٹی نے ان کے کلام پر مختصر تبصرہ بھی کیا ہے۔

محترمہ انیسہ نے مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے جو زیادہ تر اخلاقی اور مذہبی ہیں۔ ان کے کلام میں نعت کا حصہ بہت زیادہ ہے۔

شاعرہ نے توحید کے بیان میں بھی نعتیہ مضامین کو شامل کیا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ محترمہ انیسہ کی شاعری کا محرک بھی یہی ذکر نبیؐ ہے۔ اس کا اعتراف اور اقرار شاعرہ نے اپنے مجموعے کے سرورق پر اس طرح کیا ہے :-

شعر کی مشق بڑھی عشق نبیؐ کی دھن میں
فیض کس کا اسے سمجھوں جو خداداد نہیں

حمد اور وحدت کے نغموں کے بعد شاعرہ "جادۂ دیار حبیبؐ" میں پہنچتی ہے۔

مجھے تو نے یارب مدینہ دکھایا | سنہری کلس سبز قبہ دکھایا
سفر میں مدینے کے منزل بہ منزل | ان آنکھوں کو قدرت کا نقشہ دکھایا
صفت جن کی آئی "عزیز علیہ" | انھیں حق نے اپنا پیمبر بنایا
سزاوار ہو مجھ کو یارب یہ الفت | مدینے کے ساجن سے ہے دل لگایا

شاعرہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا رشتہ جوڑ کر اپنے کلام میں والہانہ کیف، جذب اور شوق کے ساتھ تغزل کا رنگ پیدا کیا ہے۔ انیسہ کے کلام کی یہ بڑی خصوصیت ہے کہ جہاں وہ بارگاہ نبوت کے جلال سے سہمی سہمی با ادب خطاب کے لئے زبان کھولتی ہیں وہاں بیباکانہ عشق نبیؐ کا دعویٰ بھی کر جاتی ہیں۔ الفاظ کے استعمال میں احتیاط سے ضرور کام لیا ہے، لیکن مضمون وہی ہے جسے خالص تغزل سے تعبیر کریں گے۔ اس رنگ کے چند شعر ملاحظہ کیجیے۔

جب مرقد حبیبؐ سے آنکھیں ہوئیں دوچار | ہاتھوں سے دل کو تھام لیا اور آہ کی
اس درجہ اشکبار کیا یاد ہجر نے | صورت نہ جسم و جاں میں ہی کچھ نباہ کی

ہ؎ انیسات: صفحہ ۲۹۔

ترستی ہیں مری مہجور آنکھیں ۔۔۔ مچلتے ہیں میرے ارمان محمدؐ[۵۱]

کیا ہجر نے مجھ کو بیمار دیکھو ۔۔۔ تڑپتا ہے ہر دم دل زار دیکھو
جہاں میں کسی سے نہیں پیار دیکھو ۔۔۔ فقط ہوں تمہاری طلب گار دیکھو[۵۲]

شاعرہ کے انتہائی خلوص اور محبت کی وجہ سے بیتابی اور بیقراری کے مضامین به کثرت پائے جاتے ہیں :۔

مجھے یاد فرما رہے ہیں دوبارہ ۔۔۔ مقدر کا چمکا ہے شاید ستارہ
وہ انوار باری وہ دربار احمدؐ ۔۔۔ ان آنکھوں سے دیکھوں گی پھر یہ نظارہ
کروں میں اگر نالۂ ہجر نبیؐ میں ۔۔۔ فلک پر پہنچ جائے بن کر شرارہ[۵۳]

خواب میں جلوہ دکھلاتے کیوں نہیں ۔۔۔ بے کلی دل کی مٹاتے کیوں نہیں
پر خطا ہوں یا محمد مصطفےٰؐ ۔۔۔ اپنے دامن میں چھپاتے کیوں نہیں[۵۴]

نالۂ فراق کی بے قراری بھی دیدنی ہے :۔

آج پہلو میں ہمارے دل ناشاد نہیں
کس کو دے آئے کہاں بھول اٹھے یاد نہیں
مہر بر لب ہوں مجھے طاقت فریاد نہیں
کچھ بھی رٹنے کے سوا بار خدا یاد نہیں

---

۵۱ انیسات : صفحہ ۷۹ ۔ ۵۲ انیسات : صفحہ ۸۱ ۔
۵۳ " : " ۸۳ ۵۴ " : " ۱۸۷ ۔

سحر عید میں یہ شام محرم کیسی
لذت اندوز ہوا بھی دل ناشاد نہیں
خلش خار مغیلاں میں مزہ آتا ہے
دہ خور شوق گل و گلشن و شمشاد نہیں
کیسے جاؤں کہ محمدؐ سے زیادہ محبوب
ماں نہیں باپ نہیں شوہر و اولاد نہیں[51]

انیسہ نے آخری شعر میں بے قراری کے بیان کے ساتھ حدیث شریف کے اس مضمون کو ادا کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ " لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین "

محترمہ انیسہ کے کلام میں سوز و گداز جذب اور شوق کے علاوہ سادگی، روانی، بے ساختگی اور برجستگی بھی پائی جاتی ہے۔ موصوفہ بحروں اور الفاظ کے انتخاب میں اپنے اعلیٰ شاعرانہ حسن مذاق کا ثبوت دیتی ہیں۔ ان کا کلام ترنم ریز اور اثر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ نمونتاً چند اشعار اور پیش کیے جاتے ہیں جن سے کلام کی ان خصوصیات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

گلشن عالم میں وہ جان بہار آ ہی گیا
بوٹے بوٹے پتہ پتہ پر نکھار آ ہی گیا
حضرت عیسیٰ نے دی جسکی نبوت کی نوید
چشم موسیٰ کو تھا جس کا انتظار آ ہی گیا
جسکی خدمت میں سلاطین زمن دینگے خراج
فقر کے ملبوس میں وہ تاجدار آ ہی گیا
میں نہ بھولوں گی کبھی احسان تیرا اے حبیب
تجھ سے دل کی بیقراری میں قرار آ ہی گیا

حضورؐ کی ثنا میں شاعرہ کی خوش گفتاری کا ایک اور نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

---

[51] انیسیات، صفحہ ۳۳، ۳۴۔ [52] انیسیات : صفحہ ۸۴، ۸۵۔

مرے پیش نظر ہیں روز و شب جلوے محمدؐ کے — دو عالم سے کیا فارغ نشین صدقے محمدؐ کے
محمدؐ حکمراں ہیں مرد مومن کے دل و جان پہ — نہیں منظور ہفت اقلیم بھی بدلے محمدؐ کے
نہیں جائے تعجب جاں نثاری ہم غلاموں کی — کہ ہنستے ہیں لب اغیار پہ چرچے محمدؐ کے[1]

داخلی جذبات کے اظہار کے علاوہ محترمہ انیسہ کے کلام میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا بیان بھی ملتا ہے۔ نمونۂ کلام پہ مصرعۂ طرحی

"محمدؐ سرور کون و مکاں ہے"

محمدؐ سرور کون و مکاں ہے — محمدؐ افتخار انس و جاں ہے
محمدؐ رہنمائے گمرہاں ہے — محمدؐ چارۂ بیچارگاں ہے
وہ صادق معترف تھے جسکے دشمن — وہ ناطق جس کی الہامی زباں ہے
وہ موصوفِ علیٰ خُلقٍ عظیم — یہ خود خلاق عالم کا بیاں ہے
وہ محبوب دو عالم جسکی شہرت — زمیں سے تا بہ ہفتم آسماں ہے[2]

اصلاحی نعت گوئی کی بڑی خصوصیت یہ ہونی چاہیے کہ زمانے کی چارہ سازی کے لئے حالات کے لحاظ سے اسوۂ محمدیؐ کو پیش کیا جائے۔ مولانا حالی اور ان کے رنگ کے دیگر شعرا کے یہاں یہ خصوصیت نمایاں ہے۔ محترمہ انیسہ کے یہاں بھی اس رنگ کے اصلاحی مضامین پائے جاتے ہیں۔

بےکسوں کا سہارا محمدؐ — درد مندوں کا چارا محمدؐ
دلنشین و دل آرا محمدؐ — نام کتنا ہے پیارا محمدؐ[3]
مژدہ "فخری" سنایا — حوصلہ مفلسوں کا بڑھایا
فرق شاہ و گدا سب مٹایا — سب کو آپس میں بھائی بنایا[4]

---

[1]، [2] انیسیات : صفحہ ۸۰، ۸۱ ۔ [3] انیسیات : صفحہ ۱۲۲
[4] " : " ۱۲۳ ۔

پنڈت بال مکند عرش ملسیانی

نام بال مکند، تخلص عرش ہے۔ ادبی دنیا میں عرش ملسیانی کے نام سے مشہور ہیں۔ تاریخ پیدائش ۲۰ ستمبر سنہ ۱۹۰۸ء ہے۔ آپ کے والد جوش ملسیانی مشہور شاعر اور ادیب ہیں جن کی تصنیفات میں "حزن و ہوش"، "مجموعہ کلام" اور "شرح دیوان غالب" مشہور ہیں۔ جوش تلامذہ داغ میں سے ہیں۔

عرش کو بچپن ہی سے شعر گوئی کا شوق رہا۔ پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ اوورسیر کی ٹریننگ حاصل کی اور نہر کے محکمے میں ملازم ہو گئے۔ طبیعت شاعرانہ پائی ہے لہٰذا غیر ادبی ماحول میں نباہ کی صورت نظر نہ آئی۔ ایک سال کی مدت میں تین بار ملازمت ترک کی۔ آخر اس محکمے سے قطع تعلق کر لیا۔ اس کے بعد ایک صنعتی مدرسے میں بارہ سال تک مدرس رہے۔ پھر حکومت ہند کے دفتروں میں ملازمت اختیار کی۔ سنہ ۱۹۴۸ء میں ماہنامہ "آج کل" سے منسلک ہو گئے اور نائب مدیر کی حیثیت سے کارگزار ہیں۔

عرش کو شاعری میں کسی سے تلمذ حاصل نہیں رہا۔ والد یعنی جوش ملسیانی کا فیضان ظاہر ہے۔ طبیعت میں سادگی اور خلوص پایا جاتا ہے۔ نمائش کو دخل نہیں ہے۔ چنانچہ راقم الحروف کے نام ایک خط محررہ ۲۳ر مارچ سنہ ۵۵ء میں لکھتے ہیں:-

"ہندو پاکستان کے مشاعروں میں شرکت کی ہے۔ ریڈیو پر بے شمار تقریریں ڈرامے اور فیچر نشر ہوئے ہیں۔ ادبی مجلسوں کی صدارت کی ہے۔ طبیعت زیادہ نمائش کی قائل نہیں۔ اس لئے اب سوچ رہا ہوں کہ مشاعروں میں جانا ترک کر دوں۔"

اُردو کی خدمت عرش کا مقصد زندگی بن گیا ہے۔ چنانچہ اسی خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"اردو میرا اوڑھنا بچھونا ہے اور اسی کے لئے زندگی وقف کر رکھی ہے۔"

اردو ادب کی امتیازی خصوصیات میں اس کا یہ پہلو نہایت درخشاں ہے کہ جہاں اس زبان کو دیگر حیثیتوں سے مالا مال کرنے میں مسلم اور غیر مسلم دونوں کا ہاتھ رہا ہے وہاں اس کی مذہبی شاعری کو وسعت دینے میں بھی دونوں دوش بدوش رہے ہیں۔ اردو ادب نے ایسے شاعر ایک دو نہیں سینکڑوں پیدا کئے جنھوں نے تعصب اور مذہبی حد بندیوں سے بلند ہو کر جب بھی اور جہاں بھی حسن و خوبی کا مشاہدہ کیا اپنے حسن تخیل میں اسے ضرور بسایا اور اس سے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار بھی کیا۔ شاعر کی فطرت اگر حسن و جمال کی فدائی ہے تو ہم یہ فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے شعراء صحیح شعری کیفیتوں کے حامل ہیں۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قصیدہ خوانی میں ہم کچھ متبعین رسولؐ ہی کی خصوصیت نہیں پاتے بلکہ اس میں ان حضرات کی عقیدت مندانہ کاوش کی پر کیف مثالیں بھی ملتی ہیں جو بظاہر مذہبی رشتہ کے واسطے سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ نہیں ہیں اس سے پہلے اس رنگ کے چند نعت گو شعراء کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب ہم دورِ حاضر کے ایک نعت گو شاعر کا تذکرہ کریں گے جس نے اپنی استادانہ معقولیت، اپنے پاکیزہ اور پرخلوص اندازِ بیان، اپنے بلند مطمحِ نظر اور بالآخر گرمی اور نرمی کے امتزاج سے دورِ حاضر کے شعرا میں اپنا مقام پیدا کر لیا ہے۔ ہمارا مطلب حضرت عرش ملسیانی سے ہے۔

عرش کے نعتیہ کلام کا مجموعہ "آہنگ حجاز" (مطبوعہ سنہ ۱۹۵۳ء) جملہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا

پیش لفظ اور آخر میں قدسی کی نعتیہ غزل بھی شامل ہے۔

عرش اپنی شاعری کی داد جوش ملیح آبادی، مولانا نیاز فتحپوری اور پروفیسر رشید احمد صدیقی جیسے سخن فہموں سے حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے کلام کے دو مجموعے "ہفت رنگ" اور "چنگ و آہنگ" ان کی کار آگہی پر شاہد ہیں۔ ان کے علاوہ مزاحیہ مضامین کا ایک مجموعہ "پوسٹ مارٹم" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

زیر نظر کتابچے میں عرش کے ان جذبات کا اظہار ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے شاعر کے خلوص کا نتیجہ ہیں۔ اس میں ان کی جملہ دس نعتیہ غزلیں شامل ہیں۔ یوں ضخامت کے لحاظ سے دس غزلیں کوئی خاص وزن نہیں رکھتیں لیکن اس کی معنوی حیثیت نہایت گراں قدر ہے اس لئے نہیں کہ یہ کلام حضورؐ کے ایک ایسے عقیدت مند کا ہے جس کی پیدائش مسلم گھرانے میں نہیں ہوئی بلکہ اس بنا پر کہ عرش کے بے پایاں خلوص کے علاوہ ان کے کلام کے شعری محاسن انھیں مستقل نعت گو شعراء کی صف میں جگہ دیتے ہیں۔

عرش کے نعتیہ کلام کی پہلی خصوصیت اس کا خلوص ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جگہ جگہ اپنی نیازمندانہ وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ بارگاہِ نبویؐ میں سجدہ ریزی کی تڑپ شاعر کی داخلی کیفیت کی آئینہ دار ہے۔ عرش اسے مقدر کی سازگاری سمجھتے ہیں۔ اگر محبوب خدا کے سایۂ رحمت میں جگہ نصیب ہو۔

اے عرش در محبوب خدا ملجا ہو مقدر الونکا　　　کٹتے ہیں تصور میں اپنے گو صبح و شام مدینے میں[۵۱]

۵۱۔ آہنگ حجاز، صفحہ ۱۶۔

شاعر کی پُر آشوب تمنا اور بارگاہِ رسالت سے امیدواری کی آشفتہ حالی شعر کو لطافت اور اثر بخشتی ہی :-

در محبوب پر سجدہ اگر اک بار ہو جائے
دل پر آرزو سرچشمۂ انوار ہو جائے
تجلی عام ہو اور واردا اسرار ہو جائے
جبین دل جو نقش آستان یار ہو جائے
مری کشتی ہے میں ہوں اور گرداب محبت ہے
جو وہ ہوتا خدا میرا تو بیڑا پار ہو جائے
جو وہ چاہے تو مجھ کو اک نظر سے زندگی بخشے
جو وہ چاہے تو بخت خفتہ بھی بیدار ہو جائے
ترے پینے کو مے آیا کرے گی عرش اعظم سے
مئے عشق محمدؐ سے جو تو سرشار ہو جائے[۱]

عرش ثنائے محمدیؐ کے لئے اکثر چھوٹی چھوٹی ترنم ریز بحریں اختیار کرکے بیان میں روانی پیدا کرتے ہیں اور کیف آور موسیقیت کا سماں باندھتے ہیں۔ مضمون کی شگفتگی اور الفاظ کی صوتیت سننے والے کے لئے مزید لطف کا سامان کرتی ہے -

معطر فضا مست ساری خدائی   صبا مشک افشاں مدینے سے آئی
غنیمت ہے قرب نبیؐ کی یہ صورت   وگرنہ کہاں ہم میں تاب جدائی
یہ امی پیمبرؐ کا جوشِ فصاحت   بشر کی یہ شان حقیقت نمائی

۱ؔ آہنگ حجاز : صفحہ ۱۷، ۱۸-

وہی نورِ نور آفریں ہر جگہ ہے — عرب میں ہوئی جس کی جلوہ نمائی
امید شفاعت پہ جیتا رہا ہوں — مری عمر بھر کی یہی ہے کمائی

چل اے عرشؔ ہو تو مدینہ کا عازم
نہیں راس دنیا کی ہنگامہ زائی[51]

ذیل کی مثال میں جمال محمدیؐ کا نقشہ عرشؔ کے کلام کی سلاست، روانی، بے ساختگی، جذب، کیف اور خلوص کا حسین مرقع ہے۔ شاعر کا فکر جمال عالم افروز سے مسحور ہو کر کیف انگیز تاثرات نہایت لطیف انداز میں پیش کرتا ہے۔

رخ مصطفےٰؐ کا جمال اللہ اللہ — زباں کا وہ حسن مقال اللہ اللہ
نگاہوں پہ جادو دلوں پر تسلط — جمال اللہ اللہ جلال اللہ اللہ
جہاں کے لئے مژدہ عید عرفاں — عرب کے فلک کا ہلال، اللہ اللہ
جہاں ذکر احمدؐ سے لبریز مستی — سرور مئے وجد، وحال اللہ اللہ
یہ نور ہدایت یہ تفسیر وحدت — عمل سے بھی افضل خیال اللہ اللہ
اتر آئے خود عرش و کرسی سے جلوے — نبوت کا اوج کمال اللہ اللہ[52]

حضرت عرشؔ کے کلام میں صرف کیف و مستی ہی کا اظہار نہیں ہے بلکہ حضورؐ کے اوصاف کا بیان بھی ملتا ہے۔ اس میں داخلی کیفیت کی آمیزش سے کلام کی دلآویزی نہایت لطیف پیرایہ اختیار کر لیتی ہے۔ اس کی اچھی مثال مندرجۂ ذیل اشعار میں ملتی ہے۔

حامل جلوۂ ازل پیکر نور ذات تو — شان پیمبری سے ہے سرور کائنات تو
فیض عمیم سے ترے قلب و نظر کی وسعتیں — مومن حق پرست کا حوصلہ نجات تو

---

[51] آہنگ حجاز: صفحہ ۱۹، ۲۰۔ [52] آہنگ حجاز: صفحہ ۱۳، ۱۴۔

تیرے عمل کے درس سے گرم ہے خونِ ہر بشر | حسن نمودِ زندگی رنگِ رخِ حیات تو
عقدہ کشائے این و آں نور فزائے ہر مکاں | قبلۂ اہلِ دل ہے تو رونقِ شش جہات تو
شانِ بشر کا منتہا خالقِ دہر کا حبیب | مردِ خدا پرست کا آئینۂ حیات تو[۵۱]

عرش کی نعت گوئی پرخلوص، پر اثر اور پر مغز شعری دلآویزیوں سے مالا مال ہے۔ وہ اپنے کلام کو باطنی کیفیت سے جاندار بنا کر روح کی تازگی کا سامان کرتے ہیں۔ وہ منتخب الفاظ اور دلکش ترکیبوں سے مضمون کو دلنشین بنا دیتے ہیں۔ عرش کا اعلیٰ مذاق شاعری ان کے کلام میں وہ سارے محاسن پیدا کر دیتا ہے جو ایک صداقت پسند اور حقیقت شناس شاعر کے کلام میں فطری طور پر ہونے چاہئیں۔ ان کے نعتیہ کلام کی انہی خصوصیات کی بناء پر مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی اس رائے سے ہمیں اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ "مسلموں اور غیر مسلموں کو ملا کر بھی جو مختصر فہرست منتخب نعت گو شعراء کی تیار کی جائے گی یقین ہے کہ ذوقِ سلیم اس میں بھی ایک جگہ ان کے لئے مخصوص رکھے گا۔"[۵۲]

۵۱؎ آہنگ حجاز: صفحہ ۱۰۹۔

۵۲؎ دیباچہ آہنگ حجاز: صفحہ ۸۔

محترمہ رسول جہاں بیگم بیدل

محترمہ بیدل سنہ ۱۹۰۳ء میں عارف پور نوادہ کے متمول خاندان میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام چودھری اساس الدین تھا۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئیں۔ ڈاکٹر رفعت حسین صدیقی ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (علیگ)، ڈی۔ فل (آکسن) آپ کے شریک حیات ہیں۔ تعلیم خانگی طور پر گھر کی چار دیواری ہی میں حاصل کی۔ شعر و شاعری سے مناسبت شروع عمر ہی سے رہی۔ بیدل اپنی بہن نور کی طرح موجودہ دور کی ممتاز شاعرات میں شامل ہیں۔ ان کا کلام تمام تر قومی اور مذہبی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ سرور کائنات ہادی عالم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت محترمہ کا ایمان ہے اور حقیقت میں یہی جذبہ ایمان کی کسوٹی بھی ہے۔ شاعرہ کے فکر کا سارا پیچ و تاب اسی شمع محمدی کے عشق کا نتیجہ ہے۔ رسالت مآبؐ سے اس وابستگی کا اظہار بیدل نے شعر و سخن کے ذریعے نہایت خوبی سے کیا ہے۔ کلام میں جذب کیف خلوص اور ذات والا سے امیدواری کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ قرآن اور حدیث کے مضامین نعت اور دیگر نظموں میں بلا تکلف باندھے ہیں جس سے اسلامی ادب کے وسیع مطالعے کا پتہ چلتا ہے۔ نعتیہ مسدس کے چند بند بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں:۔

وہ رسول ہاشمی والا نسب عالی جناب　　　مظہر نور خدا برج شرف کا آفتاب
رحمۃ للعالمین جسکو دیا حق نے خطاب　　　وہ شہ امی لقب اور صاحب ام الکتاب

رونق بزم جہاں وہ گلشن قدرت کا پھول
باعث تخلیق عالم جس کی ہر شان نزول

جس نے باطل کے سفینے کو ڈبویا وہ رسولؐ　　　جس نے کفر و جہل کی ظلمت کو کھویا وہ رسولؐ

امت عاصی کی خاطر جو نہ سویا وہ رسُولؐ　　پیش خالق رات بھر سجدہ میں رویا وہ رسُولؐ

جس نے اپنے خوں سے سینچا گلشن اسلام کو
کر دیا روشن زمانے میں خدا کے نام کو

نور یزداں سے منور جسکی ذات پاک ہی　　عطر عرفان سے معطر جسکی ذات پاک ہے
خلق کی حامی و یاور جسکی ذات پاک ہی　　قاسم تسنیم و کوثر جسکی ذات پاک ہے

جس کی چشم لطف ہے غم خوار ہر دلگیر کی
جس کے در کی خاک میں تاثیر ہے اکسیر کی

وہ مجسم رحم لیکن ظالموں پہ سخت گیر　　جس کی شان پاک میں آیا بشیر اور نذیر
مالک کونین اور لذت کش نان شعیر　　بہترین خلق لیکن بندہ رب قدیر

فقر شاہی کو ہے نازش جسکی ذات پاک پر
عرش پر جس کے قدم لیکن جبین ہی خاک پر[۱]

غزل کا رنگ یہ ہے :-

مہکا وہ گل لولاک لما جب یثرب کے گلزاروں میں
توحید کی نکہت پھیل گئی تثلیث کے سارے اداروں میں

عالم سے جہالت دور ہوئی دنیا سے جفا کافور ہوئی
مندر میں اذاں کا شور ہوا تھی توبہ کی صدا میخواروں میں

وہ دولت سر خفی و جلی جو طیبہ کی گلیوں میں لٹی
ارباب ہوس کو وہ نہ ملی سلطانوں کے دباروں میں

اے ابر سخاہاں جھوم کے آ ہے شور عطش پیاسوں میں بپا
اے جان مسیحا چشم کرم اب تاب نہیں بیماروں میں

۱؎ تذکرہ شاعرات اردو : صفحہ ۷۷۹ ، ۷۸۰ -

جو رنگ جہاں میں ظہور کل ہے صدقہ یہ اسی کے نور کا ہے
ہے اس کی تجلی تاروں میں ہے اس کی مہک گلزاروں میں

سرسبز ہوا گلزار جہاں فیضان سحاب رحمت سے
پھولوں کا تو بیدل ذکر ہی کیا باقی نہیں سختی خاروں میں[۱]

"یثرب کے جانے والے" کے عنوان سے جو مسدس محترمہ نے لکھا ہے اس میں شوق، تڑپ آشفتگی اور دیار حبیبؐ کی زیارت کے لئے بے کلی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں خلوص اور محبت کا پتا دیتی ہے۔ اس مسدس کے ۱۲ بند ہیں۔ جس میں اثر آفرینی شروع سے آخر تک پائی جاتی ہے :-

اے دیار شہ ذی جاہ کے جانے والے
خاص دربار شہنشاہ کے جانے والے
سرور خلق کی درگاہ کے جانے والے
منزل رحمت اللہ کے جانے والے
ہم سے برگشتہ نصیبوں کی خبر لیتا جا
تو سلام دل تفسیر جگر لیتا جا

ضوفشاں جب تری قسمت کا ستارہ ہوگا
سامنے مسکن محبوب دل آرا ہوگا
گنبد سبز کا جی بھر کے نظارہ ہوگا
باریابی کا سر بزم اشارہ ہوگا
اپنی رنگین بیانی میں اثر لیتا جا
تو سلام دل تفسیر جگر لیتا جا

جب ملے آہ رسا کو تیری اذن پرواز
پہنچے تقدیر تجھے لے کے سر محفل ناز
کوئی تحفہ تو نہیں لائق سلطان حجاز
مگر اک عرض ہی ناچیز کی اے بندہ نواز

---

[۱] تذکرہ شاعرات اردو : صفحات ۷۸۰، ۷۸۱۔

نذر کو چشم عقیدت کے گہر لیتا جا
تو سلام دل تفسیرہ جگر لیتا جا

آہ میں طاقت پرواز نہیں ہو نہ سہی — عشق میں جذب کا اندازہ نہیں ہو نہ سہی
نالہ تاثیر سے دمساز نہیں ہو نہ سہی — دل تجلی سے سرافراز نہیں ہو نہ سہی

میری شب کرنے کو مانند سحر لیتا جا
تو سلام دل تفسیر، جگر لیتا جا

شاعرہ کی شگفتگی کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :-

پہنچے جب سرۂ کونین کے کاشانے پر — کہیو اب روح ہے آمادہ نکل جانے پر
تنگ ہے دامن ہستی ترے دیوانے پر — دل جیا اب بہلتا نہیں بہلانے پر

خبر شیفتۂ خاک بسر لیتا جا
تو سلام دل تفسیر جگر لیتا جا

دل ہے آشفتہ طبیعت ہی فغانی میری — قلق انگیز ہے اندوہ بیانی میری
نہ کہی جائے گی تجھ سے یہ کہانی میری — خوب ہوتا جو بیان ہوتی زبانی میری

تو پئے ذکر مرا قلب و جگر لیتا جا
تو سلام دل تفسیر، جگر لیتا جا

بیدل کی نعت گوئی انھیں نہ صرف طبقہ نسواں کی نعت گو شاعرات میں منفرد حیثیت بخش رہی ہے بلکہ عام نعت گو شعرا میں ان کا یہ رنگ ممتاز ہے۔ بارگاہ رسالت میں ہدیۂ عقیدت کی رواں دواں کیفیت پرخلوص تاثیر کو لئے ہوئے اپنے محاسن میں اچھے نعت گو شعرائے کے کلام سے پیچھے اور کم درجہ نہیں ہے۔ جذبات کی ترجمانی میں جو طرز بیان شاعرہ نے اختیار کیا ہے اس کی شگفتگی قابل داد ہے۔ عقیدت کی فراوانی

ہر جگہ موجود ہے۔ اس لئے بے تابی اور بیقراری کے مضامین بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔

السلام اے شہ مکی مدنی العربی — السلام اے قرشی ہاشمی و مطلبی
السلام اے مہِ اوجِ فلکِ خوش لقبی — السلام اے گہرِ قلزمِ والا نبی

درِ آقا پہ عقیدت سے غلام آئے ہیں
ہند کے خستہ جگر بہرِ سلام آئے ہیں

لیجیے بندِ مصیبت کے اسیروں کا سلام — لیجیے یا شہ کونین فقیروں کا سلام
فاقہ مستوں کا غریبوں امیروں کا سلام — قوم کے طفلوں کا بوڑھاؤں کا پیروں کا سلام

گر سلام اپنا قبول شہ والا ہو جائے
شبِ تاریکِ مصائب میں اجالا ہو جائے[1]

اس سلام میں جو والہانہ جذبہ کار فرما ہے وہی حقیقت میں نعت گوئی کی جان ہے۔ دوسری جگہ شاعرہ نے عورتوں کی مظلومی کے بیان میں جہاں موجودہ دور کے مردوں کی شکایت کی ہے وہاں اس احسان کا بھی ذکر ہے۔ جو شریعت محمدیؐ نے اس طبقے کے ساتھ کیا ہے۔

حقیقت محمدیؐ بیدل کے دل و دماغ پر کچھ اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ نعتِ رسول جگہ جگہ ٹپک پڑتی ہے۔ دراصل یہ حبِ رسولؐ کی ترجمانی ہے جو شاعرہ کے رگ و پے میں بسی ہوئی ہے۔

"روداد نسواں" میں نعت نبیؐ۔

وہ محبوبِ خدا سردارِ عالم ہادیِ دوراں — وہ کل کی عقل پر غالب تھی جس کی عقل نکتہ داں
کفیلِ طبقۂ نسواں تھا جس کا سایۂ اماں — بنا جس کا کرم ہم بیکسوں کی زیست کا ساماں

۱؎ تذکرہ شاعرات اردو: صفحہ ۲۸۴۔

دیئے تھے جو حقوق زندگی اس پاک ہستی نے
کیے نذر فنا وہ سب تمہاری چیرہ دستی نے[1]

اس طرح مسلم سے خطاب میں محترمہ نے غیرت قومی کو پر اثر طور پر جھنجھوڑا ہے اور نہایت بلند مضامین پیدا کئے ہیں۔ ساتھ ہی نعت اور منقبت کو بھی اسی نظم میں شامل کر کے اسوہ حسنہ کی طرف بلایا ہے۔ نعت گوئی کا یہی رنگ نعت کے مقصد کو پورا کرتا ہے۔

چارہ ساز درد ملت حامل دین متین
جس کے پرتو سے ہوئی روشن عرب کی سرزمین
کی عطا حق نے جسے سرداری دنیا و دین
باعث تخلیق عالم رحمۃ للعالمین

قول الملک لکم ہے جس کے افسر کا نگین
قاب قوسین اور أو ادنیٰ کی خلوت کا مکین[2]

چھوڑ کر راہ رضائے سید ابرار کو
بھول کر عہد وفائے احمد مختار کو
پھینک کر سر سے ردائے رحمت غفار کو
محو کر کے یاد سے اسلاف کے کردار کو

روح آزادی کو پابند غلامی کر لیا
ملت اسلام کو تو نے مقامی کر لیا[3]

زندگی کا مقام شاعرہ کو فقط بارگاہ رسالت میں نظر آتا ہے جہاں ابدی حیات نو کے سامان ہوتے ہیں اور موت کی جمودی کیفیت سے نجات ملتی ہے۔ ہماری زندگی کی ساری مصیبتوں کی اصل یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نسبت ہمیں حاصل نہیں رہی۔

توڑ دے جتنے بھی ہیں اصنام باطل توڑ دے
رشتۂ الفت محمد مصطفیٰ سے جوڑ دے[4]

---

[1] تذکرہ شاعرات اردو؛ صفحہ ۷۸۷۔ [2] تذکرہ شاعرات اردو؛ صفحہ ۷۹۴۔
[3] " " " : ۷۹۴۔ [4] " " " : ۷۹۵۔

زائرِ حرم حمیدؔ صدیقی لکھنوی

راقم الحروف کے معروضے کے جواب میں جناب حمیدؔ صدیقی لکھنوی کے خود نوشت حالات حسب ذیل ہیں :-

"شاید خاکِ لکھنؤ کا اثر تھا کہ بچپن ہی سے گنگناتے اور غلط یا صحیح طور پر دوسروں کے شعروں کو طفلانہ ترنم سے پڑھنے کی عادت تھی۔ یہ ذوق بڑھتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ الٹے سیدھے شعر کہہ کر میں شعر و سخن کی محفلوں میں بھی جانے لگا اور اس طرح مشاعروں کی شرکت "سرود بستان یاد دہانیدن" میرے لئے بن گئی۔ رفتہ رفتہ اپنی خامیوں کا بھی احساس ہوا اور باقاعدہ حضرت جگر مراد آبادی مدظلہ العالی سے مشورہ سخن لینے لگا۔ چند ہی روز عرفی اور عام پسند رومانی شاعری میں گزرے تھے کہ توفیق الٰہی نے یاوری فرمائی اور یہ خیال ہوا کہ نادیدہ اور موہوم معشوق سے بات چیت کرنے کے بجائے اس محبوب ازلی کی تعریف کی جائے جو کل تو نادیدہ نہ تھا اور آج بھی خوش نصیبوں کے دلوں کی آنکھوں کے لئے نادیدہ نہیں ہے اور وہ، وہ ہے کہ جس کی دنیائے مخلوقات میں سب سے زیادہ عقیدت سب سے زیادہ محبت اور سب سے زیادہ منت پذیری کے ساتھ تعریف کی گئی ہے اور جو نام ہی کا نہیں حقیقت میں "محمدؐ" ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بخت کی یاوری دیکھئے کہ نعت میں چند ہی غزلیں کہی تھیں کہ ان کے چرچے ہونے لگے اور خود مجھے ان غزلوں کی تیاری اور فکر میں ایسی لذتِ روحانی آنے لگی جو ایک بیدار دل عابد کو عبادتوں میں آتی ہوگی۔ مگر چند ہی دنوں کے بعد نعت کا وہ میدان جس کو میں بہت وسیع سمجھے ہوئے تھا مجھے تنگ نظر آنے لگا۔ اس کے پہلے معشوق کو ظالم بے پیر اور کافر سب ہی کچھ کہنے میں

لطف آتا تھا۔ اس کوچہ کو مقتل، کربلا اور مذبح عشاق کہنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ اس کی کمر معدوم، اس کا دہن موہوم اور اس کی زلف شبگوں کا ذکر بڑے مزے لے لے کے کیا جاتا۔ واعظ کے چپت لگانا، زاہد پر مے اچھالنا اور محتسب کا سر بھی توڑنا ناجائز تھا۔ غرض غزل کی پہلی دنیا بہت وسیع ہونے کے ساتھ بہت سے قیود و احترامات سے آزاد تھی۔ لیکن اب نئے مرکز محبت اور فضائے فکر بلند کے ذکر میں ان میں سے ہر چیز حرام ہی نہیں، بھونڈی اور انملی تھی۔ ان حدود و قیود میں فکر کرتے ہوئے آگے بڑھ کر اور دشواریاں نظر آئیں۔ یعنی بہت سے نعت گو شعرائے اردو چند باادب مستثنیات کے ساتھ منقبت رسولؐ میں اتنے ہی بے قید نظر آئے جتنے کہ کسی معشوق بازاری کے ذکر میں۔ اور مشکل یہ ہوئی کہ ایسی مستانہ غزلوں کو بازاروں ہی نہیں خانقاہوں میں بھی وجد آفرین پایا۔ جن میں محبوب خداؐ کے زلف و رخسار کا ذکر عام انداز سے ہوتا دوسرے نبیوں کا ذکر حضورِ انور کے ذکر کے ساتھ مقابلتاً اس طرح ہوتا جس سے دوسرے نبیوں کی کھلی ہوئی توہین ہوتی۔

خدا کا شکر ہے کہ طبع آزاد ان جسارتوں اور گستاخیوں سے بچتی رہی، اور گویا تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں میں قلم لیتے وقت ادب و احترام اور اس سے زیادہ شریعت کے آئین کو ملحوظ رکھتے ہوئے تراوش فکر میں اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ چند ہی نظموں کی اشاعت اور اگر اجازت ہو تو مقبولیت کے بعد میرے انداز سخن کی بھی ہر حلقے سے مجھے داد ملنے لگی اور بازاروں سے نکل کر علمی و ادبی حلقوں نے میری ہمت افزائی شروع کر دی۔

مجھے اپنی علمی بے بضاعتی پر بھی ناز ہے کہ جس نے میرا رشتہ حرم نبویؐ

سے مربوط بنایا۔

بہتر تو یہ ہوتا کہ میرے متعلق آپ میرے کسی جاننے والے دوست سے پوچھ لیتے یا خود میری کتاب "گلبانگ حرم" کے ابتدائی صفحات میں ان بعض حصوں کا اقتباس کر لیتے جو حقیقت میں بے لاگ اور صحیح انتقاد کے تحت لکھے گئے ہیں۔ لیکن آپ کی محبت کے شکریہ کے ساتھ میں یہ عرض کروں گا کہ آپ نے مجھ سے خود مجھے دریافت فرما کے ایک سخت الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔ بہر حال آپ کے ہر سوال اور اس کے بعد ہونے والی ہر جرح د استفسار پر صرف اس قدر عرض کر دینا یقیناً بہت کافی ہے کہ میں "حمید صدیقی لکھنوی" ہوں۔ لفظ "صدیقی" نے میرے نسب سے آپ کو مجمل طور پر باخبر کر دیا۔ لکھنوی ہوں اس لئے شعر و شاعری کا ذوق فطری بھی واضح ہو گیا۔ "حمید" ہوں۔ حمید کے معنے آپ کو معلوم ہیں کہ پسندیدہ اور مستحق ستائش کے ہیں کسی کے قابل بننے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے سزاوار ستائش، مستحق تعریف پیدائشی حق دار حمد و منقبت کی تعریف کرتا رہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ ازلی مستحق تعریف پیدائشی حقدار حمد اور سراپا منقبت و مدحت اس دنیا میں صرف وہی انسان ہے جس کو آج بھی دنیا "محمدؐ" کہتی ہے۔

محمدؐ بگویم ترا یا محمدؐ　　　　　که وصف تو بیرون زامکان من

اسی محمدؐ (علیہ الف تحیات و صلوٰۃ) کی مدح کی کوشش نے مجھے ارباب ذوق کی محفل میں "نائر حرم" یا "شاعر حرم" مشہور کر دیا ہے اور بس۔"

حمید صاحب ۸ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۸ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے۔

حمید صدیقی صاحب کے کلام کا مجموعہ "گلبانگ حرم" (مطبوعہ سنہ ۱۳۶۵ھ) ۲۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں زیادہ حصہ نعتیہ کلام کا ہے۔ جس کے دو حصے ہیں، ایک عالم حضوری اور دوسرا شوق حضوری۔ اس کے علاوہ پر پرواز کے نام سے عام غزلوں کو ایک جا جمع کیا ہے۔ متفرقات میں سہرے وغیرہ شامل ہیں۔

گلبانگ حرم کے شروع میں زائر حرم کے عنوان سے عبدالحق صاحبؒ کا مضمون ہے۔ پھر مولانا عبدالماجد دریابادی کے قلم سے پیش لفظ ہے۔ اس کے بعد حضرت جگر مرادآبادی، مولانا احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی اور مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی تقریظیں ہیں۔ حرف گفتنی مصنف کا نوشتہ ہے۔ حمید صاحب کے کلام کے متعلق حضرت امجد کا خیال ہے:۔

"کلام میں ایک خاص کیفیت اور والہانہ انداز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کسی کی محبت میں وارفتہ اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر دل کے اسرار زبان پر لا رہے ہیں۔"[له]

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی لکھتے ہیں:۔

"بحریں عموماً رواں و شگفتہ، زبان صاف و سادہ، مضامین اغراق و غلو سے پاک، کلام جاندار اتنا کہ گویا صفحۂ کاغذ پر چھپا ہوا نہیں، زندہ و ذی روح شاعر کی دنیا سے ترنم کے لہجے میں ادا ہو رہا ہے اور دل کا شوق نیاز ہے کہ ابلا پڑتا ہے۔"

نعت گو اردو میں بھی بہت سے ہوئے ہیں اور ہیں لیکن کم ایسے ہیں جو ایسا

له گلبانگ حرم: صفحہ ۲۰ (مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ۔ سنہ ۱۳۶۵ھ)۔

مذاق سلیم رکھتے ہیں اور اتنے ادب شناس دربارِ نبوت ہوں۔ یہاں نہ دوسرے انبیاء کرام سے تقابل ملے گا، نہ ان حضرات کے لئے شائبۂ توہین کہیں سے نکلے گا، نہ دنیا کے اس سب سے بڑے معلم، مزکی، متقی، ہادیؐ کے حق میں کوئی مدحیہ کلمہ رکیک یا بازاری انداز کا ملے گا اور نہ (نعوذ باللہ) استخفاف وسوءِ ادب کا کوئی نشان کعبۃ اللہ و شعائرِ دین کے حق میں پایا جائے گا۔ یہ وصف عام نہیں خاص ہے۔ معمولی نہیں غیر معمولی ہے۔" [51]

حضرت جگر مراد آبادی کی رائے ہے :-

" جناب حمید مجاز میں بھی کہتے ہیں اور حمد و نعت میں بھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس درجہ کا سوز و گداز، درد و اثر ان کے نعتیہ کلام میں پایا جاتا ہے ان کی عشقیہ شاعری میں اس حد تک اس کی افراط نہیں۔" [52]

حمید صاحب کے کلام میں جو خلوص و محبت اور کیف و تاثیر موجود ہے اس سے اس بات کا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ صرف دردِ حقیقت سے بہرہ مند ہیں بلکہ اپنی ذات میں گم شدہ حقیقت ہونے کا امکان رکھتے ہیں۔ ان کی روح حسنِ حقیقی کی تلاش میں سرگرم رہتی ہے اور ان کا دل نشۂ عشق میں سرشار۔ موصوف کو بارگاہِ رسالت سے حد درجہ عشق ہے ...... لیکن ان کی فطرتِ صالحہ "یا محمدؐ ہوشیار" کی رازدار ہے۔" [53]

حمید صاحب کی شاعری کے متعلق اربابِ علم و فضل نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں ان سے ایک حد تک ان کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ ہو گیا

---

[51] گلبانگ حرم : صفحہ ۱۶۔ [52] گلبانگ حرم : صفحہ ۱۸۔

[53] " " : " ۱۹۔

ہوگا۔ دراصل حمید صاحب کی نعتیہ شاعری نے جن حالات میں فروغ پایا وہ ان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کسی کے "فطرتاً شاعر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سریع الحس اور شدید الاحساس ہونے کے علاوہ حسن و جمال کا فدائی بھی ہے۔ یہ فریفتگی زیادہ مجازی رنگ میں جلوہ گر ہوتی ہے اور انسان ہر رعنائی کو دیکھ کر کلیجہ تھام لیتا ہے۔ حسن کی ہر ادا اس کے اندر ایک تلاطم برپا کر دیتی ہے اور لطائف کے بند کھولتی جاتی ہے۔ احساس کی فراوانی صدق و صفا کی دولت سے نوازتی ہے۔ خلوص اور محبت کی پرورش اس جذبے کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کیفیت کے ساتھ ایک دفعہ پیمان وفا باندھنے کے بعد نفع و ضرر کی ترغیب و تہدید سے انسان بے پرواہ ہو جاتا ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے کسی کے لئے کرتا ہے، اپنے لئے نہیں۔ وہ کسی اور کا ہو جاتا ہے، اپنا نہیں رہتا۔ لیکن یہ جذبہ جس قدر صلاح و فلاح کا ضامن ہے اسی قدر صحیح تربیت کا محتاج بھی ہے۔ انسان کا یہ جوہر اسی وقت چمک سکتا ہے جبکہ وہ اس کے مجازی کھوٹ کو دور کر کے اسے حقیقت کا رنگ بخشے۔ اگر شاعری انسان کے جذبات کی ترجمان ہے تو اس طرح شاعری کی بھی دو قسمیں ہوئیں ایک مجازی اور دوسری حقیقی۔ حمید صاحب کی شاعری جو ہمارا موضوع بحث ہے وہ دوسری قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کے کلام کا والہانہ انداز عارفانہ شان میں جلوہ گر ہے۔ جمال محمدیؐ ان کے رگ و پے میں بسا ہوا ہے۔ اس لئے ان کے کلام میں وارفتگی کی صورتیں ان کی گوناگوں قلبی کیفیات کی آئینہ دار ہیں۔ حمید صاحب کے کلام کی بڑی خصوصیت حب نبیؐ میں ان کی آشفتہ حالی ہے۔ حضورؐ کے نام پر شاعر کا دل بے چین ہو جاتا ہے۔ اور وفور شوق میں وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر قلب کے اسرار بے اختیار زبان پر لاتا ہے۔

نمونہ کلام

خدا کا حریم جلال آ رہا ہے — نگاہوں میں حسن و جمال آ رہا ہے
تصدق ہیں جس پر دو عالم کے جلوے — وہی کوچۂ بے مثال آ رہا ہے
عجب مستیاں ہیں عجب لغزشیں ہیں — کہ پھر حال کے بعد حال آ رہا ہے[۱]

'معراج شوق' میں شاعری کی اس کیفیت کی ترجمانی ہے۔

پیش نظر ہے کونسی محفل نہ پوچھئے — اظہار لطف دید ہے مشکل نہ پوچھئے
دل جانب مدینہ ہے رخ جانب حرم — کچھ انتہائے کشمکش دل نہ پوچھئے
اک جذب و محویت میں چلا جا رہا ہوں میں — مجھ سے نشان جادہ و منزل نہ پوچھئے
گو اٹھ گئے بہت سے حجابات اٹھ گئے — پھر بھی حجاب زیست ہے حائل نہ پوچھئے
کس کی تجلیاں ہیں تصور میں جلوہ گر — آئینہ بن گیا ہے مرا دل نہ پوچھئے
معراج شوق ہو گئی حاصل مجھے حمید — اب مجھ سے میری زیست کا حاصل نہ پوچھئے[۲]

حمید صاحب کا یہی خلوص جذب و شوق کی راہ سے گزر کر ان کی اس باطنی کیفیت کی ترجمانی کرتا ہے۔ حضورؐ کے عشق میں سراسیمگی کی کیفیت اپنی ہر لے میں والہانہ انداز رکھتی ہے اور شاعر کا جذبۂ شوق اس شیفتگی میں استغراق کی آخری منزل میں پہنچ جاتا ہے۔ لیکن "با محمدؐ ہوشیار" کی حقیقت سے وہ ہر حال میں خبردار ہے۔ جمال محمدیؐ پر فریفتہ فطرت صالحہ اپنے آقا کے جلال کی عظمت کا بھی پوری طرح احساس رکھتی ہے اور اس احساس کا یہ شعور انتہائی سرمستی میں بھی بارگاہ نبوت کے آداب کو ملحوظ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عشق محمدیؐ میں سرشاری کے باوجود حمید صاحب کے کلام میں

۱؎ گلبانگ حرم، صفحہ ۳۲۔ ۲؎ گلبانگ حرم: صفحہ ۳۱۔

"دین باخفگی" کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ نہ ان کے یہاں دیگر انبیائے کرام سے تقابل کے مضمون سے سوئے ادب کا شائبہ ملے گا اور نہ احمد بے میم اور عرب ورب کی عینیت کی کوئی صورت نظر آئے گی۔ شاعری کی خاطر کو آداب بارگاہ اس درجہ ملحوظ ہے کہ اس جانب نگاہ شوق کا اٹھنا بھی گوارا نہیں :-

آرام گہ سیدِ لولاک کی جانب　　اٹھنا نگہ شوق کا بھی بے ادبی ہے[۵۱]

اگر عشقِ نبیؐ کا مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ یعنی سیرت طیبہ سے عشق ہے اور اس خلق قرآنی پر فداکارانہ جذبے کی پرورش ہے تو حمید صاحب کی زندگی عملی طور پر بھی ان کے ان خیالات اور جذبات کی آئینہ دار ہے۔ اسی لئے ان کے کلام میں طریقت یعنی تصوف کا جذب و حال مفقود ہے۔ شریعت کا سرفروشانہ اور نیازمندانہ جذبہ ہر جگہ موجود ہے۔

حمید صاحب کے کلام کی ایک اور خصوصیت سوز و گداز ہے۔ اس کی مثالیں ان کے کلام میں کثرت سے ملتی ہیں۔ عشق و محبت کی دولت کے ساتھ لذت و درد سے کبھی محرومی نہیں ہوتی۔ دراصل نگاہ لطف کی یہ کرشمہ سازی جس کے بھی شامل حال ہو جاتی وہ لطائف کی اس دولت سے ضرور نوازا جاتا ہے۔ حمید صاحب کا نعتیہ کلام اس خصوصیت سے مالا مال ہے۔ بیقراری کے مضمون کو سوز و گداز کی زبان میں نہایت موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار درج ذیل ہیں۔

---

۵۱ گلبانگ حرم : صفحہ ۱۵۲۔

تیرے کوچے میں حمید خستہ حال آہی گیا،
میرے آقا تجھ کو بندہ کا خیال آہی گیا

آج اک جھونکا نسیم صبح کا میرے لئے
لے کے آخر مژدۂ شوق وصال آہی گیا

جس کو آنکھیں ڈھونڈتی تھیں اور دل بیتاب تھا
آگیا وہ مظہر حسن و جمال آہی گیا

ہوشیار اب اے دل بیتاب دیکھ اب ہوشیار
ہاں سنبھل جانا مقام وجد و حال آہی گیا

اللہ اللہ مجھ سے عاصی پر بھی انکی رحمتیں
المدد اے ذوق توبہ انفعال آہی گیا[۵۱]

بیان کی سادگی ہر شعر سے عیاں ہے۔ زبان صاف اور سادہ، لکھنوی لفظی، صناعی سے بالکل پاک ہے۔ بحریں اکثر رواں اور مترنم ہیں۔ مضامین نہایت شگفتہ لیکن رنگ ہر جگہ وہی عاشقانہ یعنی رنگ تغزل "ضبط غم" کے عنوان کے تحت جو اشعار حمید صاحب نے لکھے ہیں وہ ان کے کلام کے ان محاسن کو بڑی حد تک اجاگر کرتے ہیں :۔

دل کے پورے مگر ارمان نہ ہونے پائے
روضۂ پاک پہ قربان نہ ہونے پائے

چارہ گر درد کا درمان نہ ہونے پائے
دیکھ مشکل مری آسان نہ ہونے پائے

---

۵۱ گلبانگ حرم : صفحہ ۳۵ -

جوشِ وحشت ہو مبارک تجھے اے دل لیکن
پرزے پرزے کہیں داماں نہ ہونے پائے
بجلیاں ٹوٹ پڑیں دل پہ غم و حزن کی
سفرِ طیبہ کے ساماں نہ ہونے پائے[1]

ایک اور پُرکیف غزل کے چند اشعار یہ ہیں :-

بھینی بھینی پھر شمیم جانفزا آنے لگی — ٹھنڈی ٹھنڈی پھر مدینے کی ہوا آنے لگی
اضطرابِ دل کا ساماں پھر بہم ہونے لگا — مژدۂ لطف و کرم لیکر صبا آنے لگی
پھر سکونِ دل نے کروٹ لی کہ تڑپانے لگا — دل سے پھر بیساختہ لب تک دعا آنے لگی
میں نے چھیڑا نغمۂ نعت اور ادھر ہر سمت سے — جیسے کانوں میں صدائے مرحبا آنے لگی[2]

حمیدؔ صاحب کا نعتیہ بیان حقیقت میں ان کے جذب و شوق کا بیان ہے۔ حضورؐ کا شیدا حضورؐ کی ثنا میں اپنی باطنی کیفیات کی ترجمانی ہی کو حاصلِ نعت گوئی سمجھتا ہے۔ کلام کا والہانہ انداز حضورؐ کی مدح سرائی میں آپ کے اوصاف کو کما حقہٗ بیان میں آنے نہیں دیتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حمیدؔ صاحب کا نعتیہ کلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف سے خالی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس کی مثالیں ان کے یہاں بہت کم ملتی ہیں۔ "سلام بدرگاہ خیر الانام" سے اس رنگ کے اشعار پیش کیے جاتے ہیں :-

آفتابِ رسالت پہ لاکھوں سلام — ماہتابِ نبوت پہ لاکھوں سلام
خود سروں کو پڑھایا سبق عجز کا — مصدرِ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

---

[1] گلبانگ حرم : صفحہ ۱۰۴   [2] گلبانگ حرم : صفحہ ۱۱۵

دشمنوں سے بھی پیش آئے جو خلق سے — ایسی پاکیزہ سیرت پہ لاکھوں سلام
اک اشارے میں شق کر دیا چاند کو — ایسے ماہ رسالت پہ لاکھوں سلام
عاصیوں کو جو دامان رحمت میں لے — ایسے تاج شفاعت پہ لاکھوں سلام
جس کے جلوے سے عالم منور ہوا — اس ظہور حقیقت پہ لاکھوں سلام[۵۱]

لیکن شاعر اوصاف کو بیان کرتے ہوئے پھر اپنے اصلی رنگ کی طرف عود کر آتا ہے اور دل کی لگی کو بیان کرنے لگ جاتا ہے۔ اس لئے حمید صاحب کو ہم نعت گو شعراء کے اس طبقے میں شامل نہیں کر سکتے جس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا کے ذریعے آپ کے اسوۂ حسنہ کی تبلیغ کو اپنی نعتیہ شاعری کا مقصد قرار دیا، اور اس طرح اصلاح امت کا سامان کیا۔ حمید صاحب نے جو کچھ کہا وہ اپنے لئے کہا اور آپ بیتی کہہ سنائی۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا یہ بیان اپنی افادیت اور مقصدیت سے بھی عاری ہے۔ حب نبیؐ کا یہ بیان ایمان کی اس کیفیت کی تبلیغ ہے جس کے بغیر ایمان ہی باقی نہیں رہتا ہے۔ دراصل جذب و شوق کا یہ نعتیہ بیان دلوں میں عشق رسولؐ کی گرمی اور ایمان میں تازگی پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور امت محمدیؐ کو اگر ایک یہی دولت نصیب ہو گئی تو ایمان کا حاصل مل گیا اور زندگی کا مدعا پورا ہو گیا۔ اس لحاظ سے حمید صاحب کا درجہ موجودہ دور کے ان نعت گو شعراء میں نہایت ممتاز ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف حضور کی خاطر چاہتے ہیں اور آپ پر جان دینے کو عین زندگی سمجھتے ہیں۔

---

۵۱ گلبانگ حرم: صفحہ ۲۹۔

نوشابہ خاتون

نوشابہ خاتون مولوی عبدالحق صاحب سابق مددگار صدر ناظم کوتوالی اضلاع حیدر آباد کی بیٹی ہیں۔ ولادت غالباً (سنہ ۱۳۲۰ھ) میں ہوئی۔ تعلیم خانگی طور پر حاصل کی۔ پنجاب یونی ورسٹی سے منشی فاضل کے امتحان میں کامیابی کے بعد جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے سنہ ۱۹۲۴ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ خواتین مغربی تعلیم سے بہرہ ور شاذ ونادر ہی ہوتی تھیں۔ شعر گوئی کا شوق اور مشغلہ دس سال کی عمر سے رہا۔ خلافت کی تحریک کے زمانے میں ان کی نظمیں نہایت مقبول ہوئیں۔

ان کے کلام کا مجموعہ "موج تخیل" کے نام سے موسوم ہے۔ شروع میں گذارش کے طور پر شاعرہ نے اپنے جوش ملت کی درد مندی کا اظہار کیا ہے کہ انھیں ملت کی خستہ حالی اور درد ہمیشہ سے رہا۔ اس کے ساتھ ان کی زندگی کی پریشانیوں کا ذکر بھی ہے۔ صحت کی خرابی کی بھی شکایت ہے کہ ایک عرصے تک بستر پر کروٹ بدلنے کی بھی سکت نہ رہی۔ آخر اس پریشانی سے خداوند تعالیٰ نے نجات دلائی۔

محترمہ نوشابہ خاتون نے مختلف عنوانات پر طبع آزمائی کی ہے۔ چنانچہ ان کے کلام کا مجموعہ ۱۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ کلام میں اخلاقی مضامین کو نظم کرنے کا التزام پایا جاتا ہے۔ شاعرہ نے حمد اور نعت بھی لکھی ہے "چند آرزوئیں" کے تحت جن جذبات کی ترجمانی کی ہے اس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کا اظہار اس طرح ہے :-

روضۂ پاک میں حسرت رہی مدفن ہوتا گر مدینہ نہ تھا قسمت میں کہ مسکن ہوتا

ہوتی جاروب کشی مرقدِ انور کی نصیب | کاش ظلمت کدۂ ہند نہ قدغن ہوتا
حبِ نبویؐ جو رگ و پے میں سرایت کرتی | جسمِ خاکی مرا انوار کا معدن ہوتا
سایۂ گنبدِ خضرا جو مجھے مل جاتا | طائرِ روح کا طوبیٰ پہ نشیمن ہوتا[۵۱]

آخری شعر میں خاتون نے وہی مضمون ادا کیا ہے جو شہیدی کے لئے سرمایۂ آخرت بنا۔

ساتھ ہی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو زندگی کے لئے مایۂ افتخار گردانا ہے اور اس کے حصول کی تمنا کا اظہار کیا ہے۔

پیرویِ سنتِ نبویؐ کی میسر ہوتی | داغِ دل پھر تو مرا لالۂ گلشن ہوتا[۵۲]

"ہدیۂ عقیدت بہ حضور حبیب خالق اکبر" کے عنوان سے ایک ۱۲ بند کا مسدس بھی لکھا ہے جس کا نمونہ درج ذیل ہے۔

نبیؐ کی روحِ مطہر پہ ہو درود و سلام | رسولِ اکرم و انور پہ ہو درود و سلام
اس آفتابِ منور پہ ہو درود و سلام | ہمارے ہادی و رہبر پہ ہو درود و سلام
حبیبِ خالقِ اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام[۵۳]

شاعرہ نے ذکرِ نبیؐ کی ابتداء سے پہلے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے ہیں جو حقیقت میں خطاب کا مشروع طریقہ ہے۔ اس کے بعد وصفِ نبیؐ میں نغمہ سرائی کر کے ہر چار مصرعوں کے بعد ہدیۂ درود پیش کیا ہے۔

وہ آفتابِ ہدایت وہ نورِ صلِ علیٰ | چراغِ محفلِ آفاق شمعِ بزمِ ہدیٰ
ضیائے مجلسِ عالم رسولِ ربِ علا | لقب ہے جن کا کہ شمس الضحیٰ و بدر الدجیٰ

۵۱، ۵۲ موجِ تخیل: صفحہ ۱۶، ۱۷ (مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۵۷ھ۔

۵۳ " " ۱۸ " " "

حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبرؐ پہ ہو درود و سلام

سپہر برج شرافت کا نیر توحید   وہ آسمان ہدایت کا اختر توحید
وہ تاج راس سعادت کا گوہر توحید   وہ یعنی بزم صداقت کا سرور توحید

حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبرؐ پہ ہو درود و سلام

نبیؐ وہ ہے جسے سرتاج انبیاء کہیے   رسولؐ وہ ہے جسے رحمت خدا کہیے
وہ شاہ جس کو حق اندیش و حق نما کہیے   محمدؐ عربی جس کو مصطفےٰؐ کہیے

حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبرؐ پہ ہو درود و سلام

اس طرح نعتیہ بیان کو طول دے کر اوصاف محمدی کو یکے بعد دیگرے گنایا ہے اور آپ کی تعلیمات کو پیش کیا ہے۔ محترمہ نوشابہ خاتون کی نعت گوئی میں اصلاحی اور مقصدی رنگ نمایاں ہے۔ چنانچہ صاف، سادہ اور موثر طریقے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے خاص پہلو ان کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ ذیل کے نمونے سے مولانا حالی کے اصلاحی انداز کی اتباع صاف ظاہر ہے :-

دلوں سے زنگ کدورت چھڑا دیا جس نے   وہ ذات نقش عداوت مٹا دیا جس نے
وہ ذات ذکر خصومت بھلا دیا جس نے   وہ جام بادۂ الفت پلا دیا جس نے

حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبرؐ پہ ہو درود و سلام

وہ جس نے ظلم کا بدلہ سدا دعا سے دیا   عوض ستم کا تلطف سے اور کرم سے دیا

جو راہ حق سے کبھی اک قدم نہ پیچھے ہٹا — ہزار جور اٹھائے نہ آیا لب پہ گلہ

حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام[1]

غلام و بندہ برابر ہیں جس کی ہے تعلیم — نہیں ہے رومی و تازی میں رنگ کی تقسیم
خدا کی ذات ہے بس ایک واجب التعظیم — جھکے نہ خلق کے آگے کبھی سر تکریم

حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام[2]

شہ حجاز و عرب جس کا ٹاٹ بستر تھا — بایں ہمہ جسے گنج شہی میسر تھا
ردائے کہنہ میں ملفوف جسم اطہر تھا — عبائے شاہی تھی تن پر نہ تاج و افسر تھا

حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام[3]

۱؎ موج تخیل: صفحہ ۲۱۔
۲؎ و ۳؎ موج تخیل، صفحہ ۲۲۔

محترمہ تہنیت النساء بیگم صاحبہ

محترمہ تہنیت النساء بیگم صاحبہ دختر نواب رفعت یار جنگ مرحوم صوبہ دار اورنگ آباد کا سنہ ولادت سنہ ۱۹۱۱ء ہے۔ آپ کی تعلیم محبوبیہ گرلس ہائی اسکول حیدرآباد میں ہوئی۔ شادی اردو کے مشہور ادیب نقاد و محقق جناب ڈاکٹر محی الدین قادری زور سے سنہ ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔ ان کے بڑے فرزند شاہ تقی الدین احمد صاحب قادری اپنی خاندانی خانقاہ عنایت اللہ حسینی کے سجادہ ہیں۔

محترمہ تہنیت النساء بیگم صاحبہ کی تربیت دوہرے ماحول میں ہوئی اور گہرا مذہبی رنگ لئے ہوئے تھا۔ ایماں کی کسوٹی اگر حب نبیؐ ہے تو ہم اس خاندان میں اس کی فراوانی پاتے ہیں۔ زندگی نہایت ستھری، پاکیزہ، زمانے کے بدلتے ہوئے رجحانات سے الگ، اعلیٰ اخلاقی قدروں پر فریفتہ حُبِّ نبیؐ سے سرشار ہے۔ اس لئے اسلام کا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہے نعت گوئی اس خاندان کے طبقۂ نسواں کی روایت رہی ہے اور دیارِ حبیبؐ سے والہانہ وابستگی اس کا شیوہ۔ چنانچہ محترمہ کی پھوپھیاں بھی نعت کہتی تھیں۔ اور ان کی والدہ ماجدہ اور نانی مرحومہ تو ہندستان کو خیرباد کہہ کر مدینہ منورہ ہی میں جاکر مقیم ہوگئی تھیں اور بالآخر وہیں دفن بھی ہوئیں۔ عشقِ نبیؐ کی ایسی مثالیں خصوصاً اس زمانے میں کم ملتی ہیں۔ محترمہ دو سال قبل کافی عرصے مدینہ طیبہ میں قیام کرکے آئیں۔ مدینہ طیبہ میں ان کا ایک مکان بھی ہے۔ جو اُن کے نانا نے وہاں بنایا تھا۔ محترمہ تہنیت النساء بیگم صاحبہ نے نعت کے علاوہ حمد اور منقبت بھی کہی ہے۔ ان کا کلام اُن

کے لئے مرتب ہو رہا ہے راقم الحروف کی نظر سے گزرا جس میں شاعرہ نے اپنے شوق جذب اور کیف کو نہایت سلجھے ہوئے انداز میں ظاہر کیا ہے۔ کلام جوش اور تڑپ سے مملو ہے جو رسول کریم صلی اللہ سے بے پایاں خلوص و محبت کا نتیجہ ہے۔ حب رسولؐ کے جزو ایمان ہونے کو اس طرح بیان کیا ہے :-

نہ ہو قلب و نظر معمور و خرم تہنیت کیوں کر
خدا رکھے پیمبر کی محبت جزو ایمان ہے

نعتیہ کلام کا نمونہ یہ ہے :-

ازل میں نورِ نبیؐ ہویدا ہوا ہے جن و بشر سے پہلے
نمودِ شام و سحر سے پہلے وجودِ شمس و قمر سے پہلے
تمہارے حسنِ جہاں نما سے ہوا ہے عرش بریں منور
زمیں سے پہلے زماں سے پہلے حجر سے پہلے شجر سے پہلے
ملا نہ رتبہ کسی کو ایسا کہ خود ثنا خواں خدا ہو جس کا
نبی اگرچہ بہت ہیں گزرے جنابِ خیر البشر سے پہلے
ہوئی ہیں آسان مشکلیں سب ہوئے روانہ جو سوئے یثرب
عجب کشاکش میں زندگی تھی ہماری عزمِ سفر سے پہلے
حبیبِ حق ضامنِ شفاعت ہے دل میں آلِ نبیؐ کی الفت
یہ زادِ رہ مل گیا ہے ہم کو رہِ عدم کے سفر سے پہلے
ہوئی ہے اب موت بھی گوارا کہ تہنیت مل گیا سہارا
مٹی جو دل میں تھی اک خلش سی کسی کے لطفِ نظر سے پہلے

خلوص کی فراوانی کی وجہ سے بے قراری کے مضامین جا بجا پائے

آج دل مائل گفتار نظر آتا ہے — پھر تصور میں وہ دربار نظر آتا ہے
جب سے ہم لوٹ کے آئے ہیں ترے کوچہ سے — ہمیں ہر پھول یہاں خار نظر آتا ہے
بند کی آنکھ تصور جو کیا طیبہ کا — روضۂ احمدؐ مختار نظر آتا ہے
لو خبر تہنیت زار کی یا شاہ امم — اس کا دل غم میں گرفتار نظر آتا ہے

شاعرہ کی نظر میں رسولِ کریمؐ کی غلامی سے بڑھ کر دنیا کی کوئی نعمت نہیں ہے۔

عطا کی ہیں ہزاروں نعمتیں دنیا میں انساں کو
محمدؐ کی غلامی سب سے بڑھ کر فضلِ یزداں ہے
حبیبِ کبریا ہیں، رحمۃ للعالمین ہیں وہ
انہی کے نور سے ہر ذرۂ عالم درخشاں ہے

اسی رنگ کی ایک اور غزل یہ ہے :-

مقصودِ مرا لطفِ شہِ ہر دوسرا ہے — محبوب مرا اصل میں محبوبِ خدا ہے
وہ باعثِ تخلیقِ دو عالم ہے حقیقی — اللہ کی قدرت کا وہی جلوہ نما ہے
وہ نورِ ازل ہے وہی خورشیدِ ابد ہے — کہنے کو ہے مخلوق پہ کب حق سے جدا ہے
گزرے ہیں نبی اور ولی تو ہزاروں — مرتبہ مرے سرکار کا ان سب سے سوا ہے
میں کیا ہوں زباں میری کرے اس کی جو توصیف — مداح نبیؐ خالقِ کل ارض و سما ہے
مسرور نہ ہوں کیوں کہ ملی نعمتِ عظمیٰ — پہنچی جو میں اس در پہ مرا بخت رسا ہے

روضے پہ بلا لیجیے پھر مجھ کو دوبارہ
یہ تہنیت زار کی ہر وقت صدا ہے

بشیر زوّاری

محمد بشیر اللہ نام، بشیر تخلص۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں ساگر (سی۔پی) میں پیدا ہوئے۔ جبل پور اور اٹاوہ میں تعلیم پائی۔ زبان و ادب کا ذوق کچھ کچھ پہلے ہی سے تھا۔ ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں صاحب صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی سے حسنِ عقیدت کے باعث محبتِ رسولؐ کا سوز پیدا ہوا۔ پھر حضرت مولانا حافظ سید زوّار حسین شاہ نقشبندی مجدّدی سعیدی سے شرفِ بیعت و توجہاتِ باطنی نے قلب کو قبلۂ قدسیاں کی طرف کچھ ایسا پھیرا کہ دردِ عشق کے مزے سے بہرہ ور ہو گئے، چنانچہ ایک نعت میں فرماتے ہیں:

دردِ عشقِ نبیؐ کا ہے کیا پوچھنا | جس سے جینے کا ہم کو مزا مل گیا
ہے وہی لذتِ درد سے آشنا | جس کو دل ایک دردآشنا مل گیا

ان کی نعتیہ نظموں کا مجموعہ "خزینۂ نعت" کے نام سے چھپ گیا ہے۔ زبان سادہ تصنع و تکلف سے پاک اور مضمون خلوص و قلبی واردات کا آئینہ دار ہے۔ اظہارِ عقیدت و محبت میں کہیں افراط و تفریط نہیں۔ ذیل کی نعت میں ان اوصاف کے علاوہ حسنِ شعریت بھی نمایاں ہے:

تم آفتاب نہیں ہو کہ ماہتاب نہیں | جہانِ حُسن میں کیا حسنِ انتخاب نہیں
جو منظر میں ہے دل سے تو اجتناب نہیں | نظر نہیں ہے جہاں پھر وہاں حجاب نہیں
کمالِ دید یہی ہے کہ موند لوں آنکھیں | نگاہ دیکھ سکے ان کو اتنی تاب نہیں
تم آگئے تو کسی کی نہیں رہی حاجت | ہے آفتاب منوّر تو ماہتاب نہیں
بشیر تم ہی بتاؤ میں کیا کروں آخر | ہے دل میں شوقِ نظارہ نظر میں تاب نہیں

مدینہ منورہ کا سفر کرتے ہیں جب دُور سے شہر کے آثار نظر آتے ہیں، تو والہانہ انداز میں قلبی واردات کا اس طرح اظہار کرتے ہیں :

سنبھل دل، دیارِ حبیب آرہا ہے
وہ لمحہ بہ لمحہ قریب آرہا ہے

وہ آنے لگی نکہتِ باغِ طیبہ
نگہ اُٹھا، مدینہ قریب آرہا ہے

بس اب اضطرابِ دلِ زار رخصت
مرے دردِ دل کا طبیب آرہا ہے

اسے بھی تو چمکا دے چمکانے والے
چمکنے کو میرا نصیب آرہا ہے

کرم ہو بشیرِ گنہگار پر بھی
مدینے کو وہ بھی غریب آرہا ہے

درد کاکوروی

میر محمد علی نام، درد تخلص۔ قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ میں سنہ ۱۳۱۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ مشہور نعت گو شاعر حضرت محسن کاکوروی آپ کے والد ماجد (مولانا حکیم سیّد حبیب علی علوی) کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے۔ بسلسلۂ معاش اورنگ آباد دکن میں عمر کا بیشتر حصہ گزرا۔

سنِ شعور ہی سے طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل تھی۔ پھر وقت کے نغز گو شعراء کی صحبت نے جِلا دی۔ مشاعروں میں شرکت کرتے رہے۔ حضرت مولانا شاہ علی حیدر قلندر کاکوروی نے کلام کا انداز دیکھ کر دردؔ تخلص کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا:

قُدسیاں را عشق ہست و درد نیست

درد را جز آدمی درخورد نیست

اسی ارشاد کی تعمیل میں درد تخلص رکھا۔ نظمیں معروف ادبی رسالوں نگار جامعہ نیرنگ خیال وغیرہ میں چھپتی رہیں۔ اس وقت تک نعتیہ نظموں کے دو مجموعے "درد کا درماں" اور "جامِ کوثر" شائع ہو چکے ہیں۔

نعتیہ نظموں کے علاوہ صوفیانہ کلام بھی منظرِ عام پر آ گیا ہے۔ کلام میں شعری محاسن کے باوجود سوز و گداز بھی ہے۔ جو صوفیانہ ذوق اور عشقِ حقیقی کی نشان دہی کرتا ہے۔

کلام کا نمونہ یہ ہے:

بنیٔ مکرم کی صبح ولادت کا حسین منظر:

صلِّ یا رب کہہ کے خود فطرت ملا رہی گئے ہے

دیکھئے صبحِ ولادت کی تجلی جلوہ بار ‏ ‏ ہے محمدؐ نے کیا ساری خزاں کو لالہ زار

دم بدم کوثر کا ساقی کیف ما برسائے ہے صلِّ یا رب......

سورۂ والنجم کی، والشمس کی جلوہ گری — والضحیٰ والفجر ہے یہ جلوۂ روئے نبیؐ
گیسوئے واللیل سے یہ کون دل مہکائے ہے صلِّ یارب......

ہو درود ان پر کہ جن کا بوریا بستر رہا — ہو سلام ان پر جنھوں نے دین کو چمکا دیا
سنتے ہی ذکرِ نبیؐ، امت کا دل لہرائے ہے۔ صلِّ یارب......

ہو درود ان پر کہ ہیں نصر من اللہ کے نقیب — ہو سلام اللہ اُن پر ہیں جو خالق کے حبیب
حسنِ محبوب خدا رنگینیاں دکھلائے ہے۔ صلِّ یارب......

ہو درود ان پر جنھیں دھن حق کی ہو مستانہ وار — ہو سلام ان پر کہ جن کی دین گاتا ہے ملار
رحمتِ خالق حیاتِ تازہ لے کر آئے ہے۔ صلِّ یارب......

ہو درود ان پر جنھوں نے ظلم غیروں کا سہا — ہو سلام ان پر جو گالی سن کے دیتے تھے دعا
ابر۔ رحمت کا۔ چھما چھم کیف سا برسائے ہے۔ صلِّ یارب......

ہو درود ان پر کہ جن سے کھل گئے رنگین چمن — ہو سلام ان پر کہ جن سے حق ہوا جلوہ فگن
احمدِ مختار سے امت پہ خلعت پائے ہے۔ صلِّ یارب......

منظرِ صبحِ ولادت ہے فضاؤں کا سرور — ہیں فضا کے دامنوں میں مستیاں پردہ نور
کس کے ارمانوں سے برقِ جذب ٹکر کھائے ہے۔ صلِّ یارب......

آج ہے صبحِ ولادت۔ سو بہاروں کی بہار — صلِّ یارب سلّموا گاتے ہیں سب مستانہ وار
نکہتِ صلّوا علیہم یوں صبا پھیلائے ہے۔ صلِّ یارب......

ہر طرف چھائی ہوئی باطل کی ظلمت دیکھ کر — ساری دنیا میں ہیں حق کے جگو جلوہ گر
دینِ احمدؐ کی گرج کیا بجلیاں چمکائے ہے۔ صلِّ یارب......

گونجتا ہے سلّموا کیسا فضا کی گود میں — صلِّ یارب کی تجلّی ہے ہوا کی گود میں
سارا عالم جلوۂ حق سے چمکتا جائے ہے۔ صلِّ یارب......

رحمت خالق کا میخانہ طرب بردوش ہے ساقیِ کوثر کی آنکھوں سے جہاں مینوش ہے

دم بہ دم حُسنِ نبیؐ کیا جھلکیاں دکھلائے ہے۔ صلِّ یارب......

درد کہتا ہے مرا اللہ ربُّ العالمیں مصطفیٰؐ ما جاءَ اِلّا رحمۃ للعالمیں

صلِّ یارب کیا جھما جھم نور سا برسائے ہے۔ صلِّ یارب......

برگ یوسفی

شفیع اللہ خاں نام اور برگ تخلص۔ فتح پور سیکری ضلع آگرہ میں ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے حیدرآباد سندھ میں سکونت اختیار کی۔ ادب اور شاعری کا ذوق فطری ہے۔ ان کا نعتیہ کلام زیادہ تر رسالہ "المصطفیٰ" میں چھپتا رہا ہے۔ نعتیہ دیوان بھی مرتب کر چکے ہیں جو اس وقت تک زیر طبع ہے۔ مختلف غزلیہ نعتوں سے ذیل کے منتخبات سے اُن کے شعری ذوق اور محبّت و عقیدت کے جذبات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

کہہ رہے ہیں صاحبِ توریت و انجیل و زبور حرفِ آخر احمدِ مختار کی آواز ہے

تمھیں اے شہِ مدینہ ہو مآلِ کبریائی زہے شانِ مجتبائی، زہے شانِ مصطفائی

وہ ہے جادۂ مدینہ، وہ ہے منزلِ مدینہ ذرا اور حوصلہ کر اے مری شکستہ پائی

اُنھی کی شانِ عبودیت ہی محیطِ کعبہ بنی ہوئی ہے رکوع جن کے، قیام جن کا، سجود جن کے، سلام جن کا

اُنھی کے صدقے میں برگ تیرا چمن بھی نکہت بدوش ہوگا

بہارِ جنّت کی خوشبوؤں سے بسا ہوا ہے مشام جن کا

نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی، بانیٔ دارالعلوم دیوبند کی ایک طویل نعت موسوم بہ "قصیدۂ بہاریہ" سے ماخوذ چند اشعار۔

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھکو مور و مار

اُڑا کے باد میری مشتِ خاک کو پسِ مرگ
کرے حضورؐ کے روضہ کے آس پاس نثار

ولے یہ رُتبہ کہاں مشتِ خاکِ قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

کرے ہے ذرۂ کوئے محمدیؐ سے خجل
فلک کے شمس و قمر کو زمیں لیل و نہار

فلک پہ عیسیٰؑ و ادریسؑ ہیں تو خیر سہی
زمیں پہ جلوہ نما ہیں محمدِؐ مختار

فلک پہ سب سہی پر ہے نہ ثانیٔ احمدؐ
زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمدی سرکار

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اُس کی
کہ جس پہ ایسا تری ذاتِ خاص کا ہو پیار

جو جبرئیلؑ مدد ہو فکر کی میرے
تو آگے بڑھ کے کہوں اے جہان کے سردار

تو فخرِ کون و مکان زبدۂ زمین و زماں
امیرِ لشکرِ پیغمبراں شہِ ابرار

تو بوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہیں اور نبی
تو نورِ شمس گر اور انبیاء ہیں شمسِ نہار

مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسمِ بے کس کا کوئی حامیٔ کار

ہدیۂ نیاز بحضور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ایک قدیم قلمی بیاض سے غیر مطبوعہ چند نعتیہ اشعار پیشِ خدمت ہیں۔

ادا کیونکر کریں اور کس زباں سے شکر ہم تیرا — کہ تو نے اس نبیؐ کی ہم کو امت میں کیا پیدا
وہ کملی اوڑھنے والا فقیری پہ جو نازاں تھا — گدا تھے جس کے کوچہ کے سکندر قیصر و کسریٰ
گدائی جس کے گھر کی بادشاہی سے بھی بہتر تھی
زمیں جس شاہ کے کوچہ کی رشکِ قصرِ قیصر تھی

رسل امتی ہونے کی جس کے آرزو کی ہو — لقب محبوب دے کر حق نے جس کی آبرو کی ہو
قدم بوسی کی جس کے آسماں نے آرزو کی ہو — بلا کر عرش پر جس سے خدا نے گفتگو کی ہو
وہ شاہِ دو جہاں لولاک کی پوشاک تھی جس کی
فقیر ایسا کہ ادنیٰ ملک ہفت افلاک تھی جس کی

سر ذراں چمکا تھا جو خورشید جہاں ہو کر — بتائی راہ جس نے رہنمائے گمرہاں ہو کر
گیا تھا عرشِ اعظم پر جو حق کا مہماں ہو کر — شرف پایا تھا جس نے انبیاء میں آسماں ہو کر
رہی شیدا چمن پر جس کے فصلِ بے خزاں برسوں
قدم چوما کیا جس کی زمیں کے آسماں برسوں

مقالے کا خُلاصہ

اس مقالے کے سابقہ ابواب میں اُردو میں نعت گوئی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ شروع میں نعت پر عمومی تبصرہ ہے۔ جس میں نعت کی تعریف کے علاوہ اسلامی ادب میں لفظ نعت کے پہلے پہل استعمال کو مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔ مضامین نعت کے ماخذ کے تحت قرآن اور حدیث کے نعتیہ مضامین درج ہیں۔ پھر نعتیہ شاعری کو بحیثیت نوع سخن پرکھا گیا ہے۔ نعت کے لوازم کے بیان کے بعد نعت کی قسمیں اور نعت گو شعراء کے طبقات کا بیان ہے یعنی ان میں اکثر شعرائ ایسے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو محض رسمیہ طور پر یا برکت کے لئے اپنے دیوان میں چند نعتیہ غزلیں یا قصیدے شامل کر دیتے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو سیرت طیبہ کے محاسن اور اوصاف کی وجہ سے رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت رکھتا ہے۔ تیسری جماعت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اُن کی وجہ سے چاہتی ہے۔

اردو شاعری کے ماخذ کے بیان میں عربی اور فارسی نعت پر اجمالاً روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز نعت پر ہندوستانی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد اُردو نعت گوئی کی تلاش ہوتی ہے۔ اُردو کے ابتدائی دَور میں نعتیہ اشعار کا نمونہ عہد بہ عہد نہایت اختصار سے دیا گیا ہے، یہاں تک کہ اس آغاز سے ہم دکنی دَور تک پہنچ جاتے ہیں۔ دکن میں نعتیہ ادب کی کمی نہیں ہے۔ اس دَور میں معروف شعراء کے معراج نامے، وفات نامے اور سیرت پاک کے

خاص خاص پہلوؤں سے متعلق منظوم روایات کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ دراصل یہ دور مذہبی شاعری کا دور ہے جس میں نعتیہ ادب افراط سے ملتا ہے۔ نعت گوئی کے اس عام رجحان نے جہاں نعتیہ ادب کو نہایت فروغ دیا وہاں اس میں ایسے عنصر کو بھی شامل کر دیا جس نے نعت گوئی کے مقصد کو بُری طرح متاثر کیا۔ یعنی جب حضورؐ کی سیرت سے متعلق روایات کو شاعرانہ رنگ دیا گیا تو اس میں عقیدت مندانہ غلط بیانی نے بھی راہ پائی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق وہ روایات مشہور ہو گئیں جن کی اصل نہ تو قرآن میں ملتی ہے اور نہ حدیث میں۔ اُردو کے قدیم شعراء میں محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں نعت اور منقبت کثرت سے پائی جاتی ہے۔ تقریباً اس کا ہر مقطع نعتیہ مضمون پر مشتمل ہوتا ہے۔ مستقل نعتیہ کلام اس کے علاوہ ہے۔ اس دور کے دیگر شعراء جنھوں نے نعت کہی ہے وہ ملا وجہی۔ غواصی۔ صنعتی۔ ابن نشاطی۔ نصرتی۔ سید بلاقی۔ طبیعی۔ مختار۔ قدرتی۔ فتاحی وغیرہ ہیں۔ ولی کے زمانے سے پہلے اُردو شعراء کے کلام میں زیادہ تر مذہبی مضامین ملتے ہیں۔ مگر ولی کے دور میں شاعری کی اس کے میں تبدیلی پیدا ہوئی اور اب دیگر مضامین اردو شاعری میں داخل ہونے لگے۔ لیکن ولی کے یہاں نعتیہ مضامین کی بھی کمی نہیں ہے۔

متقدمین کے دور میں عام طور پر نعت کی طرف بہت کم توجہ کی گئی۔ سودا کے یہاں مذہبی جوش پایا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ سراج، آگاہ اور شیدا ہیں جن کے یہاں نعتیہ کلام ملتا ہے۔ آگاہ اور شیدا کی ضخیم مثنویاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مفصل منظوم سیرت ہے جو اس دور کے نعتیہ ادب میں گرانقدر اضافہ ہے۔

متوسطین کے دور میں مومن، شہید، لطف اور شہیدی جیسے نامور

شعراء نے نعتیہ ادب میں وسعت کا سامان کیا۔ خصوصاً غلام امام شہیدؔ کا نعتیہ کلام اپنے تنوع کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ قدما کے دور میں نعت اور منقبت کے لئے زیادہ تر قصائد لکھے جاتے تھے۔ مومنؔ کے یہاں بھی یہی صورت ہے لیکن غلام امام شہیدؔ نے جہاں مختلف اصناف سخن میں نعت لکھی وہاں حضورؐ کی سیرت پاک سے متعلق گوناگوں مضامین نظم کئے۔ نعت گوئی کا یہ ایک نیا باب ہے۔ جو غلام امام شہیدؔ سے شروع ہوتا ہے۔

یوں تو دکن کے قدیم شعرائے نے بھی مضامین کے لحاظ سے نعت میں بڑی وسعت پیدا کی لیکن ان میں شاعری بہت کم ہے۔ صرف منظوم واقعات کا سیدھا سادا بیان ملتا ہے۔ شہیدؔ نے ان میں شعری دلآویزی پیدا کی اور واقعات کو موثر انداز میں پیش کیا۔ ان کے یہاں الفاظ کا حسن انتخاب اور تشبیہوں اور استعاروں کی شگفتگی نے واقعات کو نہایت دلچسپ بنا دیا۔ ان کا شاعرانہ بیان ایک ایک لفظ سے ٹپکتا ہے۔ اس دور میں لطف علیخاں لطفؔ نے بھی نعت گوئی میں اپنا خاص رنگ جمایا اور جو کچھ لکھا صرف حضورؐ کی مدح میں لکھا۔ ان کے کام میں جوش ان کی عقیدت اور حب رسولؐ پر شاہد ہے۔ متوسطین کے دور میں شہیدؔی نے کم لیکن لطفؔ نے نعتیہ غزلیں زیادہ کہی ہیں۔ اس طرح نعت میں غزل کا فروغ بھی اسی دور سے شروع ہوتا ہے۔ یہ رنگ زمانے کے ساتھ شعرا کے لئے نہایت محبوب اور مرغوب ہوتا گیا۔ اب نعتیہ قصیدوں کی طرف توجہ کم ہو گئی۔

متاخرین شعراء میں منشی امیر مینائی اور محسنؔ کاکوروی امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس دور میں تغزل کا رنگ پوری طرح جلوہ گر ہے۔ البتہ اس رنگ سے محسنؔ کاکوروی کو مستثنیٰ قرار دیا جائے گا کہ ان کے یہاں نعتیہ غزلیں

برائے نام ہیں۔ منشی امیر مینائی کے کلام میں غزلیات، قصائد، رباعیات، ترجیع بند وغیرہ سب شامل ہیں۔ انھوں نے متعدد نظمیں بھی لکھیں جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات وغیرہ نظم کیے۔ ان کا یہ کارنامہ ان کی آخری عمر میں فروغ پایا ورنہ ان کی شاعری کا عام رنگ جداگانہ ہے۔ اس دور میں محسن نے بھی اپنا سارا کمالِ شاعری حضورؐ کی ثنا کے لیے وقف کردیا اور لکھنؤ کی شاعری کے معائب کو محاسن کا رنگ بخشا۔ ان کے یہاں رعایت لفظی قدم قدم پر پائی جاتی ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ شاعرانہ محاسن کو قائم رکھتے ہوئے شاعر کا فکر اور التزام کا کیوں کر متحمل ہو سکتا ہے۔ حقیقت میں یہ محسن کے کلام کا اعجاز ہے۔ ان کے یہاں استعارات کی جدت، تشبیہات کی ندرت، الفاظ اور ترکیبوں کی لطافت، بیان کی دلآویزی، صفائی اور سادگی کے ساتھ مضامین اور بیان کا عالمانہ رنگ، کلام میں متانت اور تقدس کی پرکیف فضا قائم کر دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رعایت لفظی کے التزام میں اس درجہ مبالغہ کہیں کہیں کلام کو ادق بھی بنا دیتا ہے جس کو سمجھنے کے لیے گہری نظر درکار ہے۔ نعت گوئی کا یہ رنگ محسن پر ختم ہو جاتا ہے۔ نعتیہ ادب میں اس کی مثال نہ تو محسن سے پہلے والوں نے پیش کی، اور نہ بعد والوں سے یہ روش نبھ سکی۔ متاخرین کے دور سے جو نعتیہ کلام ملتا ہے اس میں عاشقانہ مضامین کی کثرت پائی جاتی ہے۔ ان میں شعرا نے جو موشگافیاں کی ہیں اکثر ناہمواریوں کے شکار بھی ہوئے ہیں۔ چنانچہ اب نعت گو شعرا کا ایک ایسا طبقہ مستقل طور پر فروغ پانے لگا جس نے حبِ رسولؐ کے والہانہ اظہار میں مناسب اور نامناسب دونوں مضامین کو جائز گردانا۔ وقتی جذب و شوق کا انداز جوش و خروش کے ساتھ اختیار کیا گیا۔ پھر زمانے

کے مزاج کے مطابق نئے نئے مضامین نئے نئے عقیدوں کو لے کر نعتیہ ادب میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ اب نعتیہ شاعری میں زیادہ تر داخلی جذبات کا اظہار اور جمال محمدی کے ان اوصاف کا بیان ہونے لگا جن کی تشریح صرف تصوف کی زبان کر سکتی ہے۔ ان لطیف مسائل کا تعلق شریعت سے کم ہے اور طریقت سے زیادہ۔ یہ ضرور ہے کہ اس طرح نعت گوئی کو شاعری کی حیثیت سے ایک حد تک فائدہ پہنچا اس لیے کہ اب لطافت بیان میں لطیف جذبات کو برافروختہ کرنے والے الفاظ اور فقرے جو شاعری کی جان ہیں نعت میں شامل ہونے لگے۔ شعرائے وہی نازک خیالیاں یہاں بھی پیدا کیں جو اردو شاعری کے رنگ تغزل میں راہ پا چکی تھیں۔ اس جذبات کی فراوانی اور دیگر شعری محاسن نے نعتیہ شاعری کا ادبی پایہ بہت بلند کر دیا۔ لیکن نعت کے مقصدی رنگ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ ایک عام ہوا یہ چل گئی کہ بغیر سوچے سمجھے شعراء نے حضورؐ کی شان کو بالاتر دکھانے میں فقط بے پایاں عقیدت مندی سے کام لیا اور اس غلط جذبۂ خلوص نے وہ حدیں بھی توڑ دیں جو خود آپؐ نے قائم کی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کا یہ جذبہ سجدے میں درود پڑھنے کی تلقین کرنے لگا۔ یہ جذبات سے مغلوب زندگی جس میں وجد کی کیفیت نعت گو شعراء پر عموماً طاری رہی، زمانے کے اس مزاج کی آئینہ دار ہے جہاں سیرت سے زیادہ صورت پرستی اور حقیقت پسندی سے زیادہ فریب خیالی کی کارکردگی پائی جاتی ہے۔ مزاج کی یہی کیفیت تغزل کے رنگ میں نمودار ہوئی اور افراط و تفریط کی ہر منزل سے گزر گئی۔ اللہ جل شانہٗ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت کے کتنے ہی مضامین اندھا دھند باندھے گئے۔ یہاں تک کہ پڑھنے والے کو عبد و معبود میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا۔ شمع محمدیؐ کے فدائی عقیدت مندانہ جرأت وحدانیت کو پارہ پارہ کر کے

بھی بارگاہ ایزدی سے انعام و اکرام پانے کی حق الیقینی سے سرشار ہے۔ حقیقت میں اس قسم کے مضامین نعت نبیؐ سے خارج ہیں جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف کا بیان نہیں ملتا۔

دوسری خصوصیت جو اس دور میں نعتیہ شاعری میں داخل ہوئی وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کے اظہار میں عاشقانہ الفاظ کی بے احتیاطی ہے جس میں شان رسالت کا پاس نہیں کیا گیا۔ یعنی چہرے، رخسار، لب، دہن، دندان، زلف و گیسو، گوش، بینی، چشم وغیرہ کے وصف میں وہی رنگ اختیار کیا گیا جو ایک شاہد مجازی کے لئے رائج ہے۔ اس لئے اکثر شعرائے بلا تکلف وصل، فراق، ہجر، سبزۂ خط، دلربا، پیارے، میرے بانکے، یار بن ٹھن کے چلنا، متوالی ادا وغیرہ جیسے نامناسب الفاظ اور ترکیبوں کو آپؐ کی شان میں استعمال کرنا جائز اور روا گردانا۔ اس کی مثالیں اکثر نعت گو شعرا کے کلام میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی حضورؐ کے اوصاف کے بیان کو الفاظ کے پھیر میں الجھا دیا اور اس طرح معنی سے زیادہ الفاظ پر زور دیا۔ رعایت لفظی، معشوقانہ تشبیہیں اور استعارے اور لفظی صناعی کی آب و تاب میں نعت نبیؐ کا حقیقی درخشاں پہلو بھی دب گیا۔

تیسری جدت جو نعتیہ شاعری میں دخیل ہوئی وہ موضوع روایتیں ہیں۔ لیکن یہ صورت اس دور کے لئے نئی نہیں ہے بلکہ اس روش کا احیاء ہے جو دکن کے قدیم اردو نعتیہ ادب میں پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ صحیح روایات کو بھی شاعرانہ مبالغے نے غلط رنگ دیا اور اس طرح نعت کی صحیح صورت کو بھی بگاڑ کر پیش کیا۔ اس کے بعد کا دور درحقیقت نعتیہ شاعری کا ایک جدید دور ہے جس میں نعت نے زندگی سے ہم آہنگ ہو کر نغمہ پیدا کیا۔ یہ ایک

شعوری دور ہے جس میں قومی احساس نے زندگی کو اس کے صحیح رنگ میں دیکھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو سمجھنے میں ہوشمندی کا ثبوت دیا۔ یہ انقلابی فکر و نظر اس دور کے رجحانات کا آئینہ ہے۔ اس کی ترجمانی ہم مولانا حالیؔ اور مولانا شبلیؔ کے نعتیہ کلام میں پاتے ہیں۔ اس جدید دور کو اصلاحی یا انقلابی دور سے تعبیر کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس دور کی حقیقت پسندی نے شاعری کی بنیاد جذبات نگاری پر نہیں رکھی بلکہ وقت کی ضرورت کو سمجھ کر اس لحاظ سے زندگی کا مرقع پیش کیا۔ چنانچہ مولانا حالیؔ نے قوم کی زبوں حالی پر نوحہ کر کے اسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی یاد دلائی اور عمل کے لئے اُبھارا۔ اس دور کی نعتیہ شاعری کو ہم قومی شاعری سے جُدا نہیں کر سکتے۔ درحقیقت نعتیہ مضامین کا نظم ہونا صرف اس مقصد سے تھا کہ امت محمدیؐ اپنے آقا کے اس نمونے کو عمل کے ذریعے اپنے رگ و پے میں بسائے اور اس طرح زندگی کی اصلاح کا سامان کرے۔ مولانا حالیؔ اور مولانا شبلیؔ کے نعتیہ اشعار نے نعتیہ شاعری میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اب نعت گو شعرا میں ایک ایسا طبقہ ابھرنے لگا جس نے نعت کو جذبات نگاری سے نکال کر حقیقت پسندی کا رنگ دیا۔ اب نعتیہ شاعری مجالس مولود ہی کی زینت نہیں رہی بلکہ قومی اور سیاسی اجتماعوں کی گرمی کا سبب بنی۔ نعتیہ شاعری کا یہ معاشرتی اور سیاسی پہلو اردو میں نعت گوئی کا نہایت درخشاں باب ہے جس نے آنے والوں کے لئے اس قسم کے مضامین کی راہیں کھول دیں۔ اس دور کی برکات ہم تا حال نعتیہ شاعری میں نمایاں پاتے ہیں۔

دورِ حاضر نعتیہ شاعری کے لئے انتہائی عروج کا زمانہ ہے جس نے

اقبالؔ، عزیزؔ لکھنوی، مولانا ظفر علی خاں، امجدؔ حیدر آبادی، حفیظؔ جالندھری ماہرؔ القادری وغیرہ جیسے نامور شعراء پیدا کیے۔ ان اصحاب نے حضورؐ کی سیرت کو مصلحانہ، حکیمانہ اور استادانہ رنگ میں پیش کیا، اور نعتیہ ادب کو شعری دلآویزیوں سے مالا مال کر دیا۔ یہ دَور در اصل دَورِ جدید ہی کی صورت کا حسین ترین پہلو ہے جس میں شعرا نے اپنی بصیرت اور مصلحانہ بے کلی سے چار چاند لگا دیے۔ اس دَور کی شاعری زیادہ تر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول "خلقہ القرآن" کی تفسیر بن گئی اور نعتیہ بیان قرآن اور حدیث کے مضامین پر مشتمل، زندگی کا ترجمان نظر آنے لگا۔ نعتیہ شاعری کا یہ دَور در اصل سیرت پرستی کا دَور ہے یہاں تک کہ سیاسی تحریکیں بھی اب مذہب کے نام پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اٹھیں۔ اب نعتیہ شاعری میلاد کی محفلوں سے زیادہ، سیاسی مجلسوں کی رونق بن گئی۔

اس دَور میں نعتیہ قصیدے صرف عزیزؔ لکھنوی کے دم سے قائم ہیں۔ ورنہ عام طور پر نعت میں مسلسل نظمیں، مثنویاں اور غزلیں زیادہ ملتی ہیں۔ غزل کا رنگ بھی حقیقت پسندانہ ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر والہانہ تصدق کے باوجود بارگاہ نبوت کی ادب شناسی کا ثبوت کم و بیش ہر ممتاز نعت گو شاعر کے یہاں ملتا ہے ماشاء اللہ۔ بحریں رواں اور شگفتہ ہوتی ہیں۔ زبان کی صفائی، سادگی اور خوش آہنگی میں بھی کلام نہیں۔ اس کے علاوہ تاثیر اور ترنم کی بھی کمی نہیں ہے۔

غرض یہ کہ دَورِ جدید اور دَورِ حاضر کی نعتیہ شاعری دیگر ادوار کے مقابلے میں زیادہ حقیقت پسندانہ، زیادہ پر شکوہ، زیادہ متین، موثر اور دلآویز ہے۔

فہرست ماخذات

(ا) قلمی

(۱) چکّی نامہ ۔ موجودہ کتب خانہ ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد دکن ۔
(۲) کسب محویت ۔ " " " " " " ۔
(۳) مولود نامہ ۔ عبدالملک بھروچی " " " " ۔
(۴) مثنوی چندا ولورک غواصی ۔ موجودہ کتب خانۂ آصفیہ " " ۔
(۵) معراج نامہ ، بلاقی ۔ موجودہ کتب خانہ ادبیات اُردو " " ۔
(۶) معراج نامہ مختار موجودہ کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد ۔
(۷) ہشت بہشت آگاہ ۔ " " " " ۔
(۸) وفات نامہ سرورِ کائنات ، دریا ۔ موجودہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اُردو حیدرآباد دکن ۔
(۹) وفات نامہ دریا ۔ موجودہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن ۔
(۱۰) وفات نامہ ، امامی ، موجودہ کتب خانہ ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد دکن
(۱۱) دیوان مکھن لال ۔ موجودہ کتب خانہ آصفیہ ۔
(۱۲) مفید الیقین ، فتاحی ۔ موجودہ کتب خانہ سرسالار جنگ ۔
(۱۳) اعجازِ احمدی ۔ نوازش علی شیدا موجودہ کتب خانہ آصفیہ ۔ حیدرآباد دکن ۔

(۱۴) قصص الانبیاء، (ہندی) قدرتی۔ موجودہ کتب خانہ آصفیہ۔ حیدرآباد دکن۔
مثنوی بہرام وگل اندام۔ طبیعی۔ " " " " ۔

(۲) مطبوعات

(الف) تذکرہ جات

(۱۵) نکات الشعراء۔ میر تقی میر مطبوعہ انجمن ترقی اُردو۔
(۱۶) تذکرہ گلشن گفتار۔ مرتبہ پروفیسر سید محمد صاحب۔
(۱۷) تذکرہ ہندی گویاں مصحفی۔ مطبوعہ انجمن ترقی اُردو۔
(۱۸) تذکرہ ریاض الفصحاء۔ مصحفی " " "
(۱۹) چمنستان شعراء۔ لچھمی نرائن شفیق " " "
(۲۰) تذکرہ گلشن ہند، مرزا علی لطف، مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور سنہ ۱۹۰۶ء
(۲۱) تذکرہ جلوۂ خضر۔
(۲۲) تذکرہ ریختہ گویاں گردیزی مطبوعہ انجمن ترقی اُردو۔
(۲۳) تذکرہ گلشن بیخار، مطبوعہ نول کشور پریس۔
(۲۴) تذکرہ گلزار اعظم۔ محمد غوث خاں اعظم۔ مطبع سرکاری سنہ ۱۲۷۲ھ
(۲۵) آب حیات۔ آزاد۔
(۲۶) گل رعنا۔ مولانا عبدالحئی۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ سنہ ۱۳۵۳ھ
(۲۷) تذکرہ یادگار ضیغم، عبداللہ خاں ضیغم۔ مطبوعہ مطبع گلزار دکن، حیدرآباد دکن۔
(۲۸) شعرالہند حصہ اول و دوم۔ عبدالسلام ندوی۔ مطبع معارف اعظم گڑھ

(۲۹) خم خانۂ جاوید۔ لالہ سری رام۔ مطبوعہ دہلی پرنٹنگ ورکس سنہ ۱۹۱۷ء

(۳۰) دبدبۂ امیری۔ عبدالحکیم حکمت۔

(۳۱) تاریخ ادب اُردو۔ رام بابو سکسینہ۔ مطبوعہ نول کشور۔ لکھنؤ۔

(۳۲) مقدمۂ شعر و شاعری۔ حالی۔

(۳۳) بہار گلشن کشمیر جلد اول و دوم۔ مرتبہ برجکشن کول بیخبر و پنڈت جگموہن ناتھ شوق سنہ ۱۹۳۱ء۔

(۳۴) داستان تاریخ اُردو۔ پروفیسر حامد حسن قادری۔

(۳۵) مختصر تاریخ ادب اُردو۔ ڈاکٹر اعجاز حسین

(۳۶) دکن میں اُردو۔ نصیر الدین صاحب ہاشمی۔ مطبوعہ سویرا آرٹ پریس لاہور۔ سنہ ۱۹۵۲ء۔

(۳۷) مرقع سخن جلد اول۔ مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۹۳۵ء

(۳۸) مرقع سخن جلد دوم۔ " " " سنہ ۱۹۳۷ء

(۳۹) مرقع سخن جلد سوم۔ " " "

(۴۰) مرقع سخن جلد چہارم " " " سنہ ۱۹۳۹ء

(۴۱) پنجاب میں اُردو۔ محمود شیرانی صاحب۔

(۴۲) اردو شہ پارے، ڈاکٹر محی الدین قادری زور

(۴۳) تذکرۂ اُردو مخطوطات، مرتبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، سنہ ۱۳۶۲ھ

(۴۴) لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی۔ سنہ ۱۹۴۴ء

(۴۵) دلّی کا دبستانِ شاعری۔ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی۔ مطبوعہ انجمن ترقی اُردو کراچی سنہ ۱۹۴۹ء۔

(۴۶) المدائح النبویہ۔ ذکی مبارک مصری۔
(۴۷) مصنفین اُردو۔ حالی پبلشنگ ہاؤس کتاب گھر دہلی۔ سنہ ۱۹۳۹ء
(۴۸) شعر العجم۔ مولانا شبلی۔
(۴۹) خواتین دکن کی اردو خدمات۔ نصیر الدین صاحب ہاشمی۔
(۵۰) تذکرہ شاعرات اُردو۔ محمد جمیل احمد، بریلی الکٹرک پریس بریلی
سنہ ۱۹۴۴ء۔
(۵۱) جدید اُردو شاعری، پروفیسر عبدالقادر سروری، مکتبۂ ابراہیمیہ
حیدرآباد دکن۔ سنہ ۱۹۴۳ء۔
(۵۲) اذانِ بتکدہ۔ مرتبہ محمد الدین فوق۔ مدیر اخبار کشمیر جدید سری نگر
کشمیر۔ سنہ ۱۹۳۴ء۔
(۵۳) 'نقوش' شخصیات نمبر۔ مرتب طفیل احمد، ادارہ فروغ اُردو
لاہور۔ سنہ ۱۹۵۵ء۔
(۵۴) کتاب العمدۃ جلد اول۔

(ب) نظم، کلیات، دواوین، مثنویات وغیرہ

(۵۵) کلیات سلطان قلی قطب شاہ۔ مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صاحب
(۵۶) مثنوی سیف الملوک و بدیع الجمال۔ غواصی، مرتبہ میر سعادت علیخاں
(۵۷) طوطی نامہ۔ غواصی۔ مرتبہ میر سعادت علی خاں صاحب۔
(۵۸) قصہ بینظیر۔ عشقی۔ مرتبہ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری۔
(۵۹) پھولبن۔ ابن نشاطی۔ مرتبہ "" ""
(۶۰) مثنوی گلشن عشق۔ نصرتی۔ مرتبہ عبدالحق صاحب شائع کردہ انجمن ترقی اُردو کراچی سنہ ۱۹۵۲ء

(۶۱) کلیات ولی۔ انجمن ترقی اردو۔
(۶۲) کلیات سراج، مرتبہ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری۔
(۶۳) کلیات سودا۔ مطبوعہ نول کشور پریس۔
(۶۴) ہشت بہشت آگاہ۔ مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی۔
(۶۵) کلیات مومن
(۶۶) دیوان لطف۔ مطبوعہ مطبع نظامی کانپور سنہ ۱۲۷۹ھ
(۶۷) دیوان شہیدی۔
(۶۸) مولود شہید (غلام امام شہید۔)
(۶۹) محامد خاتم النبیینؐ امیر مینائی۔ نول کشور پریس سنہ ۱۲۸۹ھ
(۷۰) مرآۃ الغیب " " "
(۷۱) صنم خانۂ عشق " " "
(۷۲) کلیات محسن کاکوروی۔ یوسفی پریس فرنگی محل لکھنؤ۔
(۷۳) کلیات شائق، حیدرآبادی۔
(۷۴) دیوان صحو۔ (اردو)
(۷۵) مسدس حالی۔ صدی ایڈیشن۔ حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی سنہ ۱۹۳۵ء
(۷۶) دیوان حالی۔
(۷۷) کلیات شبلی۔ معارف پریس اعظم گڑھ سنہ ۱۹۴۰ء
(۷۸) مجموعۂ نظم۔ طباطبائی۔
(۷۹) حدائق بخشش حصہ اول دوم وسوم مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔
(۸۰) چمنستان حمزہ۔ مطبع اعظم جاہی حیدرآباد۔ سنہ ۱۳۴۲ھ
(۸۱) ریاض معلّی۔ عماد پریس حیدرآباد سنہ ۱۳۴۰ھ

(۸۲) صحیفۂ ولا عزیز لکھنوی - صدیق بک ڈپو لکھنو۔
(۸۳) بانگ درا - اقبال۔
(۸۴) بال جبریل - اقبال
(۸۵) ضرب کلیم - اقبال
(۸۶) بہارستان - مولانا ظفر علی خاں - مطبوعہ عالمگیر الکٹرک پریس لاہور - سنہ ۱۹۳۷ء۔
(۸۷) چمنستان ظفر علی خاں - پبلشرز لیونائیٹڈ لاہور سنہ ۱۹۴۴ء
(۸۸) خرقۂ امجد - سید احمد حسین امجد۔
(۸۹) نذر امجد "
(۹۰) ریاض امجد حصہ اول و دوم "
(۹۱) رباعیات امجد " "
(۹۲) حج امجد "
(۹۳) ہدیۂ شاد - مہاراجہ کشن پرشاد شاد - مطبوعہ سنہ ۱۳۲۶ھ
(۹۴) سلطان سخن (الموسوم دیوان طوفان رحمت) سنہ ۱۳۵۱ھ
(۹۵) زفرات الاشواق - حسرت - سنہ ۱۳۵۳ھ
(۹۶) زمزمۂ محبت، حسرت سنہ ۱۳۵۳ھ
(۹۷) نسیم عرفان "
(۹۸) معراج سخن، فصاحت جنگ جلیل - مطبوعہ نظامی پریس لکھنو۔ سنہ ۱۳۴۶ھ
(۹۹) باغ کلام اکبر - اکبر میرٹھی - سنہ ۱۳۱۷ھ
(۱۰۰) نہال روضۂ اکبر " سنہ ۱۳۲۰ھ

(۱۰۱) ریاض اکبر۔ اکبر میرٹھی۔

(۱۰۲) گلزار اکبر "

(۱۰۳) گلستان اکبر "

(۱۰۴) فردوس تخیل۔ زاہدہ خاتون۔

(۱۰۵) معروضہ۔ محمد الیاس برنی صاحب۔

(۱۰۶) تحفۂ محمدی حصہ اول۔ دوم سوم و چہارم۔ الیاس برنی۔ طبع سوم۔ تاج کمپنی لاہور۔

(۱۰۷) شاہ نامۂ اسلام جلد اول۔ حفیظ جالندھری۔ سنہ ۱۹۲۵ء

(۱۰۸) شاہ نامۂ اسلام۔ جلد دوم۔ حفیظ " سنہ ۱۹۳۳ء

(۱۰۹) " " سوم۔ حفیظ " شائع کردہ سلطان بک ڈپو حیدرآباد۔

(۱۱۰) شاہ نامہ اسلام۔ جلد چہارم۔ حفیظ جالندھری۔ شائع کردہ سلطان بک ڈپو۔ حیدرآباد۔

(۱۱۱) کفر و ایمان۔ بہزاد لکھنوی۔ اردو اکیڈمی لاہور۔ سنہ ۱۹۴۴ء

(۱۱۲) چراغ طور۔ " " ۔ ساقی بک ڈپو۔ دہلی۔

(۱۱۳) انیسیات۔ انیسہ شروانیہ۔ انتظامی پریس۔ حیدرآباد۔

(۱۱۴) آہنگ حجاز۔ عرش ملسیانی۔ مطبوعہ محبوب المطابع دہلی۔

(۱۱۵) ذکر جمیل۔ ماہر القادری۔ مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن۔

(۱۱۶) نغمات ماہر۔ ماہر القادری۔ مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن۔ سنہ ۱۹۴۴ء۔

(۱۱۷) گلبانگ حرم۔ حمید صدیقی لکھنوی۔ مطبوعہ نامی پریس، لکھنؤ۔
سنہ ۱۳۶۵ھ۔
(۱۱۸) موج تخیل، نوشابہ خاتون۔ مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد
سنہ ۱۳۵۷ھ۔
(۱۱۹) خزینۂ نعت حصہ اول مولفہ محمد شریف۔ ناشر فضل الدین لاہور۔
(۱۲۰) دیوان حسان بن ثابت Edited by Dr. Hartwig,
Hirschfeld. Ph. D. 1910.
(۱۲۱) قصیدہ بانت سعاد کعب بن زہیر۔
(۱۲۲) دیوان امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، مطبوعہ مطبع
مجیدی کان پور۔ سنہ ۱۳۴۹ھ
(۱۲۳) قصیدہ بردہ۔ مطبوعہ تاج کمپنی۔ لاہور۔
(۱۲۴) شاہ نامہ فردوسی۔
(۱۲۵) حدیقۃ الحقائق۔ سنائی۔
(۱۲۶) منطق الطیر۔ فریدالدین عطار۔
(۱۲۷) مثنوی لیلی مجنوں۔ نظامی۔ مرتبہ وحید دستگردی۔ طہران۔
(۱۲۸) دیوان خاقانی۔
(۱۲۹) دیوان غزلیات رومی۔ معروف بدیوان شمس تبریز مطبوعہ
مطبع منشی نول کشور۔
(۱۳۰) مثنوی مولانا روم۔ مطبع نامی کان پور۔
(۱۳۱) گلستان۔ شیخ سعدی۔ مطبوعہ برقی پریس حیدرآباد دکن۔
(۱۳۲) قران السعدین۔ امیر خسرو۔ علی گڑھ ایڈیشن۔

(۱۳۳) نغمات سماع ۔ مولفہ نور الحسن ۔ مطبوعہ ۔ نظامی پریس بدایوں سنہ ۱۹۳۵ء
(۱۳۴) کلیات عرفی ۔ مطبوعہ مطبع منشی نول کشور سنہ ۱۸۸۲ء
(۱۳۵) اسرار خودی و رموز بیخودی اقبال ۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۴۰ء لاہور ۔
(۱۳۶) پیام مشرق ۔ اقبال ۔
(۱۳۷) ارمغان حجاز ۔ "
(۱۳۸) پس چہ باید کرد ۔ "

(ج) قرآن حدیث و فقہ

(۱۳۹) القرآن (ترجمہ اردو) شاہ عبدالقادر
(۱۴۰) ترجمان القرآن ۔ مولانا آزاد
(۱۴۱) جامع الترمذی ۔ مطبع اصح المطابع لکھنؤ ۔ سنہ ۱۳۱۷ھ
(۱۴۲) صحیح بخاری ۔ مطبوعہ عثمانیہ مصری ۔ سنہ ۱۹۳۲ء
(۱۴۳) صحیح مسلم ۔ مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ ۔ سنہ ۱۳۴۹ھ
(۱۴۴) شرح وقایہ ۔ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۲۷ھ

(د) سیرۃ و شمائل

(۱۴۵) سیرۃ ابن ہشام
(۱۴۶) رحمۃ للعالمین ۔ سلیمان منصور پوری ۔
(۱۴۷) سیرۃ النبیؐ ۔ مولانا شبلی و مولانا سلیمان ندوی ۔
(۱۴۸) جواہر البحار ۔

متفرقات

(۱۴۹) نوائے ادب۔ سہ ماہی رسالہ بمبئی۔

(۱۵۰) تمدن ہند بترجمہ ڈاکٹر سید علی بلگرامی۔ مطبوعہ شمسی آگرہ سنہ ۱۹۱۳ء

(۱۵۱) History of Philosophy: Eastern and Western Sponsord by Ministry of Education, Government of India. Published in 1952.

(۱۵۲) روح تنقید۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔

(۱۵۳) نغمۂ روحی عرف مناقب اجمیری، تجمل حسین تجمل۔ مطبوعہ نامی پریس بمبئی۔

(۱۵۴) ذوق نعت معروف بصلۂ آخرت۔ مولانا حسن رضا خاں حسن۔

(۱۵۵) اذان بت کدہ۔ مرتبہ محمد الدین فوق۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۳۴ء مکرر دیکھو صفحہ ۴۰۷ نمبر ۵۲۔